اِسلام دینِ امن و رحمت ہے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

اِسلام دینِ امن و رحمت ہے

اسلام دینِ امن و رحمت ہے

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہرالقادری

www.MinhajBooks.com

جملہ حقوق محفوظ ہیں۔

تصنیف: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

ترتیب و تخریج	:	محمد وسیم الشحمی، محمد یوسف منہاجین
معاونت	:	حسنین عباس، محمد خلیق عامر
زیرِ اہتمام	:	فریدِ ملّتؒ رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ - Research.com.pk
مطبع	:	منہاج القرآن پرنٹرز، لاہور
اِشاعت نمبر 1	:	جون 2017ء [1,100 - پاکستان]
قیمت	:	

نوٹ: شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی تصانیف اور ریکارڈڈ خطبات و لیکچرز کی CDs/DVDs وغیرہ سے حاصل ہونے والی جملہ آمدنی اُن کی طرف سے ہمیشہ کے لیے تحریکِ منہاجُ القرآن کے لیے وقف ہے۔
fmri@research.com.pk

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

مَوْلَايَ صَلِّ وَسَلِّمْ دَائِمًا أَبَدًا
عَلٰى حَبِيْبِكَ خَيْرِ الْخَلْقِ كُلِّهِمِ

مُحَمَّدٌ سَيِّدُ الْكَوْنَيْنِ وَالثَّقَلَيْنِ
وَالْفَرِيْقَيْنِ مِنْ عُرْبٍ وَّمِنْ عَجَمِ

اَللّٰهُمَّ صَلِّ عَلٰى سَيِّدِنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدٍ وَّعَلٰى آلِهٖ وَصَحْبِهٖ وَبَارِكْ وَسَلِّمْ

فہرس

پیش لفظ 31

باب نمبر 1

اِسلام، اِیمان اور اِحسان منابعِ رحمت ہیں 37

۱۔ 'اسلام' سلامتی سے ہے 44

۲۔ 'ایمان' امن سے ہے 45

۳۔ 'احسان' حُسن سے ہے 46

۴۔ ذکرِ الٰہی موجبِ رحمت و سلامتی ہے 47

۵۔ وحیِ اِلٰہی موجبِ رحمت و سلامتی ہے 48

۶۔ دینِ اسلام کی امتیازی علامت اور پیغامِ امن و سلامتی 49

باب نمبر 2

شانِ اُلوہیت و ربوبیت میں کارفرما رحمت 55

۱۔ شانِ اُلوہیت میں کارفرما رحمت 57

(۱) لفظِ ’اللہ‘ إِلٰہ سے مشتق ہے 58

(۲) لفظِ ’اللہ‘ اَلِہَ سے مشتق ہے 58

(۳) لفظِ ’اللہ‘، اَلَہَ سے مشتق ہے 59

(۴) لفظِ ’اللہ‘، اَلْوَلُہُ سے مشتق ہے 59

(۵) لفظِ ’اللہ‘، لَاہٌ سے مشتق ہے 59

(۶) لفظِ ’اللہ‘ لَاہَ، یَلُوْہُ سے مشتق ہے 60

(۷) لفظِ ’اللہ‘، اَلِہَ سے مشتق ہے 61

(۸) لفظِ ’اللہ‘، اَلَہَ سے مشتق ہے 61

۲۔ اسمِ ذات ’اللہ‘ کے تمام مفاہیم، رحمت پر دلالت کرتے ہیں 62

۳۔ اسمِ ذات ’اللہ‘ اور صفتِ ’رحمت‘ کا باہمی تعلق 62

۴۔ شانِ ربوبیت میں کارفرما رحمت 68

(۱) ربوبیت کا معنی و مفہوم 69

(۲) ربوبیت کی اصل بھی رحمت ہے 69

۵۔ نظامِ ربوبیت، معبودیتِ الٰہیہ کی دلیل ہے 71

باب نمبر 3

اَسماءِ صفاتی 'الرحمٰن الرحیم' کے مفاہیم اور معنوی اِمتیازات 79

۱۔ سورۃ الفاتحہ میں شانِ اُلوہیت و ربوبیت کے بیان سے رحمتِ اِلٰہی کا اِظہار ہوتا ہے 81

۲۔ سورۃ الفاتحہ میں اَسماء رحمت کی باقی اَسماءِ الٰہیہ پر تقدیم 83

۳۔ رحمت و فضلِ اِلٰہی کا حصول کیونکر ممکن ہے؟ 84

۴۔ رحمتِ خاصہ گناہ گاروں کے لیے ہے 86

۵۔ 'رحمٰن' کے معانی و مفاہیم 90

۶۔ اللہ تعالیٰ کو اپنا سب سے محبوب نام 'الرحمٰن' ہے 92

۷۔ 'الرحیم' کا معنی ومفہوم 96

۸۔ اسماءِ صفاتی 'الرحمٰن' اور 'الرحیم' کے معنوی امتیازات 97

(۱) رحمت کا صفتی وفعلی ظہور 98

(۲) رحمتِ عامہ و خاصہ کا ظہور 100

رحمتِ ایجاد و بقاء 103

(۳) دنیوی و اُخروی رحمتوں کی عطا 105

۹۔ اسمِ صفاتی ’الرحمان‘ کے اثرات 106

۱۰۔ اسمِ صفاتی ’الرحیم‘ کے اثرات 108

مطیع اور گناہ گار کی دُعا میں فرق 109

۱۱۔ اسماءِ صفاتی ’الرحمٰن‘ اور’الرحیم‘ کے مشترکہ بیان میں کارفرما حکمت 110

۱۲۔ صفتِ رحمت، صفتِ علم پر بھی مقدم ہے 111

باب نمبر 4

وُسعتِ رحمتِ اِلٰہی 115

۱۔ صفتِ رحمت کو اپنے اوپر واجب ٹھہرانا 117

۲۔ اللہ تعالیٰ کا ہمہ وقت حالتِ رحمت میں ہونے کا ذکر 119

۳۔ رحمتِ الٰہی کے سبب مؤاخذہ اور عذاب میں تاخیر 119

۴۔ خزائنِ الٰہیہ وسعتِ رحمت کی دلیل ہیں 121

۵۔ عطاءِ رحمتِ خاصہ، فضلِ عظیم کی علامت ہے 122

۶۔ رحمتِ الٰہیہ ہمہ وقت جاری ہے 123

۷۔ طلبِ رحمت کا سلیقہ اَز خود رحمتِ الٰہی ہے 124

۸۔ درجاتِ نفس میں ترقی رحمتِ الٰہیہ کی مرہونِ منت ہے 126

۹۔ طلبِ رحمت میں حسنِ بندگی ہے 127

www.MinhajBooks.com

۱۰۔ ’رحمتِ واسعہ‘ اور ’فضلِ عظیم‘ کی قرآنی اصطلاحات	130
(۱) تبلیغِ اسلام کا لائحہ عمل	132
(۲) اللہ تعالیٰ کی رحمت پر خوشیاں منانے کا حکم	133
۱۱۔ قرآن مجید خود رحمت اور بیانِ رحمت ہے	135
(۱) تقویٰ اور تعظیمِ مصطفیٰ ﷺ پر دوگنا رحمت کا وعدہ	136
(۲) اِطاعتِ الٰہی، اِتباعِ مصطفیٰ ﷺ اور اَعمالِ صالحہ کی ادائیگی پر خصوصی رحمت کی نوید	137
(۳) محسنین کا اجر: عطاءِ رحمتِ الٰہیہ	141
(۴) صاحبانِ استقامت: رحمتِ الٰہی کے حق دار ہیں	142
(۵) اعمال کی قبولیت: قربت و رحمتِ الٰہیہ کی صورت میں ہوتی ہے	143
(۶) طلبِ استغفار، رحمتِ خداوندی ہی سے ممکن ہے	144
(۷) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وفا کا صلہ: عطاءِ رحمتِ الٰہی	144
۱۲۔ صاحبانِ علم و معرفت ہمیشہ رحمتِ اِلٰہی کے طلب گار رہتے ہیں	145
۱۳۔ مومن اخوت و رحمت کا پیکر ہوتا ہے	146
۱۴۔ صابرین کے لیے رحمت اور نوازشات کا وعدہ	148
۱۵۔ ایمان کی حفاظت اور عذاب سے نجات رحمتِ اِلٰہی سے ہی ممکن ہے	149
۱۶۔ قرآن مجید میں مذکورہ جملہ دعاؤں کا ماحصل ’طلبِ رحمت‘ ہے	151

(۱) حضرت آدم علیہ السلام کی دعا 151

(۲) حضرت نوح علیہ السلام کی دعا 152

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا 153

(۴) مومنین کو دعائے رحمت کی تلقین 153

(۵) والدین کے لیے دعائے رحمت کی تلقین 154

(۶) مومنین کو تلقین کی گئی دعاء رحمت 155

(۷) حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعائے رحمت 155

۱۷۔ رحمتِ الٰہی سے مایوسی گم راہی ہے 156

۱۸۔ گناہ گاروں سے بھی خطابِ رحمت کیا گیا ہے 157

۱۹۔ انبیاء کی بعثت، رحمتِ الٰہی کا مظہرِ اتم ہے 160

۲۰۔ وسعتِ رحمتِ اِلٰہی کے مظاہر 162

(۱) لامحدود رحمت و مغفرت کا مژدہ 162

(۲) شرک اور دیگر گناہوں سے معافی کی نوید 163

(۳) نیکیاں، صغیرہ گناہوں کی بخشش کا سبب ہیں 163

(۴) برائیوں کا نیکیوں میں تبدیل کر دیا جانا 166

(۵) ارادۂ نیکی و بدی پر علیحدہ علیحدہ ضابطۂ جزا وسزا 167

(۶) قرآن مجید بذاتِ خود عظیم منبعِ رحمت ہے 170

(۷) موت تک قبولیتِ توبہ کا وعدہ بھی رحمت ہی کا اِظہار ہے 172

(۸) ایسے کریم رب سے فرار کیوں؟ 174

لمحۂ فکریہ 175

(۹) اللہ تعالیٰ بندوں کی توبہ کا منتظر رہتا ہے 176

(۱۰) اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر حاوی ہے 177

(۱۱) ہم تو مائل بہ کرم ہیں! 179

(۱۲) ذکرِ الٰہی کا اجر بصورتِ قربتِ الٰہی میسر آنا بھی رحمت ہے 181

(۱۳) دنیاوی تعلقاتِ شفقت بھی رحمتِ الٰہی کا ایک حصہ ہیں 182

(۱۴) قیامت، رحمتِ الٰہی کے ظہور کی انتہا کا دن ہوگا 184

باب نمبر 5

اِسلامی قوانین کا فلسفہِ یُسر (فلسفہِ آسانی) 187

ا۔ اسلامی احکام وقوانین کے اساسی اصول 190

(۱) عدمِ حرج 191

(۲) قلتِ تکلیف 194

(۳) تخفیف 196

(۴) اِستثنیٰ 197

(۵) تدریجِ احکام 199

(i) مکی دور اور تدریجِ اَحکام 199

(ii) مدنی دور اور تدریجِ اَحکام 200

۲۔ ثانوی اور ذیلی مصادرِ شریعت میں غلبۂ رحمت کا اِظہار ہے 203

(۱) اِستحسان/ اِستصلاح/ مصالح مرسلہ/ اِستصحاب 203

(۲) عرف و عادت 205

(۳) تغیر زمان سے تغیر اَحکام 205

۳۔ اسلامی قوانین کا فلسفۂ یُسر (سنتِ مصطفیٰ ﷺ کی روشنی میں) 206

(۱) حضور ﷺ انسانیت کو آسانیاں اور سہولتیں عطا کرنے والے نبی ہیں 209

(۲) حضور ﷺ ہمیشہ نرمی اور آسانی کو پسند فرماتے تھے 212

(۳) اسلام دینِ اعتدال ہے 217

(۴) بقدرِ اِستطاعت اَحکامات کی اِطاعت پر بیعت 223

(۵) خوش خبری دینے کا حکم اور متنفر کرنے کی ممانعت 226

(۶) شفقتِ مصطفیٰ ﷺ کی انتہا 229

(۷) دوسروں کو آسانیاں دینے والوں کے لیے خوش خبری 230

(۸) اعتدال، نرمی اور استقامت کی تلقین 231

(۹) دنیوی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں آسانی اور نرمی برتنے کا حکم 232

(۱۰) دین میں شدت پسندوں کو حضور نبی اکرم ﷺ کی سخت تنبیہ 234

www.MinhajBooks.com

(۱۱) شدت پسندوں کے لیے ہلاکت کی وعید 236
(۱۲) صومِ وصال کی ممانعت بھی رحمتِ مصطفیٰ ﷺ کا اظہار ہے 237
بشریتِ مصطفیٰ ﷺ کی حقیقت 239

باب نمبر 6

وُسعتِ رحمتِ مصطفیٰ ﷺ 245
۱۔ بعثتِ مصطفیٰ ﷺ رحمتِ اِلٰہیہ ہے 248
۲۔ ذاتِ مصطفیٰ ﷺ تحفۂ خداوندی ہے 250
۳۔ ذاتِ مصطفیٰ ﷺ اور مومنین کے مابین حدِّ قربت 251
(۱) ختمِ نبوت کے اثبات پر ایک ضمنی بحث 252
(۲) ذاتِ مصطفیٰ ﷺ شانِ الوہیت کی مظہر ہے 256
(۳) مثلیت کی نفی 258
۴۔ حضور ﷺ عالمِ انسانیت کے لیے پیکرِ رحمت ہیں 261
واضح رہے کہ اسلام تلوار کے ذریعے نہیں پھیلا! 264
۵۔ وجودِ مصطفیٰ ﷺ کے صدقے سے آنے والے عذاب ٹلتے ہیں 265
۶۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا بشیر و نذیر دونوں صفات میں رحمت کا مظہر ہونا 267

۷۔ شفاعتِ عامہ، شفاعتِ خاصہ اور شفاعتِ عظمیٰ سب رحمتِ محمدی کے مظاہر ہیں 269

۸۔ طلب گارِ رحمت ہو تو دوسروں پر رحم کرو 275

۹۔ فرضیتِ حج کے حوالے سے رحمت و شفقت کا ایک خوب صورت اِظہار 277

۱۰۔ دورانِ نماز مقتدیوں پر حضور ﷺ کی محبت و شفقت کا اِظہار 279

۱۱۔ اعتدال و توازن کی تعلیمات بھی رحمت کی عکاس ہیں 282

۱۲۔ حضور ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنا بھی امت کے لیے باعثِ رحمت ہے 284

(۱) انبیاء کرام علیہم السلام کی حیاتِ جسمانی کی وضاحت 290

(۲) حضور ﷺ کی بارگاہ میں ملائکہ کا درود و سلام پہنچانا کیا معنی رکھتا ہے؟ 291

(۳) اُمتیوں کے سلام پر حضور ﷺ کا جواب عطا فرمانا رحمت کا اِظہار ہے 292

۱۳۔ بعد از وصال بھی عطائے رحمتِ مصطفیٰ ﷺ جاری و ساری ہے 293

۱۴۔ شفاعت اور وسعتِ رحمتِ مصطفیٰ ﷺ 296

۱۵۔ حَرِیُصٌ عَلَیُکُمُ 300

۱۶۔ قیامت اور اس کے بعد رحمتِ مصطفیٰ ﷺ کے مناظر 302

www.MinhajBooks.com

۱۷۔ روزِ قیامت بالواسطہ رحمتِ مصطفیٰ ﷺ کا اظہار	303
۱۸۔ آپ ﷺ کا امت پر شہید (گواہ) ہونا، رحمت کا اِظہار ہے	305
(۱) وصالِ مصطفیٰ ﷺ امت کے لیے کیونکر باعثِ رحمت ہے؟	308
(۲) بعد از وصال بھی حضور ﷺ ہمارے اعمال و احوال پر گواہ ہیں	310
(۳) حوضِ کوثر پر امت کی پیاس بجھانا	310
(۴) اُمت کے لیے جغرافیائی وسعتوں کی نوید	311
(۵) امت کے مبتلائے شرک نہ ہونے کی نوید	313
کیا مبتلائے شرک نہ ہونے کی نویدِ نبوی دورِ صحابہ کے لیے محدود تھی	314
(۶) خطرے سے آگاہ کرنا بھی رحمتِ مصطفیٰ ﷺ ہے	315
۱۹۔ رحمتِ مصطفیٰ ﷺ ہر خاص و عام کو شامل ہے	316
(۱) اِنَّ صَلَاتِی لَهٗ رَحْمَةٌ	318
(۲) قبور کا دعائے مصطفیٰ ﷺ سے منور ہونا	319
۲۰۔ حضور ﷺ کی رحمتِ واسعہ کا دائرہ کار	320
۲۱۔ حصولِ رحمت کیونکر ممکن ہے؟	322
(۱) باہمی معاملات میں کارفرما رویّے	324
(۲) اللہ تعالیٰ کا بندے کے ساتھ معاملہ	325
(۳) اللہ تعالیٰ سے عدل نہیں بلکہ فضل مانگنے کا حکم ہے	326

(۴) اعمال پر بھروسہ نہیں ہونا چاہیے 329

(۵) ہمارا عمومی طرزِ عمل 331

(۶) بچوں کی تعلیم و تربیت اور عدل 333

(۷) اعزاء و اقارب کی مدد اور عدل 334

۲۲۔ حضور ﷺ کی حیات و وصال دونوں فضل و رحمت ہیں 336

۲۳۔ حضور ﷺ کا امت کو درپیش مشکلات پر پریشانی کا اِظہار رحمت کا عکاس ہے 338

۲۴۔ نفلی عبادات سے زیادہ مستحسن عمل تفرقہ و انتشار کا خاتمہ کرنا ہے 340

۲۵۔ مجموعی طرزِ عمل اور عمومی رویوں کی اصلاح 341

باب نمبر 7

جملہ طبقہ ہائے زندگی پر رحمتِ مصطفیٰ ﷺ کے مظاہر 345

فصل نمبر 1

حضور نبی اکرم ﷺ کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر رحمت و شفقت 347

۱۔ حضور ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ڈھال ہیں 349

۲۔ محنت و مشقت کی تلقین رحمت کی آئینہ دار ہے 351

جنت کی نعمتیں رغبت اِلی اللہ کا باعث ہیں 352

۳۔ وجودِ مصطفیٰ ﷺ عذابِ الٰہی سے حفاظت کا ذریعہ ہے 355

۴۔ حضور ﷺ اپنا بوجھ صحابہ کرام ﷺ پر نہیں ڈالتے تھے 358

۵۔ امت کے لیے سجدۂ تعظیمی کی ممانعت بھی رحمتِ مصطفیٰ ﷺ کا اِظہار ہے 359

فصل نمبر 2

حضور نبی اکرم ﷺ کی خواتین پر رحمت و شفقت 365

ا۔ اہلِ خانہ کے ساتھ حسنِ سلوک 367

۲۔ بیٹی کے ساتھ حسنِ سلوک 369

۳۔ عام عورتوں سے حسنِ سلوک 374

۴۔ بیویوں سے حسنِ سلوک 376

۵۔ 'ماں' کا مقام و مرتبہ 379

لمحۂ فکریہ 381

۶۔ غیر مسلم عورتوں کو قتل کرنے کی ممانعت 382

۷۔ خاندانی زندگی کا بنیادی اُصول بھی رحمت پر مبنی ہے 384

۸۔ خوش گوار گھریلو زندگی کی تلقین 388

تفریحی رجحان کی حوصلہ افزائی 389

۹۔ ازواجِ مطہرات پر حد درجہ نرمی و رحمت کا اظہار	390
۱۰۔ خواتین کے لیے تفریح کی اجازت	394
میلاد النبی ﷺ کی خوشیاں منانا: ایک ضمنی بحث	397
۱۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا اَزواجِ مطہرات کے ساتھ لطیف مزاح	402
۱۲۔ خوش گوار گھریلو ماحول کیونکر ممکن ہے؟	404
۱۳۔ خواتین پر تشدد کی ممانعت	406
۱۴۔ خواتین کی حق تلفی سے کلیتًا اجتناب کا حکم	407

فصل نمبر 3

حضور نبی اکرم ﷺ کی بچوں پر رحمت و شفقت	413
۱۔ رحمتِ اِلٰہی کا حصول، اولاد پر رحمت سے مشروط ہے	415
۲۔ حضور ﷺ بچوں پر سب سے زیادہ شفیق تھے	418
۳۔ دورانِ عبادت بچوں کی دل جوئی	419
۴۔ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما سے اظہارِ محبت	423
۵۔ مقامِ امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہما بزبانِ مصطفیٰ ﷺ	426
(۱) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے باہمی اختلافات پر امت کا رویہ	430
(۲) تاریخِ اَسلام کے مصلحِ اَعظم	433

۶۔ بچوں سے بے حد عفو و درگزر کا اظہار 434

۷۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کا اسلوب 435

۸۔ بچوں کی نفسیات کے مطابق ان سے سلوک 437

۹۔ بچوں کے سکون کے لیے عبادت کو مختصر کر دینا 439

۱۰۔ بچوں پر رحم نہ کرنے والے سے اظہارِ لاتعلقی 441

۱۱۔ بچیاں والدین کی بخشش کا باعث ہیں 442

۱۲۔ چھوٹے بچوں کی مجالسِ نبویہ میں باقاعدہ شرکت 445

۱۳۔ بچے فطرتِ اسلام پر ہوتے ہیں 448

۱۴۔ بچوں کے حقوق کی ادائیگی کا باقاعدہ اہتمام 450

۱۵۔ بچوں کی حوصلہ افزائی 453

۱۶۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کا اِہتمام، عذابِ اِلٰہی سے نجات کا ذریعہ ہے 455

۱۷۔ اچھی خاتون کی علامات 456

۱۸۔ بچوں کے لیے دعا 457

۱۹۔ غیر مسلم بچوں پر اظہارِ شفقت 460

۲۰۔ بچوں کو اثراتِ بد سے حفاظت کے لیے دَم 463

۲۱۔ بچوں پر ظلم و زیادتی کی مخالفت 464

فصل نمبر 4

حضور نبی اکرم ﷺ کی فقراء و مساکین پر رحمت و شفقت 469

۱۔ جذبۂ رحمت سے محروم بد بخت ہے 471

۲۔ حصولِ رحمت دوسروں پر رحمت کرنے سے مشروط ہے 472

۳۔ اَعمال کی قدر و قیمت کا انحصار نرمی پر ہے 475

۴۔ کم زور طبقات، رحمتِ الٰہیہ کا وسیلہ ہیں 477

۵۔ اہلِ جنت و دوزخ کی نشانیاں 479

۶۔ دخولِ جنت کے سب سے پہلے حق دار 483

۷۔ فقراء و مساکین کی خدمت کا اجر 485

۸۔ غریب اور مسکین کی مثل کوئی نہیں 486

۹۔ تعلیماتِ نبوی کا مرکزی نکتہ مساکین سے محبت ہے 488

۱۰۔ فقراء و مساکین کو نظر انداز کرنے کی ممانعت 491

فصل نمبر 5

حضور نبی اکرم ﷺ کی یتیموں اور خادموں پر رحمت و شفقت 495

۱۔ یتیم کی پرورش کرنے والی ماں کا اجر 499

۲۔ دل کی سختی دور کرنے کا نبوی نسخہ 500

۳۔ یتیموں سے حسنِ سلوک کی ترغیب 501

۴۔ غلاموں اور خادموں پر شفقت و رحمت 502

(۱) اسلام میں غلامی کی ہر سطح پر حوصلہ شکنی 503

(۲) غلامی کے خاتمہ کے لیے تدریجی عمل 505

۵۔ خادموں سے حسنِ سلوک کی تلقین 506

۶۔ خادمین پر تشدّد کی ممانعت 509

۷۔ حضور ﷺ کا مدینہ کے غلاموں اور باندیوں کے ساتھ محبت و رحمت پر مبنی رویہ 512

۸۔ غلام آزاد کرنے کا اجر 514

۹۔ غلام کا مقام و مرتبہ 515

۱۰۔ حسنِ سلوک کرنے والوں کی اولاد سے بھی حسنِ سلوک کا حکم 517

فصل نمبر 6

حضور نبی اکرم ﷺ کی سادہ اَن پڑھ لوگوں پر شفقت و رحمت 521

۱۔ محبت و شفقت پر مبنی اسلوبِ تربیت 524

۲۔ غیر تعلیم یافتہ اور سادہ لوگوں پر حضور ﷺ کی شفقت 525

۳۔ آدابِ نبوت سے بے خبروں پر بھی شفقت و عطا 526

۴۔ آدابِ دین سے ناواقف لوگوں پر رحمت 530

۵۔ عَزِیْزٌ عَلَیْهِ مَا عَنِتُّمْ 533

۶۔ حضور ﷺ کا حاجت روائی کے لیے نماز مؤخر فرمانا 534

فصل نمبر 7

حضور نبی اکرم ﷺ کی گنہگاروں اور نافرمانوں پر شفقت و رحمت 537

۱۔ گناہِ کبیرہ کے مرتکب کے لیے بھی دعاءِ رحمت کی تلقین 539

۲۔ گناہ گار مسلمانوں پر لعنت کرنے کی ممانعت 542

تعظیمِ مصطفیٰ ﷺ، تعظیمِ ذاتِ کبریا ہے 545

۳۔ این در گہِ لطف و عطا است 546

۴۔ گناہ گاروں کی پردہ پوشی کا حکم 549

۵۔ مشکلات پیدا کرنے والا سب سے بڑا مجرم ہے 552

۶۔ واجب الحد جرائم پر حتی الوسع درگزر کا حکم 553

(۱) مجرم کی ذہنی حالت کی تحقیق 555

(۲) اِجرائے حد پر حضور ﷺ کی دل گرفتگی 556

(۳) اسلامی سزاؤں میں کارفرما حکمت 557

(۴) اقرارِ جرم کرنے والے پر حضور ﷺ کی جرح 559

(۵) گناہ گاروں کے لیے دعائے مغفرت کی تعلیم 559

۷۔ گناہ گاروں کو برے الفاظ سے یاد کرنے کی ممانعت 560

۸۔ اَحکام کی اَقسام 562

(۱) اَحکامِ تکلیفیہ 562

(۲) اَحکامِ وضعیہ 562

فصل نمبر 8

حضور نبی اکرم ﷺ کی کفار و مشرکین پر رحمت و شفقت 565

۱۔ ستم لوگوں کے، آقا ﷺ کی عطائیں یاد آتی ہیں 568

۲۔ انتہائے ظلم پر بھی انتہائے رحمت کا اظہار 569
۳۔ یومِ فتح مکہ رحمت اور عام معافی کا دِن ہے 572
۴۔ اَہلِ مکہ کی معاشی تنگ دستی کے اِزالے کے لیے دعا 574
۵۔ اقدامِ قتل کے باوجود یہودی عورت کو معاف کر دیا 576
۶۔ منافقین سے درگزر 579
۷۔ غیر مسلم خواتین اور بچوں کے قتل کی ممانعت 582
۸۔ غیر مسلموں سے بھلائی کا حکم 587
۹۔ کفار و مشرکین کے ساتھ معاملات کے حوالے سے اَقسام 591
(ا) مستأمن (امن چاہنے والا) 591
(۲) معاہد 592
غیر مسلم اقوام سے معاہدہ کی دو اقسام 592
(i) طویل المیعاد معاہدہ (long term treaty of peace) 592
(ii) مطلق معاہدات (general treaties of peace) 593
(۳) اَہلِ مواطن (غیر مسلم شہری) 593

فصل نمبر 9

حضور نبی اکرم ﷺ کا غیر مسلم شہریوں کے ساتھ مشفقانہ سلوک 595

۱۔ مذہبی آزادی کا حق 597

۲۔ اُمتِ واحدہ کا تصور 598

۳۔ جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کا حق 601

۴۔ حضور ﷺ غیر مسلموں کے حقوق کے محافظِ اَعظم ہیں 605

۵۔ غیر مسلم وفود کی مہمان نوازی 606

ذہنی و قلبی وسعت کی ضرورت 608

۶۔ غیر مسلم شہری کا خون مسلمان کے خون کے برابر ہے 609

سیرتِ نبوی کی حقیقی پیروی کی ضرورت 611

۷۔ قانونی مساوات کا حق 612

۸۔ مال کے تحفظ کا حق 616

۹۔ عزتِ نفس کا حق 619

۱۰۔ اجتماعی کفالت کا اہتمام 620

۱۱۔ زبردستی جلاوطنی کی ممانعت 622

۱۲۔ معاشرتی آزادی کا حق 624

۱۳۔ مالی رعایت کا حق 624

اسلامی معیشت میں رائج ٹیکسز 628

۱۴۔ غیر مسلم شہریوں کو عقد توڑنے کی اجازت 631

(۱) جرائم کے باوجود عقدِ ذمہ برقرار رہتا ہے 632

(۲) عقدِ ذمہ ٹوٹنے کی کیا صورت ہے؟ 632

۱۵۔ غیر مسلموں کے ساتھ اسلام کی دائمی پالیسی 633

۱۶۔ غیر مسلموں کے جمیع حقوق پر ائمہ اسلام کی اصولی کتب 639

فصل نمبر 10

حضور نبی اکرم ﷺ کی جانوروں پر رحمت وشفقت 643

۱۔ جنت و دوزخ کے فیصلے میں جانوروں کے ساتھ سلوک بھی دیکھا جائے گا 647

۲۔ جانوروں سے حسنِ سلوک، خوفِ اِلٰہی کی علامت ہے 649

۳۔ جانوروں کو اذیت دینے کی ممانعت 650

۴۔ حشرات الارض کو ایذاء دینے کی ممانعت 656

۵۔ جانوروں کی ضروریات کا خیال رکھنے کا حکم 658

٦۔ پرندے بھی معرفتِ محمدی رکھتے تھے 659

٧۔ ہرن بھی بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں ملتجی ہوتے تھے 660

٨۔ بھیڑیے بھی اپنی درخواست بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں پیش کرتے تھے 662

٩۔ خلاصہ بحث 664

مصادر و مراجع 665

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا مرتّب کردہ ’فروغِ اَمن اور اِنسدادِ دہشت گردی کا اِسلامی نصاب‘ 683

www.MinhajBooks.com

پیش لفظ

تاریخِ انسانی کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے ہر نبی علیہ السلام اور ہر رسول علیہ السلام کو اس کے عہد کے تقاضوں کے مطابق مبعوث فرمایا ہے۔ یوں تو تمام انبیاء و رسل علیہم السلام کی تعلیمات ایک ہی تھیں، مگر ان میں بظاہر جو فرق دکھائی دیتا تھا، وہ دراصل اس زمانے کے تقاضوں کی تعمیل ہوتی تھی۔ حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر حضرت عیسیٰ علیہ السلام تک وقت اپنے تقاضوں کے ساتھ بدلتا رہا اور ہر نبی علیہ السلام اپنے اپنے زمانے میں اپنی شریعت کی شمع روشن کرتا رہا، پھر اگلا نبی اپنی قندیل سے انسانیت کو حق کے نور سے روشناس کراتا رہا۔ یوں تمام انبیاء کرام علیہم السلام کی نبوت کی شمع محض مخصوص قوم، طبقے، زمانے، علاقے یا زبان بولنے والوں کے لیے جگمگائی اور انہیں نورِ ہدایت سے منور کرتی رہی۔ پھر بارہ ربیع الاول عام الفیل کی سحر وادیِ بطحا سے ایک ایسا آفتابِ رسالت طلوع ہوا، جس نے پوری کائنات کو اپنی تابانی سے منور کر دیا۔

جب دینِ اسلام کا اُجالا چہار دانگ عالم میں چمکنے لگا اور پیغمبرِ انسانیت ﷺ منیٰ کے میدان میں سوا لاکھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے اپنے ذمے فریضہ کے بطریقِ احسن ادائیگی کی گواہی لے چکے تو اب **اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ** میں پنہاں پیغام بتا رہا تھا کہ رسالت مآب ﷺ کے وصال کا وقت قریب آ چکا ہے۔ یہ قانونِ فطرت ہے کہ گزرتے وقت کے ساتھ اس کے تقاضے بھی بدلتے رہتے ہیں۔ پہلے وقت کے تقاضوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے نیا نبی اور رسول اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آتا تھا، اب چونکہ رسالت کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا ہے، لہٰذا سوال پیدا ہوتا ہے کہ اب وہ کون سے اِنتظامات کیے گئے ہیں کہ دینِ اسلام کو زمانے کے تقاضوں سے ہم آہنگ کریں گے۔ اس نکتہ پر معلمِ انسانیت ﷺ نے وضاحت کے ساتھ تجدیدِ دین پر روشنی ڈالی۔ اُنہوں نے واضح کیا کہ دینِ اسلام کی بنیادوں پر پڑی سو سال کی گرد کو ہٹاتے ہوئے نئی صدی کے تقاضوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے ایک مجدد پیدا ہوگا، جو دینِ اسلام کو عصری تقاضوں سے

www.MinhajBooks.com

ہم آہنگ کرنے کے لیے تجدیدی تحریک بپا کرے گا، جو معروضی حالات کے مطابق اسلام کے حقیقی، اُجلے اور نکھرے چہرے کو دنیا کے سامنے لائے گی۔ اس حوالے سے **معلم اِنسانیت** ﷺ نے نہ صرف تجدید و احیاء دین کی اہمیت، فضیلت اور ناگزیریت کو اُجاگر کیا بلکہ ہر صدی کے مجدد اور اس کی تجدیدی تحریک کے کردار پر بھی واضح اور کھلی نشانیاں عطا فرمائیں۔

اگر ہم اس حوالے سے تاریخِ اسلام کا مطالعہ کریں تو ہر صدی کی مجددانہ تحریک اپنی اہمیت و ناگزیریت دکھلاتی نظر آتی ہیں۔ ہر تجدیدی تحریک اپنے عہد کے سب سے بڑے فتنے سے نبرد آزما ہو کر اس کا قلع قمع کرتی رہی ہے۔ تجدیدی تحریکوں کی روشن روایت کو اگر ہم پندرھویں صدی ہجری کے تناظر میں دیکھیں تو واضح قرائن بتاتے ہیں کہ اس صدی کے مجدد بلاشبہ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ العالی ہیں، جن کے تجدیدی کارناموں کی پوری دنیا معترف ہے۔ حقائق پر غور کریں تو پتا چلتا ہے کہ جیسے ہی اسلامی صدی کا آغاز ہوا ویسے ہی تجدیدی تحریک منہاج القرآن انٹرنیشنل کی شروعات ہوئی۔ پندرہویں صدی ہجری کے شروع ہی میں اسلام دشمن قوتوں نے ایک خاص ماحول تیار کرنے کے لیے اُمت میں تکفیریت، انتہا پسندی اور بنیاد پرستی کو فروغ دیا۔ اِس ضمن میں دنیا بھر کا ایندھن سرزمینِ پاک کو دہکانے کے لیے استعمال ہو رہا تھا۔ فرقہ واریت سے شروع ہونے والے فتنہ نے بڑھتے ہوئے نام نہاد جہاد کے لبادے میں فساد شروع کر دیا۔ اس آگ کی حدت دنیا بھر میں محسوس کی جانے لگی۔ ان عناصر کی پشت بانی وہ اسلام دشمن قوتیں کر رہی تھیں جو دنیا بھر میں پھیلتے ہوئے اسلام کے اثر و رسوخ سے خائف تھیں۔

اسلام دشمن عالمی قوتوں نے اپنی سازش کو عملی جامہ پہناتے ہوئے ایک مخصوص نقطہ نظر کو پروان چڑھایا، جو بظاہر تو اسلام کے نام لیوا تھے مگر درحقیقت وہ اپنے دور کے خوارج تھے۔ تشدد، عدم برداشت، انتہا پسندی، سفاکیت اور بربریت ان کی فطرتِ ثانیہ تھی۔ اُنہوں نے کثیر سرمائے کے ساتھ دنیا بھر میں اپنے پرچار کا آغاز کیا اور جلد ہی اثر و رسوخ اختیار کر لیا۔ حقائق بتا رہے تھے کہ پندرھویں صدی کا سب سے بڑا فتنہ دہشت گردی کو اسلام سے جوڑنا ہے۔ اس پرفتن دور میں ضرورت اس تجدیدی تحریک کی تھی، جو اپنے علمی، فکری اور تاریخی حقائق

کی روشنی میں عالم گیر کاوشوں سے دنیا کو اسلام کے حقیقی امن، آشتی اور انسان دوستی والے دین کے طور پر متعارف کرائے۔ اس حوالے سے مجددِ رواں صدی کی عالمی تحریک منہاج القرآن نے اسلام کے حقیقی تاثر کو دنیا بھر میں پیش کیا اور اپنی تجدیدانہ تحریک کی افادیت، اہمیت اور آفاقیت کا لوہا ہر ایک سے منوایا ہے۔ اس ضمن میں دنیا بھر میں امن کانفرنسز کا اہتمام کیا گیا، جس میں نہ صرف مسلمانوں بلکہ دنیا بھر کے تمام مذاہب کے علماء کو اکٹھا کر کے انسان دوستی کا ثبوت دیا۔ تحریک منہاج القرآن کی ان کاوشوں نے جہاں عالمی سطح پر ہم آہنگی، ہمدردی اور انسان دوستی کو فروغ دیا، وہیں ساری دنیا سے اسلام کو سلامتی والے دین کے طور پر بھی تسلیم کروایا۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب کوئی بھی لیڈر خوارج کے خوف سے ایک لفظ بھی زبان پر نہ لاتا تھا، مجددِ رواں صدی شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے جرأت و بہادری کا مظاہرہ کرتے ہوئے دنیا بھر میں تاریخی اہمیت کا حامل دہشت گردی کے خلاف چھ سو سے زائد صفحات پر مشتمل مبسوط فتویٰ تحریر فرمایا جو کہ عالمی امن کے حوالے سے ایک اہم سنگِ میل ہے۔ وقت کے مجدد کی کاوشوں کا یہ سلسلہ یہیں نہیں رکا بلکہ انہوں نے خوب سے خوب تر کی جستجو میں اردو، عربی اور انگریزی زبانوں میں چالیس کتب پر مشتمل 'فروغِ اَمن اور اِنسدادِ دہشت گردی کا اِسلامی نصاب' پیش کیا۔ اس امن نصاب کی اہمیت، افادیت اور تاریخی حیثیت کو ساری دنیا تسلیم کر رہی ہے اور اسے عملی جامہ پہنا رہی ہے۔

تحریکِ منہاج القرآن نے اپنی آفاقی کاوشوں کے ذریعے موجودہ صدی کے سب سے بڑے فتنے کو ہر محاذ پر شکست دے کر خود کو تجدیدی تحریک اور اپنے قائد کو مجدد اور سفیر امن کے طور پر تسلیم کرایا ہے۔

زیرِ نظر کتاب 'اِسلام دینِ اَمن و رحمت ہے' بھی اسی سلسلے کی ایک عظیم کڑی ہے۔ یہ عظیم کاوش نہ صرف اسلام کو امن و رحمت اور انسان پرور دین ثابت کرتی ہے، بلکہ قاری کو اسلام کی حقیقی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر سراپائے رحمت بننے کی ترغیب بھی دیتی ہے۔ اس کتاب کو سات مختلف ابواب میں تقسیم کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں پہلے باب کا موضوع 'منابع رحمت اور اسلام' ہے، جس میں اسلامی تعلیمات کو اسلام، ایمان اور احسان سے تعبیر کیا ہے۔ اس حوالے

سے اسلام کو سلامتی، ایمان کو امن سے اور احسان کو حسن سے ماخذ قرار دیا ہے۔ اس حوالے سے مالکِ کون و مکاں کی ذاتِ مبارکہ کو ہی سراپا رحمت اور سلامتی قرار دیا گیا ہے۔ دوسرے باب میں شانِ الوہیت و ربوبیت میں کارفرما رحمت کو موضوعِ تحریر بنایا گیا ہے۔ تیسرے باب کا موضوع اسمائے صفاتی الرحمٰن، الرحیم کے مفاہیم اور معنوی امتیازات ہے۔ اس باب کا حاصلِ یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی صفتِ رحمت صفت علم پر مقدم ہے۔ ’اِسلام دینِ اَمن و رحمت ہے‘ کے چوتھے باب میں رحمتِ الٰہی پر سیر حاصل گفتگو کی گئی ہے۔ پانچواں باب فلسفیانہ رنگ لیے ہوئے ہے، جس میں اسلامی قوانین کے فلسفۂ یُسر کا بیان کیا گیا ہے۔ اس ضمن میں اسلامی قوانین و احکام کے اساسی اصول تحریر کیے گئے ہیں۔ اس حوالے سے یہ باب منفرد نوعیت کا حامل ہے۔ چھٹے باب میں رحمتِ مصطفیٰ ﷺ کی وسعت کو موضوعِ تحریر بنایا گیا ہے۔ اس میں وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ سے یہ ثابت کیا ہے کہ اسلام تلوار کے زور سے نہیں بلکہ اخلاقِ محمدی کی تابانیوں اور اعلیٰ کردار کی رعنائیوں کی بنا پر پھیلا ہے۔ ساتویں باب میں اس موضوع کو مزید وسعت سے تحریر کیا گیا ہے۔ اس باب کا موضوع ’جملہ طبقہ ہائے زندگی پر رحمتِ مصطفیٰ ﷺ کے مظاہر‘ ہے۔ اس حوالے سے محسنِ انسانیت ﷺ کے ابرِ رحمت کو گناہ گاروں اور خطا کاروں، سادہ منش افراد، خواتین، بچوں، خادموں، فقرا، مساکین اور حتیٰ کہ اپنے جانی دشمنوں اور کفار و مشرکین پر شفقت، رحمت اور محبت کی برسات برساتے دکھایا گیا ہے۔ یہاں یہ نکتہ بھی واضح کیا ہے کہ رسولِ مکرم ﷺ کی شفقت و رحمت کا سلسلہ محض انسان تک محدود نہیں بلکہ چرند، پرند، درند اور حشرات الارض تک پھیلا ہوا ہے۔ اس باب میں قرآن و سنت کی بنیاد کی روشنی میں تحریر کیا ہے کہ آپ ﷺ کی رحمت محض جن و انس کے لیے نہیں بلکہ تمام جہانوں کے تمام زمانوں کی تمام مخلوقات کے لیے ہے۔

اس کتاب کی ترتیب میں محمد وسیم الشمی کا کلیدی کردار ہے جب کہ محمد یوسف منہاجین نے نظر ثانی کے نام پر ان سے بڑھ کر کام کیا ہے۔ محمد خلیق عامر اور محمد اطہر فریدی نے تخریج کا فریضہ سرانجام دیا ہے۔ حسنین عباس نے عمیق مطالعہ کرتے ہوئے اس کو حتمی شکل دی جبکہ آخری مرحلے میں حافظ فرحان ثنائی اور سبط جمال پٹیالوی نے اپنی ذمہ داریاں خوب نبھائی ہیں۔

اُمید واثق ہے کہ یہ کاوش عالمی سطح پر امن قائم کرنے اور اسلام کا حقیقی تاثر قائم کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوگی اور راہِ اعتدال سے منحرف مسلمانوں کو اپنی اِصلاح اور غیر مسلموں کو اسلام کی ترغیب کا سبب بنے گی۔ اللہ رب العزت سے دعا ہے کہ وہ اس مساعی کو قبول فرمائے اور اس کے اغراض و مقاصد کو پایۂ تکمیل تک پہنچائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

مرکزِ علم و تحقیق
فریدِ ملّت رحمۃ اللہ علیہ رِیسرچ اِنسٹی ٹیوٹ (FMRi)
یکم رمضان 1438ھ

باب نمبر 1

اِسلام، اِیمان اور اِحسان منابعِ رحمت ہیں

www.MinhajBooks.com

اسلام ایک آفاقی اور سلامتی والا دین ہے اور اس کی تعلیمات کا محور و مرکز امن، محبت، رحمت اور انسان دوستی ہے۔ اسلام کا بطورِ دین امن، رحمت اور محبت پر مبنی ہونا وہ تصور ہے جس پر اسلامی تعلیمات کی مکمل عمارت استوار ہے۔ اسلام دیگر مذاہب کی طرح محض اپنے پیروکاروں سے خطاب اور ان کی فلاح و بہبود نہیں کرتا بلکہ اس کا موضوع اور مقصد ہی تمام انسانیت اور ان کی فلاح و بہبود اور دونوں جہانوں میں حقیقی کامیابی و کامرانی ہے۔

جیسا کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے کہ اسلام امن، محبت اور انسان دوست دین ہے، اب اس نکتہ پر غور کرنے کی ضرورت ہے کہ امن، رحمت اور محبت کا اسلام سے تعلق کس قدر ہے۔ ہم اس نکتے پر غور وخوض کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اَمن، رحمت اور محبت کے تین منابع ہیں:

۱۔ پہلا منبعِ رحمت: ذاتِ الٰہی

۲۔ دوسرا منبعِ رحمت: ذاتِ مصطفیٰ ﷺ

۳۔ تیسرا منبعِ رحمت: تعلیماتِ اسلام

اللہ تبارک و تعالیٰ کی بے شمار، لامحدود اور ادراک سے ماوراء صفات ہیں، مگر لطف کی بات یہ ہے کہ اس نے قرآن مجید میں اپنے اوصاف میں سے رحمت کے وصف کو اپنی الوہیت اور ربوبیت کے تعارف کے لئے خصوصی طور پر منتخب کیا۔ اس کا ثبوت قرآنِ مجید میں مذکور تمام صفات میں سے رحمت کے وصف کا سب پر غالب دکھائی دیتا ہے۔ اِسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس اور آپ ﷺ کے فرامین میں بھی رحمت اور محبت ہی غالب و برتر نظر آتی ہے۔

تیسرے منبعِ رحمت ''تعلیماتِ اسلام'' کا بھی اگر عمیق جائزہ لیں تو ہمیں پتا چلتا ہے کہ دینِ اسلام کی تعلیمات میں رحمت، محبت، شفقت، نرمی اور عفو و درگزر کو بنیادی اور اساسی

اہمیت حاصل ہے۔ دین اسلام کی جملہ تعلیمات بالواسطہ یا بلاواسطہ رحمت کے تصور پر قائم ہیں اور ان میں موجود شفقت، الفت، بخشش، لطف و کرم اور درگزر کے عنوانات تصورِ رحمت ہی کی مختلف اشکال ہیں۔ شریعتِ محمدی کی شکل میں عطا کردہ اوامر و نواہی، احکام، قوانین اور جملہ تعلیماتِ اسلام رحمت و شفقت پر مبنی ہیں اور انسان کی فطری کمزوریوں کے پیشِ نظر اُسے نہ صرف آسانی اور سہولت دیتی نظر آتی ہیں بلکہ اس کی زندگی سے غیر ضروری بوجھ کو دور بھی کرتی ہیں۔ حتیٰ کہ سخت سزاؤں پر بھی غور کیا جائے تو وہ بھی انسانی معاشرے کے بگاڑ کو ختم کر کے اس کے سدھار کا سبب اور پرامن سوسائٹی کی نوید سناتی نظر آتی ہیں۔ گویا اسلام کے دین امن ہونے کی سب سے بڑی دلیل ہی یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی نبوت اور رسالت اور آپ کی عطا کردہ تعلیمات سراسر رحمت، امن اور انسان دوستی کے تصور پر قائم ہیں۔

اِسلام، ایمان اور احسان دینِ اسلام کی بنیادی اصطلاحات اور تصورات ہیں۔ اِن تینوں سے بھی امن، محبت، سلامتی اور شفقت و آسانی ہی کی روشنی پھیلتی نظر آتی ہے۔ اسلام، ایمان اور احسان کی وضاحت 'حدیثِ جبریل (حدیثِ اِحسان)' کے ذریعے بخوبی ہوتی ہے۔

حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

بَيْنَمَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ ذَاتَ يَوْمٍ إِذْ طَلَعَ عَلَيْنَا رَجُلٌ شَدِيْدُ بَيَاضِ الثِّيَابِ، شَدِيْدُ سَوَادِ الشَّعْرِ، لَا يُرٰى عَلَيْهِ أَثَرُ السَّفَرِ، وَلَا يَعْرِفُهُ مِنَّا أَحَدٌ، حَتّٰى جَلَسَ إِلَى النَّبِيِّ ﷺ، فَأَسْنَدَ رُكْبَتَيْهِ إِلٰى رُكْبَتَيْهِ، وَوَضَعَ كَفَّيْهِ عَلٰى فَخِذَيْهِ، وَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، أَخْبِرْنِي عَنِ الْإِسْلَامِ؟ فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: اَلْإِسْلَامُ أَنْ تَشْهَدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ، وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُوْلُ اللهِ وَتُقِيْمَ الصَّلَاةَ، وَتُؤْتِيَ الزَّكَاةَ، وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ، وَتَحُجَّ الْبَيْتَ إِنِ اسْتَطَعْتَ إِلَيْهِ سَبِيْلًا. قَالَ: صَدَقْتَ.

قَالَ: فَعَجِبْنَا لَهُ يَسْأَلُهُ وَيُصَدِّقُهُ، قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ الْإِيْمَانِ؟ قَالَ: أَنْ

تُؤْمِنَ بِاللهِ، وَمَلَائِکَتِهٖ، وَکُتُبِهٖ، وَرُسُلِهٖ، وَالْيَوْمِ الْآخِرِ، وَتُؤْمِنَ بِالْقَدَرِ خَيْرِهٖ وَشَرِّهٖ. قَالَ: صَدَقْتَ. قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ الإِحْسَانِ؟ قَالَ: أَنْ تَعْبُدَ اللهَ کَأَنَّکَ تَرَاهُ، فَإِنْ لَمْ تَکُنْ تَرَاهُ فَإِنَّهٗ يَرَاکَ.

قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنِ السَّاعَةِ؟ قَالَ: مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ. قَالَ: فَأَخْبِرْنِي عَنْ أَمَارَتِهَا؟ قَالَ: أَنْ تَلِدَ الْأَمَةُ رَبَّتَهَا، وَأَنْ تَرَی الْحُفَاةَ الْعُرَاةَ الْعَالَةَ رِعَاءَ الشَّاءِ يَتَطَاوَلُوْنَ فِي الْبُنْيَانِ. قَالَ: ثُمَّ انْطَلَقَ، فَلَبِثْتُ مَلِيًّا، ثُمَّ قَالَ لِي: يَا عُمَرُ، أَتَدْرِي مَنِ السَّائِلُ؟ قُلْتُ: اَللهُ وَرَسُوْلُهٗ أَعْلَمُ. قَالَ: فَإِنَّهٗ جِبْرِيْلُ أَتَاکُمْ يُعَلِّمُکُمْ دِيْنَکُمْ.(1)

ایک روز ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے۔ اچانک ایک شخص ہمارے پاس آیا، جس کے کپڑے نہایت سفید اور بال گہرے سیاہ تھے، اس پر سفر کے کچھ

---

(1) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الإیمان، باب سؤال جبریل النبي ﷺ عن الإیمان والإسلام والإحسان وعلم الساعۃ، ۱:۲۷، رقم:۵۰
۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب التفسیر/لقمان، باب إنّ اللہ عندہ علم الساعۃ، ۴:۱۷۹۳، رقم:۴۴۹۹
۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب بیان الإیمان والإسلام والإحسان، ۱:۳۶، رقم:۸-۹
۴۔ احمد بن حنبل، المسند، ۱:۵۱، رقم:۳۶۷
۵۔ ترمذی، السنن، کتاب الإیمان، باب ما جاء في وصف جبریل للنبي ﷺ الإیمان والإسلام، ۵:۶، رقم:۲۶۰۱
۶۔ ابو داود، السنن، کتاب السنۃ، باب في القدر، ۴:۲۲۲، رقم:۴۶۹۵
۷۔ نسائي، السنن، کتاب الإیمان وشرائعہ، باب نعت الإسلام، ۸:۹۷، رقم:۴۹۹۰
۸۔ ابن ماجہ، السنن، المقدمۃ، باب في الإیمان، ۱:۲۴، رقم:۶۳

اثرات بھی دکھائی نہ دیتے تھے اور ہم میں سے کوئی اسے پہچانتا بھی نہیں تھا۔ بالآخر وہ شخص حضور نبی اکرم ﷺ کے سامنے آپ ﷺ کے زانوؤں سے اپنے زانو ملا کر بیٹھ گیا۔ اس نے دونوں ہاتھ (ادباً) اپنی رانوں پر رکھ لیے اور عرض کیا: یا محمدؐ! آپ مجھے (حقیقتِ) اسلام کے بارے میں بیان فرمائیں؟ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: اسلام یہ ہے کہ تو اس بات کی گواہی دے کہ اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی معبود نہیں، اور محمد (ﷺ) اس کے رسول ہیں، اور تو نماز قائم کرے، زکوٰۃ ادا کرے، رمضان المبارک کے روزے رکھے اور اگر استطاعت ہو تو بیت اللہ کا حج کرے۔ اس (اجنبی) نے عرض کیا: آپ نے سچ فرمایا۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہمیں اس پر تعجب ہوا کہ وہ خود ہی آپ ﷺ سے سوال کرتا ہے اور خود ہی آپ کی تصدیق بھی کرتا ہے۔ اس کے بعد اس نے عرض کیا: مجھے (حقیقتِ) ایمان کے بارے میں بیان فرمائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ایمان یہ ہے کہ تو اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر ایمان لائے اور اچھی بری تقدیر پر ایمان رکھے۔ وہ (سائل) عرض گزار ہوا: آپ نے سچ فرمایا۔ پھر اس نے عرض کیا: آپ مجھے احسان کے بارے میں بیان فرمائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: احسان یہ ہے کہ تو اللہ ﷻ کی عبادت اس طرح کرے گویا تو اسے دیکھ رہا ہے اور اگر تو اسے نہ دیکھ سکے (یعنی یہ کیفیت قائم نہ ہو سکے تو یہ جان لے) کہ یقیناً وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔

اس نے عرض کیا: آپ مجھے (وقوعِ) قیامت کے (وقت کے) بارے میں باخبر فرمائیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: جس سے سوال کیا گیا ہے وہ (اِس اَمر میں) سائل سے زیادہ نہیں جانتا (یعنی جو کچھ مجھے معلوم ہے وہ تمہیں بھی معلوم ہے اور اسے ظاہر کرنا منشا ایزدی کے خلاف ہے)۔ اس شخص نے عرض کیا: آپ مجھے قیامت کی علامات ہی بیان فرما دیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: علاماتِ قیامت یہ ہیں کہ باندی (عورت) اپنی مالکہ کو جنم دے گی (یعنی بیٹی اپنی ماں کے ساتھ نوکرانیوں والا سلوک

کرے گی) اور تم برہنہ پاؤں اور ننگے بدن والے مفلس چرواہوں کو بلند و بالا عمارتوں پر فخر کرتے ہوئے دیکھو گے۔ حضرت عمر ﷺ فرماتے ہیں کہ اس (سوال و جواب) کے بعد وہ شخص چلا گیا۔ میں کچھ دیر ٹھہرا رہا، پھر حضور نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا: اے عمر! کیا تم جانتے ہو کہ یہ سوال کرنے والا کون تھا؟ میں نے عرض کیا: اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ جبرائیل تھے جو تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔

مذکور حدیثِ اِحسان میں سیدنا جبریل ؑ کے تین سوالات کے جواب میں حضور نبی اکرم ﷺ نے دین اسلام کو تین بنیادی تناظرات (perspectives) میں بیان فرمایا ہے:

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ''اسلام'' کو ظاہری اعمال (practices)، شرعی و قانونی افعال (acts, deeds)، معاشرتی طرزِ عمل کے آداب (behaviour)، اَخلاقی اَطوار (moral conduct) اور ظاہری عبادات کے تناظر میں بیان فرمایا ہے۔ گویا دین کی ظاہری تعلیمات سے 'اسلام' تشکیل پاتا ہے اور یہی ارکانِ اسلام ہیں۔

۲۔ ایمان انسان کے تفکرات (thoughts)، معتقدات (doctrines) اور نظریات (views) کا اِظہار ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس سوال کے جواب میں اَرکانِ ایمان بیان فرمائے۔ جب اسلام کی تعلیمات پر عمل، عبادات کا دوام اور اَعمال کا نور قلب و باطن میں تصدیق بن کر موجزن ہوتا ہے تو مسلمان ایمان کے درجے پر پہنچ کر مومن کہلاتا ہے۔

۳۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے 'احسان' کو قلبی و روحانی کیفیات، احوال، لذات اور اثرات کے طور پر بیان فرمایا کہ جب تو اللہ رب العزت کی عبادت کرے تو تیری حالت یہ ہو کہ گویا تو اللہ رب العزت اور اس کے نورِ مطلق کا مشاہدہ کر رہا ہے لیکن اگر تیرے قلب و باطن کی کیفیت اس مشاہدہ کا تصور قائم نہ کر سکے تو کم از کم تیری حالت اور کیفیت مراقبہ کی ہو اور اس دوران تیرے باطن میں یہ دھیان جم جائے کہ اللہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ ظاہری اقرار و اعمال اور باطنی تصدیق کے بعد جب قلبِ انسانی میں تصدِیق باطن اور اعمالِ ظاہر کا نور اثرات و نتائج اور

www.MinhajBooks.com

احوال و کیفیات پیدا کرتا ہے تو قرآن مجید ایسے لوگوں کو مُحْسِنِیْن اور مُحْسِنُون (صاحبانِ احسان) کے لقب سے یاد کرتا ہے۔

قرآن مجید میں دینِ اسلام کے بیان کے لئے ان تینوں اصطلاحات کے علاوہ کوئی اور اصطلاح بیان نہیں ہوئی۔ اللہ رب العزت نے سارا دین ان تینوں اصطلاحات اور تصورات کے ستونوں پر استوار کر دیا ہے۔ آیئے! ان اصطلاحات کا الگ الگ حیثیت میں جائزہ لیتے ہیں، جس سے یہ امر بخوبی معلوم ہو جائے گا کہ ان تینوں میں امن، شفقت اور محبت کی فراوانی موجود ہے۔

ا۔ 'اسلام' سلامتی سے ہے

دینِ اسلام کی پہلی اصطلاح 'اسلام' کا مادۂ اصلی (root word) سَلِمَۃٌ ہے۔ قرآن مجید میں لفظ سِلْم بھی آیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

اُدْخُلُوْا فِی السِّلْمِ کَآفَّۃ.(۱)

تم اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔

قرآن مجید میں اسلام پر عمل پیرا ہونے والوں کے لئے لفظ مُسْلِمُون یا مُسْلِمِین استعمال ہوا ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَاَنَا اَوَّلُ الْمُسْلِمِیْنَo(۲)

اور میں (جمیع مخلوقات میں) سب سے پہلا مسلمان ہوںo

'اسلام' اسی لفظ سِلْمٌ یعنی سلامتی سے ہے۔ دینِ اسلام کے مبنی بر سلامتی ہونے کا پہلا اظہار ہی لفظِ اسلام کے مادۂ اصلی سِلْمٌ (سلامتی) سے عیاں ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ کے ہاں

(۱) البقرة، ۲:۲۰۸

(۲) الأنعام، ۶: ۱۶۳

دین کی بنیاد ہی سلامتی ہے۔ پھر سَلِمَۃٌ سے ہی لفظ سَلَام مشتق ہے جو سلامتی (peace) اور حفاظت و مامونیت (security) کے معنیٰ پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ رب العزت نے دینِ اسلام کی تکمیل کو اپنی نعمت سے تعبیر فرمایا ہے۔ یاد رہے کہ نعمت، رحمت ہی کی وجہ سے میسر آتی ہے۔ بالفاظِ دیگر نعمت، رحمت ہے اور رحمت ہی اللہ رب العزت کی نعمت ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تکمیلِ دین کے ساتھ اپنی نعمت اور رحمت کے تصور کو جوڑتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا.(۱)

آج میں نے تمہارے لئے تمہارا دین مکمل کر دیا اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے اسلام کو (بطور) دین (یعنی مکمل نظامِ حیات کی حیثیت سے) پسند کر لیا۔

اللہ رب العزت نے اس آیت کریمہ میں 'دین اسلام' کو اپنی رحمت کی وجہ سے نعمت قرار دینے کے ساتھ ساتھ اسے پسند کرنے کو اپنی رضا کے ساتھ بھی تعبیر فرمایا ہے کہ میں اس بات پر راضی ہو گیا۔ درحقیقت اللہ تعالیٰ کے راضی ہونے میں بھی اس کی رحمت اور شفقت کا ہی اظہار ہے کہ اسلام کو ہمارے لئے بطور دین پسند فرمایا اور ہمیں حکم دیا کہ اسے اپنی زندگی میں اپناؤ گے تو میری رضا و خوشنودی کے مستحق قرار پاؤ گے۔ گویا اسلام میں سلامتی ہے اور اسلام خود سراپائے سلامتی ہے۔ نیز اسلام کو پسند کرنے میں اللہ کی رحمت اور رضا کا اظہار بھی موجود ہے۔

۲۔ 'ایمان' امن سے ہے

دینِ اسلام کی دوسری اصطلاح 'ایمان' أَمْنٌ سے ماخوذ ہے۔ یعنی ایمان میں بھی بنیاد تصور امن و سلامتی ہی ہے۔ امن (peace)، مامونیت (security)، حفاظت (protection)، تابع داری (obedience) اور خود سپردگی (submission) کے تمام

(۱) المائدۃ، ۵: ۳

مفاہیم ایمان میں شامل ہیں۔ ایمان لانے کی شکل میں مومن ایک طرف بذاتِ خود امن و سلامتی حاصل کرتا ہے اور دوسری طرف باقی مخلوقِ خدا کے لئے بھی امن و سلامتی کا ذریعہ بنتا ہے۔ گویا جو مومن ہے اس کے لئے لازم ہے کہ خود کو بھی محفوظ و مامون کر لے اور ہر دوسرے شخص کے لئے اس طرح امن و سلامتی کا منبع، ذریعہ اور وسیلہ بن جائے کہ اس شخص کے وجود، معمولات اور معاملات سے مخلوقِ خدا کو امن و سلامتی اور حفظ و امان نصیب ہو۔ لٰہذا یہ کہنا سو فی صد درست ہوگا کہ مومن درحقیقت امن کا پیامبر ہوتا ہے۔

یہ بات طے ہے کہ امن اور سلامتی کا داعیہ رحمت اور محبت کے بغیر ممکن نہیں ہوسکتا۔ اگر ہماری طبیعت میں رحمت، گداز، رقّت، نرمی، لطف و کرم اور احسان و عنایت کا جذبہ موجود نہیں تو ہم کسی کے لئے امن و سلامتی کا باعث نہیں ہو سکتے کیونکہ 'محبت و رحمت' اور 'امن و سلامتی' آپس میں ایک دوسرے کے ساتھ باہم جڑے ہوئے ہیں۔ یہ بات طے ہے کہ جہاں جہاں محبت اور رحمت ہوگی وہاں وہاں امن و سلامتی کا دور دورہ ہوگا۔ اسی طرح جب ہم کسی کے لئے امن کا باعث بنتے ہیں اور اسے امن مہیا کرنے کے ارادے سے ہمارا دل اس کی طرف جھکتا ہے تو یہ عمل محبت کے بغیر جنم نہیں لے سکتا۔ گویا رحمت و محبت کا لازمی حاصل امن ہی ہے۔

۳۔ 'احسان' حُسن سے ہے

دین اسلام کی تیسری اصطلاح 'احسان' میں اسلام کی اعلیٰ درجے کی تعلیمات، احوال اور کیفیات کو سمویا گیا ہے۔ 'احسان' کا ماخذ 'حسن' ہے جس کا معنی خوب صورتی ہے۔ خوب صورتی اور حُسن کا تقاضا تخریب و فساد نہیں بلکہ امن اور محبت ہے۔ اس لئے کہ حُسن میں امن، سکون، اطمینان، سلامتی، محبت، شفقت، احسان اور انعام کے معانی و مفاہیم موجود ہیں۔

یاد رہے کہ حُسن وہ ہے جسے دیکھ کر طبیعت اس کی طرف مائل ہو، پریشانی و غم دور ہو جائے، ہیجان و اضطراب ختم ہو جائے اور طبیعت کو سکون و اطمینان نصیب ہو جائے۔ یاد رہے کہ حُسن اطمینان دیتا ہے جبکہ بدصورتی طبیعت میں ہیجان، اضطراب اور کراہت پیدا کرتی ہے۔ حُسن کے اندر فی نفسہٖ امن، سکون اور راحت ہے۔ اسی لئے حسن و جمال صرف اللہ کا ہی ہے اور

www.MinhajBooks.com

وہی حسین ترین ذات ہے۔

دین اسلام کی بنیادی اصطلاحات ’اسلام، ایمان اور احسان‘ کے بعد ہم اس امر کا جائزہ لیتے ہیں کہ اوّلین منبعِ رحمت یعنی ذاتِ الٰہیہ اور اس سے متعلق چیزوں میں امن و سکون اور محبت و رحمت کس طرح کارفرما ہے؟

۴۔ ذکرِ الٰہی موجبِ رحمت و سلامتی ہے

اوّلین منبعِ رحمت ذاتِ الٰہیہ کا ذکر بھی ذاکرین کو رحمت و سلامتی اور امن و سکون کی خیرات عطا کرتا ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

اَلَا بِذِكْرِ اللهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُo (۱)

جان لو کہ اللہ ہی کے ذکر سے دلوں کو اطمینان نصیب ہوتا ہےo

اس آیت مبارکہ میں یہ نہیں فرمایا گیا کہ اللہ رب العزت کو یاد کرو گے تو دلوں پر خوف طاری ہو جائے گا، تمہارے دل دہل جائیں گے اور تم پر ایک رعب و دبدبہ طاری ہو جائے گا بلکہ فرمایا کہ اللہ کو یاد کرو گے تو تمہارے دلوں کو سکون و اطمینان نصیب ہو گا۔

سکون کیا ہے اور یہ کیسے ملتا ہے؟ اس سوال کے جواب سے ہی کئی عقدے کھل جاتے ہیں۔ جب بندہ بے خوف ہوتا ہے اور اس کے دل میں کسی طرف سے بھی کوئی خوف، حزن اور ملال نہیں رہتا تو یہ حالتِ سکون کہلاتی ہے۔ جو لوگ اللہ سے تعلقِ ولایت اور نسبتِ دوستی قائم کر لیتے ہیں تو اللہ تعالیٰ انہیں اپنا دوست ’’اولیاء اللہ‘‘ قرار دیتا ہے اور اپنے دوستوں کے بارے میں کہتا ہے کہ جو میرے دوست ہو جاتے ہیں وہ سراسر امن، آشتی اور سکون میں آ جاتے ہیں، پھر نہ ان کو کوئی خوف ہوتا ہے اور نہ کوئی غم باقی رہتا ہے۔ اسی لئے فرمایا:

اَلَآ اِنَّ اَوْلِيَآءَ اللهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَo (۲)

(۱) الرعد، ۱۳: ۲۸

(۲) یونس، ۱۰: ۶۲

خبردار! بے شک اولیاء اللہ پر نہ کوئی خوف ہے اور نہ وہ رنجیدہ و غمگین ہوں گےo

گویا اللہ رب العزت انسان کو اپنی دوستی کے بدلے جو پھل عطا کرتا ہے، اس کی تاثیر سے سارے خوف اور غم دور ہو جاتے ہیں۔ وہ اللہ کی دوستی کے سبب خود چشمۂ امن و سلامتی بن جاتا ہے۔ لہٰذا اُن کے قریب آنے والے اور ان سے نسبت رکھنے والے امن و سلامتی کی بارش میں سیراب ہوتے رہتے ہیں۔

۵۔ وحیِ اِلٰہی موجبِ رحمت و سلامتی ہے

تمام انسانوں کے لئے الوہی ہدایت کا ذریعہ فقط وحی الٰہی ہی ہے جو تمام انبیاء کرام علیہم السلام پر اپنے اپنے دور میں نازل ہوتی رہی اور اس کی تکمیل حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس پر ہوئی۔ وحیِ الٰہی بھی سراسر امن و سلامتی اور محبت و رحمت کا شاخسانہ ہے۔ اللہ رب العزت نے وحی کی تعریف کرتے ہوئے فرمایا:

فَاِمَّا يَاْتِيَنَّكُمْ مِّنِّىْ هُدًى فَمَنْ تَبِعَ هُدَاىَ فَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَo(۱)

پھر اگر تمہارے پاس میری طرف سے کوئی ہدایت پہنچے تو جو بھی میری ہدایت کی پیروی کرے گا، نہ ان پر کوئی خوف (طاری) ہوگا اور نہ ہی وہ غمگین ہوں گےo

گویا وحی الٰہی کا پہلا مرحلہ ہی امن ہے کہ اس کی پیروی کرنے والا خوف و غم سے نجات پا جاتا ہے۔ یہ امن بھی اصل میں محبت و رحمت ہی کی وجہ سے میسر آتا ہے۔ اس لئے کہ محبت اور رحمت کا نتیجہ امن ہے اور امن کا یہ ظہور محبت اور شفقت کے طرزِ عمل سے معلوم ہوتا ہے۔ لہٰذا محبت، رحمت اور امن کو لازم و ملزوم قرار دیا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔

خوف اور حزن ہی دو ایسی چیزیں ہیں جو انسان کے امن کو غارت کر دیتی ہیں۔ ان دونوں کے درمیان ایک خفیف سا فرق ہے۔ جب کسی انسان پر خوف طاری ہوتا ہے تو اس کے

(۱) البقرة، ۲: ۳۸

چہرے سے اس کے اثرات نظر آتے ہیں۔ دیکھنے والا آسانی سے جان جاتا ہے کہ فلاں شخص خوف زدہ ہے۔ جبکہ غم ایک ایسی چیز ہے کہ وہ دل کے اندر ہوتا ہے اور انسان اکثر اوقات غم کو اپنے چہرے سے ظاہر نہیں ہونے دیتا بلکہ اپنے اندر چھپا لیتا ہے۔ جبکہ قرآن مجید کہتا ہے:

فَلَا خَوۡفٌ عَلَيۡهِمۡ وَلَا هُمۡ يَحۡزَنُوۡنَ ○[1]

نہ ان پر کوئی خوف (طاری) ہوگا اور نہ وہ غمگین ہوں گے ○

اس فرمانِ الٰہی میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ نہ تو اُس کی ظاہری زندگی میں کوئی خوف رہے گا اور نہ ہی اُس کے قلب و باطن میں کوئی غم باقی رہے گا۔ دوسرے لفظوں میں اس کے لئے کوئی امر بے چینی و اضطراب کا باعث نہیں ہوگا۔ ظاہری خوف اور باطنی اضطراب و پریشانی کے سارے اسباب ختم کر دیے جاتے ہیں۔ یاد رہے کہ یہ کیفیت انسان کو اس وقت حاصل ہوتی ہے جب ایک طرف وہ ہدایتِ ربانی پر عمل پیرا ہو جائے اور دوسری طرف دین، ایمان اور شریعتِ اسلامیہ کے دائرہ عمل میں ثابت قدم ہو جائے۔ انسان کو اس کیفیت کا ملنا دراصل انسان پر ذاتِ الٰہیہ کی طرف سے ملنے والی رحمت و محبت کا اظہار ہے جس کا وحی الٰہی کی پیروی کی وجہ سے وہ مستحق ٹھہرا۔

٦۔ دینِ اسلام کی امتیازی علامت اور پیغامِ امن وسلامتی

اسلام کے کچھ امتیازی اوصاف اور علامات ہیں، جن سے اسلام کا دعویٰ کرنے والے کی زندگی اور رہن سہن سے اس کا مسلمان ہونا ثابت ہوتا ہے۔ اس مقصد کے لئے جو پہلی تعلیم دی گئی ہے وہ سراسر اَمن وسلامتی ہی کا پیغام ہے یعنی ہر ایک اجنبی اور شناسا کو سلام کرنا۔

١۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک شخص نے بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں عرض کیا: کون سا اِسلام بہتر ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

(١) البقرۃ، ٢: ٣٨

تُطْعِمُ الطَّعَامَ، وَتَقْرَأُ السَّـلَامَ عَلٰى مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَمْ تَعْرِفْ. (۱)

(بہترین اسلام یہ ہے کہ) تم (دوسروں کو) کھانا کھلاؤ اور (ہر ایک کو) سلام کرو، خواہ تم اسے جانتے ہو یا نہیں جانتے۔

یعنی جسے جانتے ہو اسے بھی سلام کرنا اور جسے نہیں جانتے اُسے بھی سلام کرنا۔ ہمارا ایک دوسرے کو 'السلام علیکم (تم پر سلامتی ہو)' کہنا، اسلام کا ایک شعار ہے جو ہر شخص ملاقات کے وقت دوسرے کو الفاظ کی صورت میں بطور دعا ادا کرتا ہے۔ گویا ملاقات کے لمحات میں اسلام کے اظہار کی پہلی علامت ہی دوسروں کے لئے امن جوئی، امن گوئی اور امن طلبی پر مبنی ہے۔ نیز ملاقات پر ایک دوسرے کو سلامتی کا تحفہ دینا مسلمان ہونے کی سب سے پہلی نشانی ہے۔

۲۔ ایک روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا تَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ حَتّٰى تُؤْمِنُوْا، وَلَا تُؤْمِنُوْا حَتّٰى تَحَابُّوْا، أَوَلَا أَدُلُّكُمْ عَلٰى شَيْءٍ إِذَا فَعَلْتُمُوْهُ تَحَابَبْتُمْ؟ أَفْشُوا السَّـلَامَ بَيْنَكُمْ. (۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الإیمان، باب إطعام الطعام من الإسلام، ۱:۱۳، رقم:۱۲

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الإیمان، باب إفشاء السلام مِن الإسلام، ۱:۱۹، رقم:۲۸

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب بیان تفاضل الإسلام وأي أموره أفضل، ۱:۶۵، رقم:۳۹

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۶۹، رقم: ۶۵۸۱

۵۔ أبو داود، السنن، کتاب الأدب، باب في إفشاء السلام، ۴:۳۵۰، رقم:۵۱۹۴

۶۔ نسائي، السنن، کتاب الإیمان وشرائعه، باب أي الإسلام خیر، ۸:۱۰۷، رقم:۵۰۰۰

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب بیان أنه لا یدخل الجنة إلا ←

www.MinhajBooks.com

تم اس وقت تک جنت میں داخل نہیں ہو سکتے جب تک ایمان نہ لے آ ؤ؛ اور تم اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک ایک دوسرے سے محبت نہ کرو۔ کیا میں تمہیں ایک ایسی چیز نہ بتاؤں جس پر تم عمل کرو تو ایک دوسرے سے محبت کرنے لگو گے؟ (اور وہ عمل یہ ہے کہ) اپنے درمیان سلام کو پھیلایا کرو (یعنی کثرت سے ایک دوسرے کو سلام کیا کرو)۔

۳۔ جب ہم نماز کے اختتام کے وقت دائیں اور بائیں سر پھیر کر نماز سے خروج کرتے ہیں تو اس وقت السَّلَامُ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَةُ اللهِ کے الفاظ کے ذریعے دائیں بائیں موجود انسان، ملائکہ، جنات، مسلم یا غیر مسلم بغیر کسی حد اور شرط کے اُن پر سلامتی بھیجتے ہیں یعنی اے دائیں اور بائیں طرف والو! تم سب پر سلامتی ہو۔

۴۔ مسلمان عبادت کا اختتام بھی دعائے امن وسلامتی پر کرتے ہیں۔ ایک معروف دعا جو حضور نبی اکرم ﷺ خود بھی فرماتے تھے اور آپ ﷺ نے اپنی امت کو بھی نماز کے بعد پڑھنے کی تلقین فرمائی ہے، اس میں بھی امن وسلامتی کا اظہار نمایاں نظر آتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت فرماتی ہیں:

.... المؤمنون وأن محبة المؤمنين من الإيمان وأن إفشاء السلام سبب لحصولها، ۱: ۷۴، رقم: ۵۴

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۴۲، رقم: ۹۷۰۷

۳۔ أبوداود، السنن، كتاب الأدب، باب في إفشاء السلام، ۴: ۳۵۰، رقم: ۵۱۹۳

۴۔ ترمذی، السنن، كتاب الاستئذان والآداب، باب ما جاء في إفشاء السلام، ۵: ۵۲، رقم: ۲۶۸۸

۵۔ ابن ماجه، السنن، المقدمة، باب في الإيمان، ۱: ۲۶، رقم: ۶۸

۶۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الأدب، باب إِفشاء السلام، ۲: ۱۲۱۷، رقم: ۳۶۹۲

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ إِذَا سَلَّمَ لَمْ يَقْعُدْ إِلَّا مِقْدَارَ مَا يَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ: أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ، تَبَارَکْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالإِکْرَامِ.(۱)

حضور نبی اکرم ﷺ سلام پھیرنے کے بعد اتنی دیر تشریف فرما رہتے جس دوران وہ فرماتے، ﴿اَللّٰهُمَّ أَنْتَ السَّلَامُ وَمِنْکَ السَّلَامُ، تَبَارَکْتَ يَا ذَا الْجَلَالِ وَالإِکْرَامِ﴾ (اے اللہ! تو سلامتی والا ہے، سلامتی تیری ہی طرف سے ہے، اے جلالت و بزرگی کے مالک! تو پاک ہے)۔

یعنی سلامتی کا اوّل اور مصدر بھی بارگاہِ الٰہی ہے اور سلامتی کا آخر اور مرجع بھی بارگاہِ الٰہی ہے۔ سلامتی کا مطلع بھی بارگاہِ الٰہی ہے اور سلامتی کا مقطع بھی اللہ کی بارگاہ ہے۔ سلامتی کا مبدأ بھی اللہ کی بارگاہ اور سلامتی کا منتہیٰ بھی اللہ کی بارگاہ ہی ہے۔ نماز پڑھنے والے نماز سے فارغ ہونے کے بعد جنت میں داخل ہونے کی دعا کرتے ہیں تو جنت کو بھی سلامتی والا گھر کہہ کر اس میں داخل ہونے کی خواہش کا اظہار کرتے ہیں:

وَأَدْخِلْنَا دَارَکَ دَارَ السَّلَامِ.(۲)

(اے ہمارے رب!) ہمیں (آخرت والے دن) اپنے سلامتی والے گھر (یعنی

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب استحباب الذكر بعد الصلاة وبيان صفته، ۱: ۴۱۴، رقم: ۵۹۲

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۶۲، رقم: ۲۴۳۸۳

۳۔ أبو داود، السنن، أبواب الوتر، باب ما يقول الرجل إذا سلم، ۲: ۸۴، رقم: ۱۵۱۲

۴۔ ترمذی، السنن، كتاب الصلاة، باب ما يقول إذا أسلم من الصلاة، ۲: ۹۵، ۹۷، رقم: ۲۹۸، ۳۰۰

۵۔ ابن ماجه، السنن، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما يقال بعد التسليم، ۱: ۲۹۸، رقم: ۹۲۴

(۲) ملا علی قاری، مرقاة المفاتيح، ۳: ۳۵، رقم: ۹۶۰

جنت) میں داخل فرما۔

الغرض ایک دوسرے کی ملاقات سے لے کر جنت کے نام تک اللہ تعالیٰ نے سلامتی کو اوّل تا آخر ہماری زندگیوں پر غالب کر دیا۔

۵۔ اہل ایمان کا جنت میں استقبال اور ملاقات کا تحفہ اللہ رب العزت کی طرف یوں عطا فرمایا جائے گا:

تَحِيَّتُهُمْ يَوْمَ يَلْقَوْنَهٗ سَلٰمٌ ج وَّاَعَدَّلَهُمْ اَجْرًا كَرِيْمًا○ (۱)

جس دن وہ (مومن) اس سے ملاقات کریں گے تو ان (کی ملاقات) کا تحفہ سلام ہوگا، اور اس نے ان کے لیے بڑی عظمت والا اجر تیار کر رکھا ہے○

یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ اپنے مومن بندوں سے ''سلام'' کہہ کر مخاطب ہوگا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مؤمنین قیامت کے دن کھڑے ہوں گے، اچانک آواز آئے گی: **السَّلَامُ عَلَيْكُمْ** (تم پر سلامتی ہو)۔ وہ ادھر اُدھر دیکھیں گے اور پوچھیں گے کہ یہ آواز کس کی ہے؟ اللہ تعالیٰ فرمائے گا:

أَنَا رَبُّكُمْ. (۲)

میں تمہارا رب ہوں۔

یعنی میں تمہارا رب آج تحفۂ سلامتی کے ساتھ تمہیں بلا رہا ہوں تاکہ تمہاری وحشت دور ہو جائے۔

---

(۱) الأحزاب، ۳۳: ۴۴

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب صفة الصلاة، باب فضل السجود، ۱: ۲۷۷-۲۷۸، رقم: ۷۷۳

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الایمان، باب معرفة طریق الرؤیة، ۱: ۱۶۳-۱۶۴، رقم: ۱۸۲

حاصلِ کلام یہ ہے کہ اسلام کی جملہ تعلیمات اَمن و سلامتی، محبت، رحمت، شفقت، عفو و درگزر، امن، سکون، سلامتی اور رعایت پر منحصر و مرکوز ہیں۔ کبھی امن اصل ہوتا ہے اور رحمت و محبت اس کا نتیجہ و ثمر بنتی ہیں اور کبھی رحمت و محبت اصل اور بنیاد ہوتی ہیں اور امن ان کا نتیجہ ہوتا ہے۔ یہ آپس میں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم اور عین یک دگر ہیں۔

باب نمبر 2

شانِ اُلوہیت و ربوبیت میں کارفرما رحمت

www.MinhajBooks.com

اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفتِ رحمت کو ظاہر کرنے والے اسماء، افعال اور اس کے فضل و رحمت کا بیان قرآن مجید میں کم و بیش تین سو آیاتِ کریمہ میں آیا ہے۔ اسلام کے دینِ رحمت و شفقت اور دینِ امن و محبت ہونے کے تصور کو اللہ رب العزت کی شانِ الوہیت و ربوبیت کی روشنی میں بھی بآسانی سمجھا جاسکتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○[1]

سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کی پرورش فرمانے والا ہے○

اس آیتِ کریمہ میں لفظ 'اللہ' سے اللہ رب العزت کی شانِ الوہیت اور لفظ 'رب' سے شانِ ربوبیت کو واضح کیا جا رہا ہے۔ آیئے! شانِ الوہیت اور شانِ ربوبیت میں کارفرما رحمت کے مظاہر کا مطالعہ کرتے ہیں۔

ا۔ شانِ اُلوہیت میں کارفرما رحمت

اللہ رب العزت کی شانِ الوہیت کے ذریعے تصورِ رحمت کو سمجھنے کے لیے سب سے پہلے آیتِ مبارکہ میں مذکور لفظ 'اللہ' کے معنٰی و مفہوم پر غور کرتے ہیں۔ لفظ 'اللہ' کے بارے میں علماء و محققین اور ائمۂ لغت کے دو بنیادی قول ہیں:

ا۔ امام شافعی، امام الحرمین الجوینی، امام غزالی اور کئی دیگر ائمہ نے کہا کہ لفظ 'اللہ' غیر مشتق ہے، یہ اسمِ علم ہے اور کسی مادہ سے نہیں نکلا۔ لغوی طور پر اس کی ساخت اوّل وقت سے

---

(۱) البقرة، ۲: ۱

www.MinhajBooks.com

بطور اسمِ علَم بنائی گئی ہے، یہ نہ کسی سے نکلا ہے اور نہ اس سے کسی لفظ کا اشتقاق ہوا ہے۔[1]

۲۔ ائمہ لغت، ائمہ تفسیر اور ائمہ علم کا دوسرا نقطہ نظر یہ ہے کہ لفظِ 'اللہ' اسم مشتق ہے۔ ان ائمہ نے اس کے آٹھ مادہ ہائے اشتقاق (origins) بیان کیے ہیں، جن کے ذریعے لفظ 'اللہ' کے لغوی مفاہیم کو جانا جا سکتا ہے۔ لفظِ 'اللہ' کے ان آٹھوں مادہ ہائے اشتقاق میں سے کسی ایک معنی میں بھی جبر، سختی، قہاریت اور جباریت کا معنٰی نہیں پایا جاتا۔ باالفاظِ دیگر اللہ رب العزت نے اپنی شانِ الوہیت و ربوبیت کے اظہار کے لیے جو الفاظ منتخب فرمائے ہیں ان کے جتنے بھی ممکنہ معانی ہیں ان سب میں ایک معنٰی بھی جبر یا سختی پر دلالت نہیں کرتا۔ آیئے لفظِ 'اللہ' کے اِن مادہ ہائے اشتقاق کے ذریعے لفظ 'اللہ' کے معانی و مفاہیم جاننے کی کوشش کرتے ہیں:

(۱) لفظِ 'اللہ' إلٰہ سے مشتق ہے

امام راغب اصفہانی نے کہا کہ اللہ کا لفظ اصلاً 'إلٰہ' ہے۔ لفظ 'اللہ' حاصل کرنے کے لیے إلٰہ کے ہمزہ کو حذف کیا گیا اور پھر اس پر الف لام داخل کر دیا گیا تاکہ ذات باری تعالیٰ کے لیے خصوصیت کا اظہار کیا جائے اور یہ اسم، ذات باری کے لیے خاص ہو جائے۔ چنانچہ لفظ اللہ کا پہلا مادۂ اشتقاق إلٰہ ہے جس کا معنٰی (عبادت کرنا) ہے۔[2]

(۲) لفظِ 'اللہ' اَلِہَ سے مشتق ہے

لفظ اللہ کا دوسرا مادۂ اشتقاق 'اَلِہَ' ہے جس کا معنٰی 'تحیر اور درماندگی' ہے۔ یعنی جس معبود برحق کی عظمتِ ذات، حسن و جمال اور کمالِ شان و رفعت سے انسانی عقل حیرت زدہ ہو جاتی ہے، ایسی ذات کے لیے إلٰہ اور اللہ کا لفظ استعمال کیا جاتا ہے۔

---

(۱) ۱۔ بغوی، معالم التنزیل فی تفسیر القرآن، ۱: ۳۸
۲۔ خازن، لباب التأویل فی معانی التنزیل، ۱: ۱۷

(۲) راغب اصفہانی، المفردات فی غریب القرآن: ۲۱

(۳) لفظِ 'اللہ'، اَلَہَ سے مشتق ہے

لفظ 'اللہ' کا تیسرا مادہَ اشتقاق 'اَلَہَ' ہے، اس کا معنٰی 'سکون پانا' ہے۔ ظاہر ہے کہ جب کسی ہستی میں اطمینان، رحمت، شفقت، عنایت اور لطف و کرم جیسی تمام خوبیاں پائی جائیں تو تب ہی دلوں، روحوں اور شخصیتوں کو اس ذات سے سکون ملتا ہے۔ عربی میں کہتے ہیں:

أَلَهْتُ إِلٰی فُـلَانٍ؛ أي: سَكَنْتُ إِلَيْه.(۱)

میں فلاں کی طرف جھکا، یعنی مجھے فلاں سے سکون ملا۔

یعنی میری طبیعت، قلب یا روح نے فلاں کی ذات اور شخصیت سے سکون پایا۔ چنانچہ وہ ذات جس سے بندوں کی مضطرب روحیں، بے چین دلوں اور بے تاب طبیعتوں کو سکون و اطمینان کی دولت ملے، اسے اللہ کہتے ہیں۔

(۴) لفظِ 'اللہ'، اَلْوَلْہُ سے مشتق ہے

لفظ 'اللہ' کا چوتھا مادہَ اشتقاق 'اَلْوَلْہُ' ہے اور اس کے معنٰی 'عقل کا گم ہو جانا' ہیں۔ یعنی عقل کسی کی تلاش میں نکلے، کسی کو جاننا، سمجھنا اور پانا چاہے مگر وہ ہستی اتنی عظیم ہو کہ عقل اس کا احاطہ نہ کر سکے اور اسی کی تلاش میں گم ہو جائے۔ پس اللہ رب العزت کی ذات وہ عظیم ذات ہے کہ ہماری عقلیں اور نگاہیں اس کا احاطہ و اِدراک نہیں کر سکتیں۔ اسی معنیٰ کی بنیاد پر لفظ اللہ کو 'الولہ' سے مشتق کہا جاتا ہے۔

(۵) لفظِ 'اللہ'، لَاہٌ سے مشتق ہے

لفظ 'اللہ' کا پانچواں مادہ اشتقاق 'لَاہٌ' ہے جس کا معنٰی 'بلندی اور ارتفاع' ہے۔ اتنی مرتفع، اتنی بلند اور اتنی بالا ہستی کہ ہر بلند سے بلند تر بلکہ بلند ترین شے بھی اس کے سامنے پست

---

(۱) ۱۔ بغوی، معالم التنزیل فی تفسیر القرآن، ۱: ۳۸
۲۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۲۰

ہو جائے۔ اللہ رب العزت کے اسی بلند و بالا اور اعلیٰ مقام و مرتبہ کی وجہ سے لفظِ ’اللہ‘ کو ’لَاہٌ‘ سے مشتق کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں باری تعالیٰ کی اس بلندی کو یوں بیان فرمایا گیا:

سُبْحٰنَهٗ وَتَعٰلٰى عَمَّا يَصِفُوْنَ○[1]

وہ ان (تمام) باتوں سے پاک اور بلند و بالا ہے جو یہ (اس سے متعلق) کرتے پھرتے ہیں○

(۶) لفظِ ’اللہ‘ لَاہَ، یَلُوْہُ سے مشتق ہے

لفظِ ’اللہ‘ کا چھٹا مادہ اشتقاق ’لَاہَ، یَلُوْہُ‘ ہے اور اس میں مخفی ہونے کا معنٰی پایا جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے لیے فرمایا:

هُوَ الْاَوَّلُ وَالْاٰخِرُ وَالظَّاهِرُ وَالْبَاطِنُ.[2]

وہی (سب سے) اوّل اور (سب سے) آخر ہے اور (اپنی قدرت کے اعتبار سے) ظاہر اور (اپنی ذات کے اعتبار سے) پوشیدہ ہے۔

وہ اس طرح ظاہر ہے کہ اپنی صفات سے عیاں ہوتا ہے مگر اس کی ذات مخفی ہے۔ گو اس کے کمالات، عنایات اور صفات و افعال اتنے ظاہر ہیں کہ اس کی ذات شدتِ ظہور کے باعث آنکھوں سے نہاں ہے۔ دوسرے لفظوں میں وہ اپنے مظاہر کے آئینے میں انسانوں سے اتنا قریب ہے کہ انتہائے قرب کے باعث نظروں سے پوشیدہ ہے۔ کیوں کہ جو آنکھوں کے بہت قریب ہو اور آنکھوں کے بالکل اوپر آ جائے وہ بھی دکھائی نہیں دیتا اور آنکھوں کی حس بھی اس قابل نہیں کہ اس کا ادراک کر سکے یا اسے دیکھ سکے۔ پس اللہ رب العزت کی ذات کے مخفی ہونے کی بناء پر لفظ ’اللہ‘ کو ’لَاہَ یلوہُ‘ سے مشتق مانا جاتا ہے۔

(۱) الأنعام، ۶:۱۰۰

(۲) الحدید، ۵۷:۳

(۷) لفظِ ’اللہ‘، اِلَہَ سے مشتق ہے

لفظ ’اللہ‘ کا ساتواں مادۂ اشتقاق ’اِلَہَ‘ ہے۔ اس میں ’جھکنے، راغب ہونے اور رجوع کرنے‘ کا معنٰی پایا جاتا ہے۔ یعنی وہ ذات جس کی طرف طبیعتیں، دل اور روحیں رجوع کریں۔ روحیں اور طبیعتیں وہیں راغب ہوتی ہیں جہاں سے انہیں سکون، امن اور اطمینان ملتا ہے اور ان کی بے چینی ختم ہو جاتی ہے۔ چنانچہ اگر کوئی ذات؛ منبعِ امن، منبعِ رحمت اور منبعِ شفقت ہو تو طبیعتیں اسی کی طرف جھکتی اور راغب ہوتی ہیں۔ اللہ رب العزت کی ذات کے منبعِ امن و رحمت ہونے کی بنا پر تمام طبیعتیں اس کی طرف راغب ہوتی ہیں، اسی لیے اُسے ’اللہ‘ کہا جاتا ہے۔

(۸) لفظِ ’اللہ‘، اَلَہَ سے مشتق ہے

لفظ اللہ کا آٹھواں مادۂ اشتقاق ’اَلَہَ‘ ہے مگر اس میں پناہ دینے کا معنٰی پایا جاتا ہے۔(۱)

اللہ رب العزت کی ذات ہی حقیقی پناہ دینے والی ہے، لہٰذا اس مادہ اشتقاق کے اعتبار سے اُسے ’اللہ‘ کہا جاتا ہے۔ قرآن مجید میں فرمایا گیا ہے:

وَهُوَ يُجِيْرُ وَلَا يُجَارُ عَلَيْهِ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ○(۲)

اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس کے خلاف (کوئی) پناہ نہیں دی جا سکتی، اگر تم (کچھ) جانتے ہو؟○

پناہ دینا درحقیقت فعلِ رحمت ہے۔ پناہ وہی دیتا ہے جو سراسر رحمت ہو کیونکہ پناہ دینے کا عمل رحمت کے بغیر ممکن نہیں ہوتا۔ ایک خوف زدہ شخص کو پناہ دینے کا مطلب اُسے اپنے دامنِ رحمت میں لے کر امن و سکون عطا کرنا اور اضطراب و بے چینی سے محفوظ کر دینا ہے۔

---

(۱) بغوی، معالم التنزیل فی تفسیر القرآن، ۱: ۳۸

(۲) المومنون، ۲۳:۸۸

www.MinhajBooks.com

۲۔ اسمِ ذات ’اللہ‘ کے تمام مفاہیم، رحمت پر دلالت کرتے ہیں

’لسان العرب‘، ’تہذیب اللغۃ‘، ’قاموس المحیط‘، ’الصحاح‘ اور لغت کی دیگر بڑی کتب میں درج لفظ إلٰہ اور اللہ کے اِن سارے مادہ ہائے اشتقاق میں سے تین معانی خالصتاً اللہ تعالیٰ کی رحمت پر دلالت کرتے ہیں:

۱۔ مادہ اشتقاق ’اَلَہَ‘، معنی: سکون پانا

۲۔ مادہ اشتقاق ’أَلِہَ‘، معنی: راغب ہونا، رجوع کرنا

۳۔ مادہ اشتقاق ’أَلَہَ‘، معنی: پناہ دینا

بقیہ پانچ معانی ایسے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عظمت، اس کے حسن و جمال، رفعت اور اس کے معبود ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ اسم ذات اللہ کے ان تمام مادہ ہائے اشتقاق اور ان کے معانی میں سے کوئی ایک بھی صراحتاً یا کنایتاً بھی سختی، عذاب یا گرفت کی طرف معمولی سا اشارہ بھی نہیں کرتا۔

یاد رکھیں! اسمِ ذات وہ اسم ہوتا ہے جس سے ذات کی شناخت ہوتی ہے اور لفظ ’اللہ‘، اللہ رب العزت کا اسمِ ذات ہے۔ لفظ ’اللہ‘ سے ذات کی معرفت ملتی ہے اور اس کے دیگر اسمائے صفات سے اس کے اوصاف کی پہچان ہوتی ہے۔ اس اعتبار سے اللہ کی ذات اصلاً چشمہ ہائے رحمت، امن، محبت، عنایت اور لطف و کرم ہے۔

۳۔ اسمِ ذات ’اللہ‘ اور صفتِ ’رحمت‘ کا باہمی تعلق

لفظ ’اللہ‘ قرآن مجید میں 1746 مرتبہ استعمال ہوا ہے جب کہ اس کے بقیہ مشتقات اس کے علاوہ ہیں۔ یہ رب العزت کا اسم ذات ہے جب کہ اس کے اسماء صفات بے شمار ہیں۔ اسماءِ صفات اور اسمِ ذات میں فرق یہ ہے کہ جب اسم صفاتی ہوتا ہے تو وہ اللہ رب العزت کی

کسی نہ کسی ایک صفت پر دلالت کرتا ہے۔ جیسے 'قدیر' اللہ رب العزت کی صفتِ قدرت پر دلالت کرتا ہے۔ 'علیم' اُس کی صفتِ علم پر دلالت کرتا ہے۔ 'کلیم' اس کی صفتِ کلام پر دلالت کرتا ہے۔ 'حَي' اس کی صفتِ حیات پر دلالت کرتا ہے۔ 'خالق' اس کی صفتِ خالقیت پر دلالت کرتا ہے۔ 'رب' اس کی صفتِ ربوبیت پر دلالت کرتا ہے۔ رحمٰن اور رحیم اس کی صفتِ رحمت پر دلالت کرتے ہیں۔ سمیع و بصیر اس کی صفت سَمْع اور بَصَر پر دلالت کرتے ہیں۔

الغرض چاہے جس مرضی صفاتی اسم کو لیں وہ اللہ رب العزت کی کسی نہ کسی صفت پر دلالت کرے گا مگر اسمِ ذات ایک ایسا اسم ہے جس میں ظاہراً کسی ایک خاص صفت کا اشارہ بھی موجود نہیں بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی جمیع صفات پر دلالت کرتا ہے۔ اللہ رب العزت کی ساری صفات چونکہ اس کی ذات کے ساتھ واقع ہیں تو اشارتاً ساری صفات یک جا ہو کر اسی اسم ذات میں سما جاتی ہیں۔ گویا لفظ 'اللہ' (اسم ذات) دلالت من کل الوجوہ ہے یعنی یہ اسم تمام جہتوں سے اس کی صفات پر بھی دلالت کرتا ہے۔

اَلْحَمْد سے وَالنَّاس تک سارے قرآن مجید کا مطالعہ کریں تو ہمیں جگہ جگہ اللہ تعالیٰ کے اسم ذات 'اللہ' اور مختلف اسماء صفات کا تذکرہ ملے گا کہ اس نے اپنی ذات، صفات اور افعال کا ذکر موقع محل، سیاق و سباق اور مضمون کی مناسبت سے آیاتِ قرآنی میں بیان فرمایا ہے۔ مثلاً ذکرِ صفات کے ضمن میں ایک عمومی قاعدہ ہے کہ اگر کہیں حیات کا مضمون آ رہا ہو تو وہاں اس کی صفتِ حیات کا ذکر آیا ہے، کہیں اختیارات کی بات آئی تو اس کی صفتِ قدرت کا ذکر آیا ہے۔ کہیں اس کی نافرمانی کی بات آئی ہو تو اس کی صفتِ جباریت و قہاریت کا ذکر آیا ہے۔ کہیں رحم، محبت، شفقت کرنے کی بات آئی تو اس کی صفتِ رحمت کا ذکر آیا۔ کہیں نعمتوں کی بات آئی تو اس کی صفتِ رزاقیت کا ذکر آیا۔

الغرض اللہ رب العزت نے اپنی ذات کے ساتھ مخلوق کے ضمن میں جس قسم کا بھی مضمون بیان کیا ہے، اسی تعلق سے فرداً فرداً بے شمار اسمائے صفات کو بھی بیان فرمایا ہے۔ اس

میں جو خاص بات سمجھنے والی ہے، وہ یہ کہ ہر چند اللہ رب العزت نے اپنی ذات کا ذکر کر کے اس کے ساتھ اپنی جمیع صفات کا ذکر کثرت سے حسبِ ضرورت، حسبِ موقع اور حسبِ مناسبت کیا ہے مگر سب سے زیادہ اس نے اپنی جس ایک صفت کو اپنے اسمِ ذات ’اللہ‘ کے ساتھ جوڑا ہے وہ اس کی صفتِ ’رحمت‘ ہے۔

یاد رہے کہ اللہ رب العزت کا اپنی صفتِ رحمت کو اپنی ذات اور اپنے اسمِ ذات کے ساتھ سب سے زیادہ متعلق کرنا اتفاقی نہیں ہے بلکہ ظاہر ہے کہ یہ اللہ رب العزت کی منشاء اور ارادہ ہے کہ اس نے اپنے اسمِ ذات کے ساتھ اپنی جمیع صفات میں سے صفتِ رحمت کو بیان کرنے کے لیے منتخب فرمایا۔

اسی حوالے سے چند آیات بطور نمونہ ذیل میں بیان کی جا رہی ہیں:

۱۔ سورۃ الحشر میں ارشاد فرمایا:

هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ ج عٰلِمُ الْغَیْبِ وَالشَّهَادَةِ ج هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ ○(۱)

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، پوشیدہ اور ظاہر کو جاننے والا ہے، وہی بے حد رحمت فرمانے والا نہایت مہربان ہے ○

غور طلب بات ہے کہ آیت **هُوَ اللّٰهُ** سے شروع ہوئی اور **هُوَ الرَّحْمٰنُ الرَّحِیْمُ** پر ختم ہوئی۔ یہاں اللہ رب العزت نے اپنے اسم ذات کو رحمٰن اور رحیم کے صفاتی اسماء کے ساتھ جوڑتے ہوئے ارشاد فرمایا:

۲۔ هُوَ اللّٰهُ الَّذِیْ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا هُوَ ج اَلْمَلِکُ الْقُدُّوْسُ السَّلٰمُ الْمُؤْمِنُ الْمُهَیْمِنُ الْعَزِیْزُ الْجَبَّارُ الْمُتَکَبِّرُ.(۲)

---

(۱) الحشر، ۵۹:۲۲

(۲) الحشر، ۵۹:۲۳

وہی اللہ ہے جس کے سوا کوئی معبود نہیں، (حقیقی) بادشاہ ہے، ہر عیب سے پاک ہے، ہر نقص سے سالم (اور سلامتی دینے والا) ہے، امن و امان دینے والا (اور معجزات کے ذریعے رسولوں کی تصدیق فرمانے والا) ہے، محافظ و نگہبان ہے، غلبہ و عزّت والا ہے، زبردست عظمت والا ہے، سلطنت و کبریائی والا ہے۔

اس آیت میں دیگر صفات کا ذکر بھی ہوا ہے مگر اللہ تعالیٰ نے ابتدائی صفات میں اپنے اسمِ ذات کے ساتھ درج ذیل تین صفات کا بھی چناؤ کیا:

(۱) السَّلام (سلامتی دینے والا)

(۲) المؤمن (امان بخشنے والا، امن دینے والا)

(۳) المُهَيْمِن (ہر خوف، دہشت اور وحشت سے حفاظت فرمانے والا)

اللہ رب العزت نے ایک ہی معنی پر دلالت کرنے والے اپنے تین اسماءِ صفاتی اپنے اسمِ ذات کے ساتھ جوڑے تاکہ ہمارے ذہن میں اللہ رب العزت کی صفات کا تصور قائم ہو جائے۔ جب ہم اُس کی قدرتوں کی طرف دھیان کریں تو اُس کی جمیع صفات میں سے امن، سلامتی، حفاظت اور شفقت و رحمت عطا کرنے والی صفات کا تصور غالب اور نمایاں ترین شکل میں ہمارے سامنے آ جائے۔ اللہ رب العزت اس طرح اپنی ذات کے ساتھ اپنی صفات کا جو تصور ہمارے ذہنوں میں راسخ کرنا چاہتا ہے وہی تصور وہ اپنے عطا کردہ دینِ اسلام کی جملہ تعلیمات میں بھی غالب کرتا ہے۔

۳۔ سورۃ الحشر ہی میں ارشاد فرمایا:

هُوَ اللّٰهُ الْخَالِقُ الْبَارِئُ الْمُصَوِّرُ لَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى.(۱)

وہی اللہ ہے جو پیدا فرمانے والا ہے، عدم سے وجود میں لانے والا (یعنی ایجاد فرمانے والا) ہے، صورت عطا فرمانے والا ہے۔ (الغرض) سب اچھے نام اسی کے

(۱) الحشر، ۵۹: ۲۴

ہیں۔

حُسن تو خود چشمۂ سکون اور چشمۂ رحمت ہوتا ہے۔ اس سے وحشت، دہشت اور اضطراب دور ہوتا اور طبیعت میں حسین کی طرف رجحان پیدا ہوتا ہے۔ اس لیے کہ حسن طبیعت کو اطمینان دیتا ہے اور حُسن کے ذریعے بندے کو ہر خوف، پریشانی اور غم سے نجات اور امن مل جاتا ہے۔ اللہ رب العزت نے اس آیت مبارکہ میں اپنے اسماء کو اسماءِ حسنٰی قرار دے کر اِن سے نسبت دہشت و وحشت کو ہٹا دیا اور اپنے ناموں کو خوف سے پاک کر دیا۔

۴۔ اللہ رب العزت نے دوسرے مقام پر ارشاد فرمایا:

قُلْ مَنْ یَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط قُلِ اللهُ.(۱)

ان سے پوچھئے کون ہے جو تمہیں آسمانوں اور زمینوں سے رزق دیتا ہے؟ بتا دیجئے کہ اللہ ہے۔

یقیناً رزق دینا، پرورش کرنا اور پالنا سراسر عملِ رحمت و شفقت ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنی اس صفت رحمت کی طرف جب مخلوق کی توجہ مبذول کروائی تو مخلوق کو اپنی جانب متوجہ کرنے کے لیے اپنے اسم ذات ’اللہ‘ کو بیان فرمایا۔

۵۔ سورۃ العنکبوت میں ارشاد فرمایا:

وَلَئِنْ سَاَلْتَهُمْ مَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَیَقُوْلُنَّ اللهُ ج فَاَنّٰی یُؤْفَكُوْنَ○(۲)

اور اگر آپ اِن (کفّار) سے پوچھیں کہ آسمانوں اور زمین کو کس نے پیدا کیا اور سورج اور چاند کو کس نے تابع فرمان بنا دیا تو وہ ضرور کہہ دیں گے: اللہ نے، پھر وہ کدھر الٹے جا رہے ہیں○

(۱) سبأ، ۳۴: ۲۴

(۲) العنکبوت، ۲۹: ۶۱

اللہ رب العزت نے اس آیت کریمہ میں پہلے اپنے چشمۂ فیض و کرم اور چشمۂ رحمت کا ذکر کرتے ہوئے زمین و آسمان کو تخلیق کرنے، چاند اور سورج کو ہمارے لیے روشنی اور بقائے زیست کے اسباب بنانے اور اُنہیں ہمارے لیے مسخر کر کے ہماری خدمت پر مامور کرنے کو بیان فرماتے ہوئے کہا کہ یہ سب کچھ اُس کا انسانوں پر لطف و کرم، رحمت و شفقت اور عنایت و احسان ہے۔ ان صفاتِ رحمت کا تذکرہ کر کے انہیں اپنے اسمِ ذات 'اللہ' کے ساتھ ایک خاص تعلق میں بیان فرما دیا کہ یہ عنایات و نوازشات کرنے والی اور تمہیں اپنی رحمت کی چادر میں ڈھانپنے والی واحد ذات 'اللہ' ہی کی ہے۔

۶۔ کائنات کے پورے نظام میں اللہ رب العزت کی رحمت و شفقت کے جن چشموں کا ظہور ہو رہا ہے، اللہ رب العزت نے مخلوق کو ان کی طرف متوجہ کرنے کے لیے اپنی صفاتِ رحمت کو مختلف طریقوں سے بیان کیا ہے۔ چنانچہ یہی اُسلوب سورۃ الفاتحہ کی ابتدا میں اختیار کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۝ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ۝[1]

سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کی پرورش فرمانے والا ہے۝
نہایت مہربان بہت رحم فرمانے والا ہے۝

اللہ تعالیٰ نے پہلی آیت میں اپنی ربوبیت و الوہیت کا تعارف کرایا۔ دوسری آیت میں اپنی صفاتِ رحمت الرحمٰن الرحیم کو بیان فرمایا کہ رب وہ ہے جو رحمان اور رحیم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے اوّلین تعارف کے لیے خالقُ، رازق، قهار و جبار، حي و قيوم، عليم و خبير، سميع و بصير، قادر مطلق اور دیگر تمام صفات میں سے کسی کا بھی تذکرہ نہیں فرمایا بلکہ انہیں بعد کے لیے مؤخر رکھا۔ اللہ رب العزت نے انسانی ذہن پر نقش کرنے کے لیے اپنا پہلا تعارف، اپنی الوہیت و ربوبیت کا پہلا تصور چنا، وہ الرحمٰن، الرحیم ہے تاکہ جونہی اللہ کا نام آئے تو اسے سنتے ہی ذہنوں میں اُس کے رحمٰن و رحیم ہونے کا تصور آ جائے۔

---

(۱) الفاتحة، ۱: ۱-۲

قرآن مجید میں اللہ رب العزت کے اختیار کردہ اس اسلوب سے تعلیم و تربیت کے حوالے سے بھی ایک زریں نکتہ سامنے آتا ہے کہ کسی کے سامنے جب بھی اسلام، نبوت و رسالتِ محمدی ﷺ اور شریعتِ اسلامیہ کا حوالہ دینا ہو یا تعلیمات سے متعارف کروانا ہو تو اس انداز سے کروانا چاہیے کہ مخاطب کے ذہن میں اسلام اور اس کی تعلیمات کا پہلا تاثر رحمت، شفقت، محبت اور امن وسکون کا آنا چاہیے۔

المختصر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے اسم ذات کے ساتھ اپنی صفتِ رحمت کو قرآن مجید میں لفظاً، معناً، صراحتاً، اشارتاً، دلالتاً، مضموناً، اطلاقاً اور الغرض مختلف پیرائے میں بیان فرمایا۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں کثرت سے ایسے الفاظ اور مضامین ملتے ہیں جو صفتِ رحمت، صفتِ بخشش، صفتِ عنایت، صفتِ عفو و درگزر، صفتِ عطا، صفتِ حفاظت، صفتِ سلام، صفت مومن، صفتِ کرم اور احسان پر دلالت کر رہے ہوتے ہیں۔

۴۔ شانِ ربوبیت میں کارفرما رحمت

لفظ اللہ سے رب العزت کی شانِ الوہیت میں کارفرما رحمت کی تفہیم کے بعد آیئے اب ہم اللہ رب العزت کی شانِ ربوبیت میں کارفرما رحمت کے بارے میں جانتے ہیں۔

قرآن مجید کی ابتدا ہی میں ارشاد فرمایا:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ○

سب تعریفیں اللہ ہی کے لیے ہیں جو تمام جہانوں کی پرورش فرمانے والا ہے○

لفظ رب کے تحت بھی بے شمار علمی و تفسیری بحثیں ہیں (تفصیل کے لیے میری تصانیف 'تفسیر سورۃ الفاتحۃ' اور 'تسمیۃ القرآن' کا مطالعہ کریں) مگر اس وقت ہم لفظ اللہ کی طرح لفظ رب کے بھی ایک ہی گوشے کا مطالعہ کریں گے تاکہ پتہ چلے کہ تصور 'إلٰہ' کی طرح اسلام کا تصورِ 'رب' کیا ہے اور ان دونوں تصورات کا اسلام کے دینِ رحمت و شفقت ہونے سے کیا اور کتنا ربط و تعلق ہے؟

(۱) ربوبیت کا معنی و مفہوم

امام راغب اصفہانی ’المفردات‘ میں فرماتے ہیں:

الرّبُ فِي الأصلِ التَّرْبِيَة، وَهُوَ إنشاءُ الشيء حالاً فحالاً إلٰى حد التَّمام. [1]

لفظ رب اصلاً تربیت کے معنٰی میں ہے اور اس (تربیت کا یا ربوبیت) کا معنٰی ہے کسی چیز کو درجہ بدرجہ اس کی ابتدائی حالت سے لے کر (مختلف احوال سے گزارتے ہوئے) اس کی آخری حد کمال تک پہنچا دینا۔

اس معنیٰ کی رُو سے تربیت کے اس ارتقائی عمل کے جاری رکھنے والے کو رب کہتے ہیں اور اس عمل کو تربیت کہتے ہیں، یہی نظام ربوبیت ہے۔ گویا ربوبیت اور رب دونوں تربیت پر دلالت کرتے ہیں۔

اس ضمن میں قاضی بیضاوی اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں:

التَّربيَّةُ هِيَ تَبْلِيْغُ الشيءِ اِلٰى كمالهٖ شيئاً فشيئاً. [2]

رب اور ربوبیت، تربیت سے ہے اور اس سے مراد یہ ہے کہ کسی چیز کو درجہ بدرجہ یعنی تھوڑا تھوڑا مرحلہ وار ترقی دیتے ہوئے کمال کی منزل تک پہنچا دینا۔

دیگر تمام ائمہ تفسیر و لغت نے بھی رب اور ربوبیت کے یہی معنٰی بیان کئے ہیں۔

(۲) ربوبیت کی اصل بھی رحمت ہے

اس لغوی معنٰی کے لحاظ سے رب وہ ہستی ہے جو کسی شے کو ایک انتہائی سادہ اور ابتدائی حالت سے ترقی دیتے ہوئے درجۂ کمال تک پہنچا دے۔ یہ بات مسلّمہ ہے کہ کسی کو ترقی

(۱) راغب اصفہانی، المفردات: ۱۸۴

(۲) بیضاوی، أنوار التنزيل وأسرار التأويل، ۱: ۵۱

دینا اس وقت تک ممکن نہیں ہوتا جب تک ترقی دینے والے کا زاویۂ نگاہ رحمت، احسان اور لطف و کرم کا نہ ہو۔ گویا معلوم ہوا کہ تربیت کے اس تمام عمل کی اصل بھی رحمت ہی ہے۔

عربی زبان و ادب میں والدین کو مجازاً رَب کہتے ہیں۔ قرآن مجید کی سورۃ بنی اسرائیل میں اولاد کو والدین کے حق میں یہ دعا کرنے کی تلقین کی گئی ہے:

قُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰنِيْ صَغِيْرًا ٥(۱)

اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے (رحمت و شفقت سے) پالا تھا ٥

یہاں قرآن مجید نے رب کے لفظ کے لیے محبت اور تربیت دونوں کو عین یک دیگر قرار دیا۔ گویا رحمت، تربیت کی بنیاد بھی ہے اور ایسا مؤثر عامل (factor) بھی ہے جس سے تربیت اور پرورش وجود میں آتی اور ظہور پذیر ہوتی ہے۔ اس لیے کہ اگر ماں باپ کے دلوں میں رحمت نہ ہو تو وہ اولاد کی تربیت و پرورش ہی نہ کر سکیں۔ اوّلین حالت سے کمال کے درجے تک لے جانا رحمت کے بغیر کیسے ممکن ہے؟ اولاد کی تربیت میں ماں کا کردار اس لیے بھی زیادہ ہے کہ اس کے دل میں رحمت و شفقت کا عنصر باپ کی نسبت زیادہ ہوتا ہے۔

اللہ رب العزت نے ماں کے سینے میں بچے کے لیے رحمت کو جس کمال پر رکھا ہے اسی جذبے کا نام 'ممتا' ہے۔ یہ ممتا ہی ہے جو بچے کی تربیت اور پرورش کرتی، اس کو پالتی اور خود کٹھن مراحل سے گزر کر اُسے جوان کرتی ہے۔ چھوٹے بچوں کے مصائب، مسائل، مشکلات اور لمحہ بہ لمحہ بیماریوں کا ذرا جائزہ لیں اور پھر ماں کی پروش دیکھئے کہ بچہ جب تک خود کھانے پینے اور اپنی ضروریات کو خود ہی حاصل کرنے کے قابل نہیں ہو جاتا تب تک اس کی پرورش کا سارا عمل ماں کی ممتا ہی انجام دیتی ہے۔ یہ پرورش اور ماں کی ممتا دراصل سراسر رحمت ہے، اگر یہ رحمت غیر معمولی حد تک ماں کے اندر نہ ہو تو بچوں کی پرورش ممکن نہ ہو سکے۔

یہی کیفیت جانوروں کی بھی ہے، وہ دور دراز سے اپنے بچوں کے لیے خوراک ڈھونڈ

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۴

کر ڈھونڈ کر لاتے اور ان کے منہ میں ڈالتے ہیں۔ پرندوں میں بھی مامتا کا جذبہ کارفرما ہوتا ہے کہ وہ اپنی چونچ کے ذریعے اپنے ننھے منھے بچوں کو کھلاتے اور پلاتے ہیں۔ الغرض اللہ رب العزت نے جس کے ذمہ بھی اپنی اولاد کی پرورش کا فریضہ سونپا ہے خواہ وہ انسان ہے، جانور ہے یا پرندہ ہے، اسے اس نے اپنی اولاد کے لیے مجازی رب بنایا ہے۔

جہاں تک خود اس حقیقی رب کی بات ہے تو اس نے اپنے پورے نظامِ ربوبیت کوساری کائنات اور کل مخلوقات کے لیے رحمت سے بھر دیا ہے۔ اس میں خواہ انسان ہوں یا حیوان، چرند ہوں یا پرند، مسلم ہوں یا غیر مسلم، مومن ہوں یا کافر، مشرک ہوں یا موحد، ملائک ہوں یا عالمِ خلق کی دیگر مخلوق ہو۔ اللہ رب العزت کی ربوبیت اُن کے لیے رحمت سے معمور ہے چونکہ اللہ نے ان سب مخلوقات کی پرورش کرنی ہے اور ہر شے کو ایک نقطۂ آغاز سے آخری کمال تک پہنچانا ہے، اس لیے کہ وہی رب العالمین ہے۔

یہ بھی اللہ رب العزت کی ربوبیت میں پنہاں اس کی رحمت کا اظہار ہے کہ اس نے جس خطے میں بھی مخلوق رکھی ہے، وہاں اس کے پیدا ہونے، باقی رہنے، اُسے فائدہ پہنچانے اور اس کی بقاء کے اسباب بھی پیدا فرمائے ہیں۔ اِس تفصیل کو بیان کرنے کا مقصد یہ ہے کہ اللہ رب العزت کی رحمت اور تربیت، معنوی اعتبار سے عینِ یک دگر ہیں اور ایک دوسرے کے لیے لازم وملزوم ہیں۔ رحمت نہ ہوتو تربیت نہیں ہوسکتی اور جہاں تربیت ہوگی وہاں لازماً رحمت ہو گی۔ چنانچہ اللہ رب العزت کے تصورِ ربوبیت میں 'رحمت اور ملکیت' دونوں معانی موجود ہیں۔

۵۔ نظامِ ربوبیت، معبودیتِ الٰہیہ کی دلیل ہے

اللہ رب العزت نے کفار ومشرکین اور منکرین کے سامنے اپنے إلٰہ اور معبود ہونے کی دلیل کے لیے نظامِ ربوبیت کو بنایا۔ اس کی ساری رحمت ہمہ جہت طریق سے جب تک مخلوق کی طرف متوجہ نہ ہو اس وقت تک ربوبیت کا عمل وجود میں نہیں آ سکتا۔ رب العالمین ہونے کا مطلب، ساری کائنات، سارے جہانوں اور جہانوں ان کی تمام مخلوقات کی پرورش کرنا ہے۔ پرورش کا یہ معنٰی کسی بھی چیز کو اس کی ابتدائی، اصل، سادہ اور ادنیٰ حالت سے لے کر حدِ کمال

تک اس طرح پہنچانا ہے کہ اس کی ساری ضرورتوں کی کفالت بھی ہو، بقاء کو بھی ملحوظِ مظر رکھا جائے اور اسے توانا، مضبوط، مستحکم اور طاقتور بھی کیا جائے۔

اس تصور کو سامنے رکھ کر آیئے! قرآن مجید کا مطالعہ کرتے ہیں کہ کس طرح اللہ رب العزت نے اپنے نظامِ ربوبیت میں فعلاً اپنی رحمت کے مظاہر رکھے ہیں۔

۱۔ سورۃ النمل میں ارشاد فرمایا:

اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً ج فَاَنْۢبَتْنَا بِهٖ حَدَآئِقَ ذَاتَ بَهْجَةٍ ج مَا كَانَ لَكُمْ اَنْ تُنْۢبِتُوْا شَجَرَهَا ط ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللهِ.[1]

بلکہ وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمین کو پیدا فرمایا اور تمہارے لیے آسمانی فضا سے پانی اتارا، پھر ہم نے اس (پانی) سے تازہ اور خوشنما باغات اُگائے؟ تمہارے لیے ممکن نہ تھا کہ تم ان (باغات) کے درخت اُگا سکتے۔ کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) معبود ہے؟

اللہ رب العزت نے اس آیت میں اپنا تعارف کرواتے ہوئے سامانِ رحمت گنواتے ہوئے اپنی الوہیت اور اپنے معبود ہونے سے ہماری شناسائی اپنے نظام ربوبیت کے ذریعے کروائی ہے۔ جو سراسر اس کی صفاتِ رحمت اور افعالِ رحمت کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ اللہ رب العزت نے آسمان سے بارش ہونے، زمین سے فصل، پھل اور باغات کے اُگنے کا ذکر کر کے اپنے نظامِ ربوبیت کی طرف اشارہ کیا اور پھر اسی نظامِ ربوبیت کو دلیل بنا کر فرمایا:

ءَ اِلٰـهٌ مَّعَ اللهِ ’کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) معبود ہے؟‘ یا وہی خدا ہے جس نے یہ سب کچھ تمہارے لیے پیدا فرمایا ہے۔

۲۔ سورۃ النمل میں ہی اگلی آیت میں ارشاد فرمایا:

اَمَّنْ جَعَلَ الْاَرْضَ قَرَارًا وَّجَعَلَ خِلٰلَهَآ اَنْهٰرًا وَّجَعَلَ لَهَا رَوَاسِيَ وَجَعَلَ

(۱) النمل، ۲۷: ۶۰

بَيۡنَ الۡبَحۡرَيۡنِ حَاجِزًا ؕ ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ.[1]

بلکہ وہ کون ہے جس نے زمین کو قرار گاہ بنایا اور اس کے درمیان نہریں بنائیں اور اس کے لیے بھاری پہاڑ بنائے۔ اور (کھاری اور شیریں) دو سمندروں کے درمیان آڑ بنائی؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) معبود ہے؟

اللہ رب العزت نے اس آیت کریمہ میں اپنے نظام ربوبیت کی ایک نشانی زمین کو صرف قیام گاہ قرار نہیں دیا، بلکہ جائے قرار فرمایا ہے یعنی ٹھہرنے کی ایسی جگہ جہاں سکون و قرار بھی موجود ہو۔ قیام گاہ اگر تنگ جگہ ہو اور پریشان کرنے والی جگہ ہو تو اسے 'قراراً' نہیں کہہ سکتے بلکہ قیاماً کہا جا سکتا ہے۔ اللہ رب العزت کی رحمت کا عالم یہ ہے کہ اس نے زمین میں ہمارا قیام بھی بنایا، اس میں استقرار بھی بنایا اور اس ماحول میں ہمیں وہ اسباب بھی فراہم کیے جو ہماری بقاءِ حیات کی ضمانت فراہم کرسکیں۔

آیت کریمہ میں زمین پر بھاری پہاڑوں کے نصب کرنے اور دو دریاؤں کے سنگم پر ان کے درمیان ایک لطیف حجاب کے قائم کرنے کا ذکر بھی دراصل رحمت ہی کا تذکرہ ہے۔ دراصل اِن تمام انعامات و نوازشات اور اپنے نظامِ ربوبیت میں کارفرما رحمت کے مظاہر بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے اپنی معبودیت کی طرف متوجہ کیا کہ کیا اس اللہ کے سوا اور بھی کوئی معبود ہوسکتا ہے جو تمہیں بے خوف کرنے اور سکون عطا کرنے کے لیے تم پر اتنی بے پایاں رحمتیں کر رہا ہے۔

۳۔ سورۃ النمل کی اگلی آیات میں ارشاد فرمایا:

اَمَّنۡ يُّجِيۡبُ الۡمُضۡطَرَّ اِذَا دَعَاهُ وَيَكۡشِفُ السُّوۡٓءَ وَيَجۡعَلُكُمۡ خُلَفَآءَ الۡاَرۡضِ ؕ ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ ؕ قَلِيۡلاً مَّا تَذَكَّرُوۡنَ ؕ اَمَّنۡ يَّهۡدِيۡكُمۡ فِىۡ ظُلُمٰتِ الۡبَرِّ وَالۡبَحۡرِ وَمَنۡ يُّرۡسِلُ الرِّيٰحَ بُشۡرًا ۢ بَيۡنَ يَدَىۡ رَحۡمَتِهٖ ؕ ءَاِلٰـهٌ مَّعَ اللّٰهِ.[2]

---

(۱) النمل، ۲۷: ۶۱

(۲) النمل، ۲۷: ۶۲-۶۳

بلکہ وہ کون ہے جو بے قرار شخص کی دعا قبول فرماتا ہے جب وہ اسے پکارے اور تکلیف دور فرماتا ہے اور تمہیں زمین میں (پہلے لوگوں کا) وارث و جانشین بناتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) معبود ہے؟ تم لوگ بہت ہی کم نصیحت قبول کرتے ہوo بلکہ وہ کون ہے جو تمہیں خشک و تر (یعنی زمین اور سمندر) کی تاریکیوں میں راستہ دکھاتا ہے اور جو ہواؤں کو اپنی (بارانِ) رحمت سے پہلے خوشخبری بنا کر بھیجتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ کوئی (اور بھی) معبود ہے؟

مذکورہ دو آیات بھی اُس کے نظامِ ربوبیت کی واضح علامات کو بیان کر رہی ہیں۔ اِن علامات سے بھی رحمت و شفقت ہی عیاں ہے اور پھر رحمتوں بھرے اسی نظامِ ربوبیت کو اپنی معبودیت کی دلیل کے طور پر بیان فرمایا۔

۴۔ سورۃ النوح میں ارشاد فرمایا:

وَ جَعَلَ الْقَمَرَ فِيهِنَّ نُوْرًا وَّجَعَلَ الشَّمْسَ سِرَاجًاo وَاللهُ اَنْبَتَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ نَبَاتًاo ثُمَّ يُعِيْدُكُمْ فِيهَا وَيُخْرِجُكُمْ اِخْرَاجًاo وَاللهُ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ بِسَاطًاo لِّتَسْلُكُوْا مِنْهَا سُبُلًا فِجَاجًاo[1]

اور اس نے ان میں چاند کو روشن کیا اور اس نے سورج کو چراغ (یعنی روشنی اور حرارت کا منبع) بنایاo اور اللہ نے تمہیں زمین سے سبزے کی مانند اُگایاo پھر تم کو اسی (زمین) میں لوٹا دے گا اور (پھر) تم کو (اسی سے دوبارہ) باہر نکالے گاo اور اللہ نے تمہارے لیے زمین کو فرش بنا دیاo تاکہ تم اس کے کشادہ راستوں میں چلو پھروo

اللہ تعالیٰ نے ان آیات کریمہ میں چاند اور سورج کی صورت میں اپنی رحمت ظاہر کرنے کے ذکر کے بعد زمین سے ایک خاص انداز کے ساتھ انسان کی تخلیق ونشونما اور زمین ہی سے اس کے لیے غذا کے اہتمام کا ذکر فرمایا۔

---

(۱) نوح، ۷۱: ۱۶-۲۰

www.MinhajBooks.com

زمین کے ساتھ انسان کے تعلق کو جوڑنے کی وجہ بھی اللہ رب العزت کے اسی نظام ربوبیت میں کارفرما رحمت ہے جسے وہ اپنی معبودیت کی دلیل کے طور پر بیان فرما رہا ہے۔ یعنی انسان جب اس دنیا میں قیام کا زمانہ ختم کرنے کے بعد اسی زمین میں دفنایا جائے گا، تو وہ زمین کے ساتھ ایک موانست اور طبعی موافقت رکھتا ہو گا کیونکہ دنیاوی زندگی میں اسی زمین سے اس کے لیے سامانِ حیات، پھل، سبزیاں اور اناج کی شکل میں پیدا کیا جاتا تھا۔ لہٰذا وہ زمین سے وحشت اور اجنبیت محسوس نہیں کرے گا، اس لیے کہ وہ سمجھتا ہوگا کہ یہ تو وہی زمین ہے جس سے میں نکلا تھا اور اِسی سے میری ساری ضروریاتِ زندگی کی کفالت ہوتی تھی، لہٰذا آج میں اسی زمین کی گود میں لٹا دیا گیا ہوں۔ انسان کی وحشت اور اجنبیت کو ختم کرنا بھی اللہ رب العزت کی رحمت کا اظہار ہے جو وہ اپنے نظامِ ربوبیت کے ذریعے واضح فرما رہا ہے۔

۵۔ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں سورۃ عبس میں فرمایا:

فَلْيَنْظُرِ الْاِنْسَانُ اِلٰى طَعَامِهٖٓ ط اَنَّا صَبَبْنَا الْمَآءَ صَبًّاO [1]

پس انسان کو چاہیے کہ اپنی غذا کی طرف دیکھے (اور غور کرے)۔ بے شک ہم نے خوب زور سے پانی برسایاO

اس آیت سے پانی کے ذریعے پیاس کے بجھنے، ٹھنڈک، صفائی، لطافت، پاکیزگی اور حیات آفرینی کے تاثرات ابھرتے ہیں۔ وہ پانی جس کا نام سن کر ہی ذہنِ انسانی میں نفسیاتی طور پر فرحت اور راحت کا خوبصورت تاثر پیدا ہوتا ہے، اُسے قرآن مجید میں ہر جاندار اور صاحبِ حیات شے کی زندگی کی ابتدا قرار دیا گیا۔ ارشاد فرمایا:

وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ. [2]

اور ہم نے (زمین پر) پیکرِ حیات (کی زندگی) کی نمود پانی سے کی۔

---

(۱) عبس، ۸۰: ۲۴

(۲) الأنبیاء، ۲۱:۳۰

ان آیات میں یہ بتانا مقصود ہے کہ جس چیز کا نام یا جس کے تصور سے انسان کے قلب و باطن میں امن وسکون کا تاثر ابھرتا ہے، اسی چیز کو انسانی زندگی کا مبداء بنایا گیا ہے۔ گویا پانی اللہ رب العزت کے نظامِ ربوبیت کا ایک شاہکار ہے جس کے بغیر زندگی کا تصور ناممکن ہے۔ اس شاہکار سے بھی انسانوں کے لیے رحمت وشفقت کے سوتے پھوٹتے نظر آتے ہیں۔

۶۔ نظامِ ربوبیت کی علامات میں کارفرما رحمتوں کی طرف متوجہ کرتے ہوئے ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

ثُمَّ شَقَقْنَا الْاَرْضَ شَقًّاo فَاَنْۢبَتْنَا فِیْهَا حَبًّاo وَّعِنَبًا وَّقَضْبًاo وَّ زَیْتُوْنًا وَّنَخْلًاo وَّ حَدَآئِقَ غُلْبًاo وَّ فَاكِهَةً وَّاَبًّاo مَّتَاعًا لَّكُمْ وَلِاَنْعَامِكُمْo[(۱)]

پھر ہم نے زمین کو پھاڑ کر چیر ڈالاo پھر ہم نے اس میں اناج اگایاo اور انگور اور ترکاریo اور زیتون اور کھجورo اور گھنے گھنے باغاتo اور (طرح طرح کے) پھل میوے اور (جانوروں کا) چارہo خود تمہارے اور تمہارے مویشیوں کے لیے متاعِ (زیست)o

اللہ رب العزت نے بھلا یہ سب نعمتیں کیوں عطا فرمائیں؟ اس لیے کہ انسان جدھر بھی نگاہ اُٹھائے تو سبز مخملیں قالین کی طرح لہلہاتے ہوئے کھیت، اس کی نگاہوں اور طبیعتوں کو سکون دیں۔ کہیں اسے باغات نظر آئیں اور کہیں طرح طرح کے خوبصورت پھل اور پھول نظر آئیں جو اس کی آنکھوں کو سکون، قلب و روح کو ایک کیفیت اور جسم و جان کو سرور دیں کیونکہ اِس انسان کی حیات کے بقا کا سامان بھی انہی میں ہے۔

۷۔ سورۃ النحل میں فرمایا:

وَاللّٰهُ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً فَاَحْیَا بِهِ الْاَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَاo وَاِنَّ لَكُمْ فِی الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ؕ نُسْقِیْكُمْ مِّمَّا فِیْ بُطُوْنِهٖ مِنْۢ بَیْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا

---

(۱) عبس، ۸۰، ۲۶-۳۲

www.MinhajBooks.com

سَآئِغًا لِّلشّٰرِبِیْنَo وَمِنْ ثَمَرٰتِ النَّخِیْلِ وَالْاَعْنَابِ تَتَّخِذُوْنَ مِنْهُ سَكَرًا وَّرِزْقًا حَسَنًا ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّعْقِلُوْنَo وَاَوْحٰی رَبُّکَ اِلَی النَّحْلِ اَنِ اتَّخِذِیْ مِنَ الْجِبَالِ بُیُوْتًا وَّمِنَ الشَّجَرِ وَمِمَّا یَعْرِشُوْنَo ثُمَّ کُلِیْ مِنْ کُلِّ الثَّمَرٰتِ فَاسْلُکِیْ سُبُلَ رَبِّکِ ذُلُلًا ط یَخْرُجُ مِنْ بُطُوْنِهَا شَرَابٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهٗ فِیْهِ شِفَآءٌ لِّلنَّاسِ ط اِنَّ فِیْ ذٰلِکَ لَاٰیَةً لِّقَوْمٍ یَّتَفَکَّرُوْنَo(۱)

اللہ نے آسمان کی جانب سے پانی اتارا اور اس کے ذریعے زمین کو اس کے مردہ (یعنی بنجر) ہونے کے بعد زندہ (یعنی سرسبز و شاداب) کر دیاo اور بے شک تمہارے لیے مویشیوں میں (بھی) مقامِ غور ہے، ہم ان کے جسموں کے اندر کی اس چیز سے جو آنتوں کے (بعض) مشمولات اور خون کے اختلاط سے (وجود میں آتی ہے) خالص دودھ نکال کر تمہیں پلاتے ہیں (جو) پینے والوں کے لیے فرحت بخش ہوتا ہےo اور کھجور اور انگور کے پھلوں سے تم شکّر اور (دیگر) عمدہ غذائیں بناتے ہو، بے شک اس میں اہلِ عقل کے لیے نشانی ہےo اور آپ کے رب نے شہد کی مکھی کے دل میں (خیال) ڈال دیا کہ تو بعض پہاڑوں میں اپنے گھر بنا اور بعض درختوں میں اور بعض چھپروں میں (بھی) جنہیں لوگ (چھت کی طرح) اونچا بناتے ہیںo پس تو ہر قسم کے پھلوں سے رس چوسا کر پھر اپنے رب کے (سمجھائے ہوئے) راستوں پر (جو ان پھلوں اور پھولوں تک جاتے ہیں جن سے تو نے رس چوسنا ہے، دوسری مکھیوں کے لیے بھی) آسانی فراہم کرتے ہوئے چلا کر، ان کے شکموں سے ایک پینے کی چیز نکلتی ہے (وہ شہد ہے) جس کے رنگ جداگانہ ہوتے ہیں، اس میں لوگوں کے لیے شفا ہے، بے شک اس میں غور و فکر کرنے والوں کے لیے نشانی ہےo

ان آیات مبارکہ میں زمین کو پانی کے ذریعے زندگی بخشنا، جانوروں سے دودھ کی

(۱) النحل، ۱٦: ٦۵-٦۹

فراہمی، پھلوں سے غذاؤں کی تیاری اور شہد کی مکھی سے شہد کی دستیابی کے ذکر پر مبنی یہ پورا مضمون بھی اوّل سے آخر تک بیانِ رحمت ہے۔

مذکورہ جملہ آیات میں اللہ تعالیٰ کی الوہیت و ربوبیت کا سارا تذکرہ رحمت و شفقت، لطف و کرم، انعام و احسان اور نرمی وعنایت کے تاثر سے لبریز ہے۔ اللہ رب العزت نے اپنے إلٰہ ہونے پر ایمان لانے کی دعوت بھی اپنے نظامِ ربوبیت اور اس میں کارفرما رحمت کے ذریعے دی۔ ان انعاماتِ الٰہی کے تذکرہ سے دل و دماغ پر سختی، اضطراب یا خوف و ہراس کے تاثر کے بجائے نفسیاتی طور پر رحمت، سکون، اطمینان کی کیفیت نصیب ہوتی ہے اور دل و دماغ کو راحت ملتی ہے۔ اس طرح اللہ رب العزت قرآن مجید میں رحمت پر مبنی اپنی اُن صفات اور اُن افعال کو ہمارے سامنے بیان کر رہا ہے جو ہماری سمجھ میں بھی آ سکیں اور ان سے اس کے رب اور إلٰہ ہونے کے تصور کا پورا نقشۂ رحمت بھی انسانی ذہن میں ابھرے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس طرح لفظِ 'اللہ' کے معانی میں رحمت اور شفقت ہے اسی طرح لفظِ 'رب' کے معانی میں بھی پرورش کرنے اور کمال تک پہنچانے کی وجہ سے رحمت و شفقت نمایاں ہے۔ اس کے نظامِ ربوبیت کا سارا کے سارا بیان رحمت پر مشتمل ہے اور خود نظامِ ربوبیت بھی رحمت ہی ہے۔ قرآن مجید نے جہاں جہاں **وَحْدَهٗ لَا شَرِيْکَ لَهٗ** اور اس کی ربوبیت اور الوہیت پر ایمان لانے کی دعوت دی ہے اور اس کی ربوبیت کی نشانیاں اور عظمتیں بیان کی ہیں، وہاں تمام جگہوں پر اس مضمون کو رحمت ہی کے بیان سے مکمل کیا ہے، تاکہ انسانیت یہ جان لے کہ اللہ رب العزت کی ربوبیت سراسر رحمت ہے۔

باب نمبر 3

اَسماءِ صفاتی ’الرحمن الرحیم‘ کے مفاہیم اور معنوی اِمتیازات

www.MinhajBooks.com

www.MinhajBooks.com

اسلام اور اسلامی تعلیمات کے عمومی مزاج، اللہ رب العزت کی الوہیت اور ربوبیت میں غالب ترین عنصر رحمت ہی کا ہے۔ 'اِلٰہ' اور 'رب' دونوں اصطلاحات کو لغوی اعتبار سے اور قرآنی آیات کریمہ کے حوالے سے تفصیلی جاننے کے بعد آیئے اب 'اسلام دینِ امن و رحمت ہے' کا سورۃ الفاتحہ کی دوسری آیت کریمہ کی روشنی میں مطالعہ کرتے ہیں۔

ا۔ سورۃ الفاتحہ میں شانِ اُلوہیت و ربوبیت کے بیان سے رحمتِ الٰہی کا اِظہار ہوتا ہے

اللہ تعالیٰ نے سورۃ الفاتحہ میں اپنے ذاتی اسم اللہ کے تعارف کے لیے رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کا انتخاب فرمایا اور رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے تعارف کے لیے الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ کو منتخب فرمایا۔ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ کے لفظ سے اس نے اپنا تعارف کروا کر عالمِ اِنس و جن تک یہ پیغام پہنچا دیا کہ میری ربوبیت ایک نسل، قبیلے، علاقے اور کسی ایک مذہب کے لیے نہیں بلکہ میں سارے جہانوں اور تمام مخلوقات کا رب ہوں۔ میری ربوبیت آفاقی ہے۔ یہ اسلام کے دینِ رحمت ہونے کا ایسا عالم گیر پیغام ہے جو نہ صرف انسانیت کے لیے بلکہ تمام مخلوقات اور ساری کائنات کے لیے ہے۔

وہ پاک ذات تو اس کا بھی رب ہے جو شخص نہ صرف اُسے مانتا ہی نہیں بلکہ اس کے مقابل دوسروں کو شریک ٹھہراتے ہوئے ان کی بندگی کرتا ہے۔ اللہ کی توحید کا انکار بھی اُس بندے کو ربوبیت کے چشمۂ فیض سے محروم نہیں کرتا۔ کوئی اسے مسجد میں پکارتا ہے تو مندر میں پکارتا ہے۔ وہ رحیم تو بلا امتیاز ہر ایک کی پرورش کرتا ہے کیونکہ اس کی ربوبیت کا مدار کسی کے مسلمان ہونے اور نہ ہونے پر نہیں بلکہ اس کی رحمت کائنات کی ہر چیز کے لیے عام ہے۔

www.MinhajBooks.com

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں جو اسلوب اپنی ربوبیتِ عامہ کے لیے بیان کیا ہے، وہی اسلوب اپنے آخر الزمان نبی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کی رحمت کو بیان کرتے ہوئے اختیار کرتے ہوء ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰـکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ○[1]

اور (اے رسولِ محتشم!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر○

گویا اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت بھی عالمین کے لیے عام رکھی اور اپنے محبوب ﷺ کی رحمت بھی عالمین کے لیے عام رکھی۔ اللہ رب العزت نے اپنی شانِ ربوبیت اور نبی اکرم ﷺ کی رحمت کی آفاقیت و عالمگیریت کا جو تعارف کرایا ہے اس سے مقصود تمام بنی نوعِ انسان کو یہ پیغام دینا ہے کہ اگراللہ تعالیٰ کی بندگی کا نور انسان کے قلب و باطن،شعور،عقیدہ وعمل، اخلاق و کردار میں سرایت کر جائے تو پھراس کی ربوبیت کی مظہریت کا نقشہ اورحضور نبی اکرم ﷺ کی رحمت کا نقشہ انسان کی شخصیت کو بدل ڈالتا ہے۔ لہٰذا ہر انسان کو چاہیے کہ وہ تمام طبقاتی وفاداریوں سے نکل کر ساری دنیا کے لیے فیض رسانی کا مرکز بن جائے۔ اس کی رحمت سب کے لیے ایسے عام ہو جائے جیسے اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کا چشمہ ساری کائنات کے لیے ہے۔

اللہ رب العزت نے سورۃ الفاتحہ میں جب الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کے عنوان سے اپنی صفات کو بیان فرمانا چاہا تو اِس سے قبل اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ کے ذریعے اپنی شانِ الوہیت کو بیان فرمایا اور رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ کے ذریعے اپنی شانِ ربوبیت کا اظہار فرمایا۔ اپنی اِن دونوں شانوں کا اظہار فرما کر الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کے ذریعے اپنی صفاتِ رحمت کو بیان فرمایا۔ یوں اللہ رب العزت نے اپنی الوہیت، ربوبیت اور رحمت کے درمیان ایک ربط قائم فرماتے ہوئے کہا کہ میری الوہیت کو میری شانِ ربوبیت سے سمجھو اور اگر میری شانِ ربوبیت کو سمجھنا ہے تو اسے میری صفات الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ کے آئینہ رحمت سے سمجھو۔ یعنی اُلوہیت و ربوبیت کے ساتھ رحمانیت و

(١) الأنبياء، ٢١: ١٠٧

رحیمیت کچھ اس طرح سے ہم آہنگ اور متصل ہے کہ ان کی یکجائی کے بغیر تصورِ الوہیت اور تصورِ ربوبیت کا مضمون مکمل نہیں ہوسکتا؛ اس لیے کہ ان دونوں پر شانِ رحمت غالب اور محیط ہے۔ معلوم ہوا کہ اللہ وہ ذات ہے جو رحمٰن اور رحیم ہے، رب وہ ذات ہے جو رحمٰن و رحیم ہے اور إلٰہ و معبود وہ ذات ہے جو رحمٰن و رحیم ہے۔ اس اسلوب میں یہ پیغام پنہاں ہے کہ اگر بندہ اللہ رب العزت کے چشمۂ ربوبیت اور چشمۂ رحمت سے فیض یاب ہونا چاہتا ہے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنے اخلاق اور کردار میں وہ حسن پیدا کرے جو حسن، اللہ رب العزت کے چشمۂ ربوبیت سے عیاں ہو رہا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کا اپنی رحمت اور ربوبیت کی خوبیوں کا حسین وجمیل اور لائق حمد وثنا مرقع ہمارے سامنے بارہا مرتبہ بیان فرمانے کا مقصود یہی ہے کہ ہم بھی اپنی شخصیت میں اس رحمت کے اظہار کو نمایاں کریں۔

۲۔ سورۃ الفاتحہ میں اَسماء رحمت کی باقی اَسماءِ الٰہیہ پر تقدیم

اللہ تعالیٰ نے دیباچۂ قرآن سورۃ الفاتحہ کی ابتدا میں رحمت کو بیان کیا اور باقی ساری صفتوں کو مؤخر رکھا حالانکہ سورۃ الفاتحہ میں صفات و انعامات اور سزا اور انتقام کا تذکرہ بھی آیا ہے کہ وہ ﴿مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ٥﴾ بھی ہے اور ﴿اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَاِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ٥﴾ کے مصداق حقیقی معبود اور مستعان بھی ہے۔ ہدایت کے متلاشیوں کے لیے ہادی بھی ہے۔ مگر اس نے سب سے پہلے الوہیت و ربوبیت کا تعارف کروانے کے لیے صفتِ رحمت کا انتخاب فرمایا۔ اپنی مالکیت، معبودیت، مدد و اعانت، ہدایت، انعام فرمانے، گمراہی چاہنے والوں کی گمراہی بڑھانے اور غضب کی مظہر صفات کے ذکر پر رحمت کو مقدم رکھا کہ وہ رب ایسی رحمت والا ہے کہ جس کی رحمت سے بڑھ کر کسی رحمت کا تصور بھی نہیں ہوسکتا۔ وہ ایسی رحمت والا رب ہے جو اول تا آخر سراسر رحمت ہی کرتا ہے۔ کائنات ختم ہو جائے گی مگر اس کی رحمت کا سلسلہ کبھی بند نہیں ہوسکتا۔ اس کی رحمت ختم اور منقطع ہونے والی نہیں ہے۔

پھر غور کیجیے کہ اللہ رب العزت نے سورۃ الفاتحہ میں اپنے اوّلین تعارف میں الرحمن الرحیم کے الفاظ کے ذریعے دو صفات کو ایک ساتھ بیان فرمایا جو اس کی رحمت پر دلالت کرتی

ہیں۔ اس حوالے سے یہ اسلوب اختیار نہیں فرمایا کہ ایک صفت علم پر دلالت کر رہی ہو اور دوسری کلام پر اور دو مختلف المعنی صفتوں کو اکٹھا کر کے جامع مضمون بنا دیا جائے۔ بلکہ ایک صفت 'رحمٰن' غایتِ رحمت یعنی رحمت میں مبالغہ اور کثرت کی انتہاء کے لیے اور دوسری صفت 'رحیم' رحمت کے تسلسل اور دوام کے حوالے سے بیان فرمائی کہ ایسی رحمت جو کبھی منقطع نہ ہونے پائے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی شانِ رحمت کو رحمت کے دو اسماء مبالغہ کے ذریعے بیان فرماتے ہوئے یہ پیغام دیا ہے کہ جس اللہ نے لوگوں تک دین اسلام کو بھیجا ہے اس نے مخلوقات کے لیے رحمت کو اپنے ذمہ کرم پر واجب بنایا ہے اور اپنی دیگر تمام صفتوں پر اپنی صفات رحمت کو وسیع اور غالب بنایا۔ لہٰذا دین اسلام میں بھی اپنی دیگر تمام تر خوبیوں کے باوجود غالب تر اور محیط تر صفت رحمت ہوگی۔ اس لیے بجا طور پر جب دینِ اسلام کی تعریف کی جائے گی تو کہا جائے گا کہ دینِ اسلام، دینِ رحمت، دینِ شفقت، دینِ امن، دینِ محبت، دینِ عدل، دینِ سخاء، خیر و بھلائی اور رحمت کا دین ہے۔ یہ وہ تصورِ دین ہے جو اللہ کے تصورِ إلٰہ، اس کے بیان کردہ تصورِ رب اور اس کے صفاتی اسماء 'رحمٰن و رحیم' سے منعکس ہوتا ہے۔

۳۔ رحمت و فضلِ اِلٰہی کا حصول کیونکر ممکن ہے؟

قرآن مجید میں رحمتِ الٰہی کا مختلف انداز سے اظہار بھی اسی لیے ہے کہ رب کائنات یہ چاہتا ہے کہ اس کی رحمت کے چشمہ سے فیض یاب ہونے والے خود بھی اس کے اخلاق کا رنگ اپنے اوپر یوں چڑھا لیں کہ اس کی ساری مخلوق کے لیے سراپا رحمت و شفقت اور تمام انسانیت (دوست ہو یا دشمن) کے لیے لطف و کرم کا پیکر اَتم بن جائیں۔ اس لیے کہ اگر ہم دوسروں کی لغزشوں اور خطاؤں کو نظر انداز نہیں کر سکتے تو اللہ رب العزت سے یہ توقع کس طرح کر سکتے ہیں کہ وہ روزِ محشر ہماری لغزشوں اور خطاؤں کو معاف فرما دے گا؟ اگر ہم لوگوں سے رحمت و شفقت کا سلوک نہیں کر سکتے تو اپنے لیے رحمت و شفقت کی اُمید کیسے کر سکتے ہیں؟

اگر ہم حسنِ اخلاق اور حسنِ کردار کے ذریعے لوگوں کی دل جوئی اور فیض رسانی کا ذریعہ نہیں بن سکتے تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ کے تمام فیوضات کے طالب کس طرح بن سکتے ہیں؟

ایک طرف ہم لوگوں کے لیے ظالم اور دہشت گردی کا مظاہرہ کرنے والے ہوں اور دوسری ہم طرف توقع کریں کہ جب ہم خونِ ناحق سے بھرا ہوا نامہ اعمال لے کر اللہ کی بارگاہ میں حاضر ہوں گے تو کیا وہ ہمیں بخش دے گا۔ نہیں ایسا ہرگز ممکن ہی نہیں ہے۔

اگر اللہ تعالیٰ سے اس کا لطف و کرم چاہتے ہیں تو ہمیں بھی پیکرِ لطف و کرم اور سراپا امن بننا ہو گا۔ ہمارے وجود سے ہر دکھی اور پریشان حال کو امن میسر آئے گا تب ہی اس کی بارگاہ میں پیش ہونے کے خوف سے نجات نصیب ہو گی۔ ہمارا طرزِ عمل ایسا ہونا چاہیے کہ اس سے لوگوں کے خوف دور ہو جائیں اور عفو و درگزر سے ان کے دامن معمور ہو جائیں۔

قرآن مجید نے اس کیفیت کو اس طرح بھی بیان فرمایا ہے:

وَالْكَاظِمِيْنَ الْغَيْظَ وَالْعَافِيْنَ عَنِ النَّاسِ ط وَاللهُ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ○(۱)

اور غصہ ضبط کرنے والے ہیں اور لوگوں سے (ان کی غلطیوں پر) درگزر کرنے والے ہیں، اور اللہ احسان کرنے والوں سے محبت فرماتا ہے○

الغرض اللہ رب العزت اپنی ربوبیت اور اپنے اسماء صفاتی ’رحمٰن و رحیم‘ کے باہمی ربط سے ہمیں یہ تعلیم دینا چاہتا ہے کہ ہماری زندگیوں میں یہ تصور جم جائے کہ ہم مریض، دُکھی، پریشان حال اور گناہ گار انسانوں سے ہرگز نفرت نہ کریں۔ اس لیے کہ اگر ہم ان سے ہی نفرت کرنے لگ گئے تو یہ بے چارے لوگ کہاں جائیں گے؟ شکستہ دلوں کا مداوا کون کرے گا؟ اور ان گنہگاروں کو راہِ راست پر لانے والا کون ہو گا؟ لہٰذا امراض، گناہوں، تکالیف سے بے شک بچیں مگر ان امتحانات اور آزمائشوں میں گھرے ہوؤں کو بھی سینے سے ضرور لگائیں۔ اگر ہم نے ان کو دھتکار دیا تو ہمارا رب بھی پریشانی کے وقت ہم پر رحمت و شفقت نہیں فرمائے گا، اس لیے کہ ہم نے اس کے بندوں پر شفقت و رحمت نہیں کی تھی۔ زبانِ زدِ عام شعر ہے:

کرو مہربانی تم اہلِ زمیں پر
خدا مہرباں ہوگا عرشِ بریں پر

(۱) آل عمران، ۳: ۱۳۴

اسی بناء پر ہمارے لیے بھی اس کی بارگاہ میں شفقت و رحمت کی کوئی گنجائش نہیں ہو گی۔ دنیا میں مخلوقِ خدا کوظلم وستم کا شکار کرنے والے اور انہیں خوف وہراس میں مبتلا کرنے والے قیامت میں کس طرح اس سے امن وسکون کی خیرات کے طالب بن سکتے ہیں؟ دراصل یہ ایک پیغام ہے جو اللہ تعالیٰ نے اپنی الوہیت، ربوبیت اور رحمت کے ذریعے انسانیت کو عطا فرمایا کہ رحمت وفضلِ الٰہی کا حصول مخلوقِ خدا پر رحمت وشفقت سے ہی ممکن ہے۔

۴۔ رحمتِ خاصہ گناہ گاروں کے لیے ہے

اللہ کی الوہیت کو دیکھنا اور سمجھنا ہو تو اس کی ربوبیت کے آئینے میں دیکھو اور اگر اس کی شانِ ربوبیت کو دیکھنا مقصود ہو تو اُسے اس کی وسعتِ رحمت کے آئینے میں دیکھو۔ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں سب سے پہلے اپنی رحمت کا بیان فرمایا اور اس حوالے سے ایک ساتھ اپنی دو صفاتِ رحمت الرَّحْمٰنِ اور الرَّحِیْمِ کو مبالغہ کے صیغہ کے ساتھ استعمال فرمایا۔ اس سے مقصود یہ بتانا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دائرہ کار ہر خاص و عام پر محیط ہے، وہ ہر شخص کے حسبِ حال اس پر اپنی رحم و کرم کی بارش نازل فرماتا ہے مگر وہ لوگ جو بتقاضائے بشریت گناہوں کے مرتکب ہوتے ہیں اور پھر نادم ہو کر اس کی جانب لوٹ آتے ہیں تو ان کا یہ عمل اللہ رب العزت کو بہت محبوب ہے اور یہ لوگ اس کی رحمتِ خاصہ کے حق دار ٹھہرتے ہیں۔

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ لَوْ لَمْ تُذْنِبُوا لَذَهَبَ اللهُ بِكُمْ، وَلَجَاءَ بِقَوْمٍ يُذْنِبُونَ فَيَسْتَغْفِرُوْنَ اللهَ فَيَغْفِرُ لَهُم.(۱)

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ وقدرت میں میری جان ہے، اگر تم لوگ گناہ نہ کرتے تو اللہ تعالیٰ تم کو لے جاتا اور تمہارے بدلے میں ایک ایسی قوم لاتا جو گناہ کرتی اور

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب التوبة، باب سقوط الذنوب بالاستغفار توبة، ۴:۲۱۰۶، رقم: ۲۷۴۹

اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتی اور اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرماتا۔

اس کی وجہ یہ ہے کہ رحمت الٰہی کو جو لطف گنہگاروں کے توبہ کرنے پر انہیں معاف کرنے میں آتا ہے وہ عبادت گزاروں کے سجدوں میں نہیں آتا، اس لیے کہ وہ غفورٌ رَّحِیم بھی تو ہے۔ سجدوں پر نیکوکاروں کے درجات تو بلند کرے گا مگر اس بخشنے والے کو بخشنے میں جو لطف آتا ہے، اس کی بات ہی الگ ہے۔

ابو بکر الوراق کہتے ہیں:

خُضُوْعُ الْفَاسِقِيْنَ أَفْضَلُ مِنْ صَوْلَةِ الْمُطِيْعِيْنَ. (۱)

گنہگاروں کا خشوع و خضوع اطاعت گزاروں کے وقار و تمکنت سے افضل ہے۔

یعنی اطاعت گزاروں، نیکوکاروں اور پرہیزگاروں کی تمکنت، اعتماد اور بھروسے سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ کو گنہگاروں کا عجز و نیاز محبوب ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ گناہ گار جب گناہ کرتے ہیں تو دکھی ہوتے ہیں اور عاجزی کا اظہار کرتے ہوئے معافی کے طلب گار ہوتے ہیں۔

۲۔ حضرت ابو ہریرہ ﷜ بیان کرتے ہیں:

عَنِ النَّبِيِّ ﷺ فِيْمَا يَحْكِي عَنْ رَبِّهِ ﷻ قَالَ: أَذْنَبَ عَبْدٌ ذَنْبًا، فَقَالَ: اللّٰهُمَّ، اغْفِرْ لِي ذَنْبِي. فَقَالَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰى: أَذْنَبَ عَبْدِي ذَنْبًا فَعَلِمَ أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِالذَّنْبِ. ثُمَّ عَادَ، فَأَذْنَبَ، فَقَالَ: أَيْ رَبِّ، اغْفِرْ لِي ذَنْبِي، فَقَالَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰى: عَبْدِي، أَذْنَبَ ذَنْبًا فَعَلِمَ أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ، وَيَأْخُذُ بِالذَّنْبِ، ثُمَّ عَادَ فَأَذْنَبَ، فَقَالَ: أَيْ رَبِّ، اغْفِرْ لِي ذَنْبِي. فَقَالَ تَبَارَکَ وَتَعَالٰى: أَذْنَبَ عَبْدِي ذَنْبًا فَعَلِمَ أَنَّ لَهُ رَبًّا يَغْفِرُ الذَّنْبَ وَيَأْخُذُ بِالذَّنْبِ. اعْمَلْ مَا شِئْتَ فَقَدْ غَفَرْتُ لَکَ. قَالَ عَبْدُ

---

(۱) أبو عبد الرحمن السلمی، طبقات الصوفية: ۱۸۱

www.MinhajBooks.com

الْأَعْلٰی: لَا أَدْرِي أَقَالَ فِي الثَّالِثَةِ أَوِ الرَّابِعَةِ: اعْمَلْ مَا شِئْتَ.(۱)

حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے رب کریم سے روایت کرتے ہوئے بیان فرمایا: ایک بندے نے گناہ کیا اور کہا: اے اللہ! میرے گناہ بخش دے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے فرمایا: میرے بندے نے گناہ کیا ہے اور اس کو یقین ہے کہ اس کا رب گناہ معاف بھی کرتا ہے اور گناہ پر گرفت بھی کرتا ہے۔ پھر دوبارہ وہ بندہ گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے: اے میرے رب! میرا گناہ معاف کر دے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے گناہ کیا ہے اور اس کو یقین ہے کہ اس کا رب گناہ معاف کرتا ہے اور گناہ پر گرفت بھی کرتا ہے۔ وہ بندہ پھر گناہ کرتا ہے اور کہتا ہے: اے میرے رب! میرے گناہ کو معاف کر دے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: میرے بندے نے گناہ کیا ہے اور اس کو یقین ہے کہ اس کا رب گناہ معاف بھی کرتا ہے اور گناہ پر مواخذہ بھی کرتا ہے۔تم جو چاہو عمل کرو، میں نے تمہاری مغفرت کر دی۔ (راویِ حدیث) عبد الاعلیٰ نے کہا: مجھے یاد نہیں کہ آپ ﷺ نے تیسری یا چوتھی بار یہ فرمایا تھا: تم جو چاہو کرو۔

اللہ رب العزت کو گناہ گار پر پیار آ جاتا ہے اور وہ گناہ معاف کر دیتا ہے۔ سوال یہ ہے کہ توبہ اصل میں کیا ہے؟

۳۔ امام ابو حنیفہ نے عبد الکریم بن معقل کے واسطے سے سیدنا عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے کہ بے شک حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب قبول التوبة من الذنوب وإن تکررت الذنوب والتوبة، ۴: ۲۱۱۲، رقم: ۲۷۵۸

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۹۲، رقم: ۱۰۳۸۴

۳۔ أبویعلی، المسند، ۱۱: ۴۰۸، رقم: ۶۵۳۴

۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۲: ۳۹۲، رقم: ۶۲۵

۵۔ حاکم، المستدرک، ۴: ۲۷۰، رقم: ۷۶۰۸

اَلنَّدَمُ تَوْبَةٌ.(۱)

اپنے (گناہ پر) نادم ہونا ہی توبہ ہے۔

۴۔ ایک روایت میں حضرت انس ﷺ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

كُلُّ ابْنِ آدَمَ خَطَّاءٌ، وَخَيْرُ الْخَطَّائِيْنَ التَّوَّابُوْنَ.(۲)

ہر انسان خطا کار ہے اور بہترین خطا کار وہ ہیں جو (خطا کے بعد) توبہ کرنے والے ہیں۔

بشری تقاضے کے پیش نظر ہر شخص گناہ کا مرتکب ہوتا ہے۔ مگر اللہ رب العزت کو توبہ کرنے والے سے اتنا پیار ہے کہ اگر کوئی ہر گناہ کے بعد اُس کی بارگاہ کی طرف رجوع کرے تو وہ پھر بھی معاف کر دیتا ہے۔

۵۔ ایک روایت میں حضرت ابوبکر صدیق ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ الخوارزمي، جامع المسانيد للإمام أبي حنيفة، ۱:۹۸
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱:۳۷۶، رقم: ۳۵٦۸
۳۔ ابن ماجه، السنن،کتاب الزهد، باب ذکر التوبة، ۲:۱۴۲۰، رقم:۴۲۵۲
۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۲:۳۷۷، رقم:٦۱۲

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳:۱۹۸، رقم:۱۳۰۷۲
۲۔ ترمذی، السنن، کتاب صفة القيامة والرقائق والورع، باب (۴۹)، ۴:٦۵۹، رقم:۲۴۹۹
۳۔ ابن ماجه، السنن،کتاب الزهد، باب ذکر التوبة، ۲:۱۴۲۰، رقم:۴۲۵۱
۴۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۷:٦۲، رقم:۳۴۲۱٦
۵۔ أبو يعلی، المسند، ۵:۳۰۱، رقم:۲۹۲۲
٦۔ حاکم، المستدرك، ۴:۲۷۲، رقم:۷٦۱۷

مَا أَصَرَّ مَنِ اسْتَغْفَرَ وَإِنْ عَادَ فِي الْيَوْمِ سَبْعِيْنَ مَرَّةً.[1]

جس نے استغفار کیا (گویا) اس نے گناہ پر اصرار نہیں کیا اگرچہ ایک دن میں ستر بار (اس کام کا) اعادہ کرے۔

٦۔ حضرت عبد اللہ (بن مسعود) ﷺ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلتَّائِبُ مِنَ الذَّنْبِ، کَمَنْ لَا ذَنْبَ لَهُ.[2]

گناہ سے (سچی) توبہ کرنے والا اس شخص کی مانند ہے جس نے کوئی گناہ کیا ہی نہ ہو۔

معلوم ہوا کہ اللہ رب العزت کی رحمتِ خاصہ گناہ گاروں کے لیے ہے۔

۵۔ ’رحمٰن‘ کے معانی و مفاہیم

لفظ رحمٰن کا مادہ (ر، ح، م) ہے اور یہ فَعلان کے وزن پر مبالغہ کا صیغہ ہے۔ عربی قواعد کی رو سے فَعْلَانٌ اور فُعْلَانٌ کے وزن پر آنے والے اسماء اور مصادر اس بات پر دلالت کرتے ہیں کہ اس لفظ میں انتہائی کثرت اور مبالغہ کا معنیٰ پایا جائے گا۔ مثلاً: فَارِقٌ، کا معنی ہے فرق کرنے والا مگر جب اسے فُعلان کے وزن پر فُرقان کی صورت میں لایا جائے گا تو اس کا

(۱) ۱۔ أبوداود، السنن، کتاب الصلاة، باب في الاستغفار، ۲: ۸۴، رقم: ۱۵۱۴
۲۔ ترمذی، السنن، کتاب الدعوات، باب في دعاء النبي ﷺ، ۵: ۵۵۸، رقم: ۳۵۵۹
۳۔ بزار، المسند، ۱: ۱۷۱، رقم: ۹۳
۴۔ أبو يعلی، المسند، ۱: ۱۲۴، رقم: ۱۳۷

(۲) ۱۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الزهد، باب ذکر التوبة، ۲: ۱۴۱۹، رقم: ۴۲۵۰
۲۔ طبراني، المعجم الکبير، ۱۰: ۱۵۰، رقم: ۱۰۲۸۱
۳۔ بيهقي، السنن الکبری، ۱۰: ۱۵۴، رقم: ۲۰۳۴۸
۴۔ ابن الجعد، المسند، ۱: ۲۶۶، رقم: ۱۷۵۶

معنی ہوگا کہ اس بندے یا چیز میں حق و باطل، نیک و بد، اچھے اور برے یا کوئی سی بھی دو چیزوں میں فرق کرنے کا وصف انتہائی کمال پر ہے۔ اسی لیے قرآن کا ایک نام الفُرقان بھی ہے یعنی ایسی کتاب جو حق اور باطل میں سب سے بڑھ کر فرق کرنے والی ہے۔

اسی طرح لفظ قُربان بھی فُعلان کے وزن پر ہے جس کا معنی 'وہ عمل جو انتہائی قرب عطا کرنے والا' ہے، یعنی اس سے بڑھ کر قرب کی اور کوئی شکل متصور نہ ہو سکے گی۔

الغرض وہ تمام مصادر جو عربی قواعد کے مطابق فُعلان یا فَعلان کے وزن پر آئیں ان کے معنٰی میں نہایت شدت، افراط اور مبالغہ پایا جاتا ہے۔ لفظ الرحمٰن بھی اسی فَعلان کے وزن پر ہے۔ رَحمٰن کا مطلب صرف رحم کرنے والا نہیں بلکہ 'انتہائی مہربانی فرمانے والا' ہے۔ اس لیے کہ جب تک رحمت انتہائی کمال پر متصور نہ ہو لفظِ رحمٰن کے بیان کا مقصد پورا ہی نہیں ہوسکتا۔ اللہ رب العزت نے اپنی شانِ ربوبیت رَبِّ العٰلمین کی توصیف وتشریح میں اپنے دو اسماء رحمٰن و رحیم میں پہلے لفظِ رحمٰن کو استعمال فرمایا ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح اس کی ربوبیت سارے جہانوں پر محیط ہے، عین اسی طرح اس کی ذات میں رحمت کی صفت بھی اسی قدر کثرت، فراوانی اور منتہائے کمال پر ہے کہ وہ ساری کائناتوں پر محیط ہے۔

یہی خصوصیت یعنی رحمت کا کثرت کے ساتھ پائے جانے کی وجہ سے لفظ رحمٰن اللہ تبارک و تعالیٰ کی صفتِ خاص بن گیا۔ کائنات میں رحمت کے حاملین اور رحمت کرنے والے ہزاروں، لاکھوں افراد ہیں، ان میں سے کسی ایک کو بھی الرحمٰن نہیں کہا جا سکتا۔ حتیٰ کہ یہ خطاب حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے بھی استعمال نہیں ہوگا۔ آپ ﷺ کے لیے رحیم کا لفظ آیا ہے مگر رحمٰن اپنی انتہائی تکثیری رحمت کی وجہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ ہی کا خاصہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی صرف ان ابتدائی آیات میں ہی نہیں بلکہ کئی مقامات پر اپنے اسمِ ذات 'اللہ' اور اپنے رب ہونے کو اپنی صفت رحمٰن کے ساتھ متعارف کرایا ہے۔ اس کا مقصد یہ ہے کہ لوگوں کو معلوم ہو سکے کہ الوہیت کا تصور رحمانیت کے بغیر ناممکن ہے۔

٦۔ اللہ تعالیٰ کو اپنا سب سے محبوب نام ’الرحمٰن‘ ہے

قرآن مجید میں اللہ رب العزت کی طرف سے الفاظ اور ترجیحات کا یہ خاص چناؤ، اس فکر کو ثابت کرتا ہے کہ اسلام بطورِ دین سراسر رحمت ہے اور اسلامی تعلیمات کا غالب ترین عنصر بھی رحمت، شفقت اور امن و محبت ہے۔

۱۔ سورۃ بنی اسرائیل میں اللہ رب العزت نے اپنے اسماء کا تعارف کراتے ہوئے فرمایا:

قُلِ ادْعُوا اللّٰهَ اَوِ ادْعُوا الرَّحْمٰنَ ط اَيًّامَّا تَدْعُوْا فَلَهُ الْاَسْمَآءُ الْحُسْنٰى. (۱)

فرما دیجیے کہ اللہ کو پکارو یا رحمٰن کو پکارو، جس نام سے بھی پکارتے ہو (سب) اچھے نام اسی کے ہیں۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیہ کریمہ میں باقی تمام اسماءِ حسنٰی کا بیان اجمالاً کیا مگر ’اللہ‘ اور ’رحمٰن‘ دو ناموں کو نہ صرف اکٹھا بیان کیا بلکہ رحمٰن کو وہ درجہ دیا کہ رب العزت کو اسی نام سے پکارنا انسان کو اسمِ ذات کے قریب پہنچا دیتا ہے۔ اللہ رب العزت کو اپنا یہ نام اتنا پسند ہے کہ اس نے اسے اپنے اسمِ ذات کے ساتھ جوڑ دیا اور اپنی تمام پیاری صفتوں میں سے اپنی صفتِ رحمت کو غالب، مقدم اور دیگر تمام صفات پر محیط اور وسیع تر رکھا ہے۔ دوسرے لفظوں میں چاہو تو مجھے اللہ کہہ کر پکارلو اور چاہے رحمٰن کہہ کر پکارلو یہ ایک ہی بات ہے۔

۲۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے سورۃ مریم میں بھی متعدد مرتبہ اپنا ذکر الرحمٰن کے طور پر کروایا ہے۔ ارشاد فرمایا:

اَنْ دَعَوْا لِلرَّحْمٰنِ وَلَدًا ○ (۲)

انہوں نے (خدائے) رحمٰن کے لیے بیٹے کا دعویٰ کیا ہے ○

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۱۱۰

(۲) مریم، ۱۹: ۹۱

www.MinhajBooks.com

سیاقِ کلام میں یہاں اللہ رب العزت سے ولدیت کی نفی کی جا رہی ہے، تقاضائے کلام تو یہ تھا کہ یہاں بھی رب العزت کا اسم ذات 'اللہ' بیان کیا جاتا، جیسے کہ سورۃ الاخلاص میں اسی مفہوم کو یوں بیان کیا ہے:

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌo اَللّٰهُ الصَّمَدُo لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْo[1]

(اے نبی مکرّم!) آپ فرما دیجیے: وہ اللہ ہے جو یکتا ہےo اللہ سب سے بے نیاز، سب کی پناہ اور سب پر فائق ہےo نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ ہی وہ پیدا کیا گیا ہےo

قرین قیاس یہی تھا کہ بیانِ توحید کے لیے سیاقِ کلام میں اللہ کے اسمِ ذات کو بیان کر کے کہا جاتا کہ اللہ کے شایانِ شان نہیں کہ وہ (اپنا) کوئی بیٹا بنائے مگر اللہ تعالیٰ نے اپنے اسمِ ذات 'اللہ' کے بجائے مبالغہ کی حدتک فراوانی رکھنے والے اپنے اسم 'الرحمٰن' کو اتنا عزیز رکھا کہ اسے اپنے اسمِ ذات کے قائم مقام بنا دیا۔ یہ نہیں کہا کہ 'کیا وہ اللہ کے لیے بیٹا ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں' بلکہ فرمایا کہ 'وہ رحمٰن کے لیے بیٹا ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں'۔

۳۔ اس سے اگلی آیت میں بھی اسی اسلوب کو اختیار فرمایا:

وَمَا يَنْبَغِيْ لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًاo[2]

اور (خدائے) رحمٰن کے شایانِ شان نہیں ہے کہ وہ (کسی کو اپنا) لڑکا بنائےo

یہاں بھی 'اللہ' کہہ کر جو بات بیان کرنا مقصود تھی، اسے اللہ رب العزت نے لفظ 'رحمٰن' کے ذریعے ادا فرمایا۔

۴۔ اگلی آیت کریمہ میں اللہ کی اُلوہیت کا بیان جو دراصل اس کی معبودیت کا بیان ہے، اسے بھی شانِ رحمانیت کے ساتھ ہی بیان فرمایا:

---

(۱) الاخلاص، ۱۱۲: ۱-۳

(۲) مریم، ۱۹: ۹۲

اِنۡ کُلُّ مَنۡ فِی السَّمٰوٰتِ وَالۡاَرۡضِ اِلَّاۤ اٰتِی الرَّحۡمٰنِ عَبۡدًا○[1]

آسمانوں اور زمین میں جو کوئی بھی (آباد) ہیں (خواہ فرشتے ہیں یا جن و انس) وہ رحمٰن کے حضور محض بندہ کے طور پر حاضر ہونے والے ہیں○

سوال پیدا ہوتا ہے کہ ان آیات کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے لفظ 'رحمٰن' کا انتخاب کیوں فرمایا؟ اس نے '**خالق، باری، مالک، قادر، علیم، خبیر، حَي، قیوم، معبود**' یا دیگر بے شمار اسماء و صفات میں سے کسی ایک کو کیوں نہیں چنا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ چونکہ وہ بتانا چاہتا ہے کہ اگر لفظ اللہ کے علاوہ کوئی اور لفظ میرے نام کے قائم مقام ہوسکتا ہے تو لفظِ **الرحمٰن** سب سے زیادہ حق دار ہے کہ اسے چنا جائے۔

۵۔ سورۃ طٰہٰ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے ذریعہ سے ارشاد فرمایا گیا:

وَاِنَّ رَبَّکُمُ الرَّحۡمٰنُ فَاتَّبِعُوۡنِیۡ وَاَطِیۡعُوۡۤا اَمۡرِیۡ○[2]

بے شک تمہارا رب (یہ نہیں وہی) رحمٰن ہے پس تم میری پیروی کرو اور میرے حکم کی اطاعت کرو○

یعنی حضور نبی اکرم ﷺ تبلیغ فرما رہے ہیں کہ لوگو! تمہارا رب رحمٰن ہے اور میں اس کا بھیجا ہوا ہوں، لہٰذا میرے ہر حکم کی اطاعت کرو۔ یہ اسلوب اختیار نہیں فرمایا کہ **إِنَّ رَبُّكُمُ اللهُ** 'تمہارا رب اللہ ہے' بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے یہاں بھی اپنے ذاتی اسم کے قائم مقام اپنی رحمت کے بیان کو انتہائی مبالغہ کے معنی رکھنے والے اسم الرحمٰن کے ساتھ استعمال فرمایا۔

۶۔ سورۃ الفرقان میں ارشاد فرمایا:

ثُمَّ اسۡتَوٰی عَلَی الۡعَرۡشِ ۚ اَلرَّحۡمٰنُ فَسۡـَٔلۡ بِهٖ خَبِیۡرًا○[3]

---

(۱) مریم، ۱۹: ۹۳

(۲) طٰہٰ، ۲۰: ۹۰

(۳) الفرقان، ۲۵: ۵۹

پھر وہ (حسبِ شان) عرش پر جلوہ افروز ہوا (وہ) رحمان ہے (اے معرفتِ حق کے طالب) تو اس کے بارے میں کسی باخبر سے پوچھ (بے خبر اس کا حال نہیں جانتے)o

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس آیت میں بھی اپنی ذات کی شانِ یکتائی اور عرش پر جلوہ افروز ہونے کی عظمت کا ذکر لفظ رحمٰن کے ساتھ فرمایا۔ سیاقِ کلام کا تقاضا یہ تھا کہ ایسے تمام مقامات پر صفاتی نام کی جگہ اسم ذات 'اللہ' لایا جاتا لیکن ان بیان کردہ تمام مواقع پر اللہ تبارک و تعالیٰ نے نہ اسمِ ذات کو اختیار کیا اور نہ ہی اپنے دیگر صفاتی اسماء کا استعمال کیا بلکہ صرف ایک ہی صفاتی نام 'الرحمٰن' پسند فرمایا اور اسی کو اپنے اسمِ ذات کا قائم مقام بنا دیا۔

۷۔ اللہ رب العزت جب اپنی شانِ معبودیت بیان فرماتا ہے کہ وہ مسجود اور معبود ہے تو وہاں بھی یہی طرزِ اسلوب اختیار فرماتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَاِذَا قِيۡلَ لَهُمُ اسۡجُدُوۡا لِلرَّحۡمٰنِ قَالُوۡا وَمَا الرَّحۡمٰنُ اَنَسۡجُدُ لِمَا تَاۡمُرُنَا وَزَادَهُمۡ نُفُوۡرًاo[1]

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ تم رحمان کو سجدہ کرو تو وہ (منکرینِ حق) کہتے ہیں کہ رحمان کیا (چیز) ہے؟ کیا ہم اسی کو سجدہ کرنے لگ جائیں جس کا آپ ہمیں حکم دے دیں اور اس (حکم) نے انہیں نفرت میں اور بڑھا دیاo

یہاں دعوتِ توحید، دعوتِ عبادت اور دعوتِ سجدہ ہے اور قرینہ و قیاس دونوں کے مطابق بظاہر اسمِ ذات کا استعمال ہونا چاہیے تھا مگر اللہ تعالیٰ نے یہاں بھی اپنی صفت رحمٰن کو اپنے اسمِ ذات کے قائم مقام کے طور پر استعمال فرمایا۔

۸۔ سورۃ الزخرف میں شانِ الوہیت کا بیان لفظ 'اللہ' سے نہیں بلکہ لفظ رحمٰن سے کیا۔ ارشاد فرمایا:

---

(۱) الفرقان، ۲۵: ۶۰

اَجَعَلْنَا مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ اٰلِهَةً يُّعْبَدُوْنَo[1]

کیا ہم نے (خدائے) رحمان کے سوا کوئی اور معبود بنائے تھے کہ اُن کی پرستش کی جائےo

یہاں بھی سیاقِ کلام ظاہراً اسی بات کا تقاضا کرتا ہے کہ یہاں مِنْ دُوْنِ الرَّحْمٰنِ کے بجائے مِن دُونِ اللہ کہا جاتا کہ کیا اللہ کے سوا ہم نے کوئی اور إلٰہ اور معبود بھی بنائے تھے جن کی عبادت کی جائے مگر یوں نہیں کہا بلکہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اس کو مناسب ترین جانا کہ جہاں لفظ اللہ کہہ کر بات کرنا ضروری تھی، وہ مدعا لفظ رحمٰن سے پورا فرمایا۔ گویا انسانیت کو بتا دیا کہ رحمٰن میری فراوانیِ رحمت کی شان کا حامل وہ اسم ہے جو ساری صفات پر غالب ہے اور میری رحمت اور میری ذات کے قریب ہے۔ میں نے اپنے لطف و کرم سے رحمت کرنے کو اپنے اوپر لازم کر رکھا ہے، اسی لیے میں نے اس صفتِ رحمٰن کو اپنی تمام صفات پر مقدم رکھا ہے۔

۷۔ 'الرحیم' کا معنی و مفہوم

الرحیم بھی فَعیل کے وزن پر اسم فاعل ہے اور مبالغہ کا صیغہ ہے جس کا معنٰی 'بہت رحم فرمانے والا اور ہمیشہ رحم فرمانے والا' ہے۔ اس صفت کی معنویت میں بھی مبالغہ پایا جاتا ہے۔ الرحیم مبالغہ کا صیغہ ہونے کے ساتھ ساتھ صفت مشبہ بھی ہے۔ مشبہ ہونے کے باعث اس صفتِ رحمت میں ہمیشگی، دوام اور استمرار بھی پایا جاتا ہے۔

رحمٰن ہر ایک کے لیے ہے اور رحمت کی تمام صورتوں میں شامل ہے مگر 'رحیم' کو قرآن مجید کی متعدد آیات میں بخشش و مغفرت کے ساتھ خاص کر دیا گیا ہے۔

۱۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّهٗ هُوَ التَّوَّابُ الرَّحِيْمُo[2]

(۱) الزخرف، ۴۳: ۴۵

(۲) البقرۃ، ۲: ۵۴

یقیناً وہ بڑا ہی توبہ قبول کرنے والا مہربان ہےo

۲۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللهَ بِالنَّاسِ لَرَءُوْفٌ رَّحِيْمٌo(۱)

بے شک اللہ لوگوں پر بڑی شفقت فرمانے والا مہربان ہےo

۳۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

اُولٰٓئِکَ يَرْجُوْنَ رَحْمَتَ اللهِ ؕ وَاللهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌo(۲)

یہی لوگ اللہ کی رحمت کے امیدوار ہیں، اور اللہ بڑا بخشنے والا مہربان ہےo

اللہ تعالیٰ نے اپنی شانِ رحیمیت کو کبھی التَّوَّابُ الرَّحِيْمُ کے ساتھ، کبھی رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌ کے ساتھ اور کبھی غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ کے ساتھ منسلک کر کے بیان فرمایا۔

۸۔ اسماءِ صفاتی 'الرحمٰن' اور 'الرحیم' کے معنوی امتیازات

سورہ الفاتحہ کی پہلی دو آیات میں تصورِ الوہیت و ربوبیت کی تشریح کو اسماء صفاتی رحمٰن اور رحیم کی روشنی میں جاننے کے بعد ان ہی اسماءِ صفاتی کے متعلق مزید مطالعہ کرتے ہیں۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی صفتِ رحمت کے بیان کے لیے اپنے دو مبنی بر رحمت ایسے اسماءِ کو یکجا کیوں بیان کیا جن کا حرفِ اصلی ایک ہی ہے، دونوں کے معانی اللہ رب العزت کی صفتِ رحمت پر قائم ہیں اور دونوں مبالغے کے صیغے میں بیان ہوئے ہیں۔

اگر ہمیں ان دونوں اسماء کے معانی کی الگ الگ خصوصیات و امتیازات کے بارے علم ہو جائے تو اس سوال کا بآسانی جواب میسر آ جائے گا اور ہم اسلام کے دینِ امن و رحمت ہونے کو مزید وضاحت سے سمجھنے کے قابل ہو جائیں گے۔ بلکہ ان امتیازات کو سمجھ کر ہم پر ان

(۱) البقرة، ۲: ۱۴۳

(۲) البقرة، ۲: ۲۱۸

اسمائے حسنیٰ کے جہاں معنی منکشف ہوں گے وہیں رحمتِ باری تعالیٰ کی لامتناہی جہات بھی روشن ہوں گی۔

(۱) رحمت کا صفتی و فعلی ظہور

اسمِ صفاتی 'الرحمن'، فَعلان کے باب پر مبالغے کا صیغہ ہے اور یہ باب ایسی صفات کے لیے استعمال ہوتا ہے جو کسی ذات میں بطور 'حالت' موجود ہوں۔ یعنی یہ باب اسماء کی ایسی صفت کے لیے استعمال کرتے ہیں جو کثرت و فراوانی کی نہایت کے ساتھ ساتھ اس صفت کے بطور 'حالت' واقع ہونے کو بھی ظاہر کر رہے ہوں۔

مثلاً عَطشان سے کسی جاندار کی انتہائی پیاس کی حالت ظاہر ہوتی ہے۔ سُکران سے انتہائی مستی و بے خودی کی حالت واضح ہوتی ہے۔ غَضبان سے کسی کی انتہائی حالتِ غصہ کا پتہ چلتا ہے۔ جریان سے کسی ندی، دریا یا مائع کے بہاؤ کی انتہائی حالت سامنے آتی ہے اور طغیان سے کسی باغی و سرکش کی انتہائی حالتِ بغاوت و سرکشی معلوم ہوتی ہے۔

اسی طرح لفظ رحمٰن اللہ رب العزت کی صفتِ رحمت پر بے حد اور نہایت کثرت کے ساتھ دلالت کرتے ہوئے اس حالتِ رحمت کی نشاندہی بھی کرتا ہے جو اپنے تمام تر مبالغہ سمیت، ذاتِ رب العزت کے ساتھ بطورِ حالت و دائمی کیفیت کے ہمہ وقت موجود اور قائم ہے۔ یعنی الرحمٰن کا امتیازی پہلو یہ ہے کہ یہ اسم، رحمت کی کثرت کے ساتھ موجودگی اور اس کے کمال پر دلیل ہے۔

قرآن مجید نے رحمت الٰہی کے صفتی ظہور کا بیان یوں فرمایا:

وَرَبُّکَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ.(۱)

اور آپ کا رب بے نیاز ہے، (بڑی) رحمت والا ہے۔

یعنی اللہ رب العزت رحمت کے بے حد و حساب خزانوں کا مالک ہے اور اس کی

(۱) الانعام، ۶: ۱۳۳

صفتِ رحمت منتہائے کمال پر ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت کے صفتی ظہور یعنی الرَّحْمٰن کا بیان ہے۔

دوسرا اسمِ صفاتی الرَّحِیْم، فَعِیْلٌ کے وزن پر ہے۔ یہ صرف اللہ رب العزت کی حالتِ رحمت ہی کو بیان نہیں کرتا بلکہ اس کے فعلِ رحمت کے صدور کو بھی بیان کر رہا ہے کیونکہ عام طور پر فَعِیْلٌ کا باب، صفات کے فعلی ظہور کے لیے استعمال ہوتا ہے۔ مثلاً کَریم اس شخص کو کہا جائے گا جس سے سخاوت اور جودو کرم کے فعل کا کثرت کے ساتھ صدور ہو۔ عَلیم اسی کو کہا جائے گا جس کی ذات سے علم اور معرفت کا اظہار فعلی طور پر ہو رہا ہو۔ عَظیم اسی شخص کو کہیں گے جس سے عظمت اور بزرگی کا فعلی صدور ہو رہا ہو۔ حَکیم بھی اسی شخص کو کہا جائے گا جس سے حکمت و دانائی کا فعلی صدور ہو رہا ہو۔

اسی طرح الرَّحِیْم اسی کو کہا جائے گا جس کے اندر رحمت، فقط بطور حالت یا صفت ہی کے موجود نہ ہو بلکہ اس سے رحمت کا صدور اور ظہور بھی کثرت کے ساتھ ہو رہا ہو۔ یعنی اسم الرَّحِیْم صفتِ رحمت کے صدور اور عملی اظہار پر دلالت کرتا ہے۔

قرآن مجید کی یہ آیت رحمت کے فعلی ظہور پر دلالت کرتی ہے:

اُولٰٓئِکَ سَیَرْحَمُهُمُ اللهُ ط اِنَّ اللهَ عَزِیْزٌ حَکِیْمٌ○[1]

ان ہی لوگوں پر اللہ عنقریب رحم فرمائے گا، بے شک اللہ بڑا غالب بڑی حکمت والا ہے○

پس اللہ تبارک و تعالیٰ نے الرَّحْمٰن کے ذریعے اپنی شانِ رحمانیت کے منتہائے کمال کو بیان کیا ہے اور الرَّحِیْم کے ذریعے رحمت کے فعل کا ظہور و صدور بیان کیا ہے۔

اللہ رب العزت نے اپنے ان دو اسماء الرَّحْمٰن اور الرَّحِیْم کو بیان کر کے یہ پیغام دیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات، وہ ذات ہے جو نہ صرف یہ کہ رحمت کے لامحدود خزانوں کی مالک

(۱) التوبہ، ۹: ۷۱

ہے بلکہ اس کی ذات سے ہر لمحہ ہر شخص کے لیے رحمت کا ظہور اور صدور بھی ہو رہا ہے۔ گویا اس کی بارگاہ اور اس کے خزانۂ رحمت سے کوئی شخص محروم نہیں رہتا خواہ وہ مومن ہو یا کافر۔ چنانچہ بیمار، شفایابی کی صورت میں ...... جاہل، علم کی صورت میں...... پریشان حال، پریشانی سے نجات کی صورت میں...... حاجت مند، حاجت روائی کی شکل میں ...... اور راہِ ہدایت سے بھٹکا ہوا، ہدایت کی صورت میں اس سے فیض پا رہا ہے۔

بندے کو اللہ کی بارگاہ سے جس قسم کی بھی ضرورت ہو، اللہ رب العزت کی ذات الگ الگ شکلوں اور جدا جدا طریقوں سے اس کی ضرورت کو اپنی رحمت کے ظہور و صدور سے پورا کر رہی ہے۔ گویا رحمٰن رحمت کے کبھی نہ ختم ہونے والے خزانے پر دلالت کرتا ہے اور رحیم اس کی بارگاہ سے رحم و عطا کے بغیر خالی ہاتھ نہ جانے کا مژدہ سناتا ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات کے اس قدر خاص اور بھرپور اولین تعارف میں ہمارے لیے یہ واضح پیغام موجود ہے کہ اس تعارف کرائی جانے والی ہستی کی رحمت و شفقت اور لطف و کرم کی عکاسی اس کے بھیجے ہوئے دین (اسلام) اور اس کی تمام قانونی، فقہی، اخلاقی، معاملاتی، علمی، نظریاتی اور جملہ تعلیمات میں بھی موجود ہے۔ لہٰذا جہاں اسلام کا نام تو استعمال ہو مگر رحمت و لطف موجود نہ ہو، تو جان لیں کہ اس کا تعلق اللہ کی رحمت اور اللہ کی عطا کردہ تعلیمات کے ساتھ نہیں بلکہ کسی من گھڑت دین اور مذہب سے ہو گا۔

(۲) رحمتِ عامہ و خاصہ کا ظہور

الرَّحْمٰن اور الرَّحِیْم کا دوسرا معنوی امتیاز یہ ہے کہ الرَّحْمٰن کے ذریعے اللہ رب العزت کی عمومی رحمت یعنی رحمتِ عامہ کا بیان ہو رہا ہے کہ وہ ہر ایک پر رحم فرمانے والا ہے جبکہ الرَّحِیْم کے ذریعے خاص رحمت کی طرف اشارہ ہے جو رب العزت نے خاص طبقات کے لیے مختص کر رکھی ہے۔ اللہ رب العزت کی ایک رحمت وہ ہے جو اس نے بلالحاظ و بلاتفریق تمام طبقاتِ انسانی کے لیے عام کر رکھی ہے اور وہ اس سے ہر لمحہ تمام مخلوقات کو نواز رہا ہے۔ جبکہ اس کی ایک خاص رحمت وہ ہے جس سے وہ اپنے ان خاص بندوں کو نوازتا ہے جو اس کی محبت، رضا

اور قربت کے مقام پر فائز ہوتے ہیں۔

گویا رحمانیت کا فیض اپنے دائرۂ اثر کے لحاظ سے عام ہے اور رحیمیت کا فیض اپنے دائرہ اثر کے لحاظ سے خاص ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ رب العزت نے الرَّحْمٰن کے لفظ کو پہلے وارد کیا، جو اس کی شانِ خلاقیت اور شانِ ربوبیت پر دلالت کرتا ہے کیوں کہ اس کا خالق اور رب ہونا صرف مؤمنین کے لیے ہی نہیں بلکہ تمام کائنات کے لیے ہے۔ بلاتفریقِ جنس اور نوع ونسل وہ اس کائنات کے ہر شخص، ہر مخلوق، ہر ذرے اور ہر قطرے کا خالق بھی ہے اور اسے پال کر اس کے حدِ کمال تک پہنچانے والا بھی ہے لیکن رحیم وہ فقط ان لوگوں کے لیے ہے جو اپنی گردن اطاعت گزاری کے ساتھ جھکا دیتے ہیں اور اس کے احکام و حدود کی پاسداری اور تعمیل کے لیے خود کو وقف کر دیتے ہیں۔

بھلا ایسا کیوں ہے؟ اس لیے کہ اگر کوئی ماننے والا سوال کر دے کہ اے پروردِگار! تیری بارگاہِ رحمانیت سے تو ہر کوئی نوازا جاتا ہے، خواہ وہ مسلم ہے یا مشرک، فرماں بردار ہے یا نافرمان، مومن ہے یا کافر، بلکہ جمادات، نباتات، حیوانات اور دیگر تمام مخلوقات کو بھی تیرے لطف و کرم اور فضل و احسان کا فیض مل رہا ہے مگر جنہوں نے تمام دنیاوی مفادات و ترجیحات ترک کر کے تیری اطاعت و غلامی قبول کی، تیرے بھیجے ہوئے انبیاء و رُسل کے احکامات کو قبول بھی کیا، ان پر عمل بھی کیا اور اپنی خواہشات کو تیری رضا کے تابع کر کے تجھ ہی کو اپنا مطلوب، مقصود اور محبوب بنا لیا، ہمیں ان سب قربانیوں کا اضافی صلہ بھلا کیا ملا؟

اس سوال کا جواب باری تعالیٰ کے اس دوسرے اسمِ رحمت الرَّحیم میں ہے۔ فرمایا: اَلرَّحْمَنِ الرَّحِیم، یعنی اے میرے بندے! میں فقط رحمٰن ہی نہیں، رحیم بھی ہوں۔ بے شک رحمٰن ہونے کے ناتے، میں جمیع مخلوقات میں بغیر امتیاز کے ہر ایک کی الگ الگ ضرورت کے مطابق اس کی کفالت کررہا ہوں کیونکہ میری رحمانیت میری ربوبیت کی پہلی علامت ہے مگر وہ لوگ جو میرے اطاعت گزار بن گئے ہیں اور جنہوں نے اپنے دل اور اپنے سر یعنی اپنی تمام ظاہری و باطنی خواہشیں اور امیدیں میری رضا کے سامنے خم کر دی ہیں، ان کے

لیے میں رحیم بھی ہوں۔ پس رحمٰن ہر ایک کے لیے ہوں مگر رحیم صرف اپنے وفاداروں کے لیے ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں رحمتِ عامہ کے اظہار کے لیے ارشاد فرمایا:

اَلرَّحْمٰنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوٰى○[1]

(وہ) نہایت رحمت والا (ہے) جو عرش (یعنی جملہ نظام ہائے کائنات کے اقتدار) پر (اپنی شان کے مطابق) متمکن ہو گیا○

اس آیت میں جملہ نظام ہائے عالمین اور جملہ طبقات ہائے مخلوق پر بطور مالک، خالق اور متصرف و متمکن ہونے کا ذکر فرمایا یعنی اپنی عظمت اور اپنی رحمت کے عموم کا ذکر کیا۔ چنانچہ جہاں بھی اللہ رب العزت اپنی رحمت اور عظمتِ اقتدار کے عموم کا ذکر فرماتا ہے وہاں لفظ الرَّحْمٰن لاتا ہے۔

دوسری طرف جب اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمتِ خاصہ کا اظہار کرنا چاہا وہاں لفظ الرَّحیم استعمال فرمایا۔ سورۃ الاحزاب میں ارشاد فرمایا:

وَكَانَ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَحِيْمًا○[2]

اور وہ مومنوں پر بڑی مہربانی فرمانے والا ہے○

معلوم ہوا الرحمٰن سے جس رحمت کا ظہور ہو رہا ہے وہ اپنی نوعیت کے اعتبار سے عام ہے اور رحمت کی جتنی عمومی اور مختلف الجہات صورتیں ہو سکتی ہیں، ان سب کو محیط ہے جبکہ رحیم اس خاص رحیمیت سے عبارت ہے جو بخشش، توبہ، مغفرت اور مومنین پر کثیر اور خاص الطاف و اکرام کی شکل میں نازل ہوتی ہے۔

---

(۱) طٰہ، ۲۰: ۵

(۲) الأحزاب، ۳۳: ۴۳

www.MinhajBooks.com

رحمتِ ایجاد و بقاء

'رحمٰن و رحیم' کے اس معنوی امتیاز کو یوں بھی بیان کیا جاسکتا ہے کہ بطورِ رحمٰن رحمت کی پہلی شکل جس سے ہر ایک کو نوازا وہ رحمتِ ایجاد ہے کیونکہ تمام مخلوقات کو وجود دینا یہ اللہ ہی کی رحمت اور عطا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے اپنی صفتِ ایجاد کے حوالے سے فرمایا:

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِيْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ يَكُنْ شَيْئًا مَّذْكُوْرًاo[1]

بے شک انسان پر زمانے کا ایک ایسا وقت بھی گزر چکا ہے کہ وہ کوئی قابلِ ذِکر چیز ہی نہ تھاo

یعنی آدمی پر ایک وقت ایسا بھی گزرا ہے کہ اس کا کہیں بھی نام ونشان نہ تھا، وہ محض عدم تھا اور یہ اللہ رب العزت ہی ہے جو اسے عدم سے وجود میں لایا۔ یہ آیت اللہ تعالیٰ کی رحمانیت کی پہلی شان یعنی رحمتِ ایجاد کو بیان کر رہی ہے۔

یہی مضمونِ ایجاد سورۃ الانفطار میں یوں بیان فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِo الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَo فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَo[2]

اے انسان! تجھے کس چیز نے اپنے ربِ کریم کے بارے میں دھوکے میں ڈال دیاo جس نے (رحم مادر کے اندر ایک نطفہ میں سے) تجھے پیدا کیا، پھر اس نے تجھے (اعضا سازی کے لیے ابتداءً) درست اور سیدھا کیا، پھر وہ تیری ساخت میں متناسب تبدیلی لایاo جس صورت میں بھی چاہا اس نے تجھے ترکیب دے دیاo

یہاں انسان کو وجود میں لانے اور متوازن اور اعلیٰ صورت عطا کرنے کا ذکر کیا۔ ان

(۱) الدهر، ۷۶: ۱

(۲) الانفطار، ۸۲: ۶-۸

آیات میں رحمتِ ایجاد کا واضح بیان ہے۔

جب کوئی چیز ایجاد ہوتی ہے تو اس کو رحمتِ خاصہ کی ضرورت ہوتی ہے تا کہ وہ اپنے وجود کو بقاء دے سکے۔ اللہ رب العزت اپنی رحمتِ خاصہ سے اسے باقی رکھنے کا بھی سامان فراہم کرتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ مَكَّنّٰـكُمْ فِي الْاَرْضِ وَجَعَلْنَا لَكُمْ فِيْهَا مَعَايِشَ ط قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَO(۱)

اور بے شک ہم نے تم کو زمین میں تمکّن و تصرّف عطا کیا اور ہم نے اس میں تمہارے لیے اسبابِ معیشت پیدا کیے، تم بہت ہی کم شکر بجا لاتے ہوO

یعنی اللہ تبارک و تعالیٰ نے تمہیں زمین میں ٹھکانہ دیا اور پھر تمہارے وجود اور حیات کو برقرار رکھنے کے لیے اسی زمین میں سے اسبابِ معیشت پیدا کر کے تمہیں فراہم کئے تا کہ وجود میں آنے کے بعد تمہیں زندہ، برقرار اور مستحکم رہنے میں کوئی مشکل پیش نہ آئے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی رحمتِ بقاء کا بیان دریاؤں، سمندروں، کشتیوں، حیوانات اور ان کی تخلیق میں انسان کے لیے بے شمار فوائد، اس کی ضروریات کی تکمیل اور شجر و حجر، ارض و سماء اور جمیع مخلوقات کی تخلیق کا ذکر کر کے فرمایا:

وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً.(۲)

اور اس نے اپنی ظاہری اور باطنی نعمتیں تم پر پوری کر دی ہیں۔

یعنی اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان کی ساری کائناتوں میں موجود تمام مخلوقات کو تمہارے لیے مسخر کر کے تم پر اپنی تمام نعمتیں اور رحمتیں ظاہراً بھی اور باطناً بھی پوری کر دی ہیں تا کہ اللہ کی رحمت سے تمہاری تمام ظاہری و باطنی ضروریات کی کفالت ہو سکے۔

---

(۱) الاعراف، ۷: ۱۰

(۲) لقمان، ۳۱: ۲۰

www.MinhajBooks.com

☆ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک اور مقام پر اپنی رحمتِ ایجاد و بقاء کا ذکر کرتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے ارشاد فرمایا:

قَالَ رَبُّنَا الَّذِيْٓ اَعْطٰى كُلَّ شَيْءٍ خَلْقَهٗ ثُمَّ هَدٰى○[1]

(موسیٰ علیہ السلام نے) فرمایا: ہمارا رب وہی ہے جس نے ہر چیز کو (اس کے لائق) وجود بخشا پھر (اس کے حسبِ حال) اس کی رہنمائی کی○

اللہ رب العزت نے اس مقام پر ایجاد سے لے کر بقاء تک اور بقاء سے لے کر کمال تک کے تینوں مدارج میں انسان کی تمام ضروریات کو اپنی شانِ رحمانیت کے ذریعے پورا فرمانے کا ذکر فرمایا۔ ایجاد، بقاء اور کمال کا یہ تصور بایں طور پر بھی سمجھا جا سکتا ہے کہ اللہ رب العزت نے سب سے پہلے انسان بنائے، پھر انسان کے لیے زمین وضع کی، پھر اُس میں پہاڑ بنائے، پھل اگائے، ہر شے کے جوڑے بنائے اور ان دونوں کے الگ الگ امتیازات رکھے۔ پھر زمین کے قطعات بنائے، اُن میں کھجوروں اور دیگر پھلوں کے باغات بنائے، ان کو پانی سے سیراب کرنے کا انتظام فرمایا اور ان میں طرح طرح کے ذائقے رکھے۔ اس طرح عالم انسانیت کے لیے نہ صرف اشیاء کو وجود بخشا بلکہ اُن تمام کو انسانوں کے لیے مسخر فرما کر انسان کی بقا کا سامان بھی فراہم کر دیا۔

(۳) دنیوی و اُخروی رحمتوں کی عطا

الرَّحمٰن اور الرَّحیم کا تیسرا معنوی امتیاز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس دنیا میں جس کو بھی اپنی جتنی بھی مختلف النوع اور کثیر رحمتوں سے نوازتا ہے وہ چشمۂ رحمانیت سے پھوٹتی ہیں اور آخرت میں جس کو رحمت سے نوازے گا وہ چشمہ رحیمیّت سے نوازے گا۔ یوں لفظِ رحمٰن اس دنیا میں اللہ کی عطا ہونے والی رحمتوں کا آئینہ دار ہے اور لفظ رحیم آخرت میں اللہ رب العزت کی بارگاہ سے عطا ہونے والی بخششوں، رحمتوں اور مغفرتوں کا آئینہ دار ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کچھ

(۱) طٰہ، ۲۰: ۵۰

مفسرین نے اللہ تعالیٰ کے لیے رَحۡمٰنُ الدُّنۡیَا وَالۡآخِرَة کہا ہے جب کہ کئی ائمہ تفسیر نے اسے رحمٰنُ الدُّنۡیَا اور رَحِیۡمُ الۡآخِرَة کہہ کر دونوں کے فرق کو واضح کیا ہے۔[1]

الرحمٰن کے ذریعے اس حیاتِ دنیا میں ہر کس و ناکس، ہر مومن و کافر اور ہر جاندار و غیر جاندار کو رحمتِ ایزدی کا مژدہ سنایا جا رہا ہے جبکہ الرحیم کہہ کر حیاتِ اخروی میں رحمت کا پیغام صرف مؤمنین کو دیا جا رہا ہے جو آخرت میں اس رحمتِ خاصہ کے بجا طور پر حق دار ہوں گے۔

۹۔ اسمِ صفاتی 'الرحمان' کے اثرات

امام عبد اللہ بن مبارک نے فرمایا:

اَلرَّحۡمٰنُ اِذَا سُئِلَ أَعۡطٰی، وَالرَّحِیۡمُ اِذَا لَمۡ یُسۡئَلۡ یَغۡضَبُ.[2]

رحمٰن وہ ذات ہے جب بھی اس سے مانگا جائے وہ عطا کرتا ہے اور رحیم وہ ہے کہ اگر اس سے نہ مانگا جائے تو ناراض ہوتا ہے۔

یعنی رحمٰن وہ ذات ہے کہ جب بھی اس سے مانگا جائے، جو بھی مانگے، جس بھی شکل میں مانگے، جس وقت بھی مانگے، جس مرضی نام سے مانگے، خواہ کوئی رام چندر کا نام لے کر مانگے یا کرشن مہاراج کا نام لے، وہ عطا کرتا رہتا ہے۔ اگرچہ اس طرح مانگنے والا بھٹکا ہوا ہے اور شرک کر رہا ہے مگر دوسری طرف وہ ضرورت مند بھی تو ہے اور اسی کا بندہ و مخلوق بھی ہے۔ اس لیے اس وقت وہ ربِّ رحمٰن یہ نہیں دیکھتا کہ 'یہ تو مجھ سے مانگ ہی نہیں رہا'، 'اسے تو میری پہچان ہی نہیں'، 'یہ تو لات و منات اور کرشن و رام چندر سے مانگ رہا ہے اور انہی کو مانتا ہے، سو میں اسے کیوں دوں؟' وہ رحمٰن یہ نہیں دیکھتا، اس لیے کہ اگر وہ یہ دیکھے تو یہ انتقام ہو گا۔ اس طرح کرنے سے وہ رحمٰن نہ رہا اور رب نہ رہا۔

---

(۱) سیوطی، الدر المنثور، ۱: ۲۳

(۲) ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۱: ۲۱

چنانچہ وہ یہ دیکھتا ہی نہیں کہ مانگنے والا کس سے مانگ رہا ہے؟ اس لیے کہ اگر اللہ، اِن لوگوں کے اس عمل کو دیکھے تو پھر انہیں صحت کیوں دے؟ ان کی حاجت کیوں پوری کرے؟ انہیں رزق کے وسائل ہی کیوں دے؟ حالانکہ وہ قادرِ مطلق ہے جب چاہے جس کا رزق روک لے، شفاء روک لے، علم سلب کر لے، محتاج و ناکارہ بنا کر پھینک دے اور جو چاہے وہ کر دے۔ ان تمام اختیار و طاقت کے باوجود وہ ربِّ رحمٰن صرف یہ دیکھتا ہے کہ میں اس کا رب ہوں اور یہ میرا بندہ ہے۔ اسے میں نے پیدا کیا ہے اور اس کی ضروریات بھی فقط میں ہی پوری کر سکتا ہوں۔ یہ خود پیدا نہیں ہوا اور نہ ہی اسے کرشن مہاراج نے یا کسی اور جھوٹے معبود نے پیدا کیا ہے۔ خدا سمجھ کر جن جھوٹے معبودوں کی پرستش کر رہا ہے یہ تو اس کے مالک، خالق اور رب نہیں ہیں بلکہ اس کے اپنے ہاتھوں سے تراشے ہوئے بے جان پتھر ہیں۔ یہ اس کی نادانی اور جہالت ہے جس نے اسے گم راہ کر دیا ہے۔ مگر چونکہ گمراہی کا معاملہ اور اس کی سزا و جزا الگ سے ہے، جس کا فیصلہ آخرت میں ہوگا، اس وقت اس کی حاجت کو پورا کرنا اور اس دنیا میں ہمیشہ پورا کرتے رہنا، یہ میرا کام ہے کیونکہ میں ہی اس کا حقیقی رب ہوں اور الرحمٰن فی الدنیا ہوں۔ لہٰذا جب بھی کوئی اس سے مانگے گا تو اسے عطا کیا جائے گا کیونکہ وہ ربِّ رحمٰن ہے۔

اللہ رب العزت نے اپنی اسی رحمانیت کے حوالے سے سورۃ ابراہیم میں ارشاد فرمایا:

وَاٰتٰكُمْ مِّنْ كُلِّ مَاسَاَلْتُمُوْهُ.(۱)

اس نے تمہیں ہر وہ شے عطا کر دی جو تم نے اس سے مانگی۔

اسی طرح سورۃ البقرۃ میں ارشاد فرمایا:

اُجِيْبُ دَعْوَةَ الدَّاعِ اِذَا دَعَانِ.(۲)

میں پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں، مجھے جب بھی وہ پکارتا ہے۔

(۱) ابراہیم، ۱۴: ۳۴

(۲) البقرۃ، ۲: ۱۸۶

۱۰۔ اسمِ صفاتی ’الرحیم‘ کے اثرات

اسمِ صفاتی ’الرحمٰن‘ کے اثرات و رنگ کا اظہار دیکھنے کے بعد آیئے اب جانتے ہیں کہ جب اللہ کے اسمِ صفاتی الرحیم کا رنگ ظاہر ہو گا تو اس کے اثرات کیا ہوں گے؟ اس کے بارے میں حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ لَمْ يَسْأَلِ اللهَ يَغْضَبْ عَلَيْه. (۱)

جو آدمی اللہ تعالیٰ سے سوال نہ کرے اس پر اللہ تعالیٰ غضب فرماتا ہے۔

اس لیے کہ اسے کسی بندے کی عبادت کرنے پر اتنی خوشی نہیں ہوتی جتنی خوشی اس کے دستِ طلب دراز کرنے اور دامنِ مراد پھیلانے پر ہوتی ہے۔ اس لیے کہ وہ ربِّ رحیم عطا کرنے والا اور ہمہ وقت مائل بہ کرم ہی رہنے والا ہے۔ وہ دینے سے نہ تھکتا ہے اور نہ ہی کتراتا ہے۔ اس کی رحمت ہمہ وقت عطا کرنے کی منتظر رہتی ہے۔ وہ مانگنے والے کو بھی دیتا ہے اور نہ مانگنے والے کو بھی عطا فرماتا ہے مگر عبادت کرنے والے پر لازم ہے کہ وہ اس ربِّ رحیم سے مانگے۔ اگر کوئی نماز بھی پڑھے، ذکر بھی کرے مگر اس سے سوال نہ کرے تو وہ ناراض ہوتا ہے لیکن ناراض ہو کر بھی اسے اپنے چشمۂ رحمانیت کے فیض سے محروم نہیں کرتا۔ قابلِ غور بات ہے کہ یہ اس کی شانِ کریمی کی انتہا ہے۔

یہاں دنیا میں تو بار بار مانگنے سے بڑے بڑے سخی تنگ آ جاتے ہیں اور جلال میں آ کر کہتے ہیں کہ یہ تو ہر وقت مانگتا رہتا ہے، جب دیکھو ہاتھ اٹھائے پھرتا ہے مگر بندے اور رب میں یہی تو فرق ہے کہ بندے سے مانگا جائے تو یہ غضب ناک ہوتا ہے اور اس کے برعکس وہ ربِّ رحیم نہ مانگنے سے ناراض ہوتا ہے۔ اس لیے کہ اس سے مانگنا دراصل اقرارِ عبدیت و

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب الدعوات، باب ما جاء فی فضل الدعاء، ۵:۴۵۶، رقم: ۳۳۷۳

۲۔ أبو یعلی، المسند، ۱۲: ۱۰، رقم: ۶۶۵۵

۳۔ بیهقی، الدعوات الکبیر، ۱: ۱۷، رقم: ۲۲

بندگی اور اقرارِ عاجزی و بے کسی ہے۔ بندہ جتنی کثرت سے ہاتھ پھیلائے گا یہ اس کا تذلّل اور خود کو اپنے اللہ کے حضور گرا دینا ہے اور اس ربِّ عظیم کی کبریائی، رحمانیت، ربوبیت اور رحیمیّت کا اقرار ہے۔ اسی لیے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الدُّعَاءُ مُخُّ الْعِبَادَةِ. (1)

دعا عبادت کا بھی مغز (یعنی خلاصہ اور جوہر) ہے۔

اللہ تبارک و تعالیٰ مانگنے پر اس قدر عطا فرماتا ہے کہ یہ بھی نہیں دیکھتا کہ مانگنے والا گناہ گار ہے یا نیکو کار۔ یہی اس کی رحیمیّت اور خاص رحمت ہے اور یہی فیض اور کردار اسلام اور اس کے احکام و تعلیمات کو عطا ہوا ہے۔

مطیع اور گناہ گار کی دُعا میں فرق

حضرت سیدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ اپنے مکشوفات میں فرماتے ہیں:

أَهْلُ الطَّاعَاتِ يَذْكُرُوْنَ النَّعِيْم، وَأَهْلُ الْعِصْيَانِ يَذْكُرُونَ الرَّحِيْم.

اطاعت و عبادت گزار لوگ اللہ کی جنت کو یاد کرتے ہیں لیکن گناہ گار (چونکہ اپنے گناہوں کے سبب جنت سے مایوس ہوتے ہیں اس لیے وہ) اپنے ربِّ رحیم کو یاد کرتے ہیں۔

عبادت گزاروں کو یقیناً بخشش کی امید اور آرزو ہوتی ہے لہٰذا وہ اپنی اطاعتوں اور

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب: الدعوات، باب ما جاء فی فضل الدعاء، ۵:۴۵۶، رقم: ۳۳۷۱

۲۔ دیلمی، مسند الفردوس، ۲:۲۲۴، رقم: ۳۰۸۷

۳۔ حکیم ترمذی، نوادر الأصول، ۲:۱۱۳

۴۔ منذری، الترغیب والترهیب، ۲:۳۱۷، رقم: ۲۵۳۴

۵۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحکم، ۱:۱۹۱

www.MinhajBooks.com

عبادتوں کے سبب جنت کو یاد کرتے ہیں اور گناہ گاروں کے پاس چونکہ کثرت سے اعمال صالحہ نہیں ہوتے۔ لہٰذا وہ اللہ سے اُس کی رحمت طلب کرتے ہیں۔

ایک اور مقام پر شیخ عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ نے لکھا کہ اللہ رب العزت فرماتا ہے:

أَنَا أَقْرَبُ إِلَى الْعَاصِيْ إِذَا فَرَغَ مِنَ الْعِصْيَانِ.

جب گنہگار گناہ سے دور ہو جاتا ہے تو میں اس بندے کے قریب ہو جاتا ہوں۔

تاکہ اس کے دل میں بندگی اور ندامت کا خیال پیدا ہو اور وہ مجھ سے معافی مانگے۔

۱۱۔ اسماءِ صفاتی 'الرحمٰن' اور 'الرحیم' کے مشترکہ بیان میں کارفرما حکمت

رحمٰن اور رحیم دونوں شانوں کو اکٹھا بیان کرنے کا مقصد بنیادی طور پر یہ واضح کرنا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی ذات نے اپنے ذمہ کرم پر رحمت کو کس قدر لا متناہی حد تک لازم و واجب کر رکھا ہے۔ اس کا یہی پیغامِ رحمت، اسلام اور قرآن میں انتہائی شدت، کثرت اور تعلیمی و ترغیبی انداز میں بیان ہوا ہے۔ وہ خالق و مالک بھی ہے، علیم و خبیر اور سمیع و بصیر بھی ہے، حفیظ و علیم بھی ہے، لطیف و حلیم اور حسیب و عزیز بھی ہے، جبار و قھار بھی ہے، شھید و حمید بھی ہے اور حی و قیوم بھی ہے۔ الغرض اس کی بے شمار شانیں ہیں اور وہ اپنی تمام شانوں میں سے کئی ایک کو الگ الگ یا ملا کر اپنے تعارفِ الوہیت و ربوبیت کے لیے بیان فرما سکتا تھا مگر اس نے اپنی الوہیت و ربوبیت کے پہلے تعارف اور سورۃ الفاتحہ کے کلماتِ افتتاح کے لیے کسی اور شان کو منتخب نہیں کیا حالانکہ

كُلَّ يَوْمٍ هُوَ فِيْ شَأْنٍ○(۱)

وہ ہر آن نئی شان میں ہوتا ہے○

(۱) الرحمٰن، ۵۵: ۲۹

لیکن اپنے اولین تعارف کے لیے اس نے فقط اپنی شانِ رحمت کو منتخب فرمایا اور ایسے انداز سے اس کا اظہار کیا کہ رحمت پر مبنی اپنے دو صفاتی اسماء الرحمٰن اور الرحیم کو یکجا بیان کیا تا کہ اسلام اور تعلیماتِ اسلام میں رحمت و شفقت کے غلبہ کا اظہار سامنے آئے اور اللہ رب العزت کی بارگاہ سے بھرپور طریقہ سے تمام بنی نوع انسان تک رحمت کا پیغام پہنچے۔

اللہ رب العزت نے اپنی رحمت کا یہی اصول سورۃ الانعام میں یوں بیان فرمایا:

رَبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ.(۱)

تو فرما دیجیے کہ تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے۔

اللہ رب العزت یوں بھی کہہ سکتا تھا کہ تمہارا رب رحمت والا ہے مگر یوں بیان نہیں فرمایا بلکہ اپنی رحمت کو وسعت کے ساتھ جوڑ کر فرمایا کہ تمہارا رب بڑی وسیع رحمت والا ہے۔

اسی حوالے سے سورۃ الاعراف میں ارشاد فرمایا:

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ.(۲)

اور میری رحمت ہر چیز پر وسعت رکھتی ہے۔

دوسرے الفاظ میں میری رحمت کی وسعت کا عالم یہ ہے کہ کائنات ارض و سماء کی ہر شے پر میری رحمت کا سائبان تنا ہوا ہے۔

۱۲۔ صفتِ رحمت، صفتِ علم پر بھی مقدم ہے

اللہ رب العزت کی ذاتِ مبارکہ کی تمام صفات پر صفتِ رحمت کے غلبہ کا عالم یہ ہے کہ اس نے اپنی صفتِ علم پر بھی صفتِ رحمت کو مقدم رکھا۔ سورۃ المؤمن میں ارشاد فرمایا:

---

(۱) الانعام، ۶: ۱۴۷

(۲) الاعراف، ۷: ۱۵۶

www.MinhajBooks.com

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا.[1]

اے ہمارے رب! تو (اپنی) رحمت اورعلم سے ہر شے کا احاطہ فرمائے ہوئے ہے۔

یہاں اللہ تبارک و تعالیٰ نے اپنی دو صفات، رحمت اورعلم کو اکٹھا بیان فرمایا۔ بیانِ علم کا مقصود یہ ہے کہ کائنات کی ہر چیز: مَا كَانَ وَمَا يَكُوْن، کی دو حدوں تک اور قبل از ما کان، و بعد از ما یکون اور اس سے بھی بڑھ کر تمام حدوں سے ماورا ہر شے اور ہر ذرے کو اللہ کا علم حاوی اور اس پر محیط ہے اور کائنات کی تمام تر وسعتوں سے بھی وسیع تر ہے۔ اس کے ساتھ یہی بیان، رحمت کے لیے مقصود تھا مگر رحمت کو علم سے مقدم کیا۔ یہ نہیں بیان کیا کہ ہمارا رب وہ ہے جس کا علم اور رحمت ہر شے پر وسیع ہے بلکہ ترتیب یہ بنائی کہ 'اے ہمارے رب! تو (اپنی) رحمت اورعلم سے ہر شے کا احاطہ فرمائے ہوئے ہے۔'

اللہ تعالیٰ عالم الغیب والشہادۃ ہے۔ اس کی توحید کے بیان میں جن سات صفات کا بطور خاص ذکر آتا ہے ان میں بھی علم کا سب سے پہلے ذکر آتا ہے مگر جب رحمت کے ساتھ اس کا تذکرہ مقصود ہوا تو بیان میں رحمت مقدم رہی اور علم اس سے مؤخر ہوا اور بیان یوں مکمل کیا کہ ہمارا رب وہ ہے جس کی رحمت اور علم ہر شے پر حاوی اور محیط ہے۔

اللہ تعالیٰ کی رحمت جیسے وسیع اور محیط ہے ویسے ہی اس رب العزت نے اپنی رحمت کے بیان کو بھی الرحمٰن اور الرحیم کی شکل میں بہت وسیع کر کے بیان فرمایا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے جب اپنی ذات، الوہیت اور ربوبیت کے تعارف میں اپنی رحمت کو اتنی ترجیح دی ہے اور اسے اتنی جامعیت کے ساتھ نہایت نمایاں کر کے بیان کیا ہے۔ اس کا پیغام یہی ہے کہ اس کی رحمت اتنی ہی وسعت، قوت اور شدت کے ساتھ اپنے آخری کمال سمیت، دینِ اسلام کی تمام تعلیمات اور تمام احکام میں اسی طرح جاری، ساری اور ان پر محیط ہو گی جس طرح رب العزت نے اپنی رحمت کو کائنات کی ہر شے پر محیط اور وسیع فرما دیا ہے۔ چنانچہ اسلام کا کوئی حکم یا

---

(۱) المؤمن، ۴۰: ۷

شریعتِ محمدی ﷺ اور اسلامی تعلیمات کا کوئی فلسفہ ایسا نہیں ہوسکتا جس پر رحمتِ الٰہی محیط اور حاوی نہ ہو اور جو اللہ کی رحمت کی بنیاد پر تشکیل پذیر نہ ہوا ہو۔ یقیناً اس لحاظ سے تمام انسانیت اور جمیع مخلوقات کے لیے دینِ اسلام بذاتِ خود سراپا رحمت و شفقت اور سراسر امن و محبت ہے۔

باب نمبر 4

وُسعتِ رحمتِ اِلٰہی

اللہ تبارک و تعالیٰ کی الوہیت، ربوبیت، شانِ رحمانیت اور رحیمیت کے موضوعات پر تفصیلی مطالعہ کے بعد ہم قرآن مجید کی ان آیاتِ مبارکہ کا مطالعہ کرتے ہیں جن میں اللہ تبارک وتعالیٰ کی بے پایاں اور ہر شے پر محیط اور غالب رحمت کا ذکر کثرت سے موجود ہے۔ اللہ رب العزت کی ذات کے ساتھ کثرتِ رحمت، وسعتِ رحمت اور غلبۂ رحمت کے مضامین کا جابجا ذکر کیا جانا اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اسلامی تعلیمات و احکامات میں سب سے غالب ترین تصور رحمت و شفقت، نرمی، لطف و کرم اور فضل و احسان کا ہے۔

ا۔ صفتِ رحمت کو اپنے اوپر واجب ٹھہرانا

اللہ تبارک وتعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

وَاِذَا جَآءَکَ الَّذِیْنَ یُؤْمِنُوْنَ بِاٰیٰتِنَا فَقُلْ سَلٰمٌ عَلَیْکُمْ کَتَبَ رَبُّکُمْ عَلٰی نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ اَنَّهٗ مَنْ عَمِلَ مِنْکُمْ سُوْٓءًام بِجَهَالَةٍ ثُمَّ تَابَ مِنْم بَعْدِهٖ وَاَصْلَحَ فَاَنَّهٗ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ○[1]

اور جب آپ کے پاس وہ لوگ آئیں جو ہماری آیتوں پر ایمان رکھتے ہیں تو آپ (ان سے شفقتاً) فرمائیں کہ تم پر سلام ہو تمہارے رب نے اپنی ذات (کے ذمّہ کرم) پر رحمت لازم کر لی ہے۔ سو تم میں سے جو شخص نادانی سے کوئی برائی کر بیٹھے پھر اس کے بعد توبہ کر لے اور (اپنی) اصلاح کر لے تو بے شک وہ بڑا بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہے○

(۱) الأنعام، ٦: ٥٤

www.MinhajBooks.com

اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں تین چیزوں کی طرف اشارہ فرمایا:

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ اہل ایمان جب آپ ﷺ کے پاس آئیں تو آپ ﷺ ہمیشہ انہیں دعائے سلامتی سے نوازیں یعنی انہیں السَّلامُ علیکم کے ذریعے یاد فرمائیں اور اس طرح امن و سلامتی اور حفاظت کے پیغام کو اسلام کا شعار بنا دیں۔

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے توسل سے مومنین کو یہ بتایا گیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے لطف و کرم اور فضل و احسان کے باعث ہر خاص و عام پر رحمت کرنا اپنی ذات پر واجب کر لیا ہے۔

قرآن مجید کے تفصیلی مطالعہ سے پتا چلتا ہے کہ صفتِ رحمت اللہ رب العزت کی وہ واحد وصف ہے جسے اس نے خود اپنے کرم سے اپنی ذات پر واجب و لازم ٹھہرایا ہے جبکہ اس کے علاوہ پورے قرآن مجید میں اس نے اپنی کسی صفت کو خود پر لازم اور واجب قرار دینے کا اُسلوب نہیں اپنایا۔ یہی مضمون سورۃ الانعام کی آیت نمبر ۱۲ میں بھی بیان ہوا۔ ارشاد فرمایا:

قُلْ لِّمَنْ مَّا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ط قُلْ لِّلّٰهِ ط كَتَبَ عَلٰى نَفْسِهِ الرَّحْمَةَ.

آپ (ان سے سوال) فرمائیں کہ آسمانوں اور زمین میں جو کچھ ہے کس کا ہے؟ (پھر یہ بھی) فرما دیں کہ اللہ ہی کا ہے، اُس نے اپنی ذات (کے ذِمّہ کرم) پر رحمت لازم فرما لی ہے۔

۳۔ اللہ تعالیٰ نے اس آیت مبارکہ میں ہر مخلوق پر جس رحمت کو کرنا اپنے اوپر واجب قرار دیا ہے، اُس رحمت کو بھی بیان فرمایا ہے۔ وہ یہ کہ تم میں سے کوئی شخص بھی اگر نادانی اور جہالت کے سبب گناہ کر بیٹھے تو پھر بھی اس کے لیے معافی اور توبہ کا راستہ کھلا ہے بشرطیکہ گناہ کرنے والا شخص نادم ہو کر توبہ کر لے اور آئندہ کے لیے اپنی اصلاح کر لے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے مغفرت اور رحمت کو یک جا کر کے گناہ گار انسانوں کو بتا دیا ہے کہ تم اس کی رحمت سے کبھی مایوس نہ ہونا کیونکہ اس کا خزانۂ رحمت اور خزانۂ مغفرت دونوں ہی بہت وسیع ہیں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ کا ہمہ وقت حالتِ رحمت میں ہونے کا ذکر

اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں ایک اور مقام پر اپنی صفتِ رحمت کی کثرت و وسعت اورخود پر اس کے لازم کرنے کو ایک اور انداز میں بیان کرتے ہوئے ارشادفرمایا:

وَرَبُّکَ الْغَنِيُّ ذُو الرَّحْمَةِ.(۱)

اور آپ کا رب بے نیاز ہے، (بڑی) رحمت والا ہے۔

یہاں اللہ رب العزت نے اپنی ذات کے لیے ذُوالرَّحْمَةِ کا لفظ استعمال فرمایا۔ یعنی اس کی ذات سے ہمہ وقت رحمت کا صدور ہوتا رہتا ہے۔ 'ذُو' کے ساتھ اپنی صفت کو بیان کرنے پر مبنی یہ اُسلوب قرآن مجید میں بہت کم اختیار کیا گیا ہے اور زیادہ تر فضل و رحمت اور شفقت واحسان کے تناظر میں ہی آیا ہے۔

یہی مضمون قرآنِ مجید میں ایک اور مقام پر یوں بیان فرمایا:

وَرَبُّکَ الْغَفُوْرُ ذُو الرَّحْمَةِ.(۲)

اور آپ کا رب بڑا بخشنے والا صاحبِ رحمت ہے۔

گویا اللہ رب العزت اپنے محبوب پیغمبر ﷺ کے ذریعے اپنی مخلوق کو یہی پیغام پہنچا رہے ہیں کہ تم جس رب پر ایمان لا رہے ہو، جسے اپنا خالق و مالک ماننے اور اپنا معبود و إلٰہ تسلیم کرنے کی تمہیں دعوت دی جا رہی ہے اُس کا تصور اپنے دل و دماغ میں یوں رکھو کہ وہ بڑا بخشنے والا اور بے شمار رحمت فرمانے والا ہے۔

۳۔ رحمتِ الٰہی کے سبب مؤاخذہ اور عذاب میں تاخیر

وسعتِ رحمتِ الٰہی کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی تمام

(۱) الأنعام، ٦: ١٣٣

(۲) الكهف، ١٨: ٥٨

www.MinhajBooks.com

صفات و افعال میں سے غالب تر مظاہرہ اس کی صفتِ بخشش و مغفرت اور اس کی صفتِ رحمت کا ہے۔ وہ اسی لیے گناہوں اور لغزشوں پر اپنے نافرمان بندوں کی فوری گرفت نہیں کرتا بلکہ اُنہیں اپنی رحمت کے سبب توبہ اور اصلاح کے مواقع فراہم کرتا رہتا ہے تاکہ وہ اپنی حرکات پر نادم و شرمندہ ہوکر صحیح معنوں میں توبہ کرنے والے بن جائیں۔ ارشاد فرمایا:

لَوْ يُؤَاخِذُهُمْ بِمَا كَسَبُوْا لَعَجَّلَ لَهُمُ الْعَذَابَ.(۱)

اگر وہ ان کے کیے پر ان کا مؤاخذہ فرماتا تو ان پر یقیناً جلد عذاب بھیجتا۔

آدمی جب گناہ کرتا ہے تو اگلے ہی لمحے اسے گناہ کی سزا نہیں دے دی جاتی، گناہوں کے معاً بعد نہ اسے دوزخ میں پھینکا جاتا ہے، نہ اس کی شکل خنزیر اور بندر میں تبدیل کی جاتی ہے، نہ پتھروں کی بارش ہوتی ہے اور نہ ہی اس سے رزق، شفا یابی کا عمل یا دیگر ضروریات زندگی روک لی جاتی ہیں۔ انسان گناہوں پر گناہ کرتا چلا جاتا ہے مگر اس پر فوری طور پر عذاب نہیں آتا، اللہ تعالیٰ نے اس عذاب کو ایک مقررہ وقت کے لیے مؤخر کر رکھا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ صاحبِ مغفرت اور صاحبِ رحمت و شفقت ہے اور اس کی پالیسی بخش دینے اور معاف کر دینے کی ہے۔ جو آدمی اتنے نرم ضابطے سے بھی فائدہ اور فیض نہ اٹھائے اور اللہ رب العزت کی اس بے پایاں رحمت کی جانب متوجہ نہ ہو تو اس عمل کو اس کی بدبختی کے سوا کیا کہا جا سکتا ہے؟

عذاب کو ایک خاص وقت تک مؤخر کرتے رہنے کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ شاید یہ گناہ گار، نافرمان اور جفا شعار کسی وقت شرم سار ہو جائے اور معافی کا طلب گار ہو جائے۔ اگر مواخذہ ساتھ ہی ہو گیا تو اس کا مطلب یہ ہے کہ توبہ کا دروازہ بند ہوگیا اور توبہ کا دروازہ بند ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ **غفور** اور **ذُو الرَّحْمَة** نہیں ہے۔ رب العزت نے اپنی شانِ بخشش اور شانِ مغفرت کو ہمہ وقت دستیاب رکھنے کے لیے عذاب کے وقت کو مؤخر کر دیا اور توبہ کا دروازہ تمام آنے والے لمحات کے لیے کھلا رکھا ہے۔ یہ اللہ رب العزت کی وسعتِ رحمت ہے۔ اللہ رب العزت اپنی جس شان کو کثرت و وسعت کے ساتھ بیان کرتا ہے اور ہمہ وقت

(۱) الكهف، ۱۸: ۵۸

www.MinhajBooks.com

جس حالتِ رحمت میں رہتا ہے، صاف ظاہر ہے کہ وہ چاہتا بھی یہی ہے کہ یہی کردار دینِ اسلام کی تعلیمات سے بھی عیاں ہو اور تمام مسلمان بھی اسی سیرت و کردار کے رنگ میں رنگے نظر آئیں۔

۴۔ خزائنِ الٰہیہ وسعتِ رحمت کی دلیل ہیں

اللہ تبارک و تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی رحمت کے خزانوں کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی اُس کی وسعتِ رحمت کی دلیل ہے۔ اللہ رب العزت ارشاد فرماتے ہیں:

اَمْ عِنْدَهُمْ خَزَآئِنُ رَحْمَةِ رَبِّکَ الْعَزِيْزِ الْوَهَّابِ○ (1)

کیا ان کے پاس آپ کے رب کی رحمت کے خزانے ہیں جو غالب ہے بہت عطا فرمانے والا ہے؟○

اس آیت میں کفار، مشرکین اور منکرین کی بات کی جارہی ہے کہ کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ رب کی رحمت کے خزانوں کی چابیاں اُن کے پاس ہیں؟ اور وہ جس کو چاہیں دے دیں، جس سے چاہیں روک دیں۔ جس سے اُن کی عداوت اور دشمنی ہو جائے اس سے روک لیں اور جن سے دوستی ہو ان کے لیے کھول دیں۔ ایسا ہرگز نہیں ہے، یہ خزانے ان کے نہیں بلکہ ان کا مالک و متصرف تو اللہ ہے۔ جو سب پر غالب بھی ہے اور کثرت سے عطا فرمانے والا بھی ہے۔ اس نے رحمت کے خزانے فقط جمع کرنے کے لیے ہی نہیں رکھے، بلکہ عطا کے لیے رکھے ہیں۔ جب سے وہ ’رب‘ ہے اور دینے والا ہے تب سے وہ عطا کر رہا ہے، ہر کس و ناکس کی جھولیاں بھر رہا ہے مگر اس کے خزانوں میں رتی بھر بھی کمی نہیں آئی۔ حتیٰ کہ قیامت تک اور قیامت کے بعد بھی جو اس کی رحمت کا طالب ہوگا وہ اسے اس کی ضرورتوں سے بڑھ کر دیتا رہے گا مگر اُس کے خزانے کبھی کم نہیں ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے ’خزائن‘ جمع کا صیغہ استعمال کیا ہے کہ تم تصور بھی نہیں کر سکتے کہ اللہ کے ہاں رحمت کتنی کثرت پر ہے۔

---

(۱) ص، ۳۸: ۹

۵۔ عطاءِ رحمتِ خاصہ، فضلِ عظیم کی علامت ہے

اللہ رب العزت کی عمومی رحمت کی ایک شان تو یہ ہے کہ اس کے چشمۂ رحمانیت سے ہر ایک کو مغفرت، بخشش اور عطا نصیب ہوتی ہے، مگر بعض لوگ وہ ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کی تابعداری، وفا شعاری اور اطاعت گزاری میں اوروں سے بڑھ جاتے ہیں، ان کے لیے اللہ رب العزت رحمت کے بے بہا خزانے عام کر دیتا ہے اور دوسروں کے مقابلے میں ان کے لیے اپنی شفقت کو خاص الخاص کر دیتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَاللّٰهُ يَخْتَصُّ بِرَحْمَتِهٖ مَنْ يَّشَآءُ ط وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ○[1]

اور اللہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمت کے ساتھ خاص کر لیتا ہے، اور اللہ بڑے فضل والا ہے○

اس لیے کہ عام رحمت کے خزانوں سے تو ہر ایک کو برابر حصہ ملتا ہے مگر جو اس کی اطاعت، تابعداری، وفاداری اور بندگی میں دوسروں سے بڑھ جاتے ہیں انہیں اس کی رحمت کے خزانے سے دوسروں سے بڑھ کر حصہ ملتا ہے۔

اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ اللہ رب العزت کی ہر صفت عظیم ہے مگر جب وہ اپنی کسی صفت یا فعل کے لیے خود لفظِ عظیم استعمال کرے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی وہ صفت حدِ کمال تک اپنی مخلوق کو عطا کی ہے جس کا وہ تصور بھی نہیں کر سکتے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ اپنی صفتِ رحمت کے مقام، عظمت، کثرت اور مبالغہ سے آگاہ فرمانے کے لیے بتا رہا ہے کہ وہ جسے چاہتا ہے اپنی رحمتِ خاص کے ساتھ چن لیتا ہے کیوں کہ وہ **ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْم** ہے، اُس کے فضل کا خزانہ بڑا عظیم ہے۔

الغرض جہاں بھی اللہ رب العزت اپنی رحمت و شفقت، فضل و احسان اور عطا و انعام کا ذکر فرماتا ہے، وہاں اضافی اصطلاحات کو استعمال کرتا ہے، مثلاً: کبھی مضاف مضاف الیہ اور

(۱) البقرۃ، ۲: ۱۰۵

کبھی موصوف صفت کی شکل میں اپنی رحمت کی اہمیت، کثرت، نہایت اور اُس کے حدِ کمال پر پائے جانے کا اظہار فرماتا ہے۔ بیانِ رحمت کا یہ اُسلوب اسلام کے دینِ رحمت و شفقت، امن و محبت اور دینِ فضل و احسان ہونے کو ظاہر کرتا ہے۔

۶۔ رحمتِ الٰہیہ ہمہ وقت جاری ہے

اللہ رب العزت کی رحمت کی وسعت و کثرت کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ اس کی رحمت کے دریا انسانیت کے لیے ہمہ وقت جاری ہیں اور ہر عام و خاص اپنے نصیب کے مطابق اس سے حصہ پا رہا ہے۔ ارشاد فرمایا:

مَا يَفْتَحِ اللهُ لِلنَّاسِ مِنْ رَّحْمَةٍ فَلَا مُمْسِكَ لَهَا.(۱)

اللہ انسانوں کے لیے (اپنے خزانۂ) رحمت سے جو کچھ کھول دے تو اسے کوئی روکنے والا نہیں ہے۔

یعنی وہ اپنی مخلوق کے لیے اپنی رحمت کے خزانے کھلے رکھتا ہے۔ دوسرے مقام پر فرمایا:

كُلًّا نُّمِدُّ هٰٓؤُلَآءِ وَهٰٓؤُلَآءِ مِنْ عَطَآءِ رَبِّكَ ط وَمَا كَانَ عَطَآءُ رَبِّكَ مَحْظُوْرًا○(۲)

ہم ہر ایک کی مدد کرتے ہیں ان (طالبانِ دنیا) کی بھی اور ان (طالبانِ آخرت) کی بھی (اے حبیبِ مکرّم! یہ سب کچھ) آپ کے رب کی عطا سے ہے، اور آپ کے رب کی عطا (کسی کے لیے) ممنوع اور بند نہیں ہے○

اللہ رب العزت اپنے خزانۂ رحمت سے ہر کسی کی، خواہ وہ اس دنیا کے طالب ہوں یا

(۱) الفاطر، ۳۵: ۲

(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۰

آخرت کے، وہ سب کی مدد فرماتا اور ہر ایک کی جھولیاں بھرتا رہتا ہے کیونکہ اس کی عطا کا دروازہ کبھی بند ہونے والا نہیں ہے۔ اس کی عطا کبھی رکنے والی نہیں اور نہ ہی کبھی روکے جانے والی ہے۔ اُس کی عطا اور رحمت کے خزانوں کے دروازے ہر وقت ہر کسی کے لیے کھلے ہیں۔ یہ سب اس کی وسعتِ رحمت ہی کے دلائل اور براہین ہیں۔

۷۔ طلبِ رحمت کا سلیقہ اَز خود رحمتِ الٰہی ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ کی وسعتِ رحمت اور اس کا ہر وقت حالتِ رحمت میں ہونا اور رحمت کا اُس سے ہمہ وقت صدور ہوتے رہنے کی ایک خوبصورت دلیل یہ بھی ہے کہ اس نے مانگنے والوں کو مانگنے کا سلیقہ دعا کی صورت میں خود ہی سکھا دیا ہے۔ کوئی سخی ایسا نہیں کرتا کہ پہلے منگتوں کو اکٹھا کر کے مانگنے کا طریقہ بھی سکھائے کہ اس طرح مانگو گے تو بہت ملے گا اور پھر جھولیاں بھی بھر دی جائیں گی۔ چنانچہ فرمایا:

وَقُلْ رَّبِّ اغْفِرْ وَارْحَمْ وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَo(۱)

اور آپ عرض کیجیے: اے میرے رب! تو بخش دے اور رحم فرما اور تو (ہی) سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہےo

دعا کا یہ طریقہ حضور ﷺ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعے امتوں کو سکھایا جا رہا ہے کہ آپ اپنی امت کو بتا دیں کہ میری رحمت کے خزانے سے اگر بے حساب حصہ پانا چاہتے ہو تو بخشش و مغفرت اور رحمت دونوں چیزیں ایک ساتھ مانگو۔ اس طرح مانگنے سے میری رحمت کے بحرِ بیکراں میں جوش آ جاتا ہے۔

وَاَنْتَ خَيْرُ الرّٰحِمِيْنَ کے الفاظ کے ذریعے اللہ رب العزت کی صفتِ رحمت کے وسیلے سے پکارنے کی بات کی جا رہی ہے تاکہ گناہ گار انسانوں پر بھی رحمت کی موسلا دھار بارش برسنے لگے کیوں کہ اللہ تبارک وتعالیٰ ہر حال میں اپنے بندوں کو کثرت کے ساتھ اپنی رحمت سے

(۱) المومنون، ۲۳: ۱۱۸

نوازنا چاہتا ہے اور یہ اُس کی رحمت و شفقت کا ایک پہلو ہے۔

اسی طرح سورۃ الاعراف میں ایسی ہی ایک اور دعا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حوالے سے تعلیم کی گئی۔ ارشاد فرمایا:

قَالَ رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَلِاَخِيْ وَاَدْخِلْنَا فِيْ رَحْمَتِکَ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَo[1]

(موسیٰ علیہ السلام نے) عرض کیا: اے میرے رب! مجھے اور میرے بھائی کو معاف فرما دے اور ہمیں اپنی رحمت (کے دامن) میں داخل فرما لے اور تو سب سے بڑھ کر رحم فرمانے والا ہےo

نبی سے زیادہ کسی کے دامن میں رحمت نہیں ہوسکتی کیوں کہ نبی کی تو ساری زندگی، اس کی پرورش اور اُس کی نبوت و رسالت از ابتداء تا انتہاء دامنِ رحمتِ الٰہی میں ہوتی ہے۔ ہمہ وقت رحمتِ الٰہی اس پر سایہ فگن، اس کی طرف متوجہ اور اس سے وابستہ رہتی ہے مگر اس کے باوجود حضرت موسیٰ علیہ السلام کا رحمت طلب کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے جسے جو رحمت عطا کی ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ یہ اس کی رحمت انتہائی درجے کی ہے۔ جس کا مقام بہت بلند ہے گو وہ پہلے ہی بڑی کثرت کے ساتھ رحمت سے نوازا گیا ہے لیکن یہاں اسے اس کے مقام، درجے اور استحقاق کے مطابق مزید رحمت طلب کرنے کا سلیقہ سکھایا جا رہا ہے، اس لیے کہ رب العزت کی رحمت کے خزانے لامحدود ہیں۔

ایک عام آدمی کا اللہ کے دامنِ رحمت میں آنے اور خواص کے اس کے دامنِ رحمت میں آنے میں فرق ہے۔ صالحین اور اولیاء کا اس کے دامنِ رحمت میں آ جانا اور صحابہ کرام اور اہل بیت کا اللہ کی رحمت کے دامن میں آ جانا، الگ الگ درجات کا حامل ہے۔ اسی طرح انبیاء اور رسولوں کا دامنِ رحمتِ الٰہیہ میں آنا اور معنی رکھتا ہے جبکہ خود تاجدارِ کائنات رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا اللہ تعالیٰ کی رحمت کے دامن میں آنا ایک منفرد درجہ ہے۔ اس لیے جو انبیاء اور رسلِ عظام

(۱) الاعراف، ۷: ۱۵۱

اپنے مرتبے کے مطابق اپنے رب کے دامنِ رحمت میں پہلے ہی سے موجود ہیں انہیں بھی کہا گیا کہ تمہارے لیے رحمتِ الٰہی کے اس سے بھی بڑھ کر مقامات، مراتب اور مدارج ہیں۔ اسی بناء پر مذکورہ آیتِ مبارکہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مزید مراتبِ رحمت، مزید خزانہ ہائے رحمت اور مزید الطاف ہائے رحمت مانگنے کی تلقین کی جا رہی ہے تاکہ ان پر ان کے شایانِ شان بیش از بیش رحمت ہو اور عامۃ الناس پر ان کے مقام، درجے اور ضروریات کے مطابق رحمت ہو۔

رحمت کے عنوان سے یہ ساری تلقین اس لیے ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے بنیادی تصور جو تمام انسانیت اور حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی امت کو عطا کیا وہ کثرت کے ساتھ رحمت، غلبۂ رحمت اور احاطۂ رحمت پر مبنی ہے۔ دینِ اسلام، شریعتِ اسلامیہ اور اس کی تمام تعلیمات و احکام میں رحمت کے اسی رنگ، کردار اور جھلک کا ہونا لازم ہے لہٰذا جس حکم یا تعلیم کے بارے میں یہ سمجھا جائے کہ یہ احکامِ شریعت میں سے ہے مگر اس کی روح، رحمت و شفقت اور محبت سے لبریز نہ ہو اور اس کے عمومی یا خصوصی مزاج میں رحمت، شفقت، محبت، لطف و کرم اور فضل و احسان کی خوبیاں بھرپور طریقے سے نہ پائی جائیں تو سمجھ لیں کہ وہ نہ شریعتِ اسلامیہ میں سے ہے اور نہ ہی تعلیماتِ اسلام سے اس کا تعلق ہے۔ اس لیے کہ رب تو وھاب ہے، **ذُو الْفَضْلِ الْعَظِیْم** ہے، **ذو الرحمة واسعة** ہے، **صاحبِ خزائنِ رحمت** ہے اور کثرت کے ساتھ رحمت کے خزانے عطا کرنے والا بھی ہے، لہٰذا اس کی مختلف تعلیمات و احکام کے گوشے، رحمت، شفقت، نرمی اور بخشش سے کس طرح خالی ہو سکتے ہیں؟

۸۔ درجاتِ نفس میں ترقی رحمتِ الٰہیہ کی مرہونِ منت ہے

اللہ رب العزت کے بے پایاں فضل و رحمت کا ایک اظہار نفسِ انسانی کے درجات کی ترقی میں بھی مضمر ہے۔ سورۃ یوسف میں اس ضمن میں ارشاد فرمایا:

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِیْ ج اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌ م بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّیْ ط اِنَّ رَبِّیْ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ O(۱)

(۱) یوسف، ۱۲: ۵۳

اور میں اپنے نفس کی برأت (کا دعویٰ) نہیں کرتا، بے شک نفس تو برائی کا بہت ہی حکم دینے والا ہے سوائے اس کے جس پر میرا رب رحم فرما دے۔ بے شک میرا رب بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہےo

اس آیت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نفس کی ترقی کے اعلیٰ درجات و مراتب کے دروازے کھولے جا رہے ہیں تاکہ بندے کا دھیان اللہ کی رحمت کی طرف ہو کیوں کہ جب اللہ کی رحمت نصیب ہو جائے تو خزانۂ رحمت کا دروازہ کھل جاتا ہے، نتیجتاً نفسِ امارہ اپنی 'اماریت' کو چھوڑ کر اونچے درجاتِ نفس میں منتقل ہو جاتا ہے جہاں وہ امارہ نہیں رہتا بلکہ نفس لوامہ بن جاتا ہے۔ بعد ازاں مزید ترقی کرتے ہوئے ملہمہ، مطمئنہ، راضیہ اور مرضیہ کے مراحل سے گزرتا ہوا نفسِ کاملہ بن جاتا ہے۔ یعنی انسانی نفس اللہ تعالیٰ کی رحمت جس قدر طلب کرتا جائے گا اسے درجاتِ نفس میں ترقی کی صورت اللہ تعالیٰ کی رحمت اتنی ہی نصیب ہوتی جائے گی اور اس کا نفس پاکیزگی، طہارت اور بلند درجات حاصل کرتا چلا جائے گا۔

۹۔ طلبِ رحمت میں حسنِ بندگی ہے

حسنِ ادب اور اظہارِ بندگی کا طریق و اسلوب اللہ رب العزت نے ہمیں یہ سکھایا ہے کہ مجھ سے میری رحمت طلب کرو۔ ارشاد فرمایا:

وَ اَیُّوْبَ اِذْ نَادٰی رَبَّہٗٓ اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَo(۱)

اور ایوب (علیہ السلام کا قصّہ یاد کریں) جب انہوں نے اپنے رب کو پکارا کہ مجھے تکلیف چھو رہی ہے اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر مہربان ہےo

اس آیت میں ایک طرف اللہ رب العزت کی وسعت و کثرتِ رحمت اور مبالغۂ رحمت کا ذکر ہے اور دوسری طرف بندگی کی شان اور عبادت کے آداب کا بیان ہے۔ یہ آیتِ مبارکہ حضرت ایوب علیہ السلام کی دعا کے طور پر قرآن میں مذکور ہے۔ حضرت ایوب علیہ السلام کو ایک طویل مرض

(۱) الأنبیاء، ۲۱: ۸۳

لاحق تھا اور پورے جسم پر زخم تھے۔ تفاسیر میں آتا ہے کہ آپ علیہ السلام کو یہ تکلیف ۱۸ برس تک رہی۔[1] بارگاہِ رب العزت کے آداب ملحوظ رکھنے اور مقامِ تسلیم و رضا پر فائز ہونے کے سبب آپ کی شان یہ تھی کہ جب شدتِ تکلیف کی وجہ سے اللہ رب العزت کو پکارا تو یہ عرض نہیں کیا کہ باری تعالیٰ میں بہت شدید اور ناقابلِ برداشت تکلیف اور پریشانی میں ہوں بلکہ بارگاہِ الوہیت میں ایسے لفظ پیش کرنے کو بھی ادب کے خلاف سمجھا اور صرف اسی قدر عرض کیا:

اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ.

باری تعالیٰ مجھے تکلیف چھو رہی ہے۔

بعض مفسرین نے لکھا ہے کہ آپ علیہ السلام نے یہ کلمات اس وقت فرمائے تھے جب تکلیف کی شدت دیگر اعضائے بدنی سے بڑھتے بڑھتے آپ علیہ السلام کے دل تک جا پہنچی تھی۔ آپ علیہ السلام نے محسوس کیا کہ پہلے تو پورا جسم زخموں کے ساتھ بھرا ہوا تھا مگر دل بچا ہوا تھا۔ دل کے بچنے کا فائدہ یہ تھا کہ اس میں ہر وقت اللہ کی یاد رہتی تھی، اب اگر دل بھی اس تکلیف کی زد میں آ گیا تو کہیں ایسا نہ ہو کہ دل اس کی یاد کے قابل ہی نہ رہے۔ تب آپ علیہ السلام نے عرض کیا: اَنِّیْ مَسَّنِیَ الضُّرُّ، باری تعالیٰ اب مجھے تکلیف چھونے لگی ہے۔ گویا اللہ کے بندے جسمانی تکالیف کو تکلیف ہی نہیں سمجھتے ہاں اگر ان سے کہیں اللہ کا ذکر چھوٹ جائے یا چھوٹنے کا خطرہ پیدا ہو جائے تو اسے اصل تکلیف اور اذیت سمجھتے ہیں۔ دوسری غور طلب بات یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے جو دعا کی اس میں یہ عرض نہیں کیا کہ باری تعالیٰ مجھے اس تکلیف سے نجات اور چھٹکارا دے، بلکہ عرض کیا باری تعالیٰ مجھے تکلیف چھونے لگی ہے:

وَاَنْتَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِیْنَo[2]

اور تو سب رحم کرنے والوں سے بڑھ کر مہربان ہےo

---

(۱) ۱۔ قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۱۱: ۳۲۵
۲۔ طبری، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ۲۳: ۱۶۷
(۲) الأنبیاء، ۲۱: ۸۳

یہ حضرت ایوب علیہ السلام کے حسنِ ادب کا دوسرا خوش گوار گوشہ ہے کہ انہوں نے فقط اللہ رب العزت کی رحمت کو پکار کر اپنی التجا کو اس کے لطف و کرم پر چھوڑ دیا۔ اس طرح اپنی التجا کو اللہ تعالیٰ کے حضور اتنے حسین اور مؤدبانہ انداز میں پیش کرنا مقامِ نبوت کا حسنِ ادب ہے۔

وسعتِ رحمت کا ایسا ہی ایک اور مضمون قرآن مجید میں یوں بیان ہوا کہ اہل ایمان کے حق میں عرش الٰہی کو اُٹھانے والے اور اس کے اردگرد موجود فرشتے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اس طرح دُعا کرتے ہیں:

رَبَّنَا وَسِعْتَ كُلَّ شَيْءٍ رَّحْمَةً وَّعِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِيْنَ تَابُوْا وَاتَّبَعُوْا سَبِيْلَكَ وَقِهِمْ عَذَابَ الْجَحِيْمِo(1)

اے ہمارے رب! تو (اپنی) رحمت اور علم سے ہر شے کا احاطہ فرمائے ہوئے ہے، پس اُن لوگوں کو بخش دے جنہوں نے توبہ کی اور تیرے راستہ کی پیروی کی اور انہیں دوزخ کے عذاب سے بچا لےo

اللہ تعالیٰ نے یہ دعا فرشتوں کو تلقین و تعلیم فرمائی کہ وہ مومنین کے حق میں یوں دُعا کریں کہ اے ہمارے رب! تیرے علم اور تیری رحمت نے ایمان والوں کے اعمال، احوال، خیالات، آرزؤں، تمناؤں اور ان کے دلوں پر گزرنے والے تمام وساوس و خطرات الغرض ہر قابلِ گرفت و قابلِ مواخذہ حالت کا احاطہ کر رکھا ہے۔ ان کی کوئی خطا، لغزش یا کوئی صغیرہ یا کبیرہ گناہ جس پر گرفت اور مواخذہ ہوسکتا ہے، تیری رحمت کی وسعت سے باہر نہیں۔ تیری رحمت ہر شے پر اتنی وسیع ہے کہ ان کی ساری خطائیں، وسیع سے وسیع تر ہونے کے باوجود تیرے دامنِ رحمت کے نیچے سکڑی ہوئی ہیں۔ تو نے اپنی رحمت کا دامن ان کے ہر گناہ پر حاوی کر رکھا ہے، بالکل ایسے ہی جیسے تیرے علم کا دامن بھی ہر شے پر حاوی اور محیط ہے۔ اسی وسعتِ رحمت کے سبب تو انہیں معاف فرماتے ہوئے دوزخ کی آگ سے بچا لے۔

اللہ رب العزت نے اس آیت میں رحمت کا ذکر پہلے اور علم کا ذکر بعد میں فرما کر

(۱) غافر، ۴۰: ۷

ایک پیغام دیا ہے۔ رحمت میں معاف کردینے کا اشارہ ہے اور علم اللہ تعالیٰ کے **عٰلِمُ الْغَيْبِ وَالشَّهَادَةِ** ہونے کی طرف اشارہ کر رہا ہے۔ اگر ہم اپنے نقطۂ نظر سے دیکھیں تو ہمارے گناہ پہلے وجود میں آتے ہیں اور ان کی بخشش و رحمت کے لیے رحمتِ الٰہی کا ظہور اور صدور بعد میں ہوتا ہے۔ یعنی ہماری نسبت سے ترتیب یہ بنتی ہے کہ پہلے علم کا بیان آتا اور پھر رحمت کا تذکرہ کیا جاتا۔ مگر ربِّ کائنات کی صفتوں میں سے کوئی صفت کسی دوسری صفت سے پہلے اور بعد میں نہیں۔ اس لیے کہ وہ واجب الوجود اور قدیم ہے، اُس کی ساری صفات بھی قدیم ہیں اور اس کی ذات کے لیے واجب ہیں۔ کسی ایک صفت کا دوسری پر نہ تقدم ہے اور نہ تاخر۔ پس علم کا پہلے ہونا ہمارے لئے اور ہمارے عمل کی نسبت سے ہے اور اس کی رحمت کا صدور بھی ہمارے عمل یا اُس کی بخشش کے تناظر میں ہے۔ چنانچہ ہمارے تناظر سے تو یہ ہونا چاہیے تھا کہ کہا جاتا:

> باری تعالیٰ! تیرا علم ہر چیز پر وسیع ہے، تو جانتا ہے کہ ان انسانوں نے کیا کیا گناہ کیے ہیں لیکن تو انہیں بخش دے۔

مگر ملائکہ نے اللہ رب العزت کی طرف سے تعلیم کردہ اس دعا میں جس صفت کو مقدم بیان کیا وہ رحمت ہے۔ اس لیے کہ پہلے رحمت کا دروازہ کھٹکھٹایا جائے تاکہ رحمت کے دریا میں تلاطم وطغیانی اور تموّج آ جائے۔ علم کے تذکرہ کو مؤخر اس لیے کیا کہ کوئی کہے تب بھی ہر شے اللہ رب العزت کے علم میں ہے اور نہ کہے تب بھی اس کے علم میں ہے، اللہ کا علم کبھی معدوم نہیں ہوتا۔ علم پر رحمت کا ذکر اس لیے مقدم کیا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت یہ علم ہونے کے باوجود کہ یہ گنہگار، خطا کار اور عذاب کے سزاوار ہیں، پھر بھی ان گناہ گاروں کا دامن تھام لے اور ان کی بخشش کا سامان کر دے۔ یوں اللہ رب العزت نے اپنے علم کے بیان پر بھی رحمت و شفقت کے بیان کو مقدم رکھا۔

۱۰۔ 'رحمتِ واسعہ' اور 'فضلِ عظیم' کی قرآنی اصطلاحات

اللہ رب العزت نے ہمارے ذہنوں کو اپنی رحمت کی طرف متوجہ کرنے، ان میں اپنی صفتِ رحمت کی اہمیت کو بٹھانے اور ہمارے عقائد و تصورات کو درست کرنے کے لیے قرآن

مجید میں بار بار اپنی رحمتِ واسعۃ اور فضلِ عظیم کا ذکر کیا ہے تا کہ ہمارے ذہنوں میں اسلام اور اس کی تعلیمات کا رحمتوں بھرا تصور اور نقشہ پیدا ہو، ہم اسلام کی انہی محبتوں بھری پر امن تعلیمات اور احکامِ شریعت کی روشنی میں لوگوں کے ساتھ اپنا رویہ متعین کریں اور ہر ایک سے تعلق میں رحمت وشفقت اور فضل و احسان کا حسن ضرور موجود ہو۔

چنانچہ اگر ہم رب کے سچے بندے بننا چاہتے ہیں تو ہمیں **تَخَلَّقُوْا بِأَخْلَاقِ اللهِ** (خود کو اَخلاقِ اِلٰہیہ سے متصف کرو)[1] کے فرمانِ نبوی کے مطابق اللہ کی صفات کے رنگ، اپنے اخلاق اور صفات پر چڑھانے ہوں گے، تبھی ہمارا رویہ مومنوں، کافروں، نیکوں، بروں، کمزوروں، طاقت وروں، واقفوں اور ناواقفوں الغرض سب کے ساتھ رحمت وشفقت اور امن و سلامتی پر مبنی ہوگا۔ اللہ رب العزت ہمارے سامنے اپنے فضلِ عظیم اور اپنی وسیع رحمت کو اس لیے بیان فرماتا ہے کہ ہم بھی اپنے دامنِ رحمت وفضل کو دوسروں کے لیے پھیلا دیں کیونکہ جتنی وسعت ہم بندگی کے مقام پر کرتے چلے جائیں گے، اللہ رب العزت اپنی الوہیت اور اپنی شانِ رحمانیت کے لائق اُسی حساب سے ہمارے لیے اپنا دامنِ رحمت وسیع تر کرتا چلا جائے گا۔

سورۃ الانعام میں ارشاد فرمایا:

فَقُلْ رَّبُّكُمْ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ.[2]

فرما دیجیے کہ تمہارا رب وسیع رحمت والا ہے۔

جبکہ سورۃ الحدید میں فضل کو عظیم کہتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ذُوالْفَضْلِ الْعَظِيْمِ○[3]

عظیم فضل والا ہے○

---

(۱) ابن القيم، مدارج السالكين، ۳: ۲۴۱

(۲) الأنعام، ٦: ۱۴۷

(۳) الحديد، ۵۷: ۲۹

www.MinhajBooks.com

اگر فقط یہ کہہ دیا جاتا کہ فَقُلْ رَّبُّكُمْ رَحْمَةٌ وَاسِعَةٌ (فرما دیجیے کہ آپ کا رب رحمت والا ہے) تو کیا یہ کہنے سے اُس کی رحمت کا دائرہ اور دامن سکڑ جاتا؟ ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ کہنے سے اس کی رحمت اپنی اصل پوزیشن سے بڑھ تو نہیں گئی۔ اُس کی رحمت تو پہلے بھی بے حساب اور بے حد و شمار تھی سو اب بھی وہ اسی طرح بے حساب ہے مگر اس طرح ہمیں متوجہ کیا جا رہا ہے اور ہمارے تصورات اور عقائد کو صحیح سمت پر لایا جا رہا ہے کہ اللہ رب العزت اپنی دیگر صفتوں کا بھی ذکر کرتا ہے مگر جب اس کی صفتِ فضل، صفتِ رحمت، صفتِ شفقت اور صفتِ انعام و اکرام کی بات آتی ہے تو وہ فرماتا ہے: ذُوْ رَحْمَةٍ وَّاسِعَةٍ 'وہ بڑی وسیع رحمت والا رب ہے'۔

(۱) تبلیغِ اسلام کا لائحہ عمل

مذکورہ آیتِ کریمہ میں رَبُّكُم (تمہارا رب) کے الفاظ استعمال فرما کر ہر مبلغِ شریعت اور ہر داعی کو بطورِ خاص متوجہ کیا جا رہا ہے کہ جب تم شریعتِ اسلام، قرآن اور تعلیماتِ اسلام کی بات کرو تو یاد رکھ لو کہ تمہارا کوئی ایک عمل بھی اس پوری جد و جہد میں اللہ کی مخلوق کے ساتھ جبر، بربریت، ظلم اور دہشت گردی پر مبنی نہ ہو کہ لوگ اس سے تھر تھر کانپنے لگیں۔ اگر ایسا کرو گے تو وسیع رحمت اور عظیم فضل کے حامل رب اور اس کی ربوبیت کے ساتھ تمہارا تعلق اور سروکار ہی نہیں۔ اگر تمہیں اللہ کے دین کے ساتھ کوئی سروکار ہوتا تو تمہارے ذہنوں میں پیدا ہونے والے دینِ اسلام کے تصور میں بھی وسیع رحمت ہوتی۔ تم دین کے نفاذ میں بھی اللہ کی رحمتِ واسعہ ہی کی طرف متوجہ رہتے اور دین کی تعلیمات اور احکام کی تشریح میں بھی رحمت اور شفقت کے عنصر کو ساتھ لے کر چلتے۔

یہی مضمون سورۃ الاعراف کی اس آیت میں بھی بیان فرمایا:

وَرَحْمَتِيْ وَسِعَتْ كُلَّ شَيْءٍ.[۱]

---

(۱) الاعراف، ۷: ۱۵۶

اور میری رحمت ہر چیز پر وسعت رکھتی ہے۔

کائنات کی ہر شے ہر صفت اور ہر عمل کے ساتھ اللہ رب العزت کا ایک تعلق ہے۔ یہ تعلقات اپنی جگہ بجا مگر اُن تمام کے ساتھ اس کی رحمت کا جو رشتہ ہے وہ ہر شے پر وسیع اور ہر تعلق پر حاوی ہے۔ کائنات کی ہر شے، ہر ذرے، ہر وجود اور ہر عمل پر اس کی رحمت وسیع ہے۔ کائنات کی ہر چیز اپنی تمام تر وسعتوں کے باوجود اس کی رحمت کی وسعت کے سامنے سکڑی ہوئی ہے اور اس کی رحمت کی وسعت نے ہر چیز کو اپنے دامن میں چھپا رکھا ہے۔

جب اس کی رحمت ہر چیز پر محیط ہے تو اس کی بخشش، مغفرت، محبت اور سلامتی بھی ہر شے پر غالب ہوگی۔ چنانچہ اگر امن و رحمت پر مبنی یہی رویہ ہر چیز پر غالب رہے تو سمجھیں یہ اسلام سے جنم لینے والا اور قرآن و حدیث سے اخذ ہونے والا رویہ ہے اور اگر اُس میں محبت، شفقت اور رحمت کا عنصر کمزور نظر آئے یا مفقود نظر آئے تو سمجھیں کہ یہ رویہ قرآن و حدیث، تعلیماتِ الٰہیہ اور تعلیماتِ رسالت مآب ﷺ سے وجود میں نہیں آیا بلکہ ہمارا خود تراشیدہ ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کی رحمت پر خوشیاں منانے کا حکم

وسعتِ رحمتِ الٰہی کا اظہار قرآن مجید کی سورۃ یونس کی آیت نمبر ۵۸ میں اس پیرائے میں ہو رہا ہے:

قُلْ بِفَضْلِ اللهِ وَبِرَحْمَتِهٖ فَبِذٰلِکَ فَلْيَفْرَحُوْا ط هُوَ خَيْرٌ مِّمَّا يَجْمَعُوْنَ○[1]

فرما دیجیے: (یہ سب کچھ) اللہ کے فضل اور اس کی رحمت کے باعث ہے (جو بعثتِ محمدی ﷺ کے ذریعے تم پر ہوا ہے) پس مسلمانوں کو چاہیے کہ اس پر خوشیاں منائیں، یہ اس (سارے مال و دولت) سے کہیں بہتر ہے جسے وہ جمع کرتے ہیں○

پورے قرآن مجید میں یہ واحد مقام ہے جہاں اللہ رب العزت نے خوشی منانے کا حکم دیا ہے اور یہ خوشی منانے کا حکم اللہ تبارک و تعالیٰ نے صرف اور صرف اپنے خاص فضل اور

(۱) یونس، ۱۰: ۵۸

اپنی رحمتِ خاصہ کے عطا کرنے کے ساتھ مخصوص فرمایا ہے۔ کسی دیگر نعمت، حکمِ شریعت یا تعلیمِ اسلامی میں سے کسی تعلیم اور کسی پیغام پر یہ حکم نہیں دیا گیا۔

ائمہ تفسیر کی اکثریت نے اس فضل اور رحمت سے حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت یا بعثت مراد لی ہے۔ (اس کی تفصیل کے لیے میری تصنیف 'میلاد النبی ﷺ' کا مطالعہ کریں) کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی اس دنیا میں تشریف آوری، عالمِ انسانیت پر اللہ رب العزت کا اتنا بڑا فضل اور اتنی بڑی رحمت ہے کہ اس کے مقابلے میں کسی بھی فضل اور رحمت کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی آمد، بعثت اور نبوت و رسالت وہ کرم اور احسان ہے جو اللہ رب العزت نے انسانیت پر کیا۔ اس آیت میں اپنے اسی اعلیٰ، اتم اور اکمل احسان کو اس نے اپنے خاص فضل اور رحمت کے الفاظ سے موسوم کیا اور فرمایا کہ اس خصوصی فضل پر فرحت کا اظہار کرو۔

اللہ رب العزت نے اپنے فضل اور رحمت کو اتنی اہمیت دی ہے کہ اس کو ذکر کے اعتبار سے خاص اور عمل کے اعتبار سے اتنا عام کر دیا کہ اس پر خوشیاں منانے کا خاص حکم عطا فرمایا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یقیناً اللہ رب العزت کی رحمت اتنی بڑی نعمت ہے کہ دنیا کی کوئی نعمت اس کا مقابلہ نہیں کر سکتی، اس لیے کہ ہر نعمت کے ملنے کی بنیاد اور اساس اللہ تعالیٰ کا فضل اور رحمت ہی ہے۔ انسانیت پر بالعموم اور اُمتِ مسلمہ پر بالخصوص اللہ رب العزت کے انعامات و احسانات، جود و اکرام اور سخا کی جتنی شکلیں ہیں، وہ ساری کی ساری رحمتِ الٰہی کے منبع، مصدر اور مخزن سے پھوٹنے والی کرنیں ہیں، جن کی بنیاد خود رحمتِ الٰہی ہی ہے۔

الغرض اللہ رب العزت کے جتنے بھی انعامات ہیں یہ خود بھی اللہ کی رحمت ہیں اور ان کی بنیاد بھی اللہ کی رحمت ہے۔ مثلاً زندگی اس کی نعمت بھی ہے اور رحمت بھی...... اندھیرے سے نکال کر روشنی کی طرف لانا یہ رحمت بھی ہے اور نعمت بھی...... مردہ زمین کو زندگی عطا کرنا یہ اس کی نعمت بھی ہے اور رحمت بھی...... الحاصل درختوں پر پھل پھول لگانا، بارانِ رحمت عطا کرنا، سایہ دینا، ٹھنڈک دینا، اولاد دینا، یہ سب اللہ تعالیٰ کی نعمتیں بھی ہیں اور رحمتیں بھی۔ ان تمام

نعمتوں پر غور کرنے کا ایک ہی نتیجہ نکلے گا کہ نعمت جس شکل میں بھی ملے، بنیادی طور پر یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت ہی ہے چونکہ ساری نعمتوں، سارے انعامات اور سارے احسانات کا مرکز اور منبع، سرچشمہ و اَساس اللہ تعالیٰ کی رحمت ہے، اس لیے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کا فضل عطا ہونے پر خوشیاں مناؤ۔

۱۱۔ قرآن مجید خود رحمت اور بیانِ رحمت ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنی رحمت کے وسیع اور کثیر ہونے کو بھی قرآنِ مجید میں نہایت کثرت کے ساتھ بیان فرمایا۔ اپنی ذاتِ مقدسہ کے لیے اپنی صفتِ رحمت کا بیان اس نے قرآن مجید میں اس طرح کیا کہ وہ تمام اسماء جو اس کی رحمت کے معنی پر دلالت کرتے ہیں انہیں کثرت سے استعمال فرمایا۔ اللہ رب العزت کی انتہاءِ رحمت پر دلالت کرنے والی صفات الرحمٰن اور الرحیم کے بیان کی تفصیل درج ذیل ہے:

۱۔	قرآن مجید میں 'الرحمٰن اور الرحیم' کا ایک ساتھ بیان:	113 مقامات
۲۔	صرف 'الرحمن' کا بیان:	57 مقامات
۳۔	صرف 'الرحیم' کا بیان:	95 مقامات
۴۔	صرف 'رحیما' کا بیان:	20 مقامات

چنانچہ صرف 'رحم' کے حروفِ اصلیہ (root words) سے بننے والے الفاظ رحمٰن، رحیم، رحیما کو 285 مقامات پر بیان کیا گیا ہے۔ علاوہ ازیں قرآن مجید میں ایسے سیکڑوں مقامات ہیں جہاں مختلف انداز میں رحمت کا موضوع ہی بیان ہوا ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں جگہ جگہ اپنے احسانات، رزق عطا کرنے کی مختلف صورتیں، آسودگی کے مختلف سامان اور کفالت کرنے کے مختلف انداز ذکر کئے ہیں۔ یہ تمام درحقیقت اس کی رحمت ہی کا بیان ہے۔ مزید یہ کہ متعدد سورتیں ایسی ہیں جن میں اوّل تا آخر رحمت ہی کا مضمون مذکور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب احکامِ اسلام، اسلامی اخلاق اور شرعی قوانین تشکیل پاتے ہیں تو اُن کا مجموعی

مزاج رحمت، شفقت، آسانی اور محبت پر مشتمل ہوتا ہے۔

اللہ رب العزت اپنی رحمت کا اظہار کس کس انداز سے قرآن مجید میں فرما رہا ہے، آیئے چند مزید مقامات کا مطالعہ کرتے ہیں:

(۱) تقویٰ اور تعظیمِ مصطفیٰ ﷺ پر دوگنا رحمت کا وعدہ

اللہ رب العزت کی رحمت کی وسعت کا عالم تو یہ ہے کہ وہ تقویٰ اور تعظیمِ مصطفیٰ ﷺ اختیار کرنے والے پر بھی اپنی دوگنی رحمتیں نچھاور فرماتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَاٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ط وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌO[1]

اے ایمان والو! اللہ کا تقویٰ اختیار کرو اور اُس کے رسولِ (مکرّم ﷺ) پر ایمان لے آؤ وہ تمہیں اپنی رحمت کے دو حصّے عطا فرمائے گا اور تمہارے لیے نور پیدا فرما دے گا جس میں تم (دنیا اور آخرت میں) چلا کرو گے اور تمہاری مغفرت فرما دے گا، اور اللہ بہت بخشنے والا بہت رحم فرمانے والا ہےO

اس آیت مبارکہ میں اہلِ ایمان کو دو حکم دیئے جا رہے ہیں:

۱۔ تقویٰ اختیار کرو۔

۲۔ رسولِ مکرم ﷺ پر ایمان لاؤ۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ مومن ہو جانے کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ پر مزید ایمان لانے سے کیا مراد ہے؟ حالانکہ اللہ رب العزت: يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا کے الفاظ کے ساتھ اہلِ ایمان ہی سے مخاطب ہے کہ تقویٰ اختیار کرو اور رسول پر ایمان لاؤ؟

یہاں اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ سے مراد وہ ایمان نہیں جس کو اختیار کرنے سے بندہ مسلم اور

(۱) الحدید، ۵۷: ۲۸

مومن کہلاتا ہے اور جو إقرارٌ باللسان وتصدیقٌ بالقلب کے بنیادی ارکان کی تکمیل سے عبارت ہے۔ اس لیے کہ لفظ 'اہلِ ایمان' کی مخاطبت کے حق دار ہی وہ ٹھہرتے ہیں جو اقرار و تصدیق کا مرحلہ طے کر لیں۔ درحقیقت اللہ رب العزت اٰمِنُوْا بِرَسُوْلِهٖ کے حکم سے اپنے حبیب مکرم ﷺ کے ساتھ امتیوں کا محبت و ادبِ رسول ﷺ، تعظیم وتکریمِ رسول ﷺ، توقیر ونصرتِ رسول اور اتباع ونصرتِ دینِ رسول ﷺ کا خاص تعلق اور نسبت قائم کروانا چاہتا ہے۔ چنانچہ فرمایا کہ اے ایمان والو! جب تم متقی ہو گئے اور میرے محبوب ﷺ کے سچے غلام، محبّ اور مؤدب ہو گئے تب: يُؤْتِكُمْ كِفْلَيْنِ مِنْ رَّحْمَتِهٖ، میں تمہیں رحمت کی شکل میں صلہ بھی دوگنا عطا کروں گا، کیونکہ تم نے ایمان بھی قبول کیا، تقویٰ بھی اختیار کیا اور تعظیم وتکریمِ رسول ﷺ بھی بجا لائے۔ مزید یہ کہ وَيَجْعَلْ لَّكُمْ نُوْرًا تَمْشُوْنَ بِهٖ رحمت کے ساتھ اپنا نور بھی عطا کروں گا جس میں تم دنیا و آخرت میں چلو گے۔

گویا تم خود بھی نور، راستہ بھی نور اور جو تمہارے نقشِ قدم پر چلیں گے انہیں بھی ایمان کے نور سے منور کر دوں گا۔ اس لیے کہ میں نے خود ہی: صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ[1] کے ذریعے تمہیں انعام یافتہ بندوں کے راستہ پر چلنے کی دعا سکھائی ہے۔

پھر رحمت کی انتہا یہ ہوگی کہ وَيَغْفِرْ لَكُمْ اللہ تعالیٰ تمہارے سارے صغیرہ اور کبیرہ گناہ اور تمام لغزشیں بھی معاف کر دے گا، اس لیے کہ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ اللہ بہت بخشنے والا اور بڑا رحم فرمانے والا ہے۔ اس آیت کریمہ کا مکمل مضمون بیانِ رحمت سے معمور ہونے کی بناء پر وسعتِ رحمتِ الٰہیہ ہی کا ایک اظہار ہے۔

(۲) اِطاعتِ الٰہی، اِتباعِ مصطفیٰ ﷺ اور اَعمالِ صالحہ کی ادائیگی پر خصوصی رحمت کی نوید

اللہ رب العزت کی رحمت وشفقت کا عالم یہ ہے کہ وہ اپنی اور اپنے پیارے محبوب

(۱) الفاتحة، ۱: ٦

ﷺ کی اطاعت و پیروی کرنے نیز اعمالِ صالحہ بجا لانے پر بھی اِن متبعین اور عاملین کو رحمت کی خوش خبری سے نوازتا ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ○[۱]

اور اللہ کی اور رسول (ﷺ) کی فرمانبرداری کرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے○

اس آیتِ کریمہ میں دو حکم دیئے گئے:

۱۔ اللہ کی اطاعت کرو

۲۔ اللہ کے رسول ﷺ کی اطاعت کرو

یہ دو اطاعتیں درحقیقت ایک ہی اطاعت کی دو شکلیں ہیں، جس کی طرف سورۃ النساء میں اشارہ فرمایا گیا:

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ.[۲]

جس نے رسول (ﷺ) کا حکم مانا بے شک اس نے اللہ (ہی) کا حکم مانا۔

اللہ تعالیٰ نے اس آیت کریمہ میں رحم کرنے کو اپنی اطاعت اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت سے مشروط کر دیا۔ اس لیے کہ تعلیماتِ اسلام میں اطاعتِ رسول ﷺ سے بڑھ کر کوئی حکم، اطاعت اور عبادت نہیں ہے۔ جتنی اطاعتیں اور عبادتیں ہیں وہ سب اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول ﷺ کے دائرے میں آ جاتی ہیں۔ لہٰذا فرما دیا کہ جمیع احکامِ شریعت پر اطاعتِ الٰہی اور اطاعتِ رسول ﷺ حاوی ہیں، لہٰذا ان کو حرزِ جاں بنانے کی صورت میں تم پر رحم کیا جائے گا۔

۱۔ اسی طرح ادائیگیِ نماز و زکوٰۃ اور اطاعتِ رسول ﷺ کے ساتھ رحمت کے تعلق کو بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

---

(۱) آل عمران، ۳: ۱۳۲

(۲) النساء، ۴: ۸۰

وَاَقِيْمُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتُوا الزَّكٰوةَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ○[1]

اور تم نماز (کے نظام) کو قائم رکھو اور زکوٰۃ کی ادائیگی (کا انتظام) کرتے رہو اور رسول (ﷺ) کی (مکمل) اطاعت بجا لاؤ تاکہ تم پر رحم فرمایا جائے (یعنی غلبہ و اقتدار، استحکام اور امن و حفاظت کی نعمتوں کو برقرار رکھا جائے)○

گویا قیامِ نماز کا صلہ بھی رحمت ہے، زکوٰۃ کی ادائیگی کا صلہ بھی رحمت ہے اور اطاعتِ رسول ﷺ کا صلہ بھی رحمت ہی ہے۔

۲۔ اللہ رب العزت نے ایمان اور اعمالِ صالحہ کا اجر بھی بصورتِ رحمت ذکر فرمایا۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

فَاَمَّا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوْا الصّٰلِحٰتِ فَيُدْخِلُهُمْ رَبُّهُمْ فِيْ رَحْمَتِهٖ ط ذٰلِكَ هُوَ الْفَوْزُ الْمُبِيْنُ○[2]

پس جو لوگ ایمان لائے اور نیک اعمال کرتے رہے تو اُن کا رب انہیں اپنی رحمت میں داخل فرما لے گا، یہی تو واضح کامیابی ہے○

ان تمام قرآنی آیات سے اسلام، تعلیماتِ قرآن، احکامِ الٰہیہ اور تعلیماتِ نبوی ﷺ کا مزاجِ رحمت نکھر کر سامنے آ رہا ہے۔

۳۔ رحمت الٰہی کی وسعت کا ایک اظہار اس طرح بھی ہمارے سامنے آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ مجید کی اتباع پر رحمت کا وعدہ فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَهٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَاتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ○[3]

اور یہ (قرآن) برکت والی کتاب ہے جسے ہم نے نازل فرمایا ہے سو (اب) تم اس

(۱) النور، ۲۴: ۵۶

(۲) الجاثية، ۴۵: ۳۰

(۳) الأنعام، ۶: ۱۵۶

www.MinhajBooks.com

کی پیروی کیا کرو اور (اللہ سے) ڈرتے رہو تا کہ تم پر رحم کیا جائےo

یہاں بھی کتاب اللہ کی تعلیمات پر عمل اور اللہ رب العزت کا تقویٰ اختیار کرنے پر صلہ کے طور پر رحمت کا حق دار ٹھہرائے جانے کا ذکر فرمایا۔

۴۔ اسی طرح اللہ رب العزت نے قرآن مجید کی خوبیاں بیان فرماتے ہوئے اسے بھی ایمان والوں کے لیے رحمت قرار دیا۔ ارشاد فرمایا:

یُوْحٰٓی اِلَیَّ مِنْ رَّبِّیْ ج هٰذَا بَصَآئِرُ مِنْ رَّبِّکُمْ وَهُدًی وَّرَحْمَةٌ لِّقَوْمٍ یُّؤْمِنُوْنَo (۱)

جو میرے رب کی جانب سے میری طرف وحی کیا جاتا ہے یہ (قرآن) تمہارے رب کی طرف سے دلائل قطعیہ (کا مجموعہ) ہے اور ہدایت ورحمت ہے ان لوگوں کے لیے جو ایمان لاتے ہیںo

یعنی روشن دلائل اور بصیرت کی باتوں پر مشتمل قرآنِ مبین ایمان والوں کے لیے رحمت ہے۔

۵۔ اسی طرح قرآن مجید کو خاموشی اور ادب سے سننے والوں کے لیے بھی رحمت کی نوید ہے۔ ارشاد فرمایا:

وَ اِذَا قُرِئَ الْقُرْاٰنُ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ وَاَنْصِتُوْا لَعَلَّکُمْ تُرْحَمُوْنَo (۲)

اور جب قرآن پڑھا جائے تو اسے توجہ سے سنا کرو اور خاموش رہا کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائےo

یعنی جب تمہارے اوپر قرآن پڑھا جا رہا ہو، خواہ دورانِ نماز امام تلاوت کر رہا ہو یا نماز کے علاوہ کسی اور مجلس میں قرآن مجید کی تلاوت کی جائے تو ہمہ تن گوش ہو کر اس کی تلاوت

(۱) الأعراف، ۷: ۲۰۳

(۲) الأعراف، ۷: ۲۰۴

سنو۔ اللہ رب العزت کی رحمت کی وسعت کا عالم یہ ہے کہ تمہارے اس قرآنی ادب کے سبب بھی تم پر رحم کیا جائے گا اور وہ تمہیں اپنے دامنِ رحمت میں لے کر تم سے تنگی و شقاوت کو دور فرما دے گا۔

(۳) محسنین کا اجر: عطاءِ رحمتِ الٰہیہ

جیسا لہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے کہ دینِ اسلام کے تین درجات ہیں:

۱۔ اسلام

۲۔ ایمان

۳۔ احسان

اسلام، ظاہری عبادات، اوامر ونواہی اور احکامِ شریعت کی پیروی کا نام ہے۔

درجہ ایمان میں انسان کا دل، اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی تصدیق اس نور کے ساتھ کرتا ہے جو اطاعات وعبادات کے نتیجے میں اس کے دل میں متمکن ہو جاتا ہے۔

درجہ احسان میں عبادات و اطاعات، انسان کے احوالِ باطن کے طور پر اس کے قلب میں جاگزین ہو جاتی ہیں اور وہ جمالِ الٰہی کے مشاہدے و مراقبے کے مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔ اس لحاظ سے پہلا درجہ مسلم ہے، دوسرا درجہ مؤمن اور دینِ اسلام کا سب سے اعلیٰ درجہ محسن ہے۔

قرآن مجید میں دینِ اسلام کے آخری درجے پر فائز صاحبانِ احسان یعنی محسنین کے اجر کا ذکر اللہ رب العزت نے اپنی رحمت کے طور پر ارشاد فرمایا ہے:

اِنَّ رَحْمَتَ اللهِ قَرِيْبٌ مِّنَ الْمُحْسِنِيْنَo[1]

بے شک اللہ کی رحمت احسان شعار لوگوں (یعنی نیکوکاروں) کے قریب ہوتی ہےo

یاد رہے کہ جو شخص درجۂ احسان پر فائز ہوتا ہے وہ محسن ہے۔ تمام صوفیا، اولیاء،

(۱) الأعراف، ۷: ۵۶

www.MinhajBooks.com

صدیقین، صالحین اور کاملین محسن کہلاتے ہیں۔ انہی ہستیوں کے لیے فرمایا گیا ہے کہ وہ رب کی رحمت کے بہت قریب ہو جاتے ہیں اور اللہ کی رحمت خود محسنین کے قریب ہو جاتی ہے۔

(۴) صاحبانِ استقامت: رحمتِ الٰہی کے حق دار ہیں

اللہ رب العزت نے اپنی رحمتِ خاصہ کو اپنے مقربین کے لیے مختص فرما رکھا ہے۔ اگر محسنین کو دامنِ رحمت میں لیا جا رہا ہے تو رحمتِ الٰہیہ کی وسعت کا اظہار یوں بھی ہو رہا ہے کہ نیک اعمال اور دینِ اسلام پر ثابت قدمی سے جمے رہنے والے صاحبانِ استقامت کو بھی رحمت و فضل کے دائرہ میں داخل فرما دیا۔ چنانچہ اللہ رب العزت نے سورۃ النساء میں ایمان و اعتصام باللہ اختیار کرنے والوں کے بارے میں ارشاد فرمایا:

فَاَمَّا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَاعْتَصَمُوْا بِهٖ فَسَیُدْخِلُهُمْ فِیْ رَحْمَةٍ مِّنْهُ وَفَضْلٍ وَّیَهْدِیْهِمْ اِلَیْهِ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ○[1]

پس جو لوگ اللہ پر ایمان لائے اور اس (کے دامن) کو مضبوطی سے پکڑے رکھا تو عنقریب (اللہ) انہیں اپنی (خاص) رحمت اور فضل میں داخل فرمائے گا، اور انہیں اپنی طرف (پہنچنے کا) سیدھا راستہ دکھائے گا○

قرآن مجید میں جہاں بھی کسی عظیم انعام اور خاص صلہ کو بیان کیا جاتا ہے یا اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے عظیم لطف و کرم اور اجر و احسان ملنے کی بات آتی ہے تو اس کا ذکر بصورتِ عطاءِ رحمت الٰہیہ کیا جاتا ہے۔ گویا اللہ رب العزت کی جملہ نعمتوں میں سب سے بڑی نعمت 'رحمت' ہے اور وہ اپنی یہ رحمت ہر بندے کو اس کے حسبِ حال عطا فرماتا ہے۔ جس بندے کو بڑا صلہ اور بڑی جزا دینا چاہتا ہے تو اس پر رحمت میں اسی قدر اضافہ کر دیتا ہے جبکہ اس کی اساسی رحمت ہر کس و ناکس، نیک و بد اور ہر مومن و کافر پر بحیثیتِ رب جاری و ساری رہتی ہے، اس لیے کہ اس کی رحمت ہر شے پر بصورتِ رحمٰن حاوی اور محیط ہے۔

(۱) النساء، ۴: ۱۷۵

(۵) اعمال کی قبولیت: قربت و رحمت الٰہیہ کی صورت میں ہوتی ہے

قرآن مجید نے مدینہ طیبہ کے اردگرد رہنے والے ان مومنین اعراب کا ذکر کرتے ہوئے ان کی اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی رضا کے حوالے سے کچھ خواہشات، اعمال اور پھر ان اعمال پر قربت اور رحمت کو بطورِ صلہ مانگنے کا ذکر بیان فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا گیا:

وَمِنَ الْاَعْرَابِ مَنْ يُّؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَيَتَّخِذُ مَا يُنْفِقُ قُرُبٰتٍ عِنْدَ اللّٰهِ وَصَلَوٰتِ الرَّسُوْلِ ط اَلَآ اِنَّهَا قُرْبَةٌ لَّهُمْ ط سَيُدْخِلُهُمُ اللّٰهُ فِيْ رَحْمَتِهٖ ط اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ○[1]

اور بادیہ نشینوں میں (ہی) وہ شخص (بھی) ہے جو اللہ پر اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتا ہے اور جو کچھ (راہِ خدا میں) خرچ کرتا ہے اسے اللہ کے حضور تقرب اور رسول (ﷺ) کی (رحمت بھری) دعائیں لینے کا ذریعہ سمجھتا ہے، سن لو! بے شک وہ ان کے لیے باعث قربِ الٰہی ہے، جلد ہی اللہ انہیں اپنی رحمت میں داخل فرما دے گا۔ بے شک اللہ بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے○

مدینہ کے اردگرد آبادیوں میں رہنے والے دیہاتی جب حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں آنے کا ارادہ کرتے تو ان کا معمول یہ تھا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے حضور قربت اور حضور نبی اکرم ﷺ کی دعائیں اور برکتیں لینے کے لیے باہر کچھ خیرات کرتے۔ یہ ان کے بارگاہِ نبوی ﷺ میں حاضر ہونے کے آداب تھے جو قرآن مجید میں بیان ہونے کے بعد اب یہ شرعی اور دینی حیثیت کے حامل ہیں۔ بہرحال وہ یہ خرچ اس نیت سے کرتے کہ ہماری حاضری قبول ہو جائے اور اس قبولیت میں ہمیں اللہ تعالیٰ کی قربت بھی نصیب ہو اور حضور نبی اکرم ﷺ کی دعائیں، رحمتیں اور برکتیں بھی نصیب ہوں۔

اس پر اللہ رب العزت نے فرمایا کہ میرے محبوب انہیں آگاہ کر دیں کہ ان کا یہ عمل

(۱) التوبة، ۹: ۹۹

مقبول ہو گیا ہے اور اللہ تعالیٰ انہیں اپنے خاص دامن رحمت میں سمیٹ لے گا۔

(۶) طلبِ استغفار، رحمتِ خداوندی ہی سے ممکن ہے

رحمتِ الٰہی کی وسعت کا عالم یہ ہے کہ مغفرت طلب کرنے پر بھی رحمت کی صورت میں انعام اور خوشخبری سنائی گئی۔ ارشاد فرمایا:

لَوْ لَا تَسْتَغْفِرُوْنَ اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَo(۱)

تم اللہ سے بخشش کیوں طلب نہیں کرتے تاکہ تم پر رحم کیا جائےo

یعنی اگر تم صرف اپنے گناہوں کے لیے ہی مغفرت طلب کرو تو تمہیں صرف بخشش ہی نہیں ملے گی بلکہ بخشش کے ساتھ اللہ کی رحمت بھی ملے گی۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر عام معافی کا اعلان کرتے ہوئے سیدنا یوسف علیہ السلام کے وہ الفاظ دہرائے، جو انہوں نے اپنے بھائیوں کو معاف فرماتے ہوئے ادا کیے تھے:

قَالَ لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ؕ يَغْفِرُ اللّٰهُ لَكُمْ وَهُوَ اَرْحَمُ الرّٰحِمِيْنَo(۲)

یوسف (علیہ السلام) نے فرمایا: آج کے دن تم پر کوئی ملامت (اور گرفت) نہیں ہے، اللہ تمہیں معاف فرما دے اور وہ سب مہربانوں سے زیادہ مہربان ہےo

(۷) صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی وفا کا صلہ: عطاءِ رحمتِ الٰہی

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زندگی بھر حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس سے استقامت کے ساتھ وابستہ رہے۔ انہوں نے ساری زندگی دین کی سربلندی کے لیے جہاد کیا۔ دینِ اسلام کی سربلندی کے لیے گھر بار، وطن، بیوی بچے اور کاروبار چھوڑ کر ہجرت کی۔ اللہ تعالیٰ نے قربانیوں

(۱) النمل، ۲۷: ۴۶

(۲) یوسف، ۱۲: ۹۲

کے صلہ میں انہیں اعلیٰ درجات عطا فرماتے ہوئے رحمت کی خوشخبری دی۔ ارشاد فرمایا:

اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَهَاجَرُوْا وَجَاهَدُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللهِ بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ اَعْظَمُ دَرَجَةً عِنْدَ اللهِ ؕ وَاُولٰٓئِکَ هُمُ الْفَآئِزُوْنَ○ یُبَشِّرُهُمْ رَبُّهُمْ بِرَحْمَةٍ مِّنْهُ وَرِضْوَانٍ وَّجَنّٰتٍ لَّهُمْ فِیْهَا نَعِیْمٌ مُّقِیْمٌ○ خٰلِدِیْنَ فِیْهَآ اَبَدًا ؕ اِنَّ اللهَ عِنْدَهٗٓ اَجْرٌ عَظِیْمٌ○(1)

جو لوگ ایمان لائے اور انہوں نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور اپنی جانوں سے جہاد کرتے رہے وہ اللہ کی بارگاہ میں درجہ کے لحاظ سے بہت بڑے ہیں، اور وہی لوگ ہی مراد کو پہنچے ہوئے ہیں○ ان کا رب انہیں اپنی جانب سے رحمت کی اور (اپنی) رضا کی اور (ان) جنتوں کی خوشخبری دیتا ہے جن میں ان کے لیے دائمی نعمتیں ہیں○ (وہ) ان میں ہمیشہ ہمیشہ رہیں گے بے شک اللہ ہی کے پاس بڑا اجر ہے○

غور کیجیے کہ پہلی آیت میں ان کی قربانیوں اور استقامت کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا اونچا درجہ پہلے بیان ہو چکا ہے مگر اس کے باوجود دوسری آیت میں ان کے لیے یہ خاص خوشخبری بھی بھرپور اہتمام کے ساتھ دی جا رہی ہے کہ انہیں بارگاہِ ربانی سے رحمت اور اس کی رضا بھی ملے گی اور جنت بھی ملے گی جن میں تمہاری سوچ وفکر سے ماوراء بے شمار نعمتیں موجود ہوں گی۔ ان ساری کامیابیوں اور نعمتوں کے عطا کر دینے کے بعد جب اللہ تعالیٰ خوش خبری دینے کی بات کرتے ہیں تو اس نوید کا عنوان رحمتِ الٰہی کی بے پایاں وسعت کو واضح کرتا ہے۔

۱۲۔ صاحبانِ علم ومعرفت ہمیشہ رحمتِ اِلٰہی کے طلب گار رہتے ہیں

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ایمان کے کامل درجے پر پہنچنے والے الرّٰسِخُوْنَ فِی

(۱) التوبة، ۹: ۲۰-۲۲

الْعِلْمِ کی دعا بیان فرماتے ہوئے کہا کہ وہ ربِ دو جہاں کی بارگاہ سے علم وحکمت اور ہدایت کے حصول کے باوجود اس کی رحمت کے طلب گار رہتے ہیں۔ ارشاد فرمایا:

وَالرّٰسِخُوْنَ فِی الْعِلْمِ یَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ کُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَاج وَمَا یَذَّکَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ ○ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَیْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةًج اِنَّکَ اَنْتَ الْوَهَّابُ ○[1]

اور علم میں کامل پختگی رکھنے والے کہتے ہیں کہ ہم اس پر ایمان لائے، ساری (کتاب) ہمارے رب کی طرف سے اتری ہے، اور نصیحت صرف اہلِ دانش کو ہی نصیب ہوتی ہے ○ (اور عرض کرتے ہیں) اے ہمارے رب! ہمارے دلوں میں کجی پیدا نہ کر اس کے بعد کہ تو نے ہمیں ہدایت سے سرفراز فرمایا ہے اور ہمیں خاص اپنی طرف سے رحمت عطا فرما، بے شک تو ہی بہت عطا فرمانے والا ہے ○

یعنی وہ لوگ جو علمِ واثق کے مرتبے پر فائز ہوتے ہیں، وہ نصیحت پانے کے بعد جو دعا میں بھی اللہ رب العزت سے رحمت کو طلب کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اے باری تعالیٰ! ہمیں ہدایت عطا کرنے کے بعد پھر ہمارے دلوں کو ہدایت سے محروم نہ کر دینا۔ گم راہی سے بچنے اور ہدایت پر ثابت قدم رہنے کے لیے اُن کی زبان پر یہی کلمہ جاری رہتا ہے کہ وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْکَ رَحْمَةً۔ 'اور ہمیں خاص اپنی طرف سے رحمت عطا فرما'۔

۱۳۔ مومن اخوت و رحمت کا پیکر ہوتا ہے

اللہ تعالیٰ نے مسلم معاشرے میں رہنے والوں کو ایک دوسرے سے محبت کرنے، بھلائی کی نصیحت کرنے اور اچھائی چاہنے کے احکام دیتے ہوئے فرمایا کہ کوئی شخص دوسرے کا نقصان نہ کرے، دوسرے کو اذیت نہ دے، بے عزت نہ کرے، نہ کسی کی برائی چاہے اور ہر شخص دوسرے کے لیے بہی خواہ، ہم درد، نفع بخش، محبت کرنے والا اور بھلائی پہنچانے والا ہو۔ ارشاد

(۱) آل عمران، ۳: ۷

فرمایا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ فَاَصْلِحُوْا بَيْنَ اَخَوَيْكُمْ وَاتَّقُوا اللهَ لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ○(1)

بات یہی ہے کہ (سب) اہلِ ایمان (آپس میں) بھائی ہیں۔ سو تم اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرایا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو تاکہ تم پر رحم کیا جائے○

مومنوں کی شان یہ ہے کہ وہ آپس میں بھائی بھائی ہوتے ہیں، ایک دوسرے پر ظلم و بربریت، جبر و دہشت گردی اور ڈاکہ زنی نہیں کرتے۔ وہ ایک دوسرے کی مال و جان کے محافظ اور ایک دوسرے کے بھائی ہوتے ہیں۔ وہ باہم پیار محبت کے جذبات رکھنے والے اور ایک دوسرے کی کم زوری، گناہوں اور خطاؤں پر پردہ ڈالنے والے ہوتے ہیں۔ قرآن مجید نے مومنوں کی اس تعریف کو اِنَّمَا کلمہ حَصر کے ذریعے بیان کیا ہے، جس کا معنی یہ ہے کہ مومن صرف وہی لوگ ہوتے ہیں، جن میں بھائی چارہ نظر آئے۔ جس طرح حضور نبی اکرم ﷺ نے مؤاخاتِ مدینہ کی صورت میں مہاجرین اور انصار کے درمیان اخوت کا رشتہ قائم فرماتے ہوئے انہیں بھائی بھائی بنا دیا تھا۔ چنانچہ جب تک مواخات کی یہ جھلک مسلمانوں کی عملی زندگی میں نظر نہ آئے تو وہ تب تک قرآن کے ایمانی معیار پر پورے نہیں اتر سکتے۔

ایک طرف قرآن مجید کا یہ میعار ہے کہ مومن صرف وہ ہیں جو ایک دوسرے کے لیے حقیقی بھائی سے بھی بڑھ کر اخوت اور بھائی چارہ رکھتے ہیں۔ اس کے برعکس دوسری طرف ہم ہیں کہ ایک دوسرے کے لیے خونخوار بھیڑیے بنے ہوئے ہیں۔ ہر شخص اپنے مفاد کی خاطر دوسرے کی عزت، مال اور جان لوٹنے پر تُلا بیٹھا ہے۔ ہمارا حال وحشی درندوں سے بھی بدتر ہے جبکہ قرآن مجید کی نظر میں مومن وہی ہیں، جن میں اخوت اور بھائی چارہ کمال پر نظر آئے۔ حکمِ الٰہی ہے کہ اگر مومنین میں جھگڑا ہو جائے تو

(۱) الحجرات، ۴۹:۱۰

فَاَصۡلِحُوۡا بَيۡنَ اَخَوَيۡكُمۡ.[1]

سوتم اپنے دو بھائیوں کے درمیان صلح کرایا کروo

ایک دوسرے کے دلوں کو آپس میں توڑو نہیں بلکہ محبت کی ڈور سے جوڑو۔ یاد رہے کہ اسلام انسانیت کو توڑنے کے لیے نہیں بلکہ باہم جوڑنے کے لیے آیا ہے۔ اسی لیے فرمایا کہ ایسے کام جن کے نتیجے میں پھوٹ پیدا ہو، ان کے بارے میں اللہ سے ڈرو تاکہ تم پر رحمت کی جائے۔ واضح یہ ہوا کہ رب کی رحمت کے حق دار صرف وہی لوگ ہوتے ہیں جو آپس میں اخوت بھری زندگی بسر کرتے ہیں۔

۱۴۔ صابرین کے لیے رحمت اور نوازشات کا وعدہ

اللہ تعالیٰ نے مصیبت کے وقت صبر کرنے والوں کے لیے بہت سی نوازشات اور رحمت کا مژدہ ارشاد فرمایا:

۱۔ الَّذِيۡنَ اِذَآ اَصَابَتۡهُمۡ مُّصِيۡبَةٌ قَالُوۡآ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّآ اِلَيۡهِ رٰجِعُوۡنَo اُولٰٓئِكَ عَلَيۡهِمۡ صَلَوٰتٌ مِّنۡ رَّبِّهِمۡ وَرَحۡمَةٌ قف وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الۡمُهۡتَدُوۡنَo[2]

جن پر کوئی مصیبت پڑتی ہے تو کہتے ہیں: بے شک ہم بھی اللہ ہی کا (مال) ہیں اور ہم بھی اسی کی طرف پلٹ کر جانے والے ہیںo یہی وہ لوگ ہیں جن پر ان کے رب کی طرف سے پے در پے نوازشیں ہیں اور رحمت ہے، اور یہی لوگ ہدایت یافتہ ہیںo

اس آیت مبارکہ میں مشکلات و مصائب برداشت کرنے اور اللہ کی رضا پر راضی رہنے والوں کو اجرِ عظیم سے نوازنے کا حکم ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی فرمایا گیا ہے کہ جہاں اُن پر ربِ کائنات کی نوازشیں ہوں گی وہاں وہ اللہ کی رحمت سے بھی مستنیر ہوں گے۔

(۱) الحجرات، ۴۹: ۱۰

(۲) البقرة، ۲: ۱۵۶-۱۵۷

۲۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

وَاَمَّا الَّذِيْنَ ابْيَضَّتْ وُجُوْهُهُمْ فَفِيْ رَحْمَةِ اللهِ ؕ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ○[1]

اور جن لوگوں کے چہرے سفید (روشن) ہوں گے تو وہ اللہ کی رحمت میں ہوں گے اور وہ اس میں ہمیشہ رہیں گے○

اس آیت میں مومنین کا ذکر ہے کہ جو اپنے ایمان اور تقویٰ کے سبب قیامت کے دن اللہ رب العزت کی خاص رحمت کے شامیانے تلے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت ان کے چہروں پر نور کا سماں پیدا کر دے گی۔ یہ کیفیت ان پر عارضی نہیں ہوگی بلکہ وہ ہر وقت، ہمیشہ اسی حالت میں رہیں گے۔

۱۵۔ ایمان کی حفاظت اور عذاب سے نجات رحمتِ اِلٰہی سے ہی ممکن ہے

مومنین کو اس دنیا میں بے شمار نعمتیں اور کامیابیاں ملتی ہیں، یا انہیں بے شمار نقصانات اور پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، حالات کیسے بھی ہوں وہ کسی بھی صورتِ میں مایوس یا خوف زدہ نہیں ہوتے ۔ اس کا بنیادی سبب اللہ تبارک و تعالیٰ کا فضل اور اس کی بے پایاں رحمتِ ہے جو ان پر ہر وقت سایہ فگن رہتی ہے۔

۱۔ ارشاد فرمایا:

وَلَوْلَا فَضْلُ اللهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ لَاتَّبَعْتُمُ الشَّيْطٰنَ اِلَّا قَلِيْلًا○[2]

اگر تم پر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو یقیناً چند ایک کے سوا تم (سب) شیطان کی پیروی کرنے لگتے○

---

(۱) آل عمران، ۳: ۱۰۷

(۲) النساء، ۴: ۸۳

اگر مومنین کو اللہ تعالیٰ کی یہ خاص رحمت حاصل نہ ہوتی تو وہ ایمان سے بھی ہاتھ دھو بیٹھتے۔ اس لحاظ سے دیکھیں تو اُن کے ایمان کی حفاظت بھی خالقِ کائنات کی کامل رحمت ہی کے مرہونِ منت ہے۔ اس کے باوجود زندگی میں جو مختلف نقصانات یا پریشانیاں آتی ہیں، وہ دراصل ہماری اپنی بداعمالیوں، گناہوں اور اپنی جانوں پر کئے گئے مظالم کے نتائج ہیں جو رب العزت کے دیے ہوئے نظام اور تعلیمات سے روگردانی کے سبب پیدا ہوتے ہیں۔

۲۔ سورۃ النور میں رحمت کے اسی مضمون کو یوں بیان فرمایا:

وَلَوْ لَا فَضْلُ اللهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهٗ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ لَمَسَّكُمْ فِيْ مَآ اَفَضْتُمْ فِيْهِ عَذَابٌ عَظِيْمٌO(۱)

اور اگر تم پر دنیا و آخرت میں اللہ کا فضل اور اس کی رحمت نہ ہوتی تو جس (تہمت کے) چرچے میں تم پڑ گئے ہو اس پر تمہیں زبردست عذاب پہنچتاO

اس آیت مبارکہ میں بھی اسی امر کی طرف اشارہ ہے کہ اللہ رب العزت کے فضل و کرم سے ہی ہدایت نصیب ہوئی اور دنیا و آخرت میں عذاب سے نجات ملی، ورنہ ام المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا جیسی عظیم المرتبت ہستی پر تہمت لگانے کے مرتکب لوگ اللہ تعالیٰ کے عذاب سے نہ بچ سکتے تھے۔ یہ اللہ ہی کا فضلِ کثیر اور رحمتِ عظیم تھی، جس کے سبب انہیں ہدایت نصیب ہوئی۔

۳۔ اسی طرح سورہ ھود میں حضرت نوح علیہ السلام کے اپنے بیٹے کے ساتھ مکالمے کا ذکر بھی رحمت ہی پر منتج ہوتا ہے۔ جب طوفان کی موجوں نے اسے نافرمانی کے سبب اپنی لپیٹ میں لیا تو حضرت نوح علیہ السلام نے اسے نجات کی طرف بلاتے ہوئے کشتی میں آنے کی دعوت دی۔ اس پر نافرمان بیٹے نے کہا:

قَالَ سَاٰوِيْٓ اِلٰى جَبَلٍ يَّعْصِمُنِيْ مِنَ الْمَآءِ.(۲)

(۱) النور، ۲۴: ۱۴

(۲) ھود، ۱۱: ۴۳

وہ بولا: میں (کشتی میں سوار ہونے کے بجائے) ابھی کسی پہاڑ کی پناہ لے لیتا ہوں وہ مجھے پانی سے بچا لے گا۔

۴۔ حضرت نوح علیہ السلام نے اس کے جواب میں فرمایا:

لَا عَاصِمَ الْيَوْمَ مِنْ اَمْرِ اللهِ اِلَّا مَنْ رَّحِمَ. (1)

آج اللہ کے عذاب سے کوئی بچانے والا نہیں ہے مگر اس شخص کو جس پر وہی (اللہ) رحم فرما دے۔

گویا حضرت نوح علیہ السلام اپنے بیٹے کو یہ سمجھا رہے ہیں کہ اس دنیا کے طوفانوں، بحرانوں اور مشکلات سے صرف اللہ کی رحمت کے صدقے ہی سے بچا جا سکتا ہے۔

۱۶۔ قرآن مجید میں مذکورہ جملہ دعاؤں کا ماحصل 'طلبِ رحمت' ہے

اللہ رب العزت کی وسعتِ رحمت اور کثرتِ فضل پر وہ تمام دعائیں بھی شاہد ہیں جو اس نے قرآن مجید میں جگہ جگہ اپنے نبیوں یا ان کے توسط سے ان کی امتوں کو تعلیم فرمائی ہیں۔ قرآن مجید کی متعدد آیات اس حقیقت کو واضح کرتی ہیں کہ انبیاء علیہم السلام کی ذواتِ مبارکہ بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اس کی رحمت ہی کو طلب کرتی ہیں، اس لیے کہ انہیں معلوم ہے کہ اللہ تعالیٰ سے ملنے والی سب سے عظیم نعمت 'رحمت' ہی ہے۔ لہٰذا ان کی دعا کا محور و مرکز رحمتِ الٰہی کا حصول ہوتا تھا۔ ذیل میں چند انبیاء کرام علیہم السلام کی دعاؤں کو بطورِ نمونہ ذکر کیا جا رہا ہے:

(۱) حضرت آدم علیہ السلام کی دعا

اللہ رب العزت نے حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت حوا علیہا السلام کو جو دعا پہلی مرتبہ سکھائی گئی وہ اپنے رب کے حضور مغفرت اور بخشش طلب کرنا ہے۔ یہ نکتہ ذہن نشین رہے کہ یہ کائناتِ

(۱) ہود، ۱۱: ۴۳

ہست و بود کی پہلی دعا ہے جو اللہ رب العزت نے اپنے بندوں میں سے کسی کو عطا فرمائی۔ حضرت آدم علیہ السلام نے عرض کیا:

رَبَّنَا ظَلَمْنَآ اَنْفُسَنَا وَاِنْ لَّمْ تَغْفِرْلَنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَکُوْنَنَّ مِنَ الْخٰسِرِیْنَo(۱)

اے ہمارے رب! ہم نے اپنی جانوں پر زیادتی کی۔ اور اگر تو نے ہم کو نہ بخشا اور ہم پر رحم نہ فرمایا تو ہم یقیناً نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جائیں گےo

بنی نوع انسان کو سکھائی جانے والی اس دعا میں اللہ رب العزت نے یہ سکھایا ہے کہ اگر بخشش چاہتے ہو تو مجھ سے میری رحمت مانگو۔ قرآن مجید میں جگہ جگہ بخشش کو رحمت اور رحمت کو بخشش کہا گیا ہے۔ سادہ لفظوں میں اگر رحمت طلب کرو گے تو اس کا دائرہ کار اتنا وسیع ہے کہ بخشش بھی خود بخود اس میں سما جائے گی۔

(۲) حضرت نوح علیہ السلام کی دعا

حضرت نوح علیہ السلام نے بھی اللہ رب العزت سے مغفرت و رحمت ہی کا سوال کیا۔ یہ امر ذہن نشین رہے کہ اللہ رب العزت کی جانب سے مانگنے والوں کو جو کچھ عطا کیا جا رہا ہے اس کا محور و مرکز مغفرت اور رحمت ہے۔ اس رحمت سے کبھی مراد 'بخشش' ہے اور کبھی 'رزق' ہے، کبھی رحمت سے مراد 'رضا' ہے اور کبھی 'جنت' مراد ہے مگر ہر مقام پر محور و مرکز رحمت ہی رہتی ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام اللہ رب العزت کی بارگاہ میں یوں دعا کرتے ہیں:

قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُ بِکَ اَنْ اَسْئَلَکَ مَا لَیْسَ لِیْ بِهٖ عِلْمٌ ط وَاِلَّا تَغْفِرْلِیْ وَتَرْحَمْنِیْٓ اَکُنْ مِّنَ الْخٰسِرِیْنَo(۲)

(نوح علیہ السلام نے) عرض کیا: اے میرے رب! میں اس بات سے تیری پناہ چاہتا ہوں کہ تجھ سے وہ سوال کروں جس کا مجھے کچھ علم نہ ہو، اور اگر تو مجھے نہ بخشے گا اور مجھ پر

(۱) الأعراف، ۷: ۲۳

(۲) هود، ۱۱: ۴۷

www.MinhajBooks.com

رحم (نہ) فرمائے گا (تو) میں نقصان اٹھانے والوں میں سے ہو جاؤں گا○

اللہ رب العزت کی جانب سے مختلف انبیاء علیہم السلام کو جو دعائیں سکھائی جا رہی ہیں ان تمام کا محور ومرکز بھی اللہ کی رحمت ہی ہے۔ اللہ رب العزت کا بیان کردہ رحمت کا یہ تصور اتنا عظیم اور اتنا وسیع ہے کہ کائنات کی ہر شے پر حاوی اور محیط ہے۔ اس کائناتِ ارضی وسماوی کی کوئی شے بھی اللہ رب العزت کی رحمت سے باہر رہ کر اپنا وجود برقرار نہیں رکھ سکتی۔

(۳) حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعا

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں عرض کیا:

تُضِلُّ بِهَا مَنْ تَشَآءُ وَتَهْدِیْ مَنْ تَشَآءُ ط اَنْتَ وَلِیُّنَا فَاغْفِرْلَنَا وَارْحَمْنَا وَاَنْتَ خَیْرُ الْغٰفِرِیْنَ○[1]

اس کے ذریعے تو جسے چاہتا ہے گمراہ فرماتا ہے اور جسے چاہتا ہے ہدایت فرماتا ہے۔ تو ہی ہمارا کارساز ہے، سو تُو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو سب سے بہتر بخشنے والا ہے○

یاد رہے کہ ان تمام قرآنی دعاؤں کا نقطۂ عروج اللہ تبارک وتعالیٰ سے رحمت طلب کرنا ہے اور رحمت کی طلب کے ساتھ ہی دعا کی انتہا ہوتی ہے۔

(۴) مومنین کو دعائے رحمت کی تلقین

صرف انبیاء کرام علیہم السلام ہی اللہ رب العزت کی بارگاہ سے مغفرت و رحمت کے طالب نہیں رہے بلکہ عام مومنین کو بھی حکم ہے کہ وہ ہمیشہ رحمتِ الٰہیہ کے متمنی بن کر اپنی جھولیاں اُس کے در پر پھیلائے رکھیں۔

اللہ تعالیٰ نے سورۃ البقرۃ میں اہلِ ایمان کو یہ دعا تعلیم فرمائی:

---

(۱) الأعراف، ۷: ۱۵۵

رَبَّنَا وَلَا تُحَمِّلْنَا مَا لَا طَاقَةَ لَنَا بِهٖ ج وَاعْفُ عَنَّا وقفه وَاغْفِرْلَنَا وقفه وَارْحَمْنَا وقفه اَنْتَ مَوْلٰـنَا فَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰـفِرِيْنَ ○[1]

اے ہمارے پروردگار! اور ہم پر اتنا بوجھ (بھی) نہ ڈال جسے اٹھانے کی ہم میں طاقت نہیں، اور ہمارے (گناہوں) سے درگزر فرما، اور ہمیں بخش دے، اور ہم پر رحم فرما، تو ہی ہمارا کارساز ہے پس ہمیں کافروں کی قوم پر غلبہ عطا فرما○

یہ مخصوص قرآنی دعا ہے جسے ہم سب کثرت سے پڑھتے ہیں۔ اس دعا میں بھی ہر دعا کی طرح بخشش، مغفرت اور مشکل کشائی کو رحمت کی طلب کے ساتھ جوڑنے والے انداز کے ساتھ دعا کرنے کی تلقین فرمائی ہے۔

(۵) والدین کے لیے دعائے رحمت کی تلقین

سورۃ بنی اسرائیل میں پہلے والدین کے لیے دعا کرنے کا حکم فرمایا گیا اور پھر باقاعدہ دُعا کے الفاظ بھی تلقین کیے گئے ہیں کہ اپنے والدین کے لیے رحمتِ الٰہی کے بے کراں سمندر سے وافر حصہ کے لیے یوں دُعا مانگو:

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيٰـنِيْ صَغِيْرًا○[2]

اور ان دونوں کے لیے نرم دلی سے عجزوانکساری کے بازو جھکائے رکھو اور (اللہ کے حضور) عرض کرتے رہو: اے میرے رب! ان دونوں پر رحم فرما جیسا کہ انہوں نے بچپن میں مجھے (رحمت وشفقت سے) پالا تھا○

والدین خواہ کیسے ہی کیوں نہ ہوں، مگر اولاد کو چاہیے کہ وہ ان کے لیے سراپائے شفقت و ایثار اور خدمت بن جائیں اور پھر ان کے لیے اللہ رب العزت کی بارگاہ میں اس طرح

(۱) البقرة، ۲: ۲۸۶

(۲) بنی اسرائیل، ۱۷: ۲۴

عرض کریں کہ اے باری تعالیٰ! ان پر اسی طرح رحمت فرما جیسے انہوں نے ہم پر ہمارے بچپن میں رحمت اور شفقت فرماتے ہوئے ہماری تربیت اور نگہداشت کی۔ اللہ رب العزت کی جانب سے والدین کے ساتھ برتاؤ سے لے کر ان کے لیے دعا مانگنے کے حکم تک سارا مضمون رحمت پر مبنی ہے۔

(٦) مومنین کو تلقین کی گئی دعاءِ رحمت

اللہ رب العزت نے مومن کی یہ علامت بیان فرمائی ہیں کہ وہ دوسرں کے لیے مغفرت اور رحمت کا طلب گار رہتا ہے اور اس کی دعا کا محور و مرکز ہمیشہ بخشش و رحمت کا حصول ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ سورۃ المؤمنون میں فرماتا ہے:

اِنَّهٗ كَانَ فَرِيۡقٌ مِّنۡ عِبَادِىۡ يَقُوۡلُوۡنَ رَبَّنَآ اٰمَنَّا فَاغۡفِرۡلَنَا وَارۡحَمۡنَا وَاَنۡتَ خَيۡرُ الرّٰحِمِيۡنَۚ○[1]

بے شک میرے بندوں میں سے ایک طبقہ ایسا بھی تھا جو (میرے حضور) عرض کیا کرتے تھے: اے ہمارے رب! ہم ایمان لے آئے ہیں پس تو ہمیں بخش دے اور ہم پر رحم فرما اور تو (ہی) سب سے بہتر رحم فرمانے والا ہے○

(٧) حضور نبی اکرم ﷺ کی دعائے رحمت

اللہ رب العزت نے حضور نبی اکرم ﷺ کو بھی فرمایا:

وَقُلْ رَّبِّ اغۡفِرۡ وَارۡحَمۡ وَاَنۡتَ خَيۡرُ الرّٰحِمِيۡنَ○[2]

اور آپ عرض کیجیے: اے میرے رب! تو بخش دے اور رحم فرما اور تو (ہی) سب سے

(١) المومنون، ٢٣: ١٠٩

(٢) المومنون، ٢٣: ١١٨

بہتر رحم فرمانے والا ہےo

اللہ رب العزت کی جانب سے جملہ انبیاء کرام اور امم کو سکھائی جانے والی دعاؤں سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ ذاتِ باری تعالیٰ کی رحمت کا اس کی تمام صفتوں پر سب سے زیادہ غالب، وسیع اور محیط ہونے کا ذکر قرآن مجید میں جگہ جگہ موجود ہے۔

۱۷۔ رحمتِ الٰہی سے مایوسی گم راہی ہے

قرآن مجید میں گناہ گاروں کو مایوسی سے بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ کی پر جوش رحمت کا ایک خوبصورت بیان ایسا بھی ہے جو پکار کر کہہ رہا ہے کہ اے میرے بندو! میری رحمت کی شان ایسی ہے کہ کبھی یہ خیال نہ کرنا کہ اس نے ہم پر بے شمار مرتبہ رحمت کی، ہزاروں دفعہ ہماری خطائیں اور گناہ بخشے، اب رحمت کا مزید حصول ممکن نہیں۔ اے میرے بندو! اپنے ذہنوں میں کبھی یہ سوچ پیدا نہ ہونے دینا کہ ہماری لغزشیں اور نافرمانیاں ہر مرتبہ بڑھتی گئی ہیں اور اب ہماری نافرمانیاں اور گناہ اس قدر بڑھ گئے ہیں کہ شاید اب ہماری بخشش نہ ہوسکے۔ یاد رکھو! میری رحمت اتنی وسیع ہے کہ تمہاری نافرمانیاں اور گناہ جتنے بھی بڑھ جائیں، تم پر میری بخشش اور رحمت کا دروازہ ہمیشہ کھلا رہے گا اور میری رحمت ہمیشہ تمہاری معاون و مددگار رہے گی۔

اللہ رب العزت نے یہ بات حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دعائیہ کلمات میں ایسے بیان فرمائی:

وَمَنْ يَّقْنَطُ مِنْ رَّحْمَةِ رَبِّهٖٓ اِلَّا الضَّآلُّوْنَo(1)

اپنے رب کی رحمت سے گمراہوں کے سوا اور کون مایوس ہوسکتا ہےo

یہاں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوسی کو گم راہی قرار دیا جا رہا ہے۔ دوسرے لفظوں میں یہ کہا جا رہا ہے کہ گناہ گار ہو کر بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے نا امید نہ ہونا ورنہ گم راہ ہو کر راستہ بھٹک جاؤ گے کیونکہ مومن کبھی اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس و محروم نہیں ہوسکتا:

(۱) الحجر، ۱۵: ۵۶

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ○[1]

اور جن لوگوں نے اللہ کی آیتوں کا اور اس کی ملاقات کا انکار کیا وہ لوگ میری رحمت سے مایوس ہوگئے اور ان ہی لوگوں کے لیے دردناک عذاب ہے○

اللہ تعالیٰ کی رحمت سے مایوس ہونا صرف کفار ہی کا وطیرہ ہے، مومن ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے رحمت کی امید رکھتا ہے۔

۱۸۔ گناہ گاروں سے بھی خطابِ رحمت کیا گیا ہے

گناہ گار بندوں پر رحمتِ الٰہی کے ایسے ہی بے پایاں احسان کا ایک اور منظر سورۃ الزمر میں بھی موجود ہے جہاں رب العزت براہِ راست اپنے خطا کار بندوں سے مخاطب ہے۔ ارشاد فرمایا:

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللهِ ؕ اِنَّ اللهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ○[2]

آپ فرما دیجیے: اے میرے وہ بندو! جنہوں نے اپنی جانوں پر زیادتی کر لی ہے، تم اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا، بے شک اللہ سارے گناہ معاف فرما دیتا ہے، وہ یقیناً بڑا بخشنے والا، بہت رحم فرمانے والا ہے○

گناہ گار بندوں سے اس رحمت و محبت بھرے خطاب کا مطلب یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے اپنی نگاہِ کرم اور اپنی توجہ ان سے ہٹائی نہیں۔ اسی مفہوم کو واضح کرنے کے لیے گناہ گاروں سے یہ رحمت بھرا خطاب بھی رحمت اللعالمین ﷺ کی زبانِ مبارک کے تَوَسُّط سے کروایا جا رہا ہے کہ اے سراپائے رحمت و شفقت محبوب! آپ اپنی زبانِ اقدس سے ان گناہ گار بندوں

(۱) العنکبوت، ۲۹: ۲۳

(۲) الزمر، ۳۹: ۵۳

کو یوں خطاب کریں کیونکہ ممکن ہے کہ یہ اپنے گناہوں کی وسعت اور نافرمانیوں کی کثرت دیکھ کر میری رحمت سے ناامید ہو کر ان کا دھیان میری رحمت سے ہٹ گیا ہو۔ اس لیے آپ انہیں یَا عِبَادِی (اے میرے بندو!) کے الفاظ کے ذریعے ان کے گناہوں کے ذکر سے بھی پہلے نہایت محبت اور شفقت کے ساتھ میرا یہ پیغام سنا دیجئے۔

گویا اللہ رب العزت کے پیغامِ رحمت سے پہلے ہی گناہ گاروں کی طبیعتوں سے وحشت کو دور کیا جا رہا ہے تاکہ گناہوں کے سبب ان کی طبیعتوں پر چھائی ہوئی محرومی، وحشت اور خوف کا وہ تاثر دور ہو جائے جس کی وجہ سے یہ ناامید اور مایوس ہو کر اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور ہو رہے ہیں۔ چنانچہ ان کی طبیعتوں کو پھر سے اپنی طرف مانوس اور راغب کرنے کے لیے فرمایا کہ اے میرے حبیب! انہیں 'گناہ گا بندے' کہہ کر مخاطب کرنے کے بجائے، 'میرے بندے' کہہ کر مخاطب کریں۔ اس لیے کہ اگر ان کے گنہگار ہونے کا ذکر کیا گیا تو کہیں یہ مایوس نہ ہو جائیں۔ پس اللہ تعالیٰ نے ان بندوں کی اپنی ذات سے نسبت قائم کی اور فرمایا کہ اے میرے بندو!

غور طلب بات ہے کہ گناہ گاروں سے خطاب کا یہ انداز ایسا روح پرور اور دلربا تھا کہ اس نے بزبانِ مصطفیٰ ﷺ ان کے سارے غم، بوجھ، وحشتیں اور مایوسیاں دور کر دیں۔ وہ لوگ جو اپنے گناہوں کے خوف سے تھر تھر کانپ رہے تھے اور مایوسی سے ان کے قدم راہِ حق سے لڑکھڑانے کے قریب تھے، انہیں حوصلہ اور ٹھہراؤ نصیب ہوگیا۔ وہ ایک بار پھر اپنے رب کی رحمت سے مانوس ہو گئے۔ ان کے دلوں میں رب کی رحمت کا نقشہ یقین کا سورج بن کر طلوع ہوا۔ وہ یہ سن کر سرشار ہوگئے کہ اللہ نے اپنی رحمتِ بے پایاں کے سبب ہمارے گناہوں اور نا فرمانیوں کے باوجود ہمیں اپنی بارگاہ سے دھتکارہ نہیں بلکہ 'اپنا بندہ' کہہ کر پکارا ہے۔ گو اپنی بداعمالیوں کے سبب ہم اس کے نافرمان ہوگئے تھے، اس کے در کو چھوڑ کر اس کی رحمت سے مایوس ہوگئے تھے مگر آفرین ہے کہ وہ آج بھی ہمارا رب ہے اور اس کی رحمت آج بھی ہم پر سایہ فگن ہونے کے لیے ہمیں پکار رہی ہے۔

www.MinhajBooks.com

درج بالا آیت مبارکہ کے الفاظ میں ایک خاص انداز میں رحمت کا تصور جھلکتا ہوا نظر آتا ہے کہ اللہ کے عبادت گزار اور خاص بندے ہیں، کہیں یَا عِبَادِی سن کر متوجہ نہ ہو جائیں کہ یہ خطاب اُنہیں ہو رہا ہے؛ (صاف ظاہر ہے کہ اللہ کے خاص بندے تو وہی ہیں جو شب و روز اس کی اطاعت وعبادت اور اسی کی یاد میں مگن رہتے ہیں۔ اس لیے یَاعِبَادِی کہلانے کا حق ان ہی کا زیادہ ہے) اللہ رب العزت نے ساتھ ہی تعریف وتخصیص فرما دی کہ پرہیزگار اور اطاعت گزار بھی میرے بندے ہی ہیں مگر اس وقت میں انہیں نہیں پکار رہا بلکہ ان کو پکار رہا ہوں جو یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ شاید ہماری بداعمالیوں کے سبب اللہ ہمارا نہیں رہا اور اب اس کا درِ رحمت ہمارے گناہوں کی وجہ سے ہم پر کبھی نہیں کھل سکے گا۔ لہٰذا جو لوگ اپنی جانوں پر ظلم کر بیٹھے ہیں، میں انہیں یہ مژدہ سنانا چاہتا ہوں کہ اے میرے گناہ گار بندو! لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللهِ، گناہ کی کثرت کے باوجود تم میری رحمت سے مایوس نہ ہونا۔ اس لیے کہ میری رحمت ہر شے پر حاوی ہے اور تمہارے گناہ جتنے بھی ہو جائیں وہ میری رحمت سے نہیں بڑھ سکتے۔ پھر اس آیت کا اختتام یوں فرمایا:

اِنَّ اللهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ط اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ○[1]

بے شک اللہ سارے گناہ معاف فرما دیتا ہے، وہ یقیناً بڑا بخشنے والا، بہت رحم فرمانے والا ہے○

آیتِ مبارکہ کا آخری حصہ اللہ رب العزت کی رحمت کی وسعت پر ایک اور انداز سے دلالت کرتا ہے۔ آیت کے اس حصہ میں اللہ رب العزت کی طرف سے گناہ گاروں کو ابھی توبہ کا حکم نہیں دیا بلکہ اس سے پہلے ہی غیر مشروط اور قطعی طور پر (categoricaly) کہا جا رہا ہے کہ اللہ رب العزت سارے گناہ معاف فرما دیتا ہے اور وہ بڑا بخشش کرنے اور رحمت والا ہے۔ ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ ان گناہ گاروں کو یہ حکم دیا جاتا کہ اگر تم اپنی خطاؤں پر نادم اور شرمندہ ہو کر معافی مانگو، توبہ کرو اور آئندہ کے لیے اپنی اصلاح کا وعدہ کرو تو تم اللہ کی رحمت

(۱) الزمر، ۳۹: ۵۳

www.MinhajBooks.com

کے حق دار ٹھہرو گے مگر اس رحمت بھرے خطاب میں انہیں براہِ راست یہ حکم نہیں دیا بلکہ اس لامحدود عطا اور لطف پر مبنی اسلوب کے ذریعے ان گنہگاروں کے باطن میں حیاء اور ندامت کی تحریک پیدا فرمائی تا کہ وہ خود بخود رب کی رحمت اور بخشش کے احساس سے اصلاح کے آرزو مند ہو کر توبہ کے طالب بن جائیں اور یہ سوچنے پر مجبور ہو جائیں کہ اس رب کے کرم کا یہ عالم ہے تو ہم کیوں اس کے نافرمان اور باغی بنیں؟ اس طرح اُن بندوں کے اندر سے رجوع الی اللہ کی آواز اُٹھے اور وہ دوبارہ اس کی سمت پلٹ آئیں تا کہ وہ تائب بھی ہو جائیں اور آئندہ کے لیے اس کے تابع دار رہیں۔

۱۹۔ انبیاء کی بعثت، رحمتِ الٰہی کا مظہرِ اتم ہے

مختلف خطوں اور ادوار میں انبیاء علیہم السلام کی بعثت بھی اس کی رحمت کے مظاہر میں سے ہے۔ اللہ رب العزت کی یہ سنت ہے کہ وہ کسی قوم یا کسی بستی والوں کی طرف نبی مبعوث کیے بغیر ان کی بداعمالیوں پر انہیں سزا نہیں دیتا۔ اس کا فرمان ہے:

وَمَا کُنَّا مُعَذِّبِیۡنَ حَتّٰی نَبۡعَثَ رَسُوۡلًا ○ (۱)

اور ہم ہرگز عذاب دینے والے نہیں ہیں یہاں تک کہ ہم (اس قوم میں) کسی رسول کو بھیج لیں ○

چنانچہ کسی بھی قوم یا بستی میں اللہ تعالیٰ پہلے اپنے نبی یا رسول کو بھیجتا ہے جو انہی میں پیدا ہوتا ہے، پرورش پاتا اور جوان ہوتا ہے اور ان کے ساتھ ایک موانست کی فضا میں زندگی گزارتا ہے۔ پھر وہ انہیں اللہ تعالیٰ کا پیغام پہنچاتا اور اپنے دعویٰ کی دلیل کے طور پر اپنے رب کے اِذن سے طرح طرح کے معجزات دکھاتا ہے۔ قوم کو اگر پانی کی ضرورت ہو تو وہ پتھروں پر عصا مار کر چشمے نکالتا ہے، کھانے کی حاجت ہو تو ان کے لیے آسمان سے من و سلویٰ اتار دیتا ہے، جو کچھ وہ اپنے گھروں میں رکھ کر آتے ہیں، ان کی خبریں بھی انہیں دیتا ہے، مادر زاد

(۱) بنی اسرائیل، ۱۷: ۱۵

www.MinhajBooks.com

اندھوں کو بینا اور کوڑھیوں کو شفا یاب کر دیتا ہے اور قُمْ بِاِذْنِ اللهِ کہہ کر مردوں کو زندہ کر کے بھی دکھا دیتا ہے تا کہ ان کی قوم کو سمجھ آ جائے اور وہ یقین کر سکیں کہ یہ اللہ کا بھیجا ہوا سچا نبی اور رسول ہے۔ بس اتنا ہی کافی نہیں بلکہ وہ انہیں اپنی سیرت اور اقوال کے ذریعے ہر لمحہ اچھائی اور برائی میں امتیاز سکھاتا، ان کا تزکیۂ نفس کرتا، انہیں حکمت سکھاتا اور انہیں ہر گھڑی ہدایتِ الٰہی کی طرف بلاتا ہے تا کہ وہ شعور کی آنکھیں کھول کر کفر و ضلالت اور فسق و گمراہی کو چھوڑ کر اللہ رب العزت کی توحید اور اس کی نبوت کے اقرار و اتباع کی طرف آ جائیں۔ الغرض جب وہ اپنی قوم کو اعتماد دلانے کے لیے سارے تقاضے پورے کرتا ہے تو یوں اس کی امت پر حجت تمام ہو جاتی ہے۔ اس کے بعد بھی اگر کوئی قوم اتنی واضح نشانیاں دیکھ کر اس کا انکار کر دے تو پھر اللہ رب العزت اس قوم پر عذاب لے آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کی یہ شان اور شیوہ ہی نہیں ہے کہ وہ کسی کو اتمامِ حجت کے بغیر عذاب میں مبتلا کر دے بلکہ وہ پہلے اپنے رسولوں کو بھیج کر ہر طرح سے اتمام حجت فرماتا ہے اور اس کے بعد جب قوم کو نصیحت کرنے کی کوئی صورت باقی نہیں رہتی تو آخر میں عذاب کا سامنا کر کے وہ اپنے کیے کی سزا پاتے ہیں۔

سورۃ القصص میں اسی مضمون کو یوں بیان فرمایا:

وَمَا كَانَ رَبُّكَ مُهْلِكَ الْقُرٰى حَتّٰى يَبْعَثَ فِيْٓ اُمِّهَا رَسُوْلًا يَّتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِنَا. (1)

اور آپ کا رب بستیوں کو تباہ کرنے والا نہیں ہے یہاں تک کہ وہ اس کے (بڑے) مرکزی شہر (Capital) میں پیغمبر بھیج دے جو ان پر ہماری آیتیں تلاوت کرے۔

پچھلی آیت میں تمام اقوام، طبقات اور ملل کے حوالے سے عمومی اصول کا تذکرہ کیا تھا۔ اس آیت میں اسے مخصوص کر دیا اور فرمایا: آپ کا رب کسی ایک بھی قریے، گاؤں یا قصبے کے بسنے والے کو ہلاک کرنے والا نہیں بلکہ آباد کرنے والا، زندگی دینے والا اور ضروریاتِ زندگی

(۱) القصص، ۲۸: ۵۹

کی تمام نعمتوں سے مالا مال کرنے والا ہے۔ ہلاکت و بربادی اس وقت اُن کا مقدر بنتی ہے جب وہ کھلے انکاری اور صریح گمراہی کے مرتکب ہوتے ہوئے اپنی مرضی سے کفر، برائی، گم راہی، انکار، ہلاکت اور عذاب کا راستہ اختیار کرتے ہوئے اہلِ قریہ اس رسول کی اطاعت کا انکار کر دیں جو ان میں مبعوث فرمایا گیا۔ پس انبیاء کرام علیہم السلام کی بعثت اور لوگوں کی ہدایت کے لیے ان کا بھیجا جانا اللہ تعالیٰ کی رحمت کا اعلیٰ مظہر ہے۔

۲۰۔ وسعتِ رحمتِ اِلٰہی کے مظاہر

گزشتہ صفحات پر ہم اس کا مطالعہ کر چکے ہیں کہ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں کس کس طرح اپنی رحمانیت و رحیمیت کو بیان فرمایا۔ اندازہ کیجیے کہ ربِ دو جہاں کی رحمت کس طرح گناہگاروں و خطا کاروں کو اپنے دامن میں چھپا لیتی ہے۔

آیئے اب اُن مظاہر کا مطالعہ کرتے ہیں:

(۱) لامحدود رحمت و مغفرت کا مژدہ

اللہ رب العزت کی رحمت و مغفرت کا دائرہ اس قدر وسیع ہے کہ تمام گناہ، غلطیاں اور لغزشیں اس میں گم ہو جاتی ہیں۔ ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللهَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِهٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذٰلِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ.[1]

بے شک اللہ اِس بات کو نہیں بخشتا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے اور اس سے کم تر (جو گناہ بھی ہو) جس کے لیے چاہتا ہے بخش دیتا ہے۔

اس آیت کی رو سے اللہ رب العزت کی رحمت، مغفرت اور بخشش لامحدود ہے اور شرک کے سوا ہر انسان کا ہر گناہ، لغزش اور ہر خطا معافی کے دائرے میں ہے۔ البتہ اللہ رب العزت شرک کو معاف نہیں فرماتا، کیونکہ شرک سب سے بڑا ظلم ہے۔ قرآنِ مجید میں شرک کو

(۱) النساء، ۴: ۴۸

www.MinhajBooks.com

جہاں بھی ظلم کہا گیا تو اس کا معنی محض گناہ کا نہیں بلکہ کفرِ عظیم کہا گیا ہے۔

(۲) شرک اور دیگر گناہوں سے معافی کی نوید

رحمتِ الٰہی کی وسعت کا ایک نظارہ ہم اس صورت بھی کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت شرک کو بھی معاف فرما دیتا ہے، مگر شرط یہ ہے کہ اگر شرک کا مرتکب آئندہ کے لیے شرک سے تائب ہو جائے۔ یعنی اگر اس شخص کی پوری زندگی بھی شرک میں گزری ہو، اسے بھی تائب ہو جانے پر معافی عطا ہو جاتی ہے۔ اس پر دلیل یہ ہے کہ وہ تمام صحابہ کرام ﷺ جو قبولِ اسلام سے پہلے کفار و مشرکین کے زمرے میں شامل تھے، سچی اور پختہ توبہ کرنے کے بعد معافی کے مستحق اور رحمت کے سزا وار ٹھہرے۔ اسی طرح انبیاء کرام علیہم السلام کی وہ ساری امتیں جو انبیاء کرام علیہم السلام کی دعوت پر ایمان لائیں، ہر چند کہ ان کی گزشتہ ساری زندگی کفر و شرک میں بیت چکی تھی، ایمان لانے کے بعد ان کے کفر و شرک پر مبنی پچھلے تمام گناہ معاف کر دیئے گئے۔ پس کسی بھی شخص کا ایمان لانا اور کفر و شرک سے تائب ہو جانا ایسا عمل ہے جو شرک کو بھی معاف کرا دیتا ہے۔

سورۃ الزمر میں سارے گناہوں کے معاف کرنے کا جو مژدۂ جانفزا **اِنَّ اللّٰہَ یَغۡفِرُ الذُّنُوۡبَ جَمِیۡعًا** کی شکل میں سنایا گیا ہے، اس کی دلیل بھی سامنے آ گئی اور اس کی **لَا یَغۡفِرُ اَنۡ یُّشۡرَکَ بِہٖ** کے ساتھ تطبیق بھی ہو گئی کہ اگر انسان کفر و شرک سے ہمیشہ کے لیے تائب ہو جائے تو اس کا یہ عظیم گناہ بھی معاف ہو جاتا ہے۔

(۳) نیکیاں، صغیرہ گناہوں کی بخشش کا سبب ہیں

یہاں پر سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر مذکورہ آیت مبارکہ کی رو سے توبہ کرنے پر اللہ تعالیٰ شرک معاف فرما دیتا ہے تو اس سے نچلے درجے کے گناہ کیسے معاف فرماتا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ ان گناہوں کے معاف ہونے میں اللہ رب العزت کی رحمت کی ایک اور جہت سامنے آتی ہے، ارشاد فرمایا:

اِنَّ الْحَسَنٰتِ یُذْهِبْنَ السَّیِّاٰتِ.(۱)

بے شک نیکیاں برائیوں کو مٹا دیتی ہیں۔

گویا اگر انسان تقویٰ، عبادات، اعمالِ صالحہ، لوگوں سے بھلائی، خیر اور احسان کو اختیار کرے تو اللہ رب العزت ان نیکیوں کے سبب چھوٹے گناہوں کو معاف کرتا رہتا ہے۔ اس لیے کہ نیکیاں اپنی ذات میں اعمالِ صالحہ ہیں، جن سے انسان کو اجروثواب بھی ملتا ہے اوراس کے درجات بھی بلند ہوتے رہتے ہیں۔ دوسری طرف اعمالِ صالحہ اپنی نوعیت اور ماہیت میں توبہ کی حیثیت بھی رکھتے ہیں اور اپنے نتائج کے اعتبار سے وہ کام کرتے ہیں جو توبہ کے ذریعے ہوتا ہے۔

اس کی مزید وضاحت حضور نبی اکرم ﷺ کے اس فرمانِ اقدس میں موجود ہے، آپ ﷺ نے فرمایا:

الصَّلَوَاتُ الْخَمْسُ، وَالْجُمُعَةُ إِلَی الْجُمُعَةِ، وَرَمَضَانُ إِلَی رَمَضَانَ، مُکَفِّرَاتٌ لِمَا بَیْنَهُنَّ إِذَا اجْتَنَبَ الْکَبَائِرَ.(۲)

(۱) هود، ۱۱: ۱۱۴

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الطهارة، باب الصلوات الخمس والجمعة إلی الجمعة ورمضان إلی رمضان مکفرات لما بینهن ما اجتنبت الکبائر، ۱: ۲۰۹، رقم: ۲۳۳

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۵۹، رقم: ۸۷۰۰

۳۔ ترمذی، السنن، کتاب الطهارة، باب ما جاء فی فضل الصلوات الخمس، ۱: ۴۱۸، رقم: ۲۱۴

۴۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الطهارة وسننها، باب تحت کل شعرة جنابة، ۱: ۱۹۶، رقم: ۵۹۸

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۵: ۲۴، رقم: ۱۷۳۳

۶۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۲۰۷، رقم: ۴۱۲

پانچوں نمازیں اور جمعہ اگلے جمعہ تک اور رمضان اگلے رمضان تک کے سب درمیانی عرصہ کے لیے گناہوں کا کفارہ ہو جاتے ہیں جبکہ اس دوران انسان کبیرہ گناہوں سے بچا رہے۔

گویا اللہ تعالیٰ نے نمازِ جمعہ اور دیگر نمازوں کو بذاتِ خود اتنا بڑا درجہ دیا ہے کہ اگر انسان بڑے گناہوں سے پرہیز کرے تو چھوٹے گناہ جو ایک نماز سے دوسری نماز کے وقفہ کے دوران انسان سے سرزد ہوتے ہیں یا ایک جمعہ سے دوسرے جمعہ تک سرزد ہوں یا ایک رمضان سے دوسرے رمضان کے دوران سرزد ہوں، یہ تمام گناہ از خود معاف ہو جاتے ہیں۔

ایک اور مقام پر حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَرَأَيْتُمْ لَوْ أَنَّ نَهْرًا بِبَابِ أَحَدِكُمْ يَغْتَسِلُ مِنْهُ كُلَّ يَومٍ خَمْسَ مَرَّاتٍ، هَلْ يَبْقَى مِنْ دَرَنِهِ شَيءٌ؟ قَالُوْا: لَا يَبْقَى مِنْ دَرَنِهِ شَيءٌ. قَالَ: فَذٰلِكَ مَثَلُ الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ. يَمْحُو اللهُ بِهِنَّ الْخَطَايَا. (1)

(١) ١۔ مسلم، السنن، كتاب الساجد، باب المشي إلى الصلاة تمحى به الخطايا وترفع به الدرجات، ١:٤٦٢، رقم:٦٦٧

٢۔ أحمد بن حنبل، المسند، ١:٧١، رقم: ٥١٨، ٨٩١١

٣۔ ترمذی، السنن، كتاب الأمثال، باب مثل الصلوات الخمس، ٥:١٥١، رقم:٢٨٦٨

٤۔ نسائی، السنن، كتاب الصلاة، باب فضل الصلوات الخمس، ١:٢٣٠، رقم:٤٦٢،

٥۔ ابن ماجه، السنن، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في أن الصلاة كفارة، ١:٤٤٧، رقم:١٣٩٧

٦۔ ابن خزيمة، الصحيح، ١:١٦٠، رقم:٣١٠

٧۔ ابن حبان، الصحيح، ٥:١٤، رقم:١٧٢٦

٨۔ دارمی، السنن، ١:٢٨٣، رقم:١١٨٢–١١٨٣

www.MinhajBooks.com

بتاؤ! اگر تم میں سے کسی کے دروازے پر ایک نہر ہو جس میں وہ ہر روز پانچ مرتبہ غسل کرے تو کیا اس (کے بدن) پر کچھ میل باقی رہے گا؟ صحابہ کرام ﷡ نے عرض کیا: اس (کے بدن) پر میل بالکل بھی باقی نہیں رہے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پانچ نمازوں کی مثال بھی ایسی ہے، اللہ تعالیٰ ان کے سبب (بندے کے سارے) گناہ مٹا دیتا ہے۔

یہ اللہ رب العزت کی رحمت کی وسعت کے مظاہر ہیں جو ہمیں زندگی کے ہر قدم پر اس کی طرف متوجہ کرتے رہتے ہیں۔

(۴) برائیوں کا نیکیوں میں تبدیل کر دیا جانا

اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمتِ واسعہ اور رحمتِ عامہ کی وسعت اتنی عظیم ہے کہ جب انسان نیکی کرتا ہے، یا اس سے کسی عملِ صالح کا صدور ہوتا ہے تو اس کے نیک اعمال، جہاں اس کے لیے اجر، ثواب اور بلندیِ درجات کا سبب بنتے ہیں، وہیں وہ نیکیاں اس کے لیے بخشش و مغفرت اور ازخود توبہ کا کام بھی سرانجام دیتی ہیں۔ یعنی یہ نیکیاں خود بخود اس کے چھوٹے گناہوں، خطاؤں اور لغزشوں کو مٹاتی چلی جاتی ہیں۔

قرآن مجید میں اللہ رب العزت کی رحمت کی وسعت کے اصول کو اس سے بھی عجیب انداز میں بیان کیا گیا ہے:

فَاُولٰٓئِکَ یُبَدِّلُ اللهُ سَيِّاٰتِهِمْ حَسَنٰتٍ.[1]

یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ جن کی برائیوں کو نیکیوں سے بدل دے گا۔

اس سے پہلے بیان کردہ آیتِ کریمہ میں یہ اصول بیان ہوا تھا کہ نیکیاں، گناہوں کو مٹا دیتی ہیں، جب کہ اس آیتِ کریمہ میں یہ اصول بیان ہو رہا ہے کہ جب نیکیاں صادر ہوتی ہیں تو وہ گناہوں کو تو مٹاتی ہی ہیں مگر ان کی مزید شان یہ ہے کہ اللہ کی بارگاہ میں قبولیت کے

(۱) الفرقان، ۲۵: ۷۰

بعد، ان کے سبب فقط انسان کی توبہ ہی قبول نہیں ہوتی، اس کے گناہ، خطائیں اور لغزشیں، صرف مٹتی ہی نہیں بلکہ اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت و عطا کے سبب یہ تمام صغائر برائیاں نیکیوں میں بھی تبدیل ہو جاتی ہیں۔ یعنی قبولِ عمل اور قبولِ توبہ کی صورت میں صرف ایک نہیں بلکہ دو اثرات مرتب ہوتے ہیں:

۱۔ اولاً صغیرہ گناہ مٹ جاتے ہیں۔

۲۔ ثانیاً جو گناہ، لغزشیں اور خطائیں معاف ہوئیں اور مٹیں، وہ تمام انسان کے نامۂ اعمال میں بطورِ حسنات و صالحات لکھ دی جاتیں ہیں۔

یہ اللہ تعالیٰ کی رحمت اور وسعتِ رحمت کا ایسا عجیب اور نادر اظہار ہے کہ جس کا گمان انسان اپنے تصور میں بھی نہیں کر سکتا۔

(۵) ارادۂ نیکی و بدی پر علیحدہ علیحدہ ضابطۂ جزا و سزا

نیکیوں کے جداگانہ مدارج اور ان پر مرتب ہونے والے بلند ترین نوعیت کے اجر کا مرحلہ رحمتِ الٰہی کے انوکھے اظہار کا آئینہ دار ہے۔ اللہ تبارک وتعالیٰ کے کرم، انعام اور احسان کا عالم یہ ہے کہ اگر کوئی شخص نیک کام کرنے کا فقط ارادہ ہی کر لے مگر بعد ازاں کسی مجبوری سے اس پر عمل نہ کر سکے تو ربِ دو جہاں کا قانون یہ ہے کہ وہ اس شخص کے صرف نیک ارادے ہی کی بنیاد پر (جسے وہ عملی جامہ نہ پہنا سکا اور وہ نیکی عملی طور پر وجود ہی میں نہ آ سکی) ایک نیکی لکھ دیتا ہے۔ اگر کوئی شخص ارادہ کرنے کے بعد اس نیک عمل کو انجام بھی دے تو اسے کم از کم دس نیکیوں کا اجر ملتا ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے:

مَنْ جَآءَ بِالْحَسَنَةِ فَلَهٗ عَشْرُ اَمْثَالِهَا.(۱)

جو کوئی ایک نیکی لائے گا تو اس کے لیے (بطورِ اجر) اس جیسی دس نیکیاں ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے اس سے متعلق کچھ یوں فرمایا ہے:

(۱) الأنعام، ٦: ١٦٠

فَمَنْ هَمَّ بِحَسَنَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللهُ لَهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً.

پس جس نے نیک کام کا ارادہ کیا اور اسے نہ کر سکے تب بھی اللہ تعالیٰ اُس کے لیے پوری نیکی کا ثواب لکھ دیتا ہے۔

یعنی ایک نیک عمل کا اجر دس نیکیوں کے برابر ہے جب کہ اس نیک عمل کے فقط ارادے پر بھی ایک نیکی کا ثواب عطا کیا جاتا ہے۔ ہر خاص و عام کے لیے یہ اللہ رب العزت کا وعدہ اور اس کا قانون ہے ۔ پھر یہ دس گنا اجر بھی کم سے کم ہے، بعضوں کو اس سے بھی زیادہ یعنی 70 گنا، 100 گنا، 700 گنا بلکہ اس سے بھی بڑھ کر اجر ملتا ہے۔ اس حوالے سے حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

فَإِنْ هُوَ هَمَّ بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللهُ لَهُ عِنْدَهُ عَشْرَ حَسَنَاتٍ إِلَى سَبْعِ مِائَةِ ضِعْفٍ إِلَى أَضْعَافٍ كَثِيرَةٍ.

اگر اس نے ارادہ کیا اور پھر اسے کر بھی لیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے دس نیکیوں سے سات سو گنا تک یعنی کئی گنا کر کے لکھ دیتا ہے۔

یہ انسان کی اپنی نیت کے صدق، اخلاص اور درجہ احسان میں اس کے رسوخ پر منحصر ہے کہ اس نیک عمل سے اس کا مقصود کیا تھا؟ کیا اس کا مقصد ثواب تھا یا فقط اللہ کی رضا اور اس کا قرب ہی مقصود تھا؟

یہ نیک کام پر عمل کرنے کے ارادے کا ذکر تھا جبکہ اس کے برعکس برے عمل کا ارادہ اور برے کام پر عمل کرنے پر کیا سلوک کیا جاتا ہے؟ اس بارے میں حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے:

اس حوالے سے حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وَمَنْ هَمَّ بِسَيِّئَةٍ فَلَمْ يَعْمَلْهَا كَتَبَهَا اللهُ لَهُ عِنْدَهُ حَسَنَةً كَامِلَةً، فَإِنْ هُوَ هَمَّ

بِهَا فَعَمِلَهَا كَتَبَهَا اللهُ لَهُ سَيِّئَةً وَاحِدَةً.[1]

اور جس نے برائی کا ارادہ کیا اور پھر اس کا ارتکاب نہ کیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے ایک کامل نیکی لکھ دیتا ہے اور اگر (برائی کا) ارادہ کیا اور اس پر عمل بھی کر لیا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے (صرف) ایک ہی برائی لکھتا ہے۔

اندازہ کیجیے کہ مولا کریم کی رحمت کتنی بے پایاں ہے کہ جس شخص نے نیکی کا نہیں بلکہ گناہ کا ارادہ کیا لیکن چونکہ اسے ترک کر دیا، اس پر بھی اُس کے لیے ایک نیکی لکھ دی گئی۔ دوسری طرف اگر کسی نے گناہ کر لیا تو اللہ رب العزت ملائکہ کو کہتے ہیں کہ ایک ہی گناہ لکھو۔ یعنی اللہ تعالیٰ نے نیکی کی قبولیت اور اس پر اجر کا الگ الگ ضابطہ بنایا جبکہ گناہ پر سزا کا نہایت نرم قانون بنایا۔ اس الگ الگ طریق کو اپنانے کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تبارک وتعالیٰ جزا و عطا، اجر و ثواب، رحمت و بخشش اور مغفرت و نجات کے خزانے عطا کرنے کے لیے بہانے تلاش فرماتا ہے:

رحمتِ حق 'بہا' نہ می جوید

رحمتِ حق 'بہانہ' می جوید

بے شک اللہ کی رحمت فقط عمل کا ڈھیر تلاش نہیں کرتی بلکہ گناہ گاروں کی بخشش و

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الرقاق، باب من همّ بحسنة أو بسيئة، ۵:۲۳۸۰، رقم:۶۱۲۶

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب إذا همّ العبد بحسنة كُتبت وإذا همّ بسيئة لم تكتب، ۱:۱۱۸، رقم:۱۳۱

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱:۳۱۰، ۳۶۰، رقم:۲۸۲۸، ۳۴۰۲

۴۔ نسائي، السنن الكبرى، ۴:۳۹۶، رقم:۷۶۷۰

۵۔ دارمي، السنن، ۲:۴۱۳، رقم:۲۷۸۶

۶۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحكم: ۳۴۸

www.MinhajBooks.com

مغفرت کے لیے بہانہ تلاش کرتی ہے۔ اس لیے کہ یہ اس کا دستورِ شفقت و رحمت اور دستورِ بخشش و مغفرت ہے۔ وہ وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ[1] اور إِنَّ رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي[2] کے مصداق لامحدود و لامتناہی رحمت کا مالک ہے۔

(۶) قرآن مجید بذاتِ خود عظیم منبعِ رحمت ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ کی اسی وسیع اور عظیم رحمت کا ایک اور مظہر قرآن مجید ہے۔ ام الکتاب کو بھی اللہ تعالیٰ نے رحمت قرار دیا۔ اللہ رب العزت نے قرآن مجید کی مختلف صفات اور خواص بیان کئے مگر سب سے زیادہ ہدایت اور رحمت ہونا بیان فرمایا گیا ہے۔ ذیل میں بطورِ نمونہ چند آیات درج کی جا رہی ہیں:

۱۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَاِنَّهٗ لَهُدًى وَّرَحْمَةٌ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ ○[3]

اور بے شک یہ ہدایت ہے اور مومنوں کے لیے رحمت ہے○

۲۔ ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

الٓمّٓ ○ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِيْمِ ○ هُدًى وَّرَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِيْنَ ○[4]

الف لام میم (حقیقی معنی اللہ اور رسول ﷺ ہی بہتر جانتے ہیں)○ یہ حکمت والی کتاب کی آیتیں ہیں، جو نیکوکاروں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے○

۳۔ سورۃ الاعراف میں فرمایا:

---

(۱) الأعراف، ۷: ۱۵۶

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب التوحید، باب (وکان عرشه علی الماء)، ۶: ۲۷۰۰، رقم: ۶۹۸۶

(۳) النمل، ۲۷: ۷۷

(۴) لقمان، ۳۱: ۱۔۳

وَلَقَدۡ جِئۡنٰـهُمۡ بِكِتٰبٍ فَصَّلۡنٰـهُ عَلٰى عِلۡمٍ هُدًى وَّرَحۡمَةً لِّقَوۡمٍ يُّؤۡمِنُوۡنَ○[1]

اور بے شک ہم ان کے پاس ایسی کتاب (قرآن) لائے جسے ہم نے (اپنے) علم (کی بنا) پر مفصّل (یعنی واضح) کیا، وہ ایمان والوں کے لیے ہدایت اور رحمت ہے○

گویا قرآن مجید رحمت بھی ہے، منبعِ رحمت بھی ہے اور باعثِ رحمت بھی ہے۔

۴۔ سورۃ النحل میں ارشاد فرمایا گیا:

وَنَزَّلۡنَا عَلَيۡكَ الۡكِتٰبَ تِبۡيَانًا لِّكُلِّ شَىۡءٍ وَّهُدًى وَّرَحۡمَةً وَّبُشۡرٰى لِلۡمُسۡلِمِيۡنَ○[2]

اور ہم نے آپ پر وہ عظیم کتاب نازل فرمائی ہے جو ہر چیز کا بڑا واضح بیان ہے اور مسلمانوں کے لیے ہدایت اور رحمت اور بشارت ہے○

۵۔ سورۃ الاسراء میں ارشاد فرمایا:

وَنُنَزِّلُ مِنَ الۡقُرۡاٰنِ مَا هُوَ شِفَآءٌ وَّرَحۡمَةٌ لِّلۡمُؤۡمِنِيۡنَ.[3]

اور ہم قرآن میں وہ چیز نازل فرما رہے ہیں جو ایمان والوں کے لیے شفاء اور رحمت ہے۔

۶۔ سورۃ الانعام میں اللہ تعالیٰ نے تورات کو بھی رحمت قرار دیا۔ ارشاد فرمایا:

ثُمَّ اٰتَيۡنَا مُوۡسَى الۡكِتٰبَ تَمَامًا عَلَى الَّذِىۡۤ اَحۡسَنَ وَتَفۡصِيۡلًا لِّكُلِّ شَىۡءٍ وَّهُدًى وَّرَحۡمَةً لَّعَلَّهُمۡ بِلِقَآءِ رَبِّهِمۡ يُؤۡمِنُوۡنَ○[4]

---

(۱) الاعراف، ۷:۵۲
(۲) النحل، ۱۶:۸۹
(۳) الاسراء، ۱۷:۸۲
(۴) الانعام، ۶:۱۵۵

پھر ہم نے موسیٰ (علیہ السلام) کو کتاب عطا کی اس شخص پر (نعمت) پوری کرنے کے لیے جو نیکوکار بنے اور (اسے) ہر چیز کی تفصیل اور ہدایت اور رحمت بنا کر (اتارا) تاکہ وہ (لوگ قیامت کے دن) اپنے رب سے ملاقات پر ایمان لائیں ○

درج بالا آیات سے معلوم ہوا کہ قرآنِ عظیم اور دیگر کتب کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی وحی بھی رحمت ہے جو مختلف رُسلِ عظام اور انبیاء کرام علیہم السلام پر نازل ہوتی رہی ہے اور ایمان لانے والوں کے لیے ہر دور میں رحمت بنی رہی۔

قرآن مجید کی اِن تمام آیات سے ایک ہی حقیقت سامنے آ رہی ہے کہ اللہ رب العزت نے گناہوں اور لغزشوں کی معافی کے لیے کئی سامان پیدا فرما رکھے ہیں۔ استغفار سے گناہ معاف ہو گئے ...... حسنات و اعمالِ صالحہ سے سیئات اور خطائیں مٹ گئیں...... نمازوں سے گناہِ صغیرہ مٹ گئے...... جمعہ کی نماز کی ادائیگی سے پورے ہفتے کے گناہ مٹ گئے ...... الغرض روزے رکھنے، راتوں کو قیام کرنے اور دیگر اعمالِ صالحہ سے چھوٹے گناہ مٹ گئے جبکہ بڑے گناہوں کی معافی توبہ کے ذریعے ہو جاتی ہے۔ یہ اللہ رب العزت کی رحمت، بخشش، عطائے مغفرت اور انسانوں کے لیے نرمی، سہولت اور آسانی کی فراوانی کا ایک اظہار ہے۔

(۷) موت تک قبولیتِ توبہ کا وعدہ بھی رحمت ہی کا اِظہار ہے

اللہ تعالیٰ بندے کی توبہ ساری زندگی قبول فرماتا رہتا ہے، حتیٰ کہ اُس کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرنے کا وقت آ جاتا ہے۔ جب وہ ملک الموت کو اپنی آنکھوں سے دیکھ لیتا ہے، اُس کی زبان لڑکھڑا جاتی ہے، گلے میں غرغراہٹ آ جاتی ہے اور قبضِ روح کی تمام علامات اُس کے سامنے ظاہر ہو جاتی ہیں، تب کہیں جا کر اس کے لیے توبہ کا دروازہ بند ہو جاتا ہے کیونکہ اب وہ عین موت کے دروازے میں داخل ہو رہا ہے اور زندگی کی مہلت تمام ہو چکی ہے۔ اس خاص لمحہ سے پہلے تک اس کے لیے توبہ کا دروازہ ساری زندگی کھلا رہتا ہے۔

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللهَ يَقْبَلُ تَوْبَةَ الْعَبْدِ مَا لَمْ يُغَرْغِرْ. (۱)

یقیناً اللہ تعالیٰ اس وقت تک بندے کی توبہ قبول فرماتا ہے جب تک کہ اس کے حلق سے غرغر کی آوازیں نہیں آتیں (یعنی اس پر موت کے وقت تک توبہ کا دروازہ کھلا ہوا ہے)۔

۲۔ ایک روایت میں حضرت عبد اللہ بن مسعود ﷛ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لِلْجَنَّةِ ثَمَانِيَةُ أَبْوَابٍ، سَبْعَةٌ مُغْلَقَةٌ وَبَابٌ مَفْتُوحٌ لِلتَّوْبَةِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ نَحْوِهٖ. (۲)

جنت کے آٹھ دروازے ہیں، سات دروازے بند ہیں اور ایک دروازہ توبہ کے لیے اس وقت تک کھلا ہے جب تک سورج اس (مغرب کی) طرف سے طلوع نہیں ہوتا (یعنی آثارِ قیامت نمودار ہونے سے قبل تک توبہ قبول کی جائے گی)۔

اللہ کی کرم نوازی، بخشش و مغفرت اور اس کی بارگاہ سے بندوں کے لیے رحمت و

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲:۱۵۳، رقم:۶۴۰۸
۲۔ ترمذی، السنن، کتاب الدعوات، باب في فضل التوبة والاستغفار وما ذکر من رحمة الله لعباده، ۵:۵۴۷، رقم:۳۵۳۷
۳۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الزهد، باب ذکر التوبة، ۲:۱۴۲۰، رقم:۴۲۵۳
۴۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۷:۱۷۳، رقم:۳۵۰۷۷
۵۔ حاکم، المستدرک، ۴:۲۸۶، رقم:۷۶۵۹

(۲) ۱۔ أبو يعلی، المسند، ۸:۴۲۹، رقم:۵۰۱۲
۲۔ حاکم، المستدرک، ۴:۲۹۰، رقم:۷۶۷۱
۳۔ طبراني، المعجم الکبير، ۱۰:۲۵۴، رقم:۱۰۴۷۹

شفقت اور سہولت کا اس سے بڑھ کر اور کیا تصور کیا جا سکتا ہے۔

۳۔ حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ تَابَ قَبْلَ أَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا، تَابَ اللهُ عَلَيْهِ. (۱)

جو شخص مغرب سے سورج طلوع ہونے (یعنی آثارِ قیامت نمودار ہونے) سے پہلے پہلے توبہ کرلے گا، اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرمائے گا۔

قیامت آنے کی نمایاں علامت یہ ہے کہ سورج مغرب سے طلوع ہوگا۔ چنانچہ جب سورج مغرب سے طلوع ہو تو سمجھ لیں کہ قیامت آ گئی۔ گویا حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ یوم قیامت سے پہلے تک، جب بھی کوئی شخص توبہ کر لے اللہ رب العزت اس کی توبہ قبول فرما لیتا ہے۔

(۸) ایسے کریم رب سے فرار کیوں؟

الغرض ہمارا رب انسانوں پر انتہائی درجے کا مہربان، بے پایاں شفقت و بے حد بخشش فرمانے والا اور ہمیں لامحدود سہولتیں عطا کرنے والا پروردگار ہے مگر اس کے باوجود انسان اللہ کی نعمت سے مایوس اور اس کی رحمت سے دور بھاگتا ہے اور اتنے کریم رب کی دعوت پر لبیک نہیں کہتا۔ یہ اس رب کا کرم ہے کہ اُس نے انسان کو بدصورت، قبیح یا جانوروں جیسی صورت والا بنا کر بھیجا اور نہ ہی ایک آنکھ، ایک کان یا ایک ہاتھ والی کسی قسم کی بدصورت مخلوق بنایا بلکہ نہایت متناسب، متوازن اور حسین بنایا حالانکہ وہ جو چاہے کر دے، کوئی اسے پوچھ نہیں

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب استحباب الاستغفار والاستکثار منه، ۴: ۲۰۷۶، رقم: ۲۷۰۳

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۹۵، رقم: ۹۱۱۹

۳۔ نسائي، السنن الکبری، ۶: ۳۴۴، رقم: ۱۱۱۷۹

۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۲: ۳۹۶، رقم: ۶۲۹

سکتا۔ ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الْاِنْسَانُ مَا غَرَّكَ بِرَبِّكَ الْكَرِيْمِ○ الَّذِيْ خَلَقَكَ فَسَوّٰكَ فَعَدَلَكَ○ فِيْٓ اَيِّ صُوْرَةٍ مَّا شَآءَ رَكَّبَكَ○[1]

اے انسان! تجھے کس چیز نے اپنے ربِ کریم کے بارے میں دھوکے میں ڈال دیا○ جس نے (رحم مادر کے اندر ایک نطفہ میں سے) تجھے پیدا کیا، پھر اس نے تجھے (اعضا سازی کے لیے ابتداءً) درست اور سیدھا کیا، پھر وہ تیری ساخت میں متناسب تبدیلی لایا○ جس صورت میں بھی چاہا اس نے تجھے ترکیب دے دیا○

الغرض پیدائش، بلکہ پیدائش سے بھی پہلے سے لے کر وفات تک اور وفات کے بعد سے لے کر قیامت تک ربِ رحمٰن کے ہم پر بے بہا انعامات اور احسانات ہیں جو وہ ہر گھڑی انسانوں پر کرتا ہے لیکن اگر انسان پھر بھی اس کی طرف متوجہ نہ ہو تو اس سے بڑھ کر کفرانِ نعمت بھلا اور کیا ہو گا؟

لمحۂ فکریہ

اللہ رب العزت اپنے بندوں پر اتنا غفور و رحیم، کریم و شفیق اور مہربان ہے مگر افسوس ہے کہ ہم انسان ہو کر اُس کے بندوں پر مہربان نہیں ہیں۔ ہم نجانے کیوں ظالم، بھیڑیے اور خونخوار ہو گئے ہیں کہ لوگوں کے خون سے اپنا منہ رنگنے میں ہمہ وقت تیار رہتے ہیں؟ سوچنے کی بات ہے کہ ہمارے اندر اتنی سختی، جبر اور بربریت کیوں ہے؟ ہم دہشت گردی کی راہ پر کیوں چل رہے ہیں؟ اللہ تعالیٰ نے ہماری طبیعتوں میں جو نرمی اور شفقت رکھی ہے ہم نے اسے کہاں گم کر دیا ہے؟ ہمارے مزاج کی رحمت و شفقت اور اس میں موجود مغفرت و سہولت اور آسانی کا عنصر کہاں گیا؟

رب کائنات کا ہم بندوں پر ان تمام کرم نوازیوں کے کرنے کا مقصد یہ ہے کہ ہم بھی

(۱) الانفطار، ۸۲:۶

اپنے آئینۂ سیرت میں اس کی ان صفات کا عکس پیدا کریں اور اس کے عفو و درگزر، مہر و کرم، لطف و عنایت، رحمت و شفقت اور اس کے اخلاق کے مظہر اور آئینہ دار بن جائیں۔ اسی لیے فرمایا گیا:

تَخَلَّقُوْا بِأَخْلَاقِ اللهِ.(۱)

اللہ تعالیٰ کے اخلاق کے ساتھ اپنے اخلاق کو مزین کرو۔

یعنی ہم اللہ تعالیٰ کے اخلاق سے مُتَخَلَّقْ اور اس کی صفات سے اس طرح متصف ہو جائیں کہ اس کے رنگ میں رنگ جائیں، جس کی طرف قرآن نے یوں اشارہ فرمایا ہے:

صِبْغَةَ اللهِ ج وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ○(۲)

(کہہ دو ہم) اللہ کے رنگ (میں رنگے گئے ہیں) اور کس کا رنگ اللہ کے رنگ سے بہتر ہے اور ہم تو اسی کے عبادت گزار ہیں○

اللہ تعالیٰ یہ چاہتا ہے کہ ہم اس کی صفات کے رنگ میں رنگ جائیں مگر لمحۂ فکریہ یہ ہے کہ ہم اس کے برعکس چل رہے ہیں اور اپنے ہی ہاتھوں اپنی تباہی کا سامان تیار کرتے چلے جا رہے ہیں۔

(۹) اللہ تعالیٰ بندوں کی توبہ کا منتظر رہتا ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت کا ایک اظہار بایں طور بھی ہمارے سامنے آتا ہے کہ وہ اپنے ملائکہ کو حکم دیتا ہے کہ اگر کوئی شخص شام کے وقت گناہ کرے تو اے ملائکہ! تم ساری رات انتظار کرو اور صبح ہو جانے دو اور اس کے گناہ کو ابھی اس کے نامۂ اعمال میں درج نہ کرو۔ شاید یہ گناہ گا بندہ صبح تک توبہ کر لے یا صبح کے وقت گناہ کرنے والا رات تک توبہ کر لے۔ یہ اللہ رب العزت کی رحمت کا عجیب اور عظیم رخ ہے کہ وہ گناہ گار کے نامہ اعمال میں گناہ لکھنے کو بھی مؤخر

(۱) ابن القیم، مدارج السالکین، ۳: ۲۴۱

(۲) البقرۃ، ۲: ۱۳۸

کرنے کی بات کرتا ہے۔

حضرت ابو موسیٰ اشعری ﷺ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللّٰهَ ﷻ يَبْسُطُ يَدَهُ بِاللَّيْلِ لِيَتُوبَ مُسِيءُ النَّهَارِ وَيَبْسُطُ يَدَهُ بِالنَّهَارِ لِيَتُوبَ مُسِيءُ اللَّيْلِ حَتّٰى تَطْلُعَ الشَّمْسُ مِنْ مَغْرِبِهَا. [1]

اللہ ﷻ رات بھر ہاتھ پھیلائے رکھتا ہے کہ دن میں گناہ کرنے والا (رات کو) توبہ کرے اور دن بھر ہاتھ پھیلائے رکھتا ہے کہ رات کو گناہ کرنے والا (دن میں) توبہ کرے حتیٰ کہ سورج مغرب سے طلوع ہو (اس کے بعد توبہ قبول نہیں ہوگی)۔

اللہ تعالیٰ کا رات کو اپنی شان کے لائق اپنے دونوں ہاتھ پھیلانے سے مراد اس کا دستِ کرم و شفقت اور دستِ عنایت و بخشش ہے جسے وہ بندوں کی طرف بڑھا دیتا ہے اور صبح و شام اپنے بندوں پر چادرِ مغفرت تانے رکھتا ہے۔

(۱۰) اللہ تعالیٰ کی رحمت اس کے غضب پر حاوی ہے

قرآن مجید کی طرح احادیثِ نبوی ﷺ میں بھی ہمیں بے شمار مظاہر ملتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے اپنی رحمت کو کائنات کی ہر شے پر وسیع کر رکھا ہے حتی کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی رحمت کو اپنے غضب و جلال پر بھی وسیع کر دیا ہے۔

۱۔ حضرت ابو ہریرہ ﷺ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب التوبة، باب قبول التوبة من الذنوب، ۴: ۲۱۱۳، رقم: ۲۷۵۹

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۹۵، رقم: ۱۹۵۴۷

۳۔ بزار، المسند، ۸: ۳۹، رقم: ۳۰۲۱

۴۔ عبد بن حميد، المسند، ۱: ۱۹۷، رقم: ۵۶۲

۵۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۸: ۱۳۶، رقم: ۱۶۲۸۱

www.MinhajBooks.com

لَمَّا خَلَقَ اللهُ الْخَلْقَ كَتَبَ فِي كِتَابِهٖ، وَهُوَ يَكْتُبُ عَلٰى نَفْسِهٖ، وَهُوَ وَضْعٌ عِنْدَهٗ عَلَى الْعَرْشِ: إِنَّ رَحْمَتِي تَغْلِبُ غَضَبِي.(۱)

جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو اس نے اپنے پاس عرش پر رکھی ہوئی کتاب میں لکھ لیا، اُس نے اپنی ذات کے لیے لازم کر لیا ہے کہ میرے غضب پر میری رحمت غالب رہے گی۔

۲۔ ایک اور روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ لَمَّا قَضَى الْخَلْقَ كَتَبَ عِنْدَهٗ فَوْقَ عَرْشِهٖ: إِنَّ رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي.(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ: ویحذرکم اللہ نفسه، ۶: ۲۶۹۴، رقم: ۶۹۶۹
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب التوبة، باب في سعة رحمة اللہ تعالیٰ وأنها سبقت غضبه، ۴: ۲۱۰۷، رقم: ۲۷۵۱
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۳۳، رقم: ۹۵۹۵
۴۔ ترمذی، السنن، کتاب الدعوات، باب خلق اللہ مائة رحمة، ۵: ۵۴۹، رقم: ۳۵۴۳
۵۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الزهد، باب ما یرجی من رحمة اللہ یوم القیامة، ۲: ۱۴۳۵، رقم: ۴۲۹۵
۶۔ نسائي، السنن الکبری، ۴: ۴۱۷، رقم: ۷۷۵۱

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب التوحید، باب وکان عرشه علی الماء وهو رب العرش العظیم، ۶: ۲۷۰۰، رقم: ۶۹۸۶
۲۔ نسائي، السنن الکبری، ۴: ۴۱۸، رقم: ۷۷۵۷
۳۔ طبراني، مسند الشامیین، ۴: ۲۷۵، رقم: ۳۲۷۰

جب اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو اپنے پاس عرش کے اوپر لکھ دیا: بے شک میری رحمت میرے غضب پر سبقت لے گئی ہے۔

اسی مضمون کو قرآن مجید میں یوں بیان فرمایا گیا ہے:

وَرَحۡمَتِیۡ وَسِعَتۡ كُلَّ شَیۡءٍ. (1)

اور میری رحمت ہر چیز پر وسعت رکھتی ہے۔

یعنی میری رحمت ہر شے پر وسیع اور اس پر سایہ فگن ہوگئی۔ اسی لیے اللہ رب العزت نے اپنے محبوب نبی حضور نبی اکرم ﷺ کو بھی سراپا رحمت بنا کر بھیجا۔ ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰـكَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِيۡنَ○ (2)

اور (اے رسولِ محتشم!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر○

اور یوں حضور نبی اکرم ﷺ کی رحمت بھی ہر شے پر سبقت لے گئی کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ساری کائناتوں اور سارے جہانوں کے لیے سراسر رحمت بنایا ہے۔

(۱۱) ہم تو مائل بہ کرم ہیں!

اللہ رب العزت کی وسیع رحمت کے اسی رنگِ مغفرت کے حوالے سے حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

يَتَنَزَّلُ رَبُّنَا تَبَارَكَ وَتَعَالٰى كُلَّ لَيۡلَةٍ إِلَى السَّمَاءِ الدُّنۡيَا، حِينَ يَبۡقٰى ثُلُثُ اللَّيۡلِ الآخِرُ، يَقُولُ: مَنۡ يَدۡعُوۡنِي فَأَسۡتَجِيۡبَ لَهٗ؟ مَنۡ يَسۡأَلُنِي فَأُعۡطِيَهٗ؟ مَنۡ

(۱) الأعراف، ۷: ۱۵۶

(۲) الأنبياء، ۲۱: ۱۰۷

يَسْتَغْفِرُنِي فَأَغْفِرَ لَهُ؟[1]

اللہ تبارک و تعالیٰ ہر رات جب رات کا آخری تہائی حصہ باقی رہ جاتا ہے، آسمانِ دنیا کی طرف اپنی شان کے مطابق نزول فرماتا ہے اور فرماتا ہے: کون ہے مجھ سے دعا کرنے والا کہ میں اس کی دعا قبول فرماؤں؟ کون ہے مجھ سے سوال کرنے والا کہ میں اسے عطا کروں؟ کون ہے مجھ سے استغفار کرنے والا کہ میں اس کی مغفرت کروں؟

یعنی اللہ تعالیٰ ہر رات کے آخری حصہ میں اپنی شان کے لائق آسمان دنیا پر نزولِ رحمت فرماتا ہے اور اپنی شان کے لائق اپنی مخلوق کو آواز دے کر پوچھتا ہے کہ کوئی ہے مجھ سے دعا کرنے والا تاکہ میں اس کو عطا کروں، کوئی ہے میری بارگاہ میں توبہ و استغفار کرنے والا تاکہ میں اسے معاف کر دوں۔ یوں عطا کرنے والا خود آوازیں دے دے کر بلا رہا ہے۔ یہ اس کی رحمت کے اس کے غضب و جلال پر سبقت وفوقیت کی دلیل ہے۔

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الدعوات، باب الدعاء نصف الليل، ۵: ۲۳۳۰، رقم: ۵۹۶۲

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب التوحید، باب قول الله تعالی ﴿يُرِيْدُوْنَ اَنْ يُّبَدِّلُوْا كَلٰمَ اللهِ﴾، ۶: ۲۷۲۳، رقم: ۷۰۵۶

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب الترغيب في الدعاء والذكر في آخر الليل والإجابة فيه، ۱: ۵۲۱، رقم: ۷۵۸

۴۔ أبو داود، السنن، کتاب الصلاة، باب أي الليل أفضل، ۲: ۳۴، رقم: ۱۳۱۵

۵۔ أبو داود، السنن، کتاب السنة، باب في الرد على الجهمية، ۴: ۲۳۴، رقم: ۴۷۳۳

۶۔ ترمذی، السنن، کتاب الدعوات، باب: ۷۹، ۵: ۵۲۶، رقم: ۳۴۹۸

۷۔ ابن ماجه، السنن، کتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في أي ساعات الليل أفضل، ۱: ۴۳۵، رقم: ۱۳۶۶

(۱۲) ذکرِ الٰہی کا اجر بصورتِ قربتِ الٰہی میسر آنا بھی رحمت ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

يَقُوْلُ اللهُ تَعَالٰى: أَنَا عِنْدَ ظَنِّ عَبْدِي بِي، وَأَنَا مَعَهُ إِذَا ذَكَرَنِي، فَإِنْ ذَكَرَنِي فِي نَفْسِهِ ذَكَرْتُهُ فِي نَفْسِي، وَإِنْ ذَكَرَنِي فِي مَلَإٍ ذَكَرْتُهُ فِي مَلَإٍ خَيْرٍ مِنْهُمْ، وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ شِبْرًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ ذِرَاعًا، وَإِنْ تَقَرَّبَ إِلَيَّ ذِرَاعًا تَقَرَّبْتُ إِلَيْهِ بَاعًا، وَإِنْ أَتَانِي يَمْشِي، أَتَيْتُهُ هَرْوَلَةً. (۱)

ارشادِ باری تعالیٰ ہے کہ میرا بندہ میرے متعلق جیسا خیال (اور گمان) رکھتا ہے میں اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کرتا ہوں۔ جب وہ میرا ذکر کرتا ہے تو میں اس کے ساتھ ہوتا ہوں۔ اگر وہ اپنے دل میں میرا ذکر (ذکرِ خفی) کرے تو میں بھی خفیہ طور پر اس کا ذکر کرتا ہوں۔ اگر وہ جماعت میں میرا ذکر (ذکرِ جلی) کرے تو میں اس کی جماعت سے بہتر جماعت (یعنی جماعتِ ملائکہ) میں اس کا ذکر کرتا ہوں۔ اگر وہ ایک بالشت میرے نزدیک آئے تو میں ایک بازو کے برابر اس کے نزدیک ہو جاتا ہوں۔ اگر وہ ایک بازو کے برابر میرے نزدیک آئے تو میں دو بازوؤں کے برابر اس کے نزدیک ہو جاتا ہوں اور اگر وہ میری طرف چل کر آئے تو میں اس کی طرف

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب التوحید، باب قول الله تعالی: ویحذرکم الله نفسه، ۶: ۲۶۹۴، رقم: ۶۹۷۰

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الذکر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب الحث علی ذکر الله تعالی، ۴: ۲۰۶۱، رقم: ۲۶۷۵

۳۔ ترمذی، السنن، کتاب الزہد، باب في حسن الظن بالله تعالیٰ، ۵: ۵۸۱، رقم/ ۳۶۰۳

۴۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الأدب، باب فضل العمل، ۲: ۱۲۵۵، رقم: ۳۸۲۲

www.MinhajBooks.com

دوڑ کر آتا ہوں۔

یعنی اگر کوئی بندہ مجھ سے نیک گمان کرے کہ میں اسے معاف کر دوں گا، تو میں اسے معاف کر دیتا ہوں اور اگر کوئی شخص میرے بارے میں اس کے برعکس گمان رکھتا ہے کہ میں اسے معاف نہیں کرنے والا تو اس کے گمان نے اسے ہلاک کر ڈالا۔ گویا میں شفقت، عنایت اور لطف و کرم کی امید رکھنے والے کے ساتھ شفقت، عنایت اور لطف و کرم سے پیش آؤں گا۔ معلوم ہوا اپنی ہلاکت اور نجات کا سارا دار و مدار خود بندے کی اپنی سوچ اور اپنے تصور پر ہے۔ غور کیا جائے تو اس سے اللہ رب العزت کی رحمت اور انسان کے لیے اس کی طرف سے سہولت کا عظیم اور وسیع اظہار سامنے آتا ہے۔

اس حدیث مبارک سے یہ بھی واضح ہوا کہ زمین پر بندہ، خدا کا ذاکر ہے اور عرش پر خدا، بندے کا ذاکر ہے۔ زمین پر اللہ، بندے کا مذکور ہے جبکہ عرش پر بندہ، اللہ کا مذکور ہے، جہاں اللہ تعالیٰ فرشتوں کے اجتماع میں اپنے ذاکر بندے کا اظہارِ فخر سے فرماتا ہے۔

مزید یہ کہ اُسے رحمتِ الٰہی سے خیرات بایں طور بھی نصیب ہوتی ہے کہ اُسے **اَنَا مَعَهُ** کے ذریعے معیتِ خداوندی بھی نصیب ہوتی ہے۔ اس معیت کا احساس و شعور اُسے ہو یا نہ ہو، اس کا وجدان اتنا بیدار ہو یا نہ ہو مگر جب بھی وہ ذکرِ الٰہی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کے ساتھ ہوتا ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ جس تیز رفتاری سے بندہ، اللہ تعالیٰ کی طرف جاتا ہے، اس سے کئی گنا زیادہ تیزی سے اس کا لطف و کرم، شفقت و محبت اور عنایت و توجہ اسے تھام لیتی ہے۔

(۱۳) دنیاوی تعلقاتِ شفقت بھی رحمتِ الٰہی کا ایک حصہ ہیں

ہم زمین پر رحمت و شفقت کے بے شمار مظاہر دیکھتے ہیں جیسا کہ ماں کی ممتا میں رحمت ہے، باپ کی شفقت میں رحمت ہے، بہن بھائی کی محبت میں رحمت ہے، دوستوں کی الفت میں رحمت ہے، احباب کی قربت میں رحمت ہے، جانوروں کی اپنی اولادوں کے ساتھ رحمت ہے، پرندوں کی اپنے بچوں کے ساتھ رحمت ہے الغرض انسان، حیوان، چرند، پرند اور درند

وغیرہ پر مشتمل جتنی بھی مخلوق ہے اور ان میں جس جس شکل میں بھی رحمت، نرمی اور لطف و کرم کے مختلف نمونے دیکھنے میں آتے ہیں، علاوہ ازیں اس کائنات میں ابتداء سے لے کر قیامت تک کے عرصے میں، شفقت و عنایت کے جتنے بھی مظاہر بکھرے ہوئے ہیں، یہ تمام اللہ رب العزت کی رحمت کے ۱۰۰ حصوں میں سے صرف ایک حصہ ہے جو اس نے دنیا میں اتارا ہے۔حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا:

جَعَلَ اللهُ الرَّحْمَةَ مِائَةَ جُزْءٍ، فَأَمْسَکَ عِنْدَهُ تِسْعَةً وَتِسْعِيْنَ جُزْءًا، وَأَنْزَلَ فِي الْأَرْضِ جُزْءًا وَاحِدًا، فَمِنْ ذٰلِکَ الْجُزْءِ يَتَرَاحَمُ الْخَلْقُ حَتّٰی تَرْفَعَ الْفَرَسُ حَافِرَهَا عَنْ وَلَدِهَا خَشْيَةَ أَنْ تُصِيْبَهُ. (۱)

اللہ تعالیٰ نے رحمت کے سو حصے بنائے، جن میں سے اُس نے ننانوے حصے اپنے پاس رکھ لیے اور ایک حصہ زمین پر اُتار دیا۔ ساری مخلوق جو ایک دوسرے پر رحم کرتی ہے یہ اُسی ایک حصے کی وجہ سے ہے، یہاں تک کہ گھوڑا بھی اگر اپنے بچے کے اُوپر سے اپنا پاؤں اُٹھا لیتا ہے کہ کہیں اُسے تکلیف نہ پہنچے (تو اُس کا یہ رحم کرنا بھی رحمت کے اُسی ایک حصے کے باعث ہے)۔

دیکھا جائے تو اللہ رب العزت کی صفات حصے بننے سے مبرا اور پاک ہیں۔ اس نے فقط ہمیں سمجھانے کے لیے فرمایا کہ تم اپنے فہم، شعور اور ظرف کے مطابق یوں سمجھو کہ جیسے

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، کتاب الأدب، باب جعل الله الرحمة مائة جزء، ۲۲۳۶:۵، رقم:۵۶۵۴
۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب التوبة، باب في سعة رحمة الله تعالی وأنها سبقت غَضَبَه، ۲۱۰۸:۴، رقم:۲۷۵۲
۳۔ دارمي، السنن، ۴۱۳:۲، رقم:۲۷۸۵
۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۶:۱۴، رقم:۶۱۴۸
۵۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۲۹۷:۱، رقم:۹۹۱
۶۔ بیهقي، شعب الإيمان، ۴۵۷:۷، رقم:۱۰۹۷۵

میں نے اپنی رحمت کے ۱۰۰ حصے کیے ہیں اور ان میں سے میری رحمت کے ایک حصے کا حال گویا یہ ہے کہ ابتدا سے انتہائے کائنات تک، تم میری لا محدود رحمتوں، شفقتوں اور الطاف و اکرام کے بے شمار مظاہر اور نظائر دیکھتے ہو، وہ سب فقط رحمت کے ایک حصہ کا نتیجہ ہیں۔

(۱۴) قیامت، رحمتِ الٰہی کے ظہور کی انتہا کا دن ہوگا

اللہ رب العزت کی رحمت کے لاتعداد مظاہر ہم دنیا میں دیکھتے رہتے ہیں اور یہ سب اس کی وسعتِ رحمت کا صرف ایک حصہ ہے۔ رحمت کے باقی ۹۹ حصّے اللہ رب العزت نے قیامت کے دن کے لیے محفوظ کر دیئے ہیں، جنہیں وہ قیامت کے دن اپنے بندوں کی بخشش و مغفرت کے لیے ظاہر فرمائے گا۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ ِللهِ مِائَةَ رَحْمَةٍ، أَنْزَلَ مِنْهَا رَحْمَةً وَاحِدَةً بَيْنَ الْجِنِّ وَالإِنْسِ وَالْبَهَائِمِ وَالْهَوَامِّ، فَبِهَا يَتَعَاطَفُوْنَ، وَبِهَا يَتَرَاحَمُوْنَ، وَبِهَا تَعْطِفُ الْوَحْشُ عَلٰى وَلَدِهَا، وَأَخَّرَ اللهُ تِسْعًا وَتِسْعِيْنَ رَحْمَةً يَرْحَمُ بِهَا عِبَادَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (۱)

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب التوبة، باب في سعة رحمة الله تعالى وأنها سبقت غضبه، ۴: ۲۱۰۸، رقم: ۲۷۵۲
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۳۴، رقم: ۹۶۰۷
۳۔ ترمذی، السنن، کتاب الدعوات، باب خَلَقَ الله مائة رحمة، ۵: ۵۴۹، رقم: ۳۵۴۱
۴۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الزهد، باب ما يُرجى من رحمة الله يوم القيامة، ۲: ۱۴۳۵، رقم: ۴۲۹۳
۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۴: ۱۵، رقم: ۶۱۴۷
۶۔ أبو يعلى، المسند، ۱۱: ۳۲۸، رقم: ۶۴۴۵
۷۔ ابن المبارک، المسند، ۱: ۲۰، رقم: ۳۵

اللہ تعالیٰ کے پاس ایک سو رحمتیں ہیں، اُس نے اُن میں سے ایک (حصہ) رحمت کو جن، انس، حیوانات اور حشرات الارض کے درمیان رکھ دیا ہے جس کی وجہ سے وہ ایک دوسرے پر شفقت اور رحم کرتے ہیں، اُسی (رحمت کی وجہ) سے وحشی جانور اپنے بچوں پر شفقت کرتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ننانوے رحمتیں (اپنے پاس) محفوظ رکھی ہیں، جن سے قیامت کے دن وہ اپنے بندوں پر رحم فرمائے گا۔

اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ اگر کائنات میں ہمہ وقت جاری و ساری رحمت و شفقت اور محبت کے مظاہر اللہ تعالیٰ کی رحمت کے ایک حصے کا نتیجہ ہیں تو قیامت کے دن جب اس کی ۹۹ گنا رحمت کا ظہور ہوگا تو اس دن اس کی رحمت کے جوش اور بخشش و مغفرت کے عروج پر آئے ہوئے بحرِ بیکراں کا کیا عالم ہوگا؟

قیامت والے دن اللہ تعالیٰ کے ۹۹ حصہ ہائے رحمت کے ظہور کی ایک عظیم صورت شفاعتِ محمدی ﷺ کی شکل میں ظہور پذیر ہوگی اور پھر شفاعتِ انبیاء، شفاعتِ اولیاء، شفاعتِ قرآن، شفاعتِ ملائکہ، شفاعتِ شہداء، شفاعتِ ماہِ رمضان اور معصوم بچوں کی اپنے والدین کے لیے شفاعت بھی اسی رحمت میں شامل ہو جائے گی۔ اس روز اللہ رب العزت کی رحمت اس قدر جوش میں ہوگی کہ اگر کسی بہت بڑے گنہگار نے دنیا کی زندگی میں پیاس سے تڑپتے اور مرتے ہوئے کتے یا بلی کو بھی پانی پلا کر اس کی زندگی بچائی ہوگی تو اسے بھی معاف کرتے ہوئے بخشش کا پروانہ جاری کر دیا جائے گا۔ (1)

اللہ رب العزت کا اپنی رحمت و شفقت کے مظاہر کے بیان سے مقصود یہ ہے کہ وہ چاہتا ہے کہ جس طرح میں تمہارے ساتھ اس قدر رحمت و شفقت کے ساتھ معاملات فرما رہا ہوں، اسی طرح تم سب بندے بھی اپنی سیرت و کردار کے ذریعے آپس میں اور دیگر مخلوق کے لیے بھی رحمت و شفقت، سہولت و نرمی اور لطف و کرم کے پیکر بن جاؤ۔

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب السلام، باب فضل سقي البهائم المحترمة وإطعامها، ۴: ۱۷۶۱، رقم: ۲۲۴۵

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۵۱۷، رقم: ۱۰۷۱۰

www.MinhajBooks.com

باب نمبر 5

اِسلامی قوانین کا فلسفۂ یُسر

(فلسفۂ آسانی)

www.MinhajBooks.com

www.MinhajBooks.com

عصرِ حاضر میں مسلمانوں اور غیر مسلموں دونوں کا اسلام کے اصلی پیغام سے آشنائی حاصل کرنے کے لیے اس نکتے کو جاننا اشد ضروری ہے کہ 'اسلام دینِ امن و رحمت اور محبت، شفقت، رواداری اور مساوات پر مبنی ایک مکمل ضابطۂ حیات ہے۔' اگر اسلام کا بطورِ دین اور جامع نظامِ حیات مطالعہ کیا جائے تو یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام میں بنیادی اصول اور روح یہ ہے کہ اس میں کسی پر بھی کسی بھی حوالے سے کوئی جبر نہیں ہے۔

اللہ رب العزت نے فرمایا:

لَآ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قف قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ.[1]

دین میں کوئی زبردستی نہیں، بے شک ہدایت گمراہی سے واضح طور پر ممتاز ہو چکی ہے۔

اس آیتِ مبارکہ نے اسلام کی تعلیم و تربیت اور احکام و قوانین کا اصولی اور اساسی مزاج واضح کر دیا ہے کہ دینِ اسلام کا کوئی بھی پہلو جبر، سختی اور زور زبردستی پر مبنی نہیں ہے۔ چنانچہ اہلِ اسلام کا کوئی داخلی معاملہ ہو یا غیر مسلموں کے ساتھ خارجی سطح پر کوئی مسئلہ ہو، یہ دونوں امور کسی بھی حالت میں جبر اور سختی پر مشتمل نہیں ہو سکتے۔ ہمارا فریضہ صرف خلوص اور محبت کے ساتھ ہر ایک کو دعوتِ اسلام اور اس کا پیغام پہنچانا ہے۔ اس لیے کہ قرآن مجید کے نزول کے بعد بے شک ہدایت گم راہی سے واضح طور پر ممتاز ہو چکی ہے، اب جس کی مرضی ہو وہ اختیار کرے اور جس کا جی چاہے وہ قبول نہ کرے۔ ارشاد فرمایا:

---

(۱) البقرة، ۲: ۲۵۶

www.MinhajBooks.com

فَمَنْ شَآءَ فَلْيُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْيَكْفُرْ.[1]

پس جو چاہے ایمان لے آئے اور جو چاہے انکار کر دے۔

اسلام کی دعوت اور پیغام پہنچ جانے کے بعد اب یہ مخاطب کے اختیار اور صوابدید پر ہے کہ وہ اسے کیا حیثیت دیتا ہے؟ وہ جو چاہے فیصلہ کرے، اب کسی داعی، مبلغ اور جماعت، حتیٰ کہ اسلامی ریاست کو بھی اپنی غیر مسلم رعایا پر، انہیں مسلمان بنانے کے لیے جبر کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہے۔ کسی مذہب کے ماننے والوں کی عبادت گاہوں کو گرانا اور جبر کے ذریعے انہیں اسلام اختیار کرنے پر مجبور کرنا، اسلام ان امور کی سرے سے اجازت نہیں دیتا۔

جہاں تک مسلمانوں کا تعلق ہے، انہیں حکمت و دانائی سے سمجھایا جائے گا کہ تم دین کی معرفت حاصل کرو تا کہ دینِ اسلام خود بخود اپنی سچائی، نرمی اور سہولت کے سبب تمہارے باطن میں سرایت کر جائے۔ اس اسلوب کو اختیار کرنے کا سبب یہ ہے کہ دینِ اسلام کا کوئی پہلو فطرتِ انسانی، انسانی مزاج اور بنیادی بشری صلاحیتوں کے خلاف نہیں ہے۔

۱۔ اسلامی احکام وقوانین کے اساسی اصول

جملہ اسلامی تعلیمات، اسلامی احکام وقوانین کی اساس رحمت اور آسانی کی فراہمی پر ہے۔ آج بھی اگر کسی اسلامی سلطنت میں شریعت کے احکام کا نفاذ ہوگا تو وہ اسلامی اساسی اصولوں کی روشنی میں ہوگا۔ ان درج ذیل اُصولوں کو نظر انداز کر کے جو قانون سازی ہوگی وہ خلافِ اسلام اور خلافِ شریعت ہوگی۔

۱۔ رفعِ حرج یا عدمِ حرج

۲۔ قلتِ تکلیف

۳۔ استثنیٰ

(۱) الکہف، ۱۸: ۲۹

۴۔ تدریج

۵۔ نسخ

ان اساسی اُصولوں کا اسلام کی مختلف تعلیمات کے پیرائے میں مطالعہ کرتے ہیں:

(۱) عدمِ حرج

جیسا کہ پہلے تحریر کیا جا چکا ہے کہ اسلام اپنی تعلیمات اور احکام کے لحاظ سے زبردستی اور سختی سے مبرا دین ہے۔ قرآن مجید اور حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت کی روشنی میں آسانی اور سہولت پر قائم شریعتِ اسلامیہ کا پہلا اصول عدمِ حرج ہے۔ یہ اصول سورۃ البقرۃ کی درج ذیل آیت سے ماخوذ ہے جس میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

لَآ اِكۡرَاهَ فِى الدِّيۡنِ.[1]

دین میں کوئی زبردستی نہیں۔

عدمِ حرج کا مطلب یہ ہے کہ اسلام کی جملہ تعلیمات میں مسلموں اور غیر مسلموں دونوں کے لیے سختی موجود نہیں ہے۔ بے شک غیر مسلموں کے سامنے دعوتِ اسلام پیش کرنا ہر مسلمان کا فرض ہے لیکن کسی کو زبردستی مسلمان بنانے کا حق کسی مبلغ کو حاصل ہے اور نہ ہی کسی اسلامی ریاست کو حاصل ہے۔ اس لیے کہ جبراً مسلمان بنانے کا عمل بذاتِ خود غیر اسلامی ہے۔

اسی طرح اگر کوئی مسلمان ہے تو ادائیگیِ اعمال، دین کی تمام تعلیمات اور جملہ احکامِ شریعت میں سے کوئی ایک بھی ایسا حکم اس پر لاگو نہیں کیا جا سکتا جو اس کی طاقت سے بڑھ کر اور اس کی فطرت کے تقاضوں کے خلاف ہو۔ نیز اس کی بھی اجازت نہیں کہ اسے اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف دی جائے۔ دینِ اسلام آسانی کا نام ہے۔ قرآن مجید کی متعدد آیات سے عدمِ حرج کا یہ اصول واضح ہوتا ہے۔ نمونہ کے طور پر چند آیات کا ذکر ذیل میں کیا جا رہا ہے:

---

(۱) البقرۃ، ۲: ۲۵۶

www.MinhajBooks.com

۱۔ ارشاد فرمایا:

يُرِيْدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ. (۱)

اللہ تمہارے حق میں آسانی چاہتا ہے اور تمہارے لیے دشواری نہیں چاہتا۔

آیت مبارکہ میں صرف **يُرِيْدُ اللهُ بِكُمُ الْيُسْرَ** کہنے سے ہی مقصد پورا ہوسکتا تھا کہ اللہ تعالیٰ کا ارادہ تمہارے لیے آسانی کا ہے لیکن ساتھ یہ بھی فرمایا کہ وہ تمہارے لیے سختی نہیں چاہتا۔ پس اس امر کا خصوصی اظہار اسلامی قوانین میں کارفرما آسانی و نرمی پر دلالت کرتا ہے۔

اللہ کا بھیجا ہوا دین سہل ہے، اسی لیے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنِّي أُرْسِلْتُ بِحَنِيْفِيَّةٍ سَمْحَةٍ. (۲)

میں انسانیت کے لیے آسان ترین دین لے کر مبعوث ہوا ہوں۔

۲۔ اللہ تعالیٰ نے بھی حضور نبی اکرم ﷺ کی اسی شان کے حوالے سے ارشاد فرمایا:

وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ. (۳)

اور اُن سے اُن کے بارِگراں اور طوقِ (قیود) - جو اُن پر (نافرمانیوں کے باعث مسلّط) تھے - ساقط فرماتے (اور انہیں نعمتِ آزادی سے بہرہ یاب کرتے) ہیں۔

یعنی پیغمبرِ آخر الزماں ﷺ عقائد و اعمال کے بوجھوں تلے دبی ہوئی انسانیت کے بوجھ اتارنے اور ان کی طاقت و صلاحیت سے بڑھے ہوئے احکام و قوانین (جنہیں انہوں نے خود گھڑ رکھا تھا) سے آزادی دلانے کے لیے آئے ہیں۔

---

(۱) البقرة، ۲: ۱۸۵

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۱۶، ۲۳۳، رقم: ۲۴۸۹۹، ۲۶۰۰۴

۲۔ ابن رجب حنبلی، جامع العلوم والحکم، ۱: ۳۰۹

۳۔ مقدسی، الآداب الشرعية، ۳: ۳۸۰

(۳) الأعراف، ۹: ۱۵۷

۳۔ اسی تصورِ آسانی اور رحمت کو واضح اور روشن کرنے کے لیے ایک اور مقام پر فرمایا:

فَاِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا○ اِنَّ مَعَ الْعُسْرِ یُسْرًا○ (۱)

سو بے شک ہر دشواری کے ساتھ آسانی (آتی) ہے○ یقیناً (اس) دشواری کے ساتھ آسانی (بھی) ہے○

یعنی اگر تمہاری زندگی میں کہیں تنگی آ گئی ہے تو گھبراؤ نہیں کیونکہ ہر تنگی کے بعد آسانی آنے والی ہے۔ اس لیے کہ اللہ رب العزت کا مقصود انسان کو عُسر (تنگی) سے نکال کر یُسر (آسانی) کی طرف اور پریشانی سے نکال کر سہولت کی طرف لے جانا ہے۔ اسی بناء پر اس نے انسانیت کو لَآ اِكْرَاهَ فِی الدِّیْنِ کا اصول عطا فرمایا۔

۴۔ دینِ اسلام کے قوانین میں سے عدمِ حرج قرآن مجید کی اس آیت کی روشنی میں بھی واضح ہوتا ہے جس میں ارشاد فرمایا گیا:

هُوَ اجْتَبٰكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَیْكُمْ فِی الدِّیْنِ مِنْ حَرَجٍ. (۲)

اس نے تمہیں منتخب فرما لیا ہے اور اس نے تم پر دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔

۵۔ قرآن مجید نے اسلام کے اسی بنیادی اصول کو سورۃ المائدۃ میں بھی بیان کیا:

مَا یُرِیْدُ اللهُ لِیَجْعَلَ عَلَیْكُمْ مِّنْ حَرَجٍ وَّلٰـكِنْ یُّرِیْدُ لِیُطَهِّرَكُمْ وَلِیُتِمَّ نِعْمَتَهٗ عَلَیْكُمْ لَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ○ (۳)

اللہ نہیں چاہتا کہ وہ تمہارے اوپر کسی قسم کی سختی کرے لیکن وہ (یہ) چاہتا ہے کہ تمہیں پاک کر دے اور تم پر اپنی نعمت پوری کر دے تا کہ تم شکر گزار بن جاؤ○

(۱) الانشراح، ۹۴: ۵-۶
(۲) الحج، ۲۲: ۷۸
(۳) المائدۃ، ۵: ۶

گویا اللہ رب العزت کبھی نہیں چاہتا کہ ہماری زندگی میں کبھی کوئی تنگی پیدا ہو۔ یہ اس کا ارادہ ہی نہیں کہ وہ اپنے کسی حکم، قانون، فرمان، امر و نہی یا جمیع تعلیماتِ اسلام کے ذریعے ہماری زندگی کو ہماری طاقت سے بڑھ کر اور بلا جواز سختی میں مبتلا کرے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ احکام کو ان کی روح میں اتر کر دیکھا جائے اور ان کی غرض و غایت کو سمجھنے کی کوشش کی جائے تو ہم پر واضح ہوجائے گا کہ اللہ رب العزت کے قوانین حقیقت میں ہمارے لیے آسانی اورسہولت کا سبب ہیں جو ہماریں استعداد کے مطابق ہی ہمارے لیے روا رکھے گئے ہیں۔

(۲) قلتِ تکلیف

احکامِ شریعتِ اسلامیہ کا دوسرا اصول 'قلتِ تکلیف' ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر شخص کو اس کی استعداد کے مطابق کسی عمل کا مکلّف ٹھہراتا ہے۔ مثلاً مسافر اور مقیم کے فرق کو دیکھتا ہے، بیمار اور صحت مند کے فرق کو دیکھتا ہے، بچے، جوان اور ضعیف کی جسمانی استطاعت کے تضاد کو دیکھتا ہے، عالم اور جاہل، امیر اور غریب کے فرق کو دیکھتا ہے۔ اسی لیے جس کے پاس وسائل نہیں ہیں، اس پر حج فرض نہیں ہے، جس شخص کے پاس مال کی فروانی نہیں اس پر زکوٰۃ واجب نہیں۔ مختصر یہ کہ دین اسلام ہر شخص کی استعداد کے مطابق حکم متعین کرتا ہے تاکہ اسے وہ حکم دیا جائے جو اس کی طاقت سے بڑھ کر نہ ہو۔ لہٰذا اسلامی احکام کے اصولوں میں سے یہ سنہری اصول ہے کہ جو حکم جس شخص کی استعداد سے زیادہ ہو، اُس کے لیے اس میں کمی کر دی جاتی ہے۔ اسی حوالے سے اللہ رب العزت نے فرمایا:

لَا يُكَلِّفُ اللّٰهُ نَفْسًا اِلَّا وُسْعَهَا.(۱)

اللہ کسی جان کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہیں دیتا۔

گویا اللہ رب العزت کسی پر ناروا بوجھ ڈالنا گوارا نہیں فرماتا بلکہ اس کی صلاحیت، صحت، قوت و استعداد اور اس کے حالات کے مطابق اُسے احکامات دیئے جاتے ہیں تاکہ وہ

---

(۱) البقرة، ۲: ۲۸٦

احکامات اس کی جان پر بوجھ اور تکلیف کا سبب نہ بن جائیں۔ اللہ تو وہ رحیم و کریم پروردگار ہے جس نے لوگوں کی نصیحت کے لیے قرآن کو بھی آسان بنا دیا، ارشاد فرمایا:

فَاِنَّمَا یَسَّرْنٰهُ بِلِسَانِکَ لَعَلَّهُمْ یَتَذَکَّرُوْنَo(۱)

بس ہم نے آپ ہی کی زبان میں اس (قرآن) کو آسان کر دیا ہے تاکہ وہ نصیحت حاصل کریںo

قرآن مجید کو آسان بنا دینے کا مقصود یہ ہے کہ عام روز مرہ زندگی کی اصلاح بھی آسان بنا دی جائے اور کسی کو اس کی طاقت سے بڑھ کر تکلیف نہ پہنچے۔

اللہ تعالیٰ ہمیں آسانی اور سہولت عطا فرماتا ہے اور سختی اور بوجھ ہم سے دور فرماتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے معذوروں اور مریضوں کا ذکر کرتے ہوئے ان سے شرعی تکلیف کو کم کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

لَیْسَ عَلَی الْاَعْمٰی حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْاَعْرَجِ حَرَجٌ وَّلَا عَلَی الْمَرِیْضِ حَرَجٌ.(۲)

اندھے پر کوئی رکاوٹ نہیں اور نہ لنگڑے پر کوئی حرج ہے اور نہ بیمار پر کوئی گناہ ہے۔

یعنی کوئی مریض ہے تو اس کے الگ احکام دیئے کہ اگر وہ کھڑا ہو کر نماز نہیں پڑھ سکتا تو بیٹھ کر پڑھ لے، بیٹھنے کی بھی سکت نہیں رہی تو وہ لیٹ کر نماز پڑھ لے۔ رمضان میں مریض کو روزوں کی رخصت دے دی۔ اسی طرح اگر پانی دستیاب نہیں تو تیمّم کی اجازت دی، پھر سفر میں نمازِ قصر کی سہولت دے دی۔ عورتوں کے خاص ایام میں انہیں نماز کی کلیتًا رخصت دے دی کہ جب وہ غسل کر کے پاکیزگی اختیار کریں تو پھر نمازیں شروع کریں اور ان دنوں میں ان کی جو نمازیں قضا ہوگئی ہیں، وہ بھی معاف ہیں۔

---

(۱) الدخان، ۴۴: ۵۸

(۲) النور، ۲۴: ۶۱

اسی طرح مسافر کو بھی روزہ نہ رکھنے کی اجازت دے دی کہ وہ بھی سفر کی مشکلات کے سبب روزوں کو مؤخر کر لے۔ اگر کسی کو دورانِ روزہ ایسی شدید تکلیف لاحق ہو جائے کہ اسے برداشت کرنا مشکل ہو یا جان کا خطرہ لاحق ہو تو اسے اجازت ہے کہ وہ روزہ کھول دے اور جب صحت مند ہو تب قضا کر لے۔ اگر بیماری اور کم زوری شدید ہے تو بے شک خود روزہ نہ رکھے بلکہ اس کی جگہ فدیہ دے دے یعنی غریبوں کو کھانا کھلا دے۔ یوں اللہ تبارک و تعالیٰ نے کم استعداد مسلمانوں کے لیے قلتِ تکلیف اور سہولت کا ایک ایسا جامع اصول عطا فرما دیا ہے جو دینِ اسلام کے 'دینِ امن و محبت' ہونے کا واضح اظہار ہے۔

(۳) تخفیف

دینِ اسلام کے قوانین کے ضمن میں اللہ رب العزت نے اصولِ تخفیف بھی عطا فرمایا ہے۔ اس کی بنیاد قرآن مجید کے اس فرمان میں موجود ہے:

يُرِيْدُ اللهُ اَنْ يُّخَفِّفَ عَنْكُمْ ۚ وَخُلِقَ الْاِنْسَانُ ضَعِيْفًا ○[1]

اللہ چاہتا ہے کہ تم سے بوجھ ہلکا کر دے، اور اِنسان کمزور پیدا کیا گیا ہے ○

انسان طبعاً، خِلقاً اور فطرتاً ضعیف پیدا کیا گیا ہے، اسی لیے اللہ تعالیٰ کا اس کے ساتھ ارادہ یہ ہے کہ وہ اس کے لیے تخفیف یعنی نرمی پیدا کرے اور احکام کو سہل کر دے۔ اسی حوالے سے سورۃ الانفال میں فرمایا گیا:

اَلْئٰنَ خَفَّفَ اللهُ عَنْكُمْ وَعَلِمَ اَنَّ فِيْكُمْ ضَعْفًا.[2]

اب اللہ نے تم سے (اپنے حکم کا بوجھ) ہلکا کر دیا اسے معلوم ہے کہ تم میں (کسی قدر) کمزوری ہے۔

اللہ رب العزت کا ارادہ یہی ہے کہ وہ تمام اہلِ ایمان کی سہولت اور آسانی کی خاطر

(۱) النساء، ۴: ۲۸

(۲) الانفال، ۸: ۶۶

اسلام کے احکام پر عمل دہی ان کے لیے آسان تر بنا دے۔ اسی لیے جب اللہ رب العزت نے سورۃ الاعراف میں حضور نبی اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت کے فرائض بیان کئے تو ارشاد فرمایا:

وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ.(1)

اور ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ان پر پلید چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور اُن سے اُن کے بارِگراں اور طوقِ (قیود) - جو اُن پر (نافرمانیوں کے باعث مسلّط) تھے - ساقط فرماتے (اور انہیں نعمتِ آزادی سے بہرہ یاب کرتے) ہیں۔

یعنی حضور نبی اکرم ﷺ پاکیزہ چیزیں حلال فرماتے ہیں اور وہ تمام چیزیں حرام قرار دیتے ہیں جو مسلمان کے لیے ضرر رساں ہیں۔ نیز سابقہ امتوں اور ملل کے قوانین کی سختیاں جو بھاری بوجھ کی صورت میں انسانیت پر لدی ہوئی تھیں، نبی اکرم ﷺ نے ان کی جگہ آسان دین عطا کر کے وہ سارے بوجھ ان سے ہٹا دیئے ہیں۔

اصل دین سے روگردانی کے سبب انسانیت کو نافرمانیوں اور خود ساختہ قانونی بندشوں نے جن زنجیروں میں جکڑ دیا تھا اور اس سے نعمتیں سلب کر لی تھیں، اللہ تعالیٰ نے اس رسول ﷺ اور اس کی رحمت کے صدقہ سے انسانیت پر موجود تمام بوجھ اتار دیئے اور دشواریاں ختم کر کے انہیں آسانیاں اور آزاد زندگی عطا فرما دی ہے۔

(۴) اِستثنیٰ

شریعت اسلامیہ کا چوتھا اصول، 'اصولِ استثنیٰ' ہے۔ اس سے مراد یہ ہے کہ جب کوئی شخص نہایت مجبور ہو جائے، اس پر اضطرار کی کیفیت طاری ہو جائے تو اس شخص کی مجبوری کے سبب وہ خاص حکم اس سے اٹھا لیا جاتا ہے اور اس کو وقتی طور پر اس منع کی ہوئی شے کی رخصت دے دی جاتی ہے۔ مثلاً اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں مردار، خون اور خنزیر کے گوشت کو

(۱) الاعراف، ۷:۱۵۷

حرام قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا حَرَّمَ عَلَيْكُمُ الْمَيْتَةَ وَالدَّمَ وَلَحْمَ الْخِنْزِيْرِ وَمَآ اُهِلَّ بِهٖ لِغَيْرِ اللهِ.(۱)

اس نے تم پر صرف مردار اور خون اور سؤر کا گوشت اور وہ جانور جس پر ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام پکارا گیا ہو حرام کیا ہے۔

مگر شدید اضطرار کے سبب مجبور شخص کو اس سے مستثنیٰ قرار دیتے ہوئے فرمایا:

فَمَنِ اضْطُرَّ غَيْرَ بَاغٍ وَّلَا عَادٍ فَلَآ اِثْمَ عَلَيْهِ.(۲)

پھر جو شخص سخت مجبور ہو جائے نہ تو نافرمانی کرنے والا ہو اور نہ حد سے بڑھنے والا تو اس پر (زندگی بچانے کی حد تک کھا لینے میں) کوئی گناہ نہیں۔

خون، مردار، خنزیر کا گوشت، ذبح کے وقت اللہ کے نام کے سوا کسی بت کا نام لے کر ذبح کیا جانے والا جانور یا وہ جانور جو شرعی طریقے کے مطابق ذبح ہی نہ کیا جائے، یہ سب چیزیں حرام ہیں۔ لیکن اگر کوئی شخص حد سے بڑھ کر اس طرح مجبور ہو جائے کہ اس کے پاس اس حرام کے سوا کوئی حلال شے کھانے کے لیے نہ ہو جسے وہ کھا کر اپنی جان بچا سکے تو اسے اجازت ہے کہ وہ اپنی زندگی بچانے کے لیے حرام شدہ چیز استعمال میں لے آئے۔ اللہ رب العزت نے اِن حرام اشیاء کی اجازت کو تین شرائط کے ساتھ مشروط فرمایا:

۱۔ اس کا ارادہ نافرمانی کا نہ ہو۔

۲۔ اس حرام کو زندگی میں عادت بنانے کے لیے اختیار نہ کرے۔

۳۔ ایک حد سے نہ بڑھے۔

اِن شرائط کے ساتھ اس حرام کے بقدرِ ضرورت استعمال پر کوئی گناہ نہیں۔

---

(۱) البقرۃ، ۲: ۱۷۳

(۲) البقرۃ، ۲: ۱۷۳

احکامِ شرعی کے یہ بنیادی اصول دراصل لَآ اِکْرَاهَ فِي الدِّيْنِ، پر مبنی بنیادی اصول کی توجیہات ہیں کہ اسلامی احکام میں اصلاً سختی نہیں رکھی گئی لیکن اگر پھر بھی کوئی حکمِ شرعی کسی خاص شخص کے لیے کسی خاص حالت کے پیشِ نظر مشکل بن بھی جائے تو اسے بھی ان اصولوں کے ذریعے اللہ تعالیٰ نے آسان فرما دیا اور انہیں بنیادی قوانین کی حیثیت عطا کی گئی۔

(۵) تدریجِ احکام

اسلامی تعلیمات کا پانچواں اصول، تدریجِ احکام کا اصول ہے۔ شریعت کے تمام احکام کا بنیادی ماخذ و مصدر قرآن مجید تیئیس (۲۳) برس میں تھوڑا تھوڑا کر کے نازل کیا گیا۔ **الحمد** سے لے کر **والناس** تک سارا قرآن ایک بار نازل نہیں کیا گیا کیونکہ اگر ایسا کیا جاتا تو مسلمانوں کی کثیر تعداد کے لیے اس پر عمل کرنا نہایت مشکل ہو جاتا۔ آیئے! تدریج احکام کو حضور نبی اکرم ﷺ کی مکی اور مدنی زندگی کے تناظر میں جانتے ہیں:

(i) مکی دور اور تدریجِ اَحکام

اہلِ اسلام کو مکہ کی نہایت مشکل زندگی میں پہلے صرف ایمان اور عقیدے کے اعتبار سے مضبوط کیا جاتا رہا۔ اللہ تبارک وتعالیٰ نے اعلانِ نبوت کے بعد تیرہ (۱۳) برس میں عبادات اور معاملات سے متعلق احکامِ نازل نہیں کیے۔ حتیٰ کہ مکی زندگی میں زکوٰۃ، حج یا جہاد کو بھی فرض نہ کیا گیا۔ اسی طرح مکی زندگی میں حلال وحرام کے مسائل بھی فرض نہیں کیے گئے اور شراب و سود کی حرمت سمیت متعدد اوامر ونواہی پر مبنی بے شمار احکام مؤخر رکھے گئے۔

ان احکامات کو مؤخر رکھنے میں یہ حکمت کارفرما تھی کہ مکہ کے حالات اتنے سخت تھے کہ اگر کوئی اسلام قبول کر لیتا یا توحید کا نعرہ بلند کرتا تو اُسے سخت اذیت دی جاتی۔ کسی کو خون آلود کر دیا جاتا، کسی پر پتھروں کی بارش کی جاتی، کسی کو تپتی ریت پر لٹایا جاتا اور کسی کو جان ہی سے مار دیا جاتا۔ چنانچہ اس وقت ضرورت اس امر کی تھی کہ اُنہیں تقویٰ، توکل اور استقامت کا درس دیا جائے، اُن کا حوصلہ بلند کیا جائے اور اس دوران ایسے احکام نہ دیئے جائیں کہ اہلِ

اسلام کے لیے ان کی علی الاعلان ادائیگی مشکل ہونے کے ساتھ ساتھ انہیں دعوتِ اسلام دینے اور اپنے جان اور ایمان بچانے کے عمل میں ہمہ وقت خطرات کا ڈر رہے۔

پس اس دور میں انہیں عبادات و معاملات کا مکلّف نہ ٹھہرا کر ان کو حالات کی مشکلات اور پریشانیوں سے دور رکھا۔ اس سنہری اُصول سے اسلام کے تدریجی مزاج اور اس کی روح کی حقیقت نکھر کر سامنے آ جاتی ہے۔

(ii) مدنی دور اور تدریجِ اَحکام

مکی زندگی کے بعد مدنی زندگی میں کیے گئے اقدامات بھی اسلام کے اس روشن اصول 'تدریج احکام' کو مزید واضح کر دیتے ہیں۔ ہجرتِ مدینہ سے مسلمان، کفار کے مظالم سے محفوظ ہو گئے، اب چاہیے تو یہ تھا کہ اسلام کے سارے احکام ایک ہی وقت میں دے دیئے جاتے لیکن اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ایسا بھی نہیں کیا بلکہ سب سے پہلے معاشی طور پر بدحال مہاجرین اور دیگر عامۃ المسلمین کی معاشی اور معاشرتی ضروریات کی طرف توجہ کی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے مدینہ میں مہاجرین و انصار میں معاشرتی اتحاد پیدا کرنے اور ان کی معاشی ضروریات کا اہتمام کرنے کے لیے مواخاتِ مدینہ کا تاریخی اور منفرد عمل سرانجام دیتے ہوئے مہاجرین و انصار میں اخوت اور بھائی چارے کا رشتہ قائم کر دیا۔

مہاجرین جو اپنا سب کچھ مکہ میں چھوڑ کر مدینہ آئے تھے، ان کے پاس کسی قسم کا روزگار اور مالی وسائل نہ تھے، اس حالت میں ان کی توجہ اسلام کے کامل نظامِ زندگی کو اپنانے کی طرف مبذول نہیں کروائی بلکہ پہلے ان کی معاشی اُلجھنوں سے نجات کی طرف توجہ دی گئی۔ اس لیے کہ جب مسلمان معاشی طور پر پُرسکون ہوں گے تو مضبوط اسلامی مملکت کے نظام کی ازخود بنیاد قائم ہو جائے گی۔

چنانچہ کوئی بھی دور جب کبھی اسلامی احکام و قوانین کا نفاذ ہوگا تو وہاں بھی ان اقدامات کو ملحوظِ نظر رکھنا پڑے گا کیونکہ اسلامی معاشرہ کہلانے کا مستحق وہی معاشرہ ہو گا جہاں

لوگ ہاتھ اٹھا کر بھیک نہ مانگتے پھریں اور ان کی عزتِ نفس مجروح نہ ہو۔ امت مسلمہ کو بالعموم اور پاکستانی حکومت کو بالخصوص عوام کی انفرادی و اجتماعی بہبود کو مقدم رکھنا ہوگا اور ہر دو سطح پر غربا، مساکین اور ضروریاتِ زندگی سے محروم لوگوں کے معاشی استحکام کے لیے اقدامات کرنا ہوں گے۔ اسی صورت ہم مملکتِ خدا داد پاکستان کو حقیقی معنی میں اسلامی فلاحی ریاست بنا سکتے ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے ہجرتِ مدینہ کے بعد سب سے پہلے مہاجرین کو اپنے پاؤں پر کھڑا کرنے کے لیے انصار کے ساتھ جوڑا تاکہ وہ باہم مل کر کاروبار میں شریک ہوں اور یوں دونوں فریق ایک دوسرے سے اتحاد اور محنت کے سبب معاشی طور پر مضبوط ہو جائیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے معاشی طور پر مسلمانوں کو مستحکم کرنے کے بعد اگلا تاریخی قدم میثاقِ مدینہ کا اٹھایا۔

میثاقِ مدینہ دراصل انسانی تاریخ کا وہ پہلا دستور ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ نے مدینے کے یہودی قبائل اور دیگر مضافاتی قبائل کے ساتھ معاہدہ کی صورت میں نافذ فرمایا تھا۔ آپ ﷺ کے اِن اقدامات سے امت کو پہلے مواخاتِ مدینہ سے معاشی و معاشرتی پائیداری ملی اور پھر میثاقِ مدینہ سے ان کے سیاسی استحکام کی راہ ہموار ہوئی۔ آپ ﷺ نے اس میثاق کے ذریعے جمہوریت کے قوانین بنائے، معیشت کے اصول وضع کیے، مختلف معاشرتی طبقات کے حقوق متعین کیے اور مدینہ میں بسنے والے تمام معاشرتی طبقات کو ملا کر ایک معاشرتی طبقہ تشکیل دیا۔ یوں ایک نئی مملکت وجود میں آئی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے میثاقِ مدینہ میں اس نئی مملکت کے دفاعی قوانین مرتب کیے، سماجی قوانین کے طریقے وضع کیے اور قتل و غارت کے انسداد کے لیے قوانینِ قصاص و دیت اور دیگر سماجی قوانین تشکیل دیئے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے اِن جملہ اقدامات نے یثرب کے اس معاشرے کو اس دستور کے ذریعے ایک مہذب سماجی معاشرہ اور صحیح معنی میں مدینہ طیبہ بنا دیا، جہاں بنائے ہوئے قوانین کا خود بھی احترام کیا اور معاشرے کے دیگر طبقات سے بھی ان کا احترام کروایا۔ آپ ﷺ نے یہ بھی ثابت کیا کہ دینِ اسلام ایک کثیر الطبقات معاشرت قائم کرتا ہے، دیگر ادیان اور مذاہب کی ہرگز نفی نہیں کرتا اور ہر طبقہ ہائے زندگی اور ہر مذہب کو اپنی معاشرت کی ایک اکائی کے طور پر نہ صرف قبول کرتا ہے بلکہ انہیں

حفاظت کی ضمانت بھی دیتا ہے۔

چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ ہجرتِ مدینہ سے لے کر دستورِ مدینہ کی تشکیل تک، ارکانِ اسلام یا دیگر اوامر و نواہی کی حلّت و حرمت کے سلسلے میں تفصیلی احکام نازل نہیں کئے گئے بلکہ مدینہ کی معاشی، معاشرتی، سیاسی اور دفاعی حکمتِ عملی کے تعین کے بعد ہی حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جمع کر کے زمین خریدی اور مسجد نبوی کی بنیاد رکھی۔ وہ مسجدِ نبوی جو بعد ازاں اسلام کی پہلی یونیورسٹی، پہلی خانقاہ اور پہلی تربیت گاہ بنی۔ آپ ﷺ نے مواخات اور میثاق کے بعد اہلِ اسلام کی روحانی، تعلیمی اور تمام معاشرتی و تبلیغی زندگی کا مرکز بصورتِ مسجد قائم فرمایا۔

ہجرت کے پہلے سال میں کئے گئے ان تین اقدامات کے بعد دوسرے سال سے احکامات کا نزول شروع ہوا اور پھر مناکحات، معاملات، روزے، حج، زکوٰۃ، جہاد، سود اور شراب وغیرہ کے تفصیلی احکام بتدریج نازل ہوئے۔ چنانچہ جوں جوں اسلامی تمدن اختیار کرنے کے لیے میدان تیار کیا جاتا رہا، توں توں اسی ترتیب و مناسبت سے احکام اتارے جاتے رہے تاکہ احکام اُس وقت اُتریں جب اہلِ اسلام کے دل و دماغ کی زمین انہیں مکمل طور پر قبول کرنے کے لیے پہلے ہی تیار ہو چکی ہو۔

مذکورہ جملہ احکاماتِ اسلام میں کارفرما سنہری اصول 'تدریجِ احکام' اصل میں انسانی فطرت اور مزاج کے مطابق انسان کو شرعی احکامات کی جانب راغب کرتا ہے۔ ایک طرف اسلام انسانوں کے ساتھ اس قدر شفقت و رحمت سے پیش آتا ہے اور دوسری طرف افسوس! ہم نے اسلام کے اصل پہلوؤں کو سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی بلکہ دنیا کے سامنے اسلام کا وہ نقشہ رکھا ہے کہ لوگ اس کا نام سن کر ہی (معاذ اللہ) بھاگ جائیں۔ ایسے حلیے، زبان، قتل و غارت گری اور ایک دوسرے کو کافر بنانے کے لیے فتویٰ بازی دیکھ کر بھلا کون اسلام میں داخل ہو گا؟ بلکہ جو پہلے اسلام میں ہے وہ بھی اسلام سے بیزار ہو جائے گا۔ قتل و غارت گری، دہشت گردی اور خودکش دھماکوں کی شکل میں جو نقشہ ہم دے رہے ہیں یہ قطعاً اسلام نہیں ہے بلکہ یہ تو کفر سے بھی بدتر عمل ہو گا۔ یہ اسلام کا نقشہ نہیں ہے۔ اسلام کی تعلیمات وہی ہیں جو مدینہ طیبہ سے

www.MinhajBooks.com

پھوٹی تھیں اور جس پر صدیوں سے امتِ مسلمہ کے طبقات قائم چلے آئے ہیں۔ اسلام کی تعلیمات تو وہ تھیں جو جبر اور زبردستی کی بجائے تدریج کی حکمت اور رحمت بھرے عمل سے ہو کر گزری تھیں اور جو آج بھی اسلام کے دینِ رحمت و شفقت ہونے کو ثابت کرنے کے لیے عملاً کافی ہیں۔

۲۔ ثانوی اور ذیلی مصادرِ شریعت میں غلبۂ رحمت کا اِظہار ہے

قرآن مجید اور احادیثِ نبوی کی روشنی میں اسلامی احکام و قوانین کی دستور سازی (legislation) کے لیے بروئے کار لائے جانے والے تاسیسی اصول (foundational principles) ہی صرف امن، محبت، شفقت اور آسانی پر مبنی نہیں بلکہ اِن بنیادی اسلامی مصادر (یعنی کتاب، سنت، اجماع اور قیاس) کی روشنی میں قانون سازی ہو یا ثانوی اور ذیلی مصادر سے اخذِ احکام، تمام اساسی (بنیادی) اصول، اصلاً رحمت اور شفقت کے تصور پر استوار ہیں۔ ان کی بنیاد بھی انسانی استعداد اور اس کی کمزوریوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے اُسے سہولت اور رخصت دینے پر قائم ہے۔

اسلامی قوانین اور احکام و شرائع کا سارا ڈھانچہ (structure) ہی رحمت و شفقت اور سہولت پر مبنی ہے۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ صرف بنیادی مصادر ہی نہیں بلکہ ثانوی اور ذیلی ماخذِ شریعہ (جو خود بنیادی ماخذ کے تابع اور انہی سے اخذ شدہ ہیں) جیسے استحسان، استصلاح، مصالح مرسلہ، استصحاب اور عرف و عادت وغیرہ، یہ تمام بھی اِسی رحمت، شفقت، رخصت، آسانی، نرمی اور سہولت کے اصولوں پر قائم ہیں۔ آیئے! امن و رحمت اور سہولت و آسانی کے تناظر میں ان پر بھی اجمالاً ایک نظر ڈالتے ہیں:

(۱) اِستحسان/ اِستصلاح/ مصالح مرسلہ/ اِستصحاب

ان ثانوی اور ذیلی ماخذِ شریعہ میں سب سے اہم استحسان ہے۔ آج بھی اسلامی مملکت اور اسلامی دستور ساز ایوان (Islamic Parliament) کے لیے قانون سازی کے لیے واضح

رہنمائی استحسان سے میسر آتی ہے۔ خواہ استحسانِ قیاسی ہو یا استحسانِ ضرورت، دونوں صورتوں میں کسی بہتر دلیل کی بنیاد پر قابل عمل اور ضرورت کو پورا کرنے والے حکم کو اختیار (adopt) کیا جاتا ہے۔ آج کی دنیا میں مروجہ قانون سازی (legislation) کی جدید اصطلاحات میں اسے (law of aquity) یا (natural justice) کہتے ہیں۔ مذہبِ حنفی میں اسے 'استحسان' جب کہ مذہبِ شافعی میں اس کی تشکیل 'استصلاح' کی شکل میں کی گئی ہے۔

فنی اعتبار سے 'استحسان' اور 'استصلاح' کی تعریف تو بہرصورت تھوڑی بہت مختلف ہے مگر ان کا بنیادی تصور ایک ہی ہے کہ قرآن و سنت سے ثابت ہونے والے مختلف احکام اور دلائل کی بنیاد پر دو بظاہر ایک جیسے دستوری احتمالات میں سے کسی ایک کو، کسی قوی دلیل کی بنیاد پر اس لیے اختیار (adopt) کر لینا کہ یہ انسانی ضرورت کو زیادہ اور بہتر انداز میں پورا کرنے والا حکم ہے۔ گویا اس میں بھی بنیادی تصور سہولت، رحمت، نرمی اور آسانی کا کارفرما ہے کہ دونوں احکامات میں سے کس حکم پر عملدرآمد سے زیادہ آسانی وسہولت میسر آتی ہے۔

اسی طرح مذہب مالکی میں 'مصالح مرسلۃ' ہیں اور ان کا تصور بھی (law of acquity) جیسا ہے۔ اس میں بھی لوگوں کی بھلائی، مصلحت اور رفاہِ عامہ کا خیال رکھا جاتا ہے اور دیکھا جاتا ہے کہ معاشرے کو کس فتویٰ، کس دلیل یا کس فرع پر عمل کرنے سے سہولت ملتی ہے۔

الغرض دو ایسے احکام جن کے دلائل کتاب و سنت میں موجود ہوں، اُن میں سے کسی ایک کو زیادہ قوی دلائل کی بنیاد پر قانونی ترجیح دینے کو (juristic prefrence) فقہ حنفی میں 'استحسان'، مذہبِ شافعی میں 'استصلاح'، فقہ مالکی میں 'مصالح مرسلۃ' اور فقہ حنبلی میں 'استصحاب' کا نام دیا جاتا ہے۔ ان سب کی بنیاد معاشرے کی بھلائی، رخصت، مصلحت اور رفاہِ عامہ پر ہی قائم ہے۔

www.MinhajBooks.com

(۲) عرف و عادت

اسلامی قانون کا ایک ثانوی ماخذ 'عرف' و 'عادت' ہے۔ اس سے مراد علاقائی روایات اور رسوم (local traditions and customs) ہیں۔ یعنی اگر علاقائی رسوم و روایات قرآن وسنت کے خلاف نہ ہوں تو مصلحتِ عامہ کی روشنی میں انہیں بھی قبول کیا جاتا ہے۔ ظاہر ہے ان کے ساتھ لوگوں کی طبیعتیں مانوس ہوتی ہیں اور وہ ان پر اضافی بوجھ کا سبب نہیں بنتے۔

چنانچہ اگر اسلامی دستور سازی (Islamic legislation) اور اسلامی قانون سازی کے ڈھانچے (structure) میں کارفرما روح، اس کی تعمیری حیات (reconstructive spirit)، اُس کی مکرر تشریحی وتوضیحی صلاحیت (re-interpretative ability) اور اُس کی تنفیذی قوت (implementative power) کی ہر جہت کو دیکھیں تو یہ چیز واضح ہو جاتی ہے کہ اس کے ہر اصول میں سہولت، نرمی، آسانی اور رحمت وشفقت کا مزاج موجزن ہے۔

(۳) تغیر زمان سے تغیر اَحکام

زندگی متحرک ہے اور اس کے نتیجے میں مؤثراتِ زندگی (forces of life) بدلتے رہتے ہیں۔ قانون کی اصل غایت یہ ہے کہ زندگی کے تمام تقاضے ایسی خوش اسلوبی کے ساتھ تکمیل پذیر ہوتے رہیں کہ اس کی حرکت صحیح سمت میں بغیر کسی رکاوٹ کے جاری رہ سکے۔ قانون اسلامی کے جملہ احکام بالعموم دو حیثیتوں کے حامل ہوتے ہیں: ہیئتِ اَصلیہ اور ہیئتِ کذائیہ۔ ہیئتِ اَصلیہ حیاتِ اِنسانی کے تحرک اور ارتقاء کی ضمانت مہیا کرتی ہے جب کہ ہیئتِ کذائیہ کا مقصد اس میں نظم وضبط اور انقیاد پیدا کرنا ہے۔

جب مؤثرات کے بدلنے سے حیات انسانی کے احوال و ظروف اور حالات و واقعات میں تغیر رونما ہو جائے تو قانون کی اصل غایت کو برقرار رکھنے کے لیے ضروری ہو جاتا ہے کہ اس کی ہیئت کذائی کا اَز سرِ نو جائزہ لیا جائے تا کہ نظم وضبط کا پہلو زندگی کے تحرک و اِرتقاء کے کسی پہلو سے متصادم نہ ہونے پائے کیونکہ ان کے باہمی تضاد اور تناقض سے نہ صرف انسانی

زندگی کا تحرک جمود میں بدل جاتا ہے بلکہ مطلوبہ ضبط و اِنقیاد کا حصول بھی ناممکن ہو جاتا ہے اور یہ صورت حال اسلام کے اجتماعی نصب العین کے منافی ہے۔ اس فقہی قاعدہ سے بھی غلبۂ رحمت کا اِظہار ہوتا ہے کہ جیسے جیسے حالات و واقعات میں تغیرات رُونما ہوتے ہیں، اس کے ساتھ ساتھ قوانین میں بھی تغیرات وقوع پذیر ہوں تاکہ مخلوق کے لیے آسانی و راحت کا پہلو برقرار رہے اور انہیں کوئی تنگی نہ ہو۔

۳۔ اسلامی قوانین کا فلسفۂ یُسر (سنتِ مصطفیٰ ﷺ کی روشنی میں)

دین اسلام کے اساسی اصول وقوانین میں کارفرما محبت و شفقت اور آسانی و رعایت دینے کے فلسفہ کو قرآن مجید کی متعدد آیات سے جاننے کے بعد آیئے اب سنتِ مصطفیٰ ﷺ کی روشنی میں اسلامی قوانین کے فلسفۂ یُسر کا مطالعہ کرتے ہیں۔

اگر اللہ رب العزت کی ذاتِ مبارکہ رحمٰن و رحیم ہے تو اس نے اپنی رحمانیت و رحیمیت کا حقیقی مظہر و پرتو ذاتِ مصطفیٰ ﷺ کو بنایا ہے۔ اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ ﷺ کی طبیعت میں موجود اس محبت و شفقت کو اس طرح ذکر فرمایا:

وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيْظَ الْقَلْبِ لَانْفَضُّوْا مِنْ حَوْلِكَ.(۱)

اور اگر آپ تُندخُو (اور) سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے گرد سے چھٹ کر بھاگ جاتے۔

یعنی یہ لوگ جو پیکرِ تہذیب و اخلاق ﷺ کی طرف دیوانہ وار چلے آ رہے ہیں، ہر دم آپ ﷺ کی مجلس میں کثرت سے کشاں کشاں دوڑے آتے ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہاں آ کر انہیں نرمی، پیار اور مسکراہٹ ملتی ہے جس سے ان کے دکھوں کا ازالہ ہو جاتا ہے اور یہ اپنے تمام مصائب و آلام بھول جاتے ہیں۔

یوں تو حضور نبی اکرم ﷺ کی صفات اور احوال و کمالات کے بے شمار گوشے ہیں جو

(۱) آل عمران، ۳: ۱۵۹

آپ ﷺ کے ننانوے (99) اسماء سے ظاہر ہیں مگر ان سب میں سے صرف آپ ﷺ کی شانِ رحمت ہی ایسی ہے، جسے اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کا نام لے کر فرمایا کہ آپ ﷺ رحمت کے علاوہ کچھ اور بن کر نہیں آئے۔ بے شک آپ پیغمبر بھی ہیں، مطاعِ مطلق بھی ہیں، ناصح بھی ہیں، محمد ﷺ بھی ہیں اور محمود بھی ہیں مگر صرف آپ ﷺ کی صفتِ رحمت ہی کو اس طرح بیان فرمایا گیا:

وَمَا اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعَالَمِیْنَo[1]

اور (اے رسولِ محتشم!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کرo

آپ ﷺ کا باعثِ رحمت ہونا صرف مسلمانوں کے لیے ہی نہیں بلکہ تمام عوالم کے لیے ہے۔جس طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے فرمایا کہ میں صرف ربُّ المومنین یا ربُّ المسلمین یا ربُّ العالم نہیں ہوں بلکہ میں ربُّ العالمین ہوں، صرف ربِ انس و جن نہیں ہوں بلکہ سارے جہانوں کا رب ہوں۔ اسی طرح اپنے محبوب ﷺ کے لیے فرمایا کہ یہ بھی سارے جہانوں کے لیے رحمت ہیں۔ گویا ہر جہان کو اور ہر جہان کی ہر ہر مخلوق کو حضور نبی اکرم ﷺ کے در سے صرف رحمت ہی ملتی ہے، وحشت و خوف یا زحمت نہیں ملتی کیوں کہ آپ ﷺ کو سراپائے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔

اسی مضمون کی مزید وضاحت یوں فرمائی گئی ہے:

لَقَدْ جَآءَ كُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌo[2]

بے شک تمہارے پاس تم میں سے (ایک باعظمت) رسول (ﷺ) تشریف لائے۔

(۱) الأنبیاء، ۲۱: ۱۰۷

(۲) التوبة، ۹: ۱۲۸

تمہارا تکلیف و مشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں (گزرتا) ہے۔ (اے لوگو!) وہ تمہارے لیے (بھلائی اور ہدایت کے) بڑے طالب و آرزومند رہتے ہیں (اور) مومنوں کے لیے نہایت (ہی) شفیق بے حد رحم فرمانے والے ہیںo

آپ ﷺ کے سراپا رحمت ہونے کا عالم یہ ہے کہ اگر کسی بھی انسان کو کوئی معمولی سی بھی تکلیف اور اذیت ہوتی ہے یا کوئی ہلکی سی مشقت بھی آتی ہے تو اس کا دکھ، درد اور اثر یہ رسول ﷺ اپنی جان پر محسوس کرتے ہیں۔ انسانوں کی جانوں، احساسات اور احوالِ حیات کی بہتری کے لیے اس قدر کوشاں ہیں کہ وہ ان کے لیے ہر بہتری اور خیر کے طلب گار رہتے ہیں اور ہماری جانوں سے بھی زیادہ ہمارے لیے فکر مند رہتے ہیں۔ ان کی یہ عنایت و کرم ہر مومن و کافر کے لیے ہے مگر مومنین کے لیے وہ بطورِ خاص سراپا رؤف و رحیم ہیں اس لیے کہ اسی نبی ﷺ کی شفقت و رحمت تمہاری اپنی جانوں سے بھی زیادہ تمہارے قریب ہے۔

انسان اور اس کی جان کے مابین کوئی معمولی سا بھی فرق نہیں۔ انسان اور اس کی جان دونوں لازم و ملزوم ہیں۔ جان جسم کے اتنے قریب ہے کہ جسم میں جان نہ رہے تو اسے جسم ہی نہیں کہتے بلکہ میت کہتے ہیں۔ روح کے پرواز کرتے ہی اس کے سارے نام اور سارے عنوان بدل جاتے ہیں، اب وہ کسی کا باپ، بھائی، بیٹا نہیں میت کے نام سے جانا جاتا ہے یعنی اب وہ صرف میت ہے۔ مراد یہ کہ انسان کے جسم میں اس کی جان کی اتنی اہمیت ہے کہ جان اور جسم میں فرق تک نہیں کیا جا سکتا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی شان پر قربان کہ ان کے لیے اللہ رب العزت نے فرمایا:

اَلنَّبِیُّ اَوۡلٰی بِالۡمُؤۡمِنِیۡنَ مِنۡ اَنۡفُسِهِمۡ.(۱)

یہ نبی (مکرّم ﷺ) مومنوں کے ساتھ اُن کی جانوں سے زیادہ قریب اور حقدار ہیں۔

یعنی تمہاری جانیں تم سے دور ہیں مگر یہ رسول تمہاری جانوں سے بھی بڑھ کر تمہارے قریب ہیں۔ تم جہاں کہیں بھی ہو، تمہاری جان کو تمہاری تکلیف کا احساس بعد میں ہوتا ہے، گنبدِ

(۱) الأحزاب، ۳۳: ۶

خضریٰ میں مسند نشین اس نبی ﷺ کو پہلے ہی ہو جاتا ہے کیونکہ یہ تمہاری جانوں کے قریب تر ہیں۔ ان کا احساس، محبت، شفقت، شفاعت، توسل، نبوت، رسالت اور توجہ تمہاری جانوں کے قریب تر ہے۔ یوں تاجدارِ کائنات ﷺ کی اس حد تک امت کے ساتھ قربت کے سبب امت کے لیے آپ ﷺ کی ذات مبارکہ پردہ غیب میں نہیں ہے بلکہ ہمہ وقت حاظر و ناظر ہے، اب دوری نہیں رہی بلکہ قرب ہی قرب ہے۔

ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاں بھی سراسر غلبۂ رحمت ہے، اس کے رسول ﷺ کے ہاں بھی سراسر رحمت ہی رحمت ہے اور دینِ اسلام بھی سراسر مبنی بر رحمت ہے۔ چنانچہ جب شفقت، رحمت، محبت اور آسانی کی یہ صورتِ حال ہو تو اسلام کی تعلیمات اور احکامِ شریعت میں کسی قسم کے جبر، بربریت، دہشت اور سختی کی گنجائش بالکل نہیں رہتی۔

ذیل میں حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مطہرہ کے چند اُن مظاہر کا ذکر کیا جا رہا ہے جن سے اسلامی قوانین میں کارفرما اصولِ یُسر مزید نکھر کر سامنے آتا ہے:

(۱) حضور ﷺ انسانیت کو آسانیاں اور سہولتیں عطا کرنے والے نبی ہیں

ذاتِ مصطفیٰ ﷺ میں موجود بے پایاں محبت و رحمت ہی کی وجہ سے آپ ﷺ نہ صرف مسلمانوں بلکہ انسانیت کو آسانیاں عطا فرمانے والے ہیں۔ آپ ﷺ کی اِس شان کا اظہار اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں اس طرح فرمایا:

اَلَّذِيْنَ يَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِيَّ الْاُمِّيَّ الَّذِيْ يَجِدُوْنَهٗ مَكْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِي التَّوْرٰةِ وَالْاِنْجِيْلِ يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَيُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَيُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَيَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِيْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ ؕ فَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِيْٓ

اُنْزِلَ مَعَهٗٓ لا اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَo[1]

(یہ وہ لوگ ہیں) جو اس رسول (ﷺ) کی پیروی کرتے ہیں جو امی (لقب) نبی ہیں (یعنی دنیا میں کسی شخص سے پڑھے بغیر منجانب اللہ لوگوں کو اخبارِ غیب اورمعاش و معاد کے علوم و معارف بتاتے ہیں) جن (کے اوصاف و کمالات) کو وہ لوگ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا ہوا پاتے ہیں، جو انہیں اچھی باتوں کا حکم دیتے ہیں اور بری باتوں سے منع فرماتے ہیں اور ان کے لیے پاکیزہ چیزوں کو حلال کرتے ہیں اور ان پر پلید چیزوں کو حرام کرتے ہیں اور اُن سے اُن کے بارِگراں اور طوقِ (قیود) - جو اُن پر (نافرمانیوں کے باعث مسلّط) تھے - ساقط فرماتے (اور انہیں نعمتِ آزادی سے بہرہ یاب کرتے) ہیں۔ پس جو لوگ اس (برگزیدہ رسول ﷺ) پر ایمان لائیں گے اور ان کی تعظیم و توقیر کریں گے اور ان (کے دین) کی مدد و نصرت کریں گے اور اس نور (قرآن) کی پیروی کریں گے جو ان کے ساتھ اتارا گیا ہے، وہی لوگ ہی فلاح پانے والے ہیںo

اس آیت مبارکہ میں اللہ تعالیٰ نے درج ذیل امور کی طرف اشارہ فرمایا:

۱۔ اللہ رب العزت نے حضور نبی اکرم ﷺ کو آسانیاں عطا کرنے والا نبی بنا کر بھیجے جانے کا اعلان فرمایا ہے۔

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ کو اور آپ کی تعلیمات کو سراپا رحمت و شفقت قرار دیا گیا اور فرمایا کہ حضور نبی اکرم ﷺ بطور نبی و رسول جو فرائض ادا فرما رہے ہیں اُن میں نیکی کا حکم دینا بھی ہے، برائی سے منع کرنا بھی ہے، پاکیزہ چیزوں کو امت کے لیے حلال کرنا بھی ہے اور ناپاک چیزوں کو حرام کر دینا بھی ہے۔

۳۔ سابقہ امتوں نے اپنے ہی وضع کردہ کچھ قوانین از خود اپنے اوپر نافذ کر رکھے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے ان قوانین کو بوجھ (اِصْرٌ) اور زنجیر (اَغْلٰلَ) کی دو اصطلاحات کے

(۱) الأعراف، ۷: ۱۵۷

ساتھ بیان کیا ہے جن میں وہ قومیں دبی اور جکڑی ہوئی تھیں۔ گویا یہ قوانین ان پر مشقت اور **تَكلِيفُ مَا لَا يُطَاقُ** (طاقت سے بڑھ کر تکلیف) تھی جسے اللہ رب العزت نے اس آیت میں حضور نبی اکرم ﷺ کے ذریعے دور کرنے کا ذکر فرمایا۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی ان مذکورہ ذمہ داریوں کو بیان کر کے فرمایا کہ آپ ﷺ انسانیت کے سارے بوجھ اتارتے اور ان مشقت بھرے احکام وقوانین کی زنجیروں کو توڑتے ہیں تاکہ انہیں غیر ضروری مشقتوں اور تکلیفوں سے آزادی ملے اور یہ اپنی زندگی بسہولت بسر کرنے کے قابل ہوں۔ گویا اس آیت کریمہ میں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کو **مُیَسِّرُ** قرار دیا گیا۔ سابقہ امتوں کے قانون سختی پر مبنی تھے یا انہوں نے خود انہیں سختی اور تنگی میں بدل لیا تھا، حضور نبی اکرم ﷺ انہیں اس بوجھ سے نجات اور ان زنجیروں سے آزادی دلانے والے **مُیَسِّرُ** بن کر آئے۔ ظاہر ہے کہ کسی کو سہولت فراہم کرنا بذاتِ خود تقاضائے رحمت ہے کیوں کہ اگر طبیعت میں شفقت و رحمت نہ ہو بلکہ اس کی جگہ روکھا پن، سختی اور انتہا پسندی ہو تو انسان ایک دوسرے کو آسانی اور سہولت فراہم نہیں کر سکتا۔

جس طرح اس آیت سے حضور نبی اکرم ﷺ کی رحمت و شفقت اور آپ کا **مُیَسِّرُ** ہونا ثابت ہے، اسی طرح احادیث میں بھی آپ ﷺ کا پیکر شفقت و رحمت ہونے کا واضح تذکرہ ملتا ہے۔ آیئے اس ضمن میں چند احادیث مبارکہ کا مطالعہ کرتے ہیں:

۱۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ لَمْ يَبْعَثْنِي مُعَنِّتًا وَلَا مُتَعَنِّتًا وَلَكِنْ بَعَثَنِي مُعَلِّمًا مُيَسِّرًا. (۱)

اللہ تعالیٰ نے مجھے دشواری اور سختی کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ مجھے آسانی کے ساتھ تعلیم دینے والا بنا کر بھیجا ہے۔

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الطلاق، باب بَيَانِ أَنَّ تَخْيِيرَ امْرَأَتِهِ لَا يَكُونُ طَلَاقًا إِلَّا بِالنِّيَّةِ، ۲: ۱۱۰۴، رقم: ۱۴۷۸
۲۔ مقدسی، الآداب الشرعیة، ۲: ۸۲

۲۔ حضرت ابو برزہ اسلمی رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ چھے، سات یا اس سے زیادہ غزوات میں شرکت کی اور ان غزوات کے دوران آپ ﷺ کی صحبت، مجلس اور رفاقت میں بہت زیادہ وقت گزارا۔ اس تمام عرصہ میں ایک ہی چیز میں نے دیکھی :

شَهِدْتُ تَيْسِيرَه.(۱)

میں نے آپ ﷺ کو آسانی پیدا کرنے والا ہی پایا۔

آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا ہر لمحہ، ہر عمل اور ہر حکم صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے آسانی مہیا کرنے کی فکر میں گزرتا اور آسانی کی طرف ہی مائل ہوتا۔ آپ ﷺ کے طرزِ عمل اور طرزِ فکر میں مقدم چیز تسہیل ہوتی کہ ان کی طرف سے امت کو سہولت اور آسانی کس طرح فراہم ہو۔

امت پر تھوڑی سی بھی مشقت، تنگی اور دکھ آئے تو یہ امر حضور نبی اکرم ﷺ کو بے چین کر دیتا ہے اور آپ ﷺ کی طبیعتِ مبارکہ پر یہ گراں گزرتا ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ اپنی امت کے لیے بھلائی اور سہولت کے لیے کوشاں رہتے۔ یہ طرزِ عمل آپ ﷺ کے مُیَسِّرُ اور امت کے لیے رؤوف و رحیم ہونے کا عکاس ہے۔

(۲) حضور ﷺ ہمیشہ نرمی اور آسانی کو پسند فرماتے تھے

۱۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے:

كَانَ النَبِيُّ ﷺ يُحِبُّ مَا يُخَفِّفُ عَنْهُم.(۲)

(۱) بخاری، الصحيح، كتاب الجمعة، باب إذا انفلتت الدابة فی الصلاة وقال قتادة إن أخذ ثوبه يتبع السارق ويدع الصلاة، ۱: ۴۰۵، رقم: ۱۱۵۳

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب مواقيت الصلاة، باب ما يصلی بعد العصر من الفوائت ونحوها، ۱: ۲۱۳، رقم: ۵۶۵

۲۔ بيهقی، السنن الكبری، ۲: ۴۵۸، رقم: ۴۱۹۴

حضور نبی اکرم ﷺ ہمیشہ اِس بات کو پسند کرتے کہ صحابہ کرام کے لیے ایسے عمل کو شرفِ قبولیت بخشیں جو ان کے لیے نرمی (تخفیف) اور آسانی کا موجب ہو۔

۲۔ اسی تناظر میں اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی روایت کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا ایک بڑا خاص پہلو یہ تھا کہ

مَا خُيِّرَ رَسُولُ اللهِ ﷺ بَيْنَ أَمْرَيْنِ إِلَّا أَخَذَ أَيْسَرَهُمَا مَا لَمْ يَكُنْ إِثْمًا.(۱)

جب بھی رسول اللہ ﷺ کو دو کاموں میں سے ایک کو اختیار کرنے کی اجازت ملی تو آپ ﷺ نے ان میں آسان کو اختیار فرمایا بشرطیکہ اس میں گناہ نہ ہو۔

حضور نبی اکرم ﷺ آسان عمل کو اس لیے اختیار فرماتے تاکہ اس عمل کے ترک ہو جانے کا خدشہ نہ ہو اور امتی اس عمل پر دوام سے گامزن رہ سکیں، کیونکہ اگر عمل مشکل ہو گا تو اسے انجام دینے والے کا تسلسل تھوڑے وقت کے بعد ٹوٹ جائے گا۔ لہٰذا دائمی سنت بنانے کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ کی خواہش ہوتی کہ وہ دو امور میں سے ہمیشہ آسان کو منتخب فرماتے۔ امت کی آسانی اور بھلائی کے لیے آپ ﷺ کا یہ طرزِ عمل آپ ﷺ کے منبعِ رحمت و محبت ہونے کی دلیل ہے۔

دین کے آسان ہونے کا یہ تصور آج کا نہیں بلکہ آج سے ۱۴ سو سال قبل کا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ امت کو آسانی، رحمت اور شفقت کی تعلیم دے رہے ہیں۔ آج ایک طرف تنگ ذہن، محدود مطالعہ اور سطحی شعور کے حامل بعض علماء ان باتوں کو سننے کے روادار نہیں اور

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب المناقب، باب صفة النبي ﷺ، ۳: ۱۳۰۶، رقم: ۳۳۶۷

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الفضائل، باب مباعدته ﷺ للآثام واختياره من المباح أسهله وانتقامه لله عند انتهاك حرماته، ۴: ۱۸۱۳، رقم: ۲۳۲۷

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۲۶۲، رقم: ۲۶۳۰۵

دوسری طرف غیر مسلم اور اہلِ اسلام دونوں کی جدید نسلوں میں سیکولر ذہن رکھنے والے بھی یہ سوچتے اور سمجھتے ہیں کہ شاید اسلام میں واقعتاً، آسانی، شفقت اور نرمی کا کوئی تصور نہیں۔ ان تینوں طبقات کی یہ سوچیں لاعلمی، بے خبری اور تعصب سے جنم لیتی ہیں۔ اہلِ علم اور اہلِ شعور جانتے ہیں کہ امام بخاری، امام مسلم یا دیگر ائمہ حدیث آج کے دور، اس صدی میں یا یورپ میں پیدا نہیں ہوئے بلکہ یہ آج سے بارہ سو سال پہلے کے ائمۂ حدیث ہیں جنہوں نے اپنی اپنی کتب میں احادیثِ نبوی کو جمع کیا اور اسلام کے دینِ یُسر ہونے پر باقاعدہ ابواب قائم کئے۔

یاد رکھیں کہ کسی امامِ حدیث نے اپنی کسی کتاب میں ایسا باب نہیں باندھا جو ان الفاظ پر مبنی ہو کہ اسلام سختی یا جبر کا نام ہے حالانکہ وہ دور تھا جب اسلام علمی طور پر بھی غالب تھا اور اپنی وسعت و قوت کے اعتبار سے بھی ایک عالمگیر طاقت بن رہا تھا۔ اس دور میں امام بخاری کا **الدین الیُسر** ’دین سراسر آسانی اور سہولت کا نام ہے‘ کے عنوان سے باب قائم کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ آج کے حالات کو مدِّ نظر رکھتے ہوئے اہلِ اسلام آسانی و رحمت کی تعلیمات کو اپنے سے ہی بیان نہیں کر رہے بلکہ یہ تمام باتیں ائمہ حدیث نے ۱۲۰۰ سال قبل اپنی کتب میں جمع کر دی تھیں۔

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ الدِّينَ يُسْرٌ، وَلَنْ يُشَادَّ الدِّينَ أَحَدٌ إِلَّا غَلَبَهُ. (۱)

بے شک دین آسان ہے اور جو اسے مشکل بنائے گا تو یہ اس پر غالب آ جائے گا۔

یعنی سختی اور انتہا پسندی کو اپنانے والے کو دینِ اسلام نے کبھی برداشت نہیں کیا۔ جس

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الایمان، باب الدین یسر، وقول النبی ﷺ: **أَحَبُّ الدِّينِ إِلَى اللهِ الْحَنِيفِيَّةُ السَّمْحَةُ**، ۱: ۲۳، رقم: ۳۹
۲۔ نسائی، السنن، کتاب الایمان وشرائعہ، باب الدین یسر، ۸: ۱۲۱–۱۲۲، رقم: ۵۰۳۴
۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۲: ۶۳، رقم: ۳۵۱

شخص نے بھی اپنے لیے یا دوسروں کو دعوت دینے کے لیے دین کے معاملے میں شدت پر مبنی رویہ اختیار کیا تو دین نے اس کو دبا دیا اور اُسے کبھی قبول نہیں کیا کیونکہ دین شدت کے خلاف اور سہولت و رحمت کے حق میں ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے آج سے چودہ صدیاں قبل پہلے دہشت گردی اور شدت پسندی کی بیخ کنی کے لیے یہ سنہری اصول عطا فرمایا اور یہ وہ دور تھا جب مغرب تہذیب و شائستگی سے تاریک دور (dark ages) میں زندہ تھا۔ دہشت گردی کے رد پر مبنی یہ وہ تصور ہے جو کسی جدید جمہوریت نے نہیں دیا بلکہ حضور نبی اکرم ﷺ نے خود چودہ سو سال پہلے شدت پسندی کی مذمت کرتے ہوئے انسانیت کو عطا فرمایا۔ دینِ اسلام نے شدت پسندی کو کبھی فروغ نہیں دیا بلکہ اسے ہمیشہ رد کیا ہے۔

غور کریں! صحیح معنوں میں اسلام سے زیادہ جدید اور معتدل نظامِ حیات اور کون سا ہوسکتا ہے؟ نوجوان نسل کو چاہیے کہ خدا را دینِ اسلام کو گہرائی سے پڑھیں اور اسے پڑھے بغیر دوسروں کے کہنے پر پہلے ہی یہ فیصلہ نہ کر لیا کریں کہ اسلام میں انسانی حقوق اور انسانی اقدار کے تصورات عالمِ مغرب سے مستعار لیے ہوئے ہیں۔ نہیں! ایسا ہرگز نہیں ہے بلکہ عالمِ مغرب تو اس وقت اندھیروں میں تھا اور ابھی امریکہ بھی دریافت نہیں ہوا تھا، جب مدینہ کی زمین پر طلوع ہونے والے آفتابِ ہدایت اور تاجدارِ کائنات ﷺ سرزمینِ مدینہ پر بیٹھ کر پوری کائناتِ انسانی کو شدت پسندی کی مذمت کی تعلیم دے رہے تھے۔

سوال کیا جاسکتا ہے کہ اس وقت شدت پسندی کو رد کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ کیا دورِ جاہلیت میں بھی شدت پسندی تھی؟ اس کا جواب ہاں میں ہے کیونکہ کفر ہمیشہ سے شدت پسند رہا ہے اور اسلام ہمیشہ سے رحمت پسند رہا ہے۔ اس لیے شدت پسندی کی مذمت کی اُس وقت بھی ضرورت تھی اور آج بھی ضرورت ہے۔ ہر دور میں شدت پسندی کے روپ بدلتے رہے ہیں اور ہر دور میں یہ ایک فلسفۂ حیات کے طور پر موجود رہا ہے۔ اس کے مقابلے میں ہر دور میں نرمی اور اعتدال بھی ایک فلسفۂ حیات رہا ہے۔ اسلام ہمیشہ نرمی اور میانہ روی پر رہا ہے

جبکہ اس کے برعکس کفر ہمیشہ سختی، شدت اور تشدد کا پرستار رہا ہے۔

۴۔ اسلام کے نرمی، آسانی اور سہولت کا دین ہونے کی ایک روشن دلیل حضرت ابو قتادہ ﷺ سے مروی حضور نبی اکرم ﷺ کے اس فرمانِ مبارک سے بھی میسر آتی ہے:

إِنَّ خَيْرَ دِيْنِكُمْ أَيْسَرُهُ، إِنَّ خَيْرَ دِيْنِكُمْ أَيْسَرُهُ. (۱)

تمہارا بہترین دین وہ ہے جو آسانی پر مبنی ہو، تمہارا بہترین دین وہ ہے جو آسانی پر مبنی ہو۔

یعنی دین کی بہترین صورت وہ ہے جو نرمی، آسانی، لطف و کرم اور رحمت و شفقت پر مبنی ہو چنانچہ جس کی بنیاد آسانی اور سہولت پر ہو سمجھو وہ سب سے اعلیٰ اور ارفع دین ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی بات کو دہرا کر یہ واضح فرما دیا کہ اگر کوئی شخص دین میں شدت پسندی کا راستہ اختیار کرتا ہے تو یہ مت سمجھو کہ یہ اصلِ دین ہے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اسلام صرف نرمی اور آسانی کا دین ہے جبکہ شدت پسندی پر مبنی تصورات اسلام کا نہیں بلکہ کفر اور سرکشی کا امتیاز ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے انسانیت کو عطا کئے جانے والے اپنے دین کی تعریف خود فرما دی کہ دین کا بہترین تصور نرمی، شفقت اور سہولت سے عبارت ہے۔

۵۔ حضرت عروہ ﷺ روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام ﷺ نے حضور نبی اکرم ﷺ سے کسی حوالے سے سوال کیا:

أَعَلَيْنَا حَرَجٌ؟

کیا کہیں اس (خاص شے یا عمل) میں ہمارے لیے کوئی حرج ہے؟

جواب میں آپ ﷺ نے تین مرتبہ ارشاد فرمایا:

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۴۷۹، رقم: ۱۵۹۷۸

۲۔ ابن أبي شيبة، المسند، ۲: ۹۹، رقم: ۵۹۶

www.MinhajBooks.com

لَا، أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ دِينَ اللهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي يُسْرٍ.(۱)

نہیں، اے لوگو! بے شک اللہ کا دین آسانی میں ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا تین مرتبہ بیان فرمانا اس بات پر مہرِ تصدیق ثبت کرتا ہے کہ بے شک اللہ کا دین آسانی، سہولت، نرمی اور شفقت میں ہے۔ اس لیے جن لوگوں کے مزاج اور طرزِ عمل میں شدت دیکھیں انہیں رد کر دیں کیونکہ دین تو نرمی کے طرزِ عمل ہی میں ہے۔

(۳) اسلام دینِ اعتدال ہے

جہاد کی غلط تعبیرات کے ذریعے شدت پسند بن جانے والے حضور نبی اکرم ﷺ کی زبانِ مبارک ہی سے سمجھیں کہ دینِ اسلام کیا ہے؟

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِيَّاكُمْ وَالْغُلُوَّ فِي الدِّيْنِ. إِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِالْغُلُوِّ فِي الدِّيْنِ.(۲)

دین میں غلو یعنی (شدت پسندی اور انتہا پسندی) سے پرہیز کرو۔ تم سے پہلے قومیں دین میں غلو و زیادتی (شدت پسندی و انتہا پسندی) کے سبب ہلاک ہوئیں۔

دین میں ہر قسم کی انتہا پسندی، شدت پسندی اور مبالغہ پسندی کی راہ غلط ہے، اسے چھوڑ دینے میں ہی عافیت ہے، کیونکہ یہ اصلِ دین نہیں ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے مبالغہ پسندی کو رد کر کے اعتدال (moderation) کی تعلیم دی کہ میری امت شدت پسندی کو رد کر کے ہر حال میں اعتدال اور نرمی کو اختیار کرے۔

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۶۹، رقم: ۲۰۶۸۸
۲۔ أبو يعلى، المسند، ۱۲: ۲۷۴، رقم: ۶۸۶۳

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۲۱۵، رقم: ۱۸۵۱
۲۔ أبو يعلى، المسند، ۴: ۳۵۷، رقم: ۲۴۷۲
۳۔ ابن خزيمة، الصحيح، ۴: ۲۷۴، رقم: ۲۸۶۷

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

قِيلَ لِرَسُولِ اللهِ ﷺ: أَيُّ الْأَدْيَانِ أَحَبُّ إِلَى اللهِ؟ قَالَ: الْحَنِيفِيَّةُ السَّمْحَةُ. (۱)

رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا گیا: تمام ادیان میں سے کون سا دین اللہ کو محبوب ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: (اللہ کو سب سے محبوب اور پسندیدہ دین وہ ہے) جو سب سے زیادہ آسان، مبنی بر سہولت اور نرم ہے۔

۳۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنِّي أُرْسِلْتُ بِحَنِيفِيَّةٍ سَمْحَةٍ. (۲)

میں دنیا میں آسان ترین دین (دینِ حنیف) لے کر مبعوث ہوا ہوں۔

اسلام کے آسان ترین دین ہونے اور شدت پسندی سے پاک ہونے کی ایک مثال مدینہ طیبہ میں عید کے دِنوں میں پیش آنے والا واقعہ بھی ہے جسے بہت سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے روایت کیا۔ ہر سال عید کے دن حبشی صحابہ آیا کرتے اور حضور نبی اکرم ﷺ کے درِ دولت کے سامنے خاص فوجی انداز میں عسکری رقص کرتے تھے۔ (محدّثین نے اپنی کتابوں میں اس واقعہ پر مختلف عنوانات سے ابواب قائم کئے ہیں۔ مسند امام احمد بن حنبل اور طبرانی میں رقص کے الفاظ کے ساتھ باب قائم ہوئے ہیں، کہیں يَزْفِنُوْنَ اور کہیں يَرْقُصُوْنَ بھی آیا ہے۔) اس موقع پر جب وہ حبشی صحابہ عسکری رقص کر رہے تھے تو آپ ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا کہ کیا تم پردہ کے پیچھے سے حبشہ کے لوگوں کا یہ ذوقِ جہاد اور جنگی تربیت سے مملو رقص دیکھنا

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۲۳۶، رقم: ۲۱۰۷
۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۱: ۲۲۷، رقم: ۱۱۵۷۲

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۱۶، ۲۳۳، رقم: ۲۴۸۹۹، ۲۶۰۰۴
۲۔ ابن رجب حنبلي، جامع العلوم والحكم، ۱: ۳۰۹
۳۔ مقدسي، الآداب الشرعية، ۳: ۳۸۰

چاہو گی؟ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا: جی ہاں یا رسول اللہ! دیکھنا چاہتی ہوں؟ اس پر آپ ﷺ خود سامنے ہو گئے اور فرمایا: میری پشت کے پیچھے چھپ کر میرے کندھے پر منہ رکھ کر دیکھتی رہو۔ یوں وہ عسکری رقص حضور نبی اکرم ﷺ نے گھر کے پردے کے پیچھے سے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو خود دکھایا۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ نے کچھ دیر دکھانے کے بعد مجھ سے پوچھا: اتنا کافی ہے یا اور دیکھنا چاہتی ہو؟ اس پر اگر میں نے کہا کہ حضور اور دیکھنا چاہتی ہوں تو اور دکھایا اور اگر کہا کہ کافی ہے تو پھر واپس ہٹے۔[1]

معلوم ہوا کہ دینِ اسلام نے دنیوی اور اخروی دونوں امور کے تمام معاملات اور احکامات وعبادات میں ایک ہی اصول 'یُسر' کو قائم رکھا ہے۔

۴۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

دَعُوْنِي مَا تَرَكْتُكُمْ، فَإِنَّمَا هَلَکَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِسُؤَالِهِمْ وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى أَنْبِيَائِهِمْ، فَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَاجْتَنِبُوْهُ، وَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِأَمْرٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ.[2]

تم مجھے اس وقت تک (خاموش) رہنے دو جب تک میں تمہیں (حکم دینا) چھوڑے

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب صلاة العیدین، باب الرخصة فی اللعب الذي لا معصية فيه في أيام العيد، ۲: ۶۰۹، رقم: ۸۹۲
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۸۶، رقم: ۲۵۵۷۵
۳۔ أبو عوانة، المسند، ۲: ۱۵۸، رقم: ۲۶۵۷

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب الاقتداء بسنن رسول الله ﷺ، ۶: ۲۶۵۸، رقم: ۶۸۵۸
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۱۳، رقم: ۸۱۲۹
۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۱: ۲۰۰، رقم: ۲۱،
۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۵: ۴۶۵، رقم: ۲۱۰۵
۵۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۳: ۱۳۵، رقم: ۲۷۱۵۔

رہوں، کیوں کہ تم سے پہلے لوگ زیادہ سوال کرنے اور اپنے انبیاء علیہم السلام سے اختلاف کرنے کے باعث ہی ہلاک ہوئے۔ لہٰذا جب میں تمہیں کسی بات سے روکوں تو اس سے اجتناب کیا کرو اور جب میں تمہیں کوئی کام کرنے کا حکم دوں تو حسبِ استطاعت اس کی تعمیل کیا کرو۔

۵۔ یہی مفہوم ایک اور روایت میں یوں بیان ہوا ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ رضي الله عنه، قَالَ: خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم فَقَالَ: أَيُّهَا النَّاسُ، قَدْ فَرَضَ اللهُ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ فَحُجُّوْا. فَقَالَ رَجُلٌ: أَكُلَّ عَامٍ يَا رَسُوْلَ اللهِ؟ فَسَكَتَ حَتّٰى قَالَهَا ثَـلَاثًا. فَقَالَ رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وآله وسلم: لَوْ قُلْتُ: نَعَمْ، لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ. ثُمَّ قَالَ: ذَرُوْنِي مَا تَرَكْتُكُمْ، فَإِنَّمَا هَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ وَاخْتِـلَافِهِمْ عَلٰى أَنْبِيَائِهِمْ، فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيءٍ فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ، وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيءٍ فَدَعُوْهُ. (1)

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ہمیں خطبہ دیا اور فرمایا: اے لوگو! اللہ (ربّ العزت) نے تم پر حج فرض کر دیا ہے پس تم حج ادا کرو۔ ایک شخص نے عرض کیا: یا رسول اللہ! کیا ہر سال (حج فرض) ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم خاموش رہے یہاں تک کہ تین مرتبہ اس نے یہی سوال کیا۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: اگر میں ہاں کہہ دیتا تو (تم پر ہر سال حج) فرض ہو جاتا اور پھر تم اس کی طاقت نہ

(1) ١۔ مسلم، الصحيح، كتاب الحج، باب فرض الحج مرة في العمر، ٢:٩٧٥، رقم:١٣٣٧

٢۔ نسائي، السنن، كتاب مناسك الحج، باب وجوب الحج، ٥:١١٠، رقم:٢٦١٩

٣۔ ابن ماجه، السنن، المقدمة، باب اتباع سنة رسول الله صلى الله عليه وآله وسلم، ١:٣، رقم:٢

٤۔ ابن خزيمة، الصحيح، ٤:١٢٩، رقم:٢٥٠٨

رکھتے۔ پھر فرمایا: میری اتنی ہی بات پر اکتفا کیا کرو جس پر میں تمہیں چھوڑ دوں، اس لیے کہ تم سے پہلے لوگ زیادہ سوال کرنے اور اپنے انبیاء علیہم السلام سے اختلاف کرنے کی بناء پر ہی ہلاک ہوئے تھے۔ لہٰذا جب میں تمہیں کسی شے کا حکم دوں تو بقدرِ اِستطاعت اسے بجا لایا کرو اور جب کسی کام سے منع کروں تو اسے چھوڑ دیا کرو۔

یعنی اگر میں کسی امر یا کسی نہی کا حکم نہ دوں تو اس سلسلے میں مجھ سے سوال نہ کیا کرو کیونکہ اس سلسلے میں اگر میں نے ہاں کہہ دیا تو وہ چیز تم پر واجب ہو جائے گی اور اگر نہ کر دیا تو حرام ہو جائے گی۔ تمہارے سوال نہ کرنے سے تمہیں آسانی مل رہی ہے لہٰذا اگر تمہارا جی چاہے اور تمہارے حالات تمہیں اس عمل کے کرنے یا نہ کرنے کی اجازت دیں تو تم اس کے مطابق اسے اختیار کرو یعنی اس صورت میں تمہارے لیے اس شے یا عمل کی حیثیت مباح کی ہے۔

اگر قرآن مجید کسی کام کے کرنے کا صریح حکم دے اور نہ اس سے صریحاً منع کرے یعنی اس مسئلے پر خاموش رہے تو قرآن کی خاموشی کا مطلب ہمیں آزادی اور سہولت دینا ہے۔ اب اس معاملہ پر عمل کرنے یا نہ کرنے کا اختیار ہمارے پاس ہے، عمل کرنے یا نہ کرنے میں گناہ نہیں ہے۔ قرآن مجید کسی مسئلے پر خاموش رہ کر ہمارے لیے آسانیاں پیدا کرتا ہے۔ اس لیے یہ کبھی نہیں سمجھنا چاہیے کہ چونکہ قرآن مجید میں حکم نہیں آیا لہٰذا یہ چیز منع یا حرام ہو گئی ہے۔ اگر وہ چیز منع ہوتی تو قرآن مجید منع کر دیتا، قرآن مجید کی خاموشی منع کے لیے نہیں ہے اور نہ اس وجہ سے ہے کہ (نعوذ باللہ) اللہ رب العزت بھول گیا ہے بلکہ وہ خاموشی مبنی بر رحمت اور سہولت ہے۔

اس حدیثِ مبارک میں حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اپنی امت کو یہی سمجھا رہے ہیں کہ پچھلی قوموں کے لیے وحی الٰہی میں جب کسی مقام پر کسی شے کو حلال یا حرام کرنے کے معاملے پر خاموشی ہوتی تو وہ لوگ اپنے نبیوں سے اس پر صریح حکم چاہنے کے لیے سوال کرتے اور جواب کی صورت میں اپنی زندگی کے دائرہ کو (بنی اسرائیل کی گائے والے واقعہ کی طرح) تنگ کرتے چلے جاتے۔ نتیجتاً ان کے سوال کرنے کے سبب ان کی آسانی سلب ہو جاتی اور ان کے لیے نرمی

کا راستہ بند ہو جاتا۔ بعدازاں وہ حکم کی صریح خلاف ورزی شروع کر دیتے اور یوں دونوں حالتوں میں برباد اور ہلاک ہو کر رہ جاتے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ ارشادِ گرامی امت کے لیے بیش بہا نرمی، آسانی، لطف اور سہولت پر منحصر ہے کہ کسی حکم کی ادائیگی کا اسی قدر بوجھ ہے جتنی اسے ادا کرنے کی طاقت اور استطاعت کسی انسان کے اندر موجود ہے۔ اگر کوئی عمل کسی کی طاقت سے بڑھ کر ہو تو اس پر اللہ کے ہاں اُسے معاف کر دیا جائے گا۔

اس حدیث سے دو ایسے بنیادی حکم ثابت ہو رہے ہیں جو آسانی، رحمت اور شفقت پر دلالت کرتے ہیں:

۱۔ قرآن اور سنت جس عمل کے بارے میں خاموش رہے، اس کے کرنے یا نہ کرنے پر کوئی گرفت نہیں بلکہ صریح حکم نہ دے کر امت کو آسانی فراہم کی گئی ہے۔

۲۔ اسلام میں ہر شخص کسی عمل کا اتنا ہی مکلّف ہے جتنی اس میں طاقت اور صلاحیت ہے۔

بعض نادان ہر شے کے جائز ہونے پر قرآن و سنت کی نصوص کا مطالبہ کرتے ہیں، یہ ان کی کم علمی اور جہالت ہے کیوں کہ جواز کے لیے قرآن و حدیث سے نصوص تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ ممانعت اور حرمت کو ثابت کرنے کے لیے قرآن یا حدیث سے نص تلاش کرنا ضروری ہوتا ہے کہ کس قرآنی آیت یا کس حدیثِ نبوی میں فلاں شے کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ جس شے کی ممانعت کسی قرآنی آیت یا حدیث میں نہ آئی ہو تو وہ جائز اور مباح رہتی ہے اور اس کے کرنے والا گناہ گار نہیں ہوتا اور نہ کرنے پر مجرم بھی ثابت نہیں ہوتا۔ اسی کو 'مباحِ اصلی' یا 'مباحِ مطلقہ' بھی کہتے ہیں۔

مثلاً بعض لوگ میلاد منانے یا محافل منعقد کرنے پر تنازعہ کرتے ہیں کہ اگر یہ جائز ہیں تو دکھائیں کہ ان کا جواز قرآن یا حدیث میں کہاں لکھا ہے؟ ان احباب سے صرف ایک ہی سوال ہے کہ آج کے دور میں رائج ہزاروں اشیاء جو ہم صبح و شام استعمال کرتے ہیں، ان کے

استعمال کا جواز کہاں لکھا ہے؟ بے شمار چیزیں جو ہم کھاتے ہیں، پہنتے ہیں، اعلیٰ اعلیٰ گھر بناتے ہیں، کاروں میں بیٹھتے ہیں، طرح طرح کی جدید سہولتیں استعمال کرتے ہیں اگر ان میں سے ہر ایک چیز کے لیے یہ اصول بنا لیا جائے کہ پہلے ہمیں قرآن و حدیث میں دکھائیں کہ ان کا استعمال کہاں ثابت ہے؟ تو اس طرزِ عمل سے زندگی گزارنا ناممکن ہو جائے اور دین انتہائی مشکل ہو جائے حالانکہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے کہ دین مشکل نہیں بلکہ دین میں تو آسانی ہے۔

یہ امر ہمیشہ ذہن نشین رہے کہ جس چیز کو قرآن و حدیث میں منع نہیں کیا گیا، اس کے کرنے کا کسی کو گناہ نہیں اور اگر کوئی اس عمل کو نہ کرے تو وہ بھی گنہگار نہیں۔ اس لیے ایسی کسی شے کے بارے میں یہ نہیں کہنا چاہیے کہ 'یہ ناجائز ہے'۔ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے سوا کسی انسان کو اُس شے کو ناجائز کہنے کا کوئی حق نہیں، جسے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ناجائز نہیں کہا۔ بالکل اسی طرح جس طرح کسی شخص کو ایسے کام کے واجب ٹھہرانے کا حق نہیں جس کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے واجب و لازم نہ ٹھہرایا ہو۔

(۴) بقدرِ اِستطاعت اَحکامات کی اِطاعت پر بیعت

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے:

كُنَّا إِذَا بَايَعْنَا رَسُولَ اللهِ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ يَقُولُ لَنَا: فِيمَا اسْتَطَعْتُمْ. (۱)

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الاحكام، باب كيف يبايع الإمام الناس، ۶: ۲۶۳۳، رقم: ۶۷۷۶

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإمارة، باب البيعة على السمع والطاعة فيما استطاع، ۳: ۱۴۹۰، رقم: ۱۸۶۷

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۳۹، رقم: ۶۲۴۳

۴۔ أبو داود، السنن، كتاب الخراج والإمارة والفیء، باب ما جاء فی البيعة، ۳: ۱۳۳، رقم: ۲۹۴۰ ←

جب رسول اللہ ﷺ سے ہم آپ کی بات سننے اور اطاعت کرنے کی بیعت کرتے تو آپ ﷺ فرماتے: جہاں تک تمہاری بساط میں ہو۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ معمول تھا کہ آپ ﷺ بیعت لیتے وقت ہمیشہ اس میں بقدرِ استطاعت کی علّتِ استثنائی (exeptional cause) ضرور مقرر فرماتے اور صحابہ کرام ﷺ کو اُن کی طاقت سے برتر احکام پر رخصت عنایت فرماتے۔ اس سے مقصود نرمی اور سہولت فراہم کرنا ہوتا تھا۔

۲۔ بیعت ہی کے حوالے سے حضرت جریر بن عبد اللہ ﷺ اپنا واقعہ بیان کرتے ہیں:

بَايَعْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَلَى السَّمْعِ وَالطَّاعَةِ، فَلَقَّنَنِي فِيمَا اسْتَطَعْتَ. (۱)

میں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے آپ کی بات سننے اور اطاعت کرنے پر بیعت کی۔ پس آپ نے مجھے تلقین فرمائی کہ تم میں جس قدر طاقت ہو اتنی اطاعت کرو۔

۳۔ حضرت أُمَيْمَةَ بِنْتِ رُقَيْقَة روایت کرتی ہیں:

میں نے عورتوں کے ایک وفد میں حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر آپ ﷺ کے دستِ اقدس پر بیعت کی۔ حضور نبی اکرم ﷺ جب عورتوں سے بیعت لیتے تو انہیں بھی حسبِ استطاعت احکامات پر عملدر آمد کی تلقین فرماتے۔ ہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم آپ کے دستِ اقدس پر بیعت کرتی ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہیں کریں گی، چوری نہیں کریں گی، بدکاری کا ارتکاب نہیں کریں گی، بچیوں کو قتل نہیں کریں گی، کسی پر بہتان طرازی نہیں

.... ۵۔ نسائی، السنن، کتاب البیعة، البیعة فیما یستطیع الإنسان، ۷:۱۵۲، رقم:۴۱۸۸

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الاحکام، باب کیف یبایع الإمام الناس، ۶: ۲۶۳۴، رقم: ۶۷۷۸

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الایمان، باب بیان أن الدین النصیحة، ۱: ۷۵، رقم: ۵۶

کریں گی اور آپ ﷺ کے کسی بھی حکم کی نافرمانی اور خلاف ورزی نہیں کریں گی۔ فرماتی ہیں کہ جب ہم رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں بیٹھ کر یہ عہد کر چکیں تو رسول اللہ ﷺ نے جواباً فرمایا:

فِيمَا اسْتَطَعْتُنَّ وَأَطَقْتُنَّ.

تم یہ بھی کہو کہ جتنی ہماری استطاعت ہوئی اور جہاں تک ہم سے ہو سکا۔

اس پر حضرت اُمیمہ رضی اللہ عنہا نے کہا:

اللهُ وَرَسُولُهُ أَرْحَمُ بِنَا. (۱)

اللہ اور اس کے رسول ﷺ ہم پر بہت رحم کرنے والے ہیں (کہ ہماری استطاعت کے مطابق ہم سے بیعت لینا چاہتے ہیں)۔

اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی رحمت و شفقت فرمانے کا عالم یہ ہے کہ جو بات ان صحابیات کو نہیں سوجھی حضور نبی اکرم ﷺ نے نہ صرف ان پر واضح کر دی بلکہ ان کی اطاعت کو ان کی استطاعت کے اعتبار سے متعین کر دیا۔

دیگر احادیث کی طرح اس حدیث سے بھی یہ بات واضح طور پر ثابت ہو جاتی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی ساری تعلیمات، ترجیحات اور جملہ احکام و قوانین مبنی بر رحمت، شفقت، سہولت، آسانی اور یُسر ہیں اور دینِ اسلام میں کہیں بھی نہ شدت پسندی کی کوئی گنجائش ہے اور نہ ہی تنگ نظری، اکراہ یا انتہا پسندی کی ہلکی سی بھی اجازت ہے۔

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۳۵۷، رقم: ۲۷۰۵۱

۲۔ ترمذی، السنن، کتاب السیر، باب ما جاء فی بیعة النساء، ۴: ۱۵۱، رقم: ۱۵۹۷

۳۔ نسائی، السنن، کتاب البیعة، بیعة النساء، ۷: ۱۴۹، رقم: ۴۱۸۱

۴۔ مالك، الموطأ، کتاب البیعة، باب ما جاء فی البیعة، ۲: ۹۸۲، رقم: ۱۷۷۵

اس موقع پر ضمناً یہ بات بھی ذہن نشین رہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی اس شفقت کا ذکر کرتے ہوئے اس حدیث میں صحابیہ نے اللہ اور رسول ﷺ کو اکٹھا ذکر کیا، حالانکہ یہ آیت قرآنی نہ تھی بلکہ حدیث ہی تھی مگر چونکہ رسول ﷺ اپنی خواہشِ نفس سے بولتے ہی نہیں، وہ ﴿وَمَا یَنۡطِقُ عَنِ الۡهَوٰیo اِنۡ هُوَ اِلَّا وَحۡیٌ یُّوۡحٰیo﴾[1] کی عملی تصویر ہوتے ہیں کہ جو بولتے ہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے بولتے ہیں، اس لیے صحابیہ نے اللہ اور رسول ﷺ کے فرمان کو ایک قرار دیا۔ یہی وجہ ہے کہ جب حضور نبی اکرم ﷺ کے تمام فرامین یا کسی خاص فرمان کا ذکر ہو تو اس کے ساتھ اللہ رب العزت کا اسمِ پاک بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اسی طرزِ تخاطب و اسلوب کے تحت شامل کیا جاتا ہے۔

(۵) خوش خبری دینے کا حکم اور متنفر کرنے کی ممانعت

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

یَسِّرُوۡا وَلَا تُعَسِّرُوۡا وَسَكِّنُوۡا وَلَا تُنَفِّرُوۡا.[2]

آسانی پیدا کرو، مشکل میں نہ پھنساؤ، آرام پہنچاؤ اور متنفر نہ کرو۔

یعنی لوگوں کو دین کی دعوت دو تو تبلیغ سے لے کر دین کے نفاذ تک ہر مرحلے پر لوگوں

(۱) النجم، ۵۳: ۳-۴

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب قول النبی ﷺ: یسّروا ولا تعسّروا وکان یحب التخفیف والیسر علی الناس، ۵: ۲۲۶۹، رقم: ۵۷۷۴

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجهاد والسیر، باب فی الأمر بالتیسیر وترک التنفیر، ۳: ۱۳۵۹، رقم: ۱۷۳۴

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۳۱، رقم: ۱۲۳۵۵

۴۔ أبو یعلی، المسند، ۷: ۱۸۷، رقم: ۴۱۷۲

۵۔ طیالسی، المسند، ۱: ۲۸۰، رقم: ۲۰۸۶

کے لیے آسانیاں پیدا کرو اور کبھی تنگی، شدت اور سختی نہ کیا کرو۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ پیغام تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر قیامت تک کے لیے تحریکِ اسلام کے تمام علماء، کارکنان اور دین کی دعوت اور دین کا فریضہ ادا کرنے والے ایسے تمام افراد کے لیے ہے جن کے ہاتھ میں دین کا جھنڈا ہے کہ لوگوں کے سامنے دین اس انداز سے پیش کرو کہ ان کے لیے دین کی بات خوش خبری کی پیام بر ہو، جس سے ان کے دل خوشی محسوس کریں اور وہ اسلام قبول کرنے سے دلی مسرت پائیں۔ ان سے ایسا معاملہ مت اختیار کرو اور دین کا پیغام ان تک اس صورت ہرگز مت پہنچاؤ کہ وہ دین سے نفرت کرنے لگیں۔

آج جس اندازِ تعلیم کی ضرورت ہے اس حدیث مبارک میں اسی حوالے سے واضح رہنمائی موجود ہے۔ بطورِ امت ہم نے دینِ اسلام کی حقیقی تعلیمات کو کماحقہ پڑھنے اور سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کی اور نہ کسی علومِ نبوی سے بہرہ ور عالمِ دین ہی سے پوچھنے یا سیکھنے کی کوشش کی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ مذہب کے نام پر انتہا پسندی اور شدت پسندی کو اختیار کرنے والے قرآن اور اسلام کو نہیں بلکہ حقیقت میں لادینیت اور لامذہبیت کو فروغ دیتے ہیں۔

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو جب جہاد یا تبلیغ پر بھیجتے تو فرماتے تھے کہ تمہارا مقابلہ غیر مسلم اقوام اور مسلمانوں کے پیغام کو نہ ماننے والے طبقات سے ہوگا، وہاں صورت حال کٹھن ہوگی مگر یاد رکھنا کہ لوگوں کے سامنے نہایت نرمی کے ساتھ اسلام پیش کرنا تاکہ تمہارا یہ پیغام سننے والا اس سے بشارت محسوس کرے، نفرت یا کراہت محسوس نہ کرے۔ مروی ہے:

إِذَا بَعَثَ أَحَدًا مِنْ أَصْحَابِهِ فِي بَعْضِ أَمْرِهِ، قَالَ: بَشِّرُوْا وَلَا تُنَفِّرُوْا وَيَسِّرُوْا وَلَا تُعَسِّرُوْا. (۱)

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الجهاد والسير، باب فى الأمر بالتيسير وترك التنفير، ۳: ۱۳۵۸، رقم: ۱۷۳۲

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۹۹، رقم: ۱۹۵۸۸

۳۔ أبو داود، السنن، كتاب الأدب، باب فى كراهية المراء، ۴: ۲۶۰، رقم: ۴۸۳۵

آپ ﷺ جب اپنے صحابہ میں سے کسی کو کسی مہم پر روانہ کرتے تو اس سے ارشاد فرماتے: لوگوں کو خوش کرو، ان کو متنفر مت کرو، آسانی فراہم کرو اور تنگی مت دو۔

اس حدیث مبارک کو کتاب الجهاد والسير میں روایت کر کے امام مسلم نے یہ سمجھایا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ہمیں یہ تعلیم دی ہے کہ ہم کفار اور دشمنوں سے جنگ کے مواقع پر بھی نرمی اور شفقت کے اسلامی حکم کو اچھی طرح سمجھ سکیں۔

۳۔ تبلیغی معاملات کے ساتھ ساتھ بطورِ حاکم مسلمانوں کی مختلف ذمہ داریوں پر تقرری کے وقت بھی حضور نبی اکرم ﷺ اسی طرح کے احکامات صادر فرماتے۔ آپ ﷺ نے حضرت معاذ بن جبل اور حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہما کو یمن کا حاکم (گورنر) متعین فرمایا تو آپ ﷺ نے انہیں اس عہدے کے لیے مقرر کرنے کے بعد احکام عطا کرتے ہوئے فرمایا:

يَسِّرَا وَلَا تُعَسِّرَا، وَبَشِّرَا وَلَا تُنَفِّرَا، وَتَطَاوَعَا وَلَا تَخْتَلِفَا.[1]

لوگوں کی آسانی ملحوظ رکھنا اور انہیں سختی میں نہ ڈالنا۔ انہیں خوش و خرم رکھنا اور متنفر نہ کر دینا۔ ان میں اتفاق رائے و اتحاد پیدا کرنا اور ان میں پھوٹ نہ ڈالنا۔

یعنی لوگوں کے سامنے دین کو آسان کر کے اور خوش خبری کے طور پر پیش کرنا۔ اتنا سخت بنا کر پیش نہ کرنا کہ لوگ اس سے نفرت زدہ ہو کر بھاگ جائیں۔

.... ۴۔ أبو عوانه، المسند، ۴:۲۱۵، رقم:۶۵۵۸

۵۔ أبو يعلى، المسند، ۱۳:۳۰۶، رقم:۷۳۱۹

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الجهاد و السير، باب ما يكره من التنازع والاختلاف في الحرب وعقوبة من عصى إمامه، ۳: ۱۱۰۴، ۱۷۷۳، رقم: ۱۷۳۳، ۲۸۷۳

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴:۴۱۷، رقم: ۱۹۷۵۷

۳۔ بزار، المسند، ۸:۱۱۷، رقم: ۳۱۱۹

۴۔ أبو عوانه، المسند، ۵:۱۰۰، رقم:۷۹۵۰

(٦) شفقتِ مصطفیٰ ﷺ کی انتہا

ا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ ایک دن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے درمیان مسجدِ نبوی میں تشریف فرما تھے کہ آپ ﷺ کی مجلس میں دیہات کا رہنے والا ایک اعرابی پہلی بار آیا۔ اسے پیشاب کی حاجت ہوئی اور چونکہ اسے بارگاہِ نبوی اور مسجدِ نبوی کے آداب ہی سے آگاہی نہ تھی اس لیے اس نے مسجد کے صحن میں ہی پیشاب کر دیا۔

فَثَارَ إِلَيْهِ النَّاسُ لِيَقَعُوْا بِهِ، فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ: دَعُوْهُ وَأَهْرِيْقُوْا عَلَى بَوْلِهِ ذَنُوْبًا مِنْ مَاءٍ أَوْ سَجْلًا مِنْ مَاءٍ، فَإِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِيْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِيْنَ.(1)

لوگ اسے مارنے کے لیے لپکے تو رسول اللہ ﷺ نے ان سے فرمایا: اسے چھوڑ دو اور اس کے پیشاب کے اوپر ایک ڈول یا ایک جرس پانی بہا دو کیونکہ تمہیں آسانی پیدا کرنے والا بنایا گیا ہے، سختی کرنے والا نہیں بنایا گیا۔

آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اس اعرابی کو ڈانٹنے یا روکنے سے منع فرماتے ہوئے وہاں پانی بہانے کا حکم دیا تا کہ صحابہ کو پانی بہاتا دیکھ کر اس شخص کو خود ندامت ہو اور وہ خود ہی سمجھ جائے کہ مجھ سے کیسی غلط حرکت سرزد ہوگئی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ عمل بھی رحمت ہے

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب قول النبی ﷺ: یسروا ولا تعسروا وکان یحب التخفیف والیسر علی الناس، ۵: ۲۲۷۰، رقم: ۵۷۷۷
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الطھارۃ، باب وجوب غسل البول وغیرہ من النجاسات إذا حصلت فی المسجد وأن الأرض تطھر بالماء من غیر حاجۃ إلی حفرھا، ۱: ۲۳۶، رقم: ۲۸۴
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۸۲، رقم: ۷۷۸۶
۴۔ نسائی، السنن، کتاب المیاہ، باب التوقیت فی الماء، ۱: ۱۷۵، رقم: ۳۳۰

کہ آپ ﷺ نے اس اعرابی کو کچھ نہ کہا بلکہ اپنے صحابہ کو ہر حالت میں نرمی، لطف و کرم اور رحمت و شفقت اختیار کرنے کی تعلیم دی۔

(۷) دوسروں کو آسانیاں دینے والوں کے لیے خوش خبری

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ کُرْبَةً مِنْ کُرَبِ الدُّنْيَا نَفَّسَ اللهُ عَنْهُ کُرْبَةً مِنْ کُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ يَسَّرَ عَلَى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَاللهُ فِي عَوْنِ الْعَبْدِ مَا کَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيْهِ. (۱)

جو شخص کسی مسلمان کی کوئی دنیاوی تکلیف دور کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کے دن کی مشکلات میں سے کوئی مشکل حل کرے گا۔ جو شخص دنیا میں کسی تنگ دست کے لیے آسانی پیدا کرے گا، اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کے لیے آسانی پیدا فرمائے گا اور جو شخص دنیا میں کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ (اس وقت تک) اپنے بندے کی

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الذکر والدعاء والاستغفار، باب فضل الاجتماع علی تلاوة القرآن، ۴: ۲۰۷۴، رقم: ۲۶۹۹
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۵۲، رقم: ۷۴۲۱
۳۔ أبو داود، السنن، کتاب الأدب، باب في المعونة للمسلم، ۴: ۲۸۷، رقم: ۴۹۴۶
۴۔ ترمذی، السنن، کتاب الحدود، باب ما جاء في الستر علی المسلم، ۴: ۳۴، رقم: ۱۴۲۵، ۱۹۳۰، ۲۹۴۵
۵۔ ابن ماجه، السنن، المقدمة، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، ۱: ۸۲، رقم: ۲۲۵

مدد کرتا رہتا ہے۔ جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے۔

ثابت ہوا کہ سہولت عطا کرنا نہ صرف دین ہے بلکہ یہ عبادت ہے جس کی جزا اللہ رب العزت دنیا اور آخرت دونوں جگہ عطا فرماتے ہیں۔

(۸) اعتدال، نرمی اور استقامت کی تلقین

اللہ رب العزت اور حضور نبی اکرم ﷺ نے دین کے جملہ امور عبادات، معاملات، حقوقِ ازواج، حقوقِ اولاد اور امورِ آخرت وغیرہ کو اعتدال اور نرمی پر قائم فرمایا ہے اور ان سے سختی و تشدد کو دور کیا ہے تاکہ انسانی زندگی میں سہولت اور آسانی برقرار رہے۔ اس لیے حضور نبی اکرم ﷺ جب بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تلقین فرماتے تو اکثر آپ ﷺ کا خطاب یہ ہوتا:

خُذُوْا مِنَ الْأَعْمَالِ مَا تُطِيْقُوْنَ. فَإِنَّ اللهَ لَا يَمَلُّ حَتَّى تَمَلُّوا، وَإِنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللهِ مَا دَامَ وَإِنْ قَلَّ. (۱)

اپنی طاقت کے مطابق عمل کیا کرو۔ اللہ تعالیٰ (اجر دینے سے) تو نہیں اُکتا تا حتی کہ تم (عبادت کرنے سے) اکتا جاتے ہو! اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر ہمیشگی کی جائے خواہ وہ عمل کم ہی کیوں نہ ہو۔

گویا اللہ رب العزت کو ہمارے اعمال میں سے وہ اعمال ہی زیادہ پسند ہیں جن میں

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب اللباس، باب الجلوس علي الحصير ونحوه، ۵: ۲۲۰۱، رقم: ۵۵۲۳

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب صلاة المسافرين، باب فضيلة العمل الدائم من قيام الليل وغيره، ۱: ۵۴۰، رقم: ۷۸۲

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۲۴۱، رقم: ۲۶۰۸۰

۴۔ أبو داود، السنن، كتاب الصلاة، باب ما يؤمر به من القصد فى الصلاة، ۲: ۴۸، رقم: ۱۳۶۸

۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۲: ۳۰۹، رقم: ۲۵۷۱

ہمیشگی، دوام اور اعتدال ہو۔ اس لیے کہ اسی بناء پر ان پر ہمیشہ قائم رہا جا سکتا ہے۔ یہ نہ ہو کہ ایک دن یا چند دن بہت کثرت سے ایک عمل کیا اور پھر بالکل ہی چھوڑ دیا یہاں تک کہ فرائض ہی کے تارک ہو گئے۔ بے شک مقدار کے اعتبار سے تھوڑا عمل کرو مگر دوام کے ساتھ کرو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہم پر کثرتِ اعمال واجب نہیں کرتا بلکہ نیک اعمال پر ہماری استقامت دیکھتا ہے خواہ وہ اعمال مقدار میں تھوڑے ہی کیوں نہ ہوں۔ دین کا پورا مزاج آسانی و نرمی کے اسی بنیادی تصور پر قائم ہے۔

(۹) دنیوی ذمہ داریوں کی ادائیگی میں آسانی اور نرمی برتنے کا حکم

احادیث مبارکہ میں ایسے بے شمار واقعات درج ہیں جن میں حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آسانی، نرمی اور اعتدال کی تعلیم دی۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما نہایت عبادت گزار، مجاہدہ کرنے والے اورشب زندہ دار صحابی تھے، دن کو روزہ رکھتے اور ساری رات اللہ کے حضور قیام کرتے۔ ان کے والد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے قریش کی ایک نیک، صالح اور بلند رتبہ خاتون سے ان کی شادی کر دی مگر دن کو روزہ اور رات کو قیام کے باعث شادی کے بعد بھی اپنی زوجہ کی جانب متوجہ نہ ہوئے۔ جب ان کے والد حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ میرا بیٹا عبد اللہ اپنی زوجہ کے حقوق پورے نہیں کر رہا اور اپنا سارا وقت عبادت کے لیے وقف کر چکا ہے تو انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں یہ ساری صورت حال اطلاعاً بیان کر دی۔ آپ ﷺ نے حضرت عبد اللہ بن عمرو ابن العاص رضی اللہ عنہما کو بلا کر ان باتوں کی تصدیق کی اور انہیں ہمہ وقت کی عبادت سے منع کرنے کے لیے فرمایا:

فَإِنَّ لِجَسَدِکَ عَلَيْکَ حَقًّا، وَإِنَّ لِعَيْنِکَ عَلَيْکَ حَقًّا، وَإِنَّ لِزَوْجِکَ عَلَيْکَ حَقًّا، وَإِنَّ لِزَوْرِکَ عَلَيْکَ حَقًّا.(۱)

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الصوم، باب حق الجسم فی الصوم، ۲: ۶۹۷، رقم: ۱۸۷۴

تمہارے جسم کا تم پر حق ہے اور تمہاری آنکھ کا تم پر حق ہے اور تمہاری بیوی کا تم پر حق ہے اور تمہارے مہمان کا تم پر حق ہے۔

جسم کا تم پر یہ حق ہے کہ اُسے آرام دو۔ آنکھوں کا حق یہ ہے کہ نیند پوری کرو۔ اسی طرح بیوی کے حقوق پورے کرو۔ مہمان کی مہمان نوازی کرنا اس کا حق ہے۔ گویا یہ سارے حقوق ادا کرنا، اپنی روزمرہ زندگی میں توازن و اعتدال اور نرمی رکھنا اور شدت سے گریز کرنے کا نام دین اور سنتِ مصطفیٰ ﷺ ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب میں بوڑھا ہو گیا اور جوانی کے دور والے اپنے معمولات نہ نبھا سکا تو میں کہا کرتا تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے مجھے جو رخصت دی اور نرمی، سہولت اور اعتدال کا راستہ بتایا تھا، کاش میں اس کو اختیار کر لیتا تو آج اس بڑھاپے کی عمر میں بھی میں اس کو جاری رکھ سکتا۔

اسی طرح حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ، حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ اور حضرت سعد بن وقاص رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بھی بخاری و مسلم میں ایسی ہی متفق علیہ احادیث آتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ان کو بھی دنیوی ذمہ داریوں اور عبادات کی ادائیگی میں اعتدال کا حکم عطا فرمایا۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی حیاتِ طیبہ میں ہمیشہ اعتدال و توازن کو پسند فرمایا اور اس طرزِ عمل کو عینِ دین قرار دیا۔ قرآن مجید نے بھی أُمَّةً وَّسَطًا[1] کہہ کر ساری امت کو یہی پیغام

.... ۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب النکاح، باب لزوجك علیك حق، ۵: ۱۹۹۵، رقم: ۴۹۰۳

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصیام، باب النهی عن صوم الدهر، ۲: ۸۱۳، رقم: ۱۱۵۹

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۹۸، رقم: ۶۸۶۷

۵۔ نسائی، السنن، کتاب الصیام، صوم یوم وإفطار یوم وذكر اختلاف ألفاظ الناقلین فی ذلك لخبر عبد الله بن عمرو فیه، ۴: ۲۱۰، رقم: ۲۳۹۱

(۱) البقرة، ۲: ۱۴۳

www.MinhajBooks.com

دیا کہ یہ امت توازن اور اعتدال کی راہ پر چلنے والی امت ہے۔ جو اعتدال اور توازن کی راہ چھوڑتا ہے اور شدت پسندی اختیار کرتا ہے وہ خود کو امتِ محمدی ﷺ سے خارج کرتا ہے۔ اس لیے کہ اُمَّةً وَّسَطًا کے تحت اُمتِ محمدی ﷺ صرف وہ ہے جو اعتدال اور توازن کی راہ پر ہو، اس کے برعکس جو دائیں بائیں جائے گا، وہ امت کے دائرے سے خود کو نکال لے گا۔

(۱۰) دین میں شدت پسندوں کو حضور نبی اکرم ﷺ کی سخت تنبیہ

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ تین اشخاص وفد کی صورت میں حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس آئے جو قائمُ اللَّیل، صائمُ الدَّھر اور تارکُ الدُّنیا تھے۔ وہ یہ جاننا چاہتے تھے کہ عبادات و اعمال میں آقا ﷺ کا شب و روز کا معمول کیا ہے؟ ان کا خیال تھا کہ وہ اس کی متابعت اور مطابقت میں اور زیادہ بڑھ چڑھ کر عبادت و ریاضت کریں گے۔ انہیں یہ بتایا گیا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا معمول تو یہ ہے کہ آپ ﷺ آرام بھی فرماتے ہیں اور تہجد کی نماز بھی پڑھتے ہیں، روزے بھی رکھتے ہیں اور افطار بھی کرتے ہیں، یعنی آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ اعتدال اور توازن پر قائم ہے۔ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کا یہ معمول سن کر ان تینوں نے کہا کہ ہمارا کیا مقام کہ ہم رسول اللہ ﷺ کی برابری کر سکیں۔ آپ ﷺ تو معصوم ہیں اور آپ پر کوئی گناہ نہیں جب کہ ہم تو گنہگار لوگ ہیں اور ہمیں اللہ رب العزت کا قرب اور بخشش چاہیے۔ اس لیے ہم عبادات کے معاملے میں اس شدت و کثرت سے پیچھے نہیں ہٹ سکتے جن پر ہم عمل پیرا ہیں۔ چنانچہ ایک نے کہا:

أَنَا فَإِنِّي أُصَلِّي اللَّيْلَ أَبَدًا.

میں اب ہمیشہ ساری رات نماز پڑھا کروں گا۔

دوسرے نے کہا:

أَنَا أَصُومُ الدَّهْرَ وَلَا أُفْطِرُ.

میں عمر بھر روزے رکھتا رہوں گا اور کسی ایک دن کا روزہ بھی نہیں چھوڑوں گا۔

تیسرے نے کہا:

أَنَا أَعْتَزِلُ النِّسَاءَ فَلَا أَتَزَوَّجُ أَبَدًا.

میں عورتوں سے ہمیشہ دور رہوں گا اور کبھی شادی نہیں کروں گا۔

اس طرح ان تینوں نے اپنے ان معمولات کو قائم رکھنے کی قسم کھائی اور پختہ عزم و ارادہ کر لیا۔ اتنے میں حضور نبی اکرم ﷺ تشریف لے آئے اور ان کی باتوں کو بیان کر کے فرمایا:

أَنْتُمُ الَّذِينَ قُلْتُمْ كَذَا وَكَذَا؟

تم ہی وہ لوگ ہو جنہوں نے ایسا ایسا کہا ہے؟

یہ سن کر ان تینوں نے عرض کی: جی ہاں، یا رسول اللہ! ہم نے ایسا ہی کہا ہے۔ اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

وَاللهِ، إِنِّي لَأَخْشَاكُمْ لِلّٰهِ وَأَتْقَاكُمْ لَه.

اللہ کی قسم! تمہاری نسبت میں خدا سے زیادہ خشیت رکھتا ہوں اور اس سے ڈر کر گناہوں سے زیادہ بچنے والا ہوں۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی عبادت، خشیت اور تقویٰ کا جذبہ تم سے بڑھ کر مجھ میں ہے۔

لٰكِنِّي أَصُوْمُ وَأُفْطِرُ، وَأُصَلِّي وَأَرْقُدُ، وَأَتَزَوَّجُ النِّسَاءَ. مَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِي فَلَيْسَ مِنِّي.(۱)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب النکاح، باب الترغیب في النکاح لقوله تعالی (فانکحوا ما تاب لکم من النساء)، ۵: ۱۹۴۹، رقم: ۴۷۷۶

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب النکاح، باب استحباب النکاح لمن تاقت نفسه إلیه ووجد مؤنه واشتغال من عجز عن المؤن بالصوم، ۲: ۱۰۲۰، رقم: ۱۴۰۱

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۲۴۱، رقم: ۱۳۵۵۸

www.MinhajBooks.com

اس کے باوجود میں روزے رکھتا ہوں اور چھوڑتا بھی ہوں، (راتوں کو) نماز پڑھتا ہوں اور سوتا بھی ہوں، نیز عورتوں سے نکاح بھی کرتا ہوں۔ جو میری سنت سے منہ پھیرے وہ مجھ سے نہیں ہے۔

یہ معروف حدیث ہے اور صرف نکاح اور شادی تک محدود نہیں بلکہ اس میں تین چیزیں جمع ہیں:

۱۔ آرام کیے بغیر ہر رات قیام کرنا۔

۲۔ روزانہ روزہ رکھنا اور کبھی افطار نہ کرنا۔

۳۔ زندگی میں کبھی شادی نہ کرنا یعنی متوازن زندگی چھوڑ کر تارک دنیا ہو جانا۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے شدت اور مشقت پر مبنی ان تینوں اعمال کے جواب میں اعتدال و توازن پر مبنی اپنی زندگی اور معمولات کا نمونہ اُن کے سامنے رکھا اور بیان فرمایا۔ یہی میری سنت، طرزِ عمل، شعار اور اُسوہ ہے اور جو شخص بھی میری سنت، طرزِ عمل اور اسوہ حسنہ کو چھوڑ کر کوئی اور طریق اختیار کرے گا وہ میری امت میں سے نہیں۔

(۱۱) شدت پسندوں کے لیے ہلاکت کی وعید

حضور نبی اکرم ﷺ نے عبادات میں مبالغہ کرنے والوں کو نہ صرف اپنی امت سے ہی خارج تصور کیا بلکہ مبالغہ اور انتہا پسندانہ اعمال اختیار کرنے والوں کو ہلاکت کی وعید سنائی۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے تین بار فرمایا:

هَلَكَ الْمُتَنَطِّعُوْنَ.(۱)

.... ۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۲: ۲۰، رقم: ۳۱۷

۵۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۷:۷۷، رقم: ۱۳۲۲۶

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب العلم، باب هلك المتنطعون، ۴:۲۰۵۵، رقم: ـــــ

بال کی کھال نکالنے والے (یعنی شدت پسند و انتہا پسند) ہلاک ہوگئے۔

مُتَنَطِّعُوْنَ انتہا پسندوں، مبالغہ پرستوں اورشدت شعاروں کو کہا جاتا ہے۔ انتہا پسندی کے رد میں اسلام کی طرف سے یہ ایک واضح اور صریح پیغام ہے جس سے اسلام کا فیصلہ کن موقف بآسانی سمجھا جا سکتا ہے۔

(۱۲) صومِ وصال کی ممانعت بھی رحمتِ مصطفیٰ ﷺ کا اظہار ہے

حضور نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ طیبہ راہِ اعتدال کی روشن مثال ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی امت کومختلف طرق سے سختی سے بچا کر اپنی سنت دی۔ آپ ﷺ نے بعض اعمال ایسے کیے جنہیں صرف اپنی ذات تک محدود رکھا اور اگر امت نے وہ کام اختیار کرنے کی کوشش کی بھی تو آپ ﷺ نے سختی سے منع فرما دیا۔ صیامِ وصال بھی رسول اللہ ﷺ نے اپنی ذات تک ہی محدود رکھے اور ان سے اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو سختی سے منع کر دیا۔

۱۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں: 'کبھی ایسا ہوتا کہ آپ ﷺ لگاتار روزے رکھتے اور کبھی چھوڑ دیتے۔ جب رکھتے تو یوں لگتا جیسے کبھی چھوڑیں گے نہیں اور جب چھوڑتے تو لگتا جیسے دوبارہ کبھی رکھیں گے ہی نہیں۔' آپ ﷺ کے مسلسل روزے رکھنے کے عمل سے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سمجھا کہ شاید یہ سنت ہمارے لیے بھی ہے۔ چنانچہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کے اتباع میں مسلسل روزے رکھنے شروع کر دیئے۔ جس کے سبب ان کے چہرے زرد

.... ۲۶۷۰

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱:۳۸۶، رقم:۳۶۵۵

۳۔ أبو داود، السنن، کتاب السنة، باب فی لزوم السنة، ۴:۲۰۱، رقم: ۴۶۰۸

۴۔ بزار، المسند، ۵:۲۶۴، رقم: ۱۸۷۸

۵۔ أبو یعلی، المسند، ۸:۴۲۲، رقم: ۵۰۰۴

۶۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۰:۱۷۵، رقم:۱۰۳۶۸

پڑ گئے اور وہ اتنے کم زور ہو گئے کہ ان کے لیے نمازوں میں کھڑا ہونا مشکل ہو گیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ (جو ان کے لیے ماں باپ سے بھی زیادہ شفیق تھے) نے پوچھا کہ میں تمہارے جسموں میں کم زوری اور تمہارے چہرے پر زردی کیوں دیکھ رہا ہوں؟ عرض کیا: آقا! ہم نے آپ کو مسلسل روزے رکھتے دیکھا تو آپ کے عمل کی متابعت میں ہم نے بھی صیامِ وصال رکھنا شروع کر دیئے۔

اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنِّي لَسْتُ كَهَيْئَتِكُمْ، إِنِّي يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِينِ. (1)

بے شک میں تم جیسا نہیں ہوں۔ مجھے تو میرا رب کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے۔

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے درج ذیل الفاظِ حدیث مروی ہیں:

أَيُّكُمْ مِثْلِي؟ إِنِّي أَبِيْتُ يُطْعِمُنِي رَبِّي وَيَسْقِيْنِ. (2)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الصوم، باب الوصال ومن قال: لیس في اللّیل صیامٌ، ۲: ۶۹۳، رقم: ۱۸۶۳

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصیام، باب النهي عن الوصال في الصوم، ۲: ۷۷۶، رقم: ۱۱۰۵

۳۔ أحمد بن حنبل عن ابن عمر رضی اللہ عنہما، المسند، ۲: ۱۵۳، رقم: ۶۴۱۳

۴۔ بیهقي، السنن الکبری، ۴: ۲۸۲، رقم: ۸۱۶۱

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المحاربین من أهل الکفر والردة، باب کم التعزیر والأدب، ۶: ۲۵۱۲، رقم: ۶۴۵۹

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب التمني، باب ما یجوز من اللو، ۶: ۲۶۴۶، رقم: ۶۸۱۵

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصیام، باب النهي عن الوصال في الصوم، ۲: ۷۷۴، رقم: ۱۱۰۳

۴۔ نسائي، السنن الکبری، ۲: ۲۴۲، رقم: ۳۲۶۴

www.MinhajBooks.com

تم میں سے کون میری مثل ہوسکتا ہے؟ میں تو اس حال میں رات بسر کرتا ہوں کہ میرا رب مجھے کھلاتا بھی ہے اور پلاتا بھی ہے۔

یعنی یاد رکھو کہ دنیا کا 'کھانا پانی' تو میں اس لیے کھاتا ہوں کہ یہ بھی میری سُنّت بن جائے حالانکہ میرے لیے تو میرے رب ہی کا کھلانا پلانا کافی ہے۔ یہ میری وہ شان ہے کہ تم نہ اس کی کیفیت کا تصور کر سکتے ہو اور نہ اسے سمجھ سکتے ہو۔ تم میں سے کون ہے جو اس شان کا حامل ہو؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک عام آدمی کی استطاعت سے یہ کام مشکل ہونے کی بنا پر بطورِ رحمت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو منع بھی کر دیا اور اپنی شان بھی بیان فرما دی۔

بشریتِ مصطفیٰ ﷺ کی حقیقت

اس موقع پر ضمناً بشریت مصطفیٰ ﷺ کے حوالے سے عقیدے کی بھی وضاحت کر دوں کہ بعض لوگ قرآنی آیات اور ان کے معانی کی کامل معرفت نہ رکھنے کے سبب قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ [1] کا معاذ اللہ یہ معنی سمجھ لیتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ فقط ہماری ہی طرح کے بشر اور ہمارے ہی جیسے انسان ہیں۔ یاد رکھیں! یہ کلمات گستاخی پر مبنی ہیں اور ایسے کفریہ کلمات سے توبہ کرنی چاہیے۔ حدیث اور دیگر بہت سے دلائل کی روشنی میں یہ بات صراحتاً ثابت ہے حضور نبی اکرم ﷺ جیسا کوئی نہیں۔ انسان تو انسان ہے، عالم ملائکہ میں سے بھی کوئی فرشتہ نور ہونے کے باوجود آپ ﷺ کی مثلیت کا دعویٰ نہیں کر سکتا۔ نہ کوئی حضور ﷺ کی مثل ہے اور نہ حضور ﷺ کسی فردِ بشر و فردِ ملک کی مثل ہیں، بلکہ آپ ﷺ تو بے نظیر و بے مثال ہیں۔

اس آیت کریمہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی زبانِ مبارک سے جو الفاظ کہلوائے گئے ہیں، ان کے مخاطب کفار ہیں۔ کیونکہ وہ شور مچاتے تھے کہ ہم اس نبی (و رسول) کی پیروی کیسے

.... ۵۔ دارمي، السنن، كتاب الصوم، باب النهي عن الوصال في الصوم، ۲:۱۵، رقم: ۱۷۰۶

۶۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۲:۶۸، رقم: ۱۲۷۴

(۱) الكهف، ۱۸: ۱۱۰

کر لیں جو ہماری طرح کھاتا پیتا ہے، ہماری طرح بازاروں میں جاتا ہے، ہماری طرح شادی بیاہ کرتا ہے، اس کی زندگی اور سارا نظامِ حیات ہمارے ہی جیسا تو ہے۔ اس لیے ہم نہ اس پر ایمان لائیں گے اور نہ ہی اس کی اتباع کریں گے کیوں کہ یہ رسول تو ہماری طرح کا بشر ہے۔ کفار کے ان کلمات کے سبب حضور نبی اکرم ﷺ کو کہا گیا کہ آپ ﷺ خود کہہ دیجیے:

قُلْ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُمْ. [(۱)]

فرما دیجیے: میں تو صرف (بخلقتِ ظاہری) بشر ہونے میں تمہاری مثل ہوں (اس کے سوا اور تمہاری مجھ سے کیا مناسبت ہے ذرا غور کرو)۔

'فقط بشریت' کے ظاہری تقاضوں میں حضور نبی اکرم ﷺ ہماری طرح بشر ہیں۔ ان ظاہری تقاضوں کی مثلیت کو دیکھ کر انہی پر آپ ﷺ کی شان کو قیاس ہرگز نہیں کیا جا سکتا۔ صرف ظاہر ایک جیسا دیکھ کر انہیں ہر حوالے سے اپنے جیسا سمجھنا قطعاً درست نہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی شان تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کے قلب پر اللہ تعالیٰ کا نور اور اس کا کلام اترتا ہے۔ وہ کلام جو زمین و آسمان پر اترتا تو وہ اسے برداشت نہ کر پاتے۔ صرف یہی نہیں بلکہ خدا خود آپ سے مخاطب ہوتا ہے، آپ عرش پر جاتے ہیں، جہاں جاتے ہوئے ملائکہ اور سردارِ ملائکہ حضرت جبرائیل علیہ السلام کے بھی پر جلتے ہیں۔ مقامِ **قابَ قوسینِ أو أدنیٰ** [(۲)] پر خدا براہِ راست آپ ﷺ سے بے حجابانہ کلام کرتا ہے اور آپ ﷺ اس کے نور کو بغیر حجاب کے دیکھتے ہیں۔ ساری کائنات میں حضور نبی اکرم ﷺ کے علاوہ اور کون ہے جو اللہ رب العزت کو بے حجاب دیکھ سکتا ہو؟

گویا اس کائنات میں حضور نبی اکرم ﷺ کی ظاہری بشریت مثلیت اور ہے جبکہ حقیقی مقام اور ہے۔ آپ ﷺ ظاہری تقاضوں میں بشر ہیں اور بظاہر آپ ﷺ کا سارا نظامِ حیات ہم جیسا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ امت کو آپ ﷺ کی سیرت اور سنت کے سبب زندگی کا پورا نظام مل سکے۔ اگر یہ بشری مثلیت پیدا نہ کی جاتی تو ہمیں آپ ﷺ کی سنت و سیرت نصیب نہ ہوتی

---

(۱) الکہف، ۱۸: ۱۱۰

(۲) النجم، ۵۳: ۹

اور ہم آپ ﷺ کی اطاعت و اتباع نہ کر سکتے۔ لہٰذا اس بشری اور ظاہری مثلیت کو آپ ﷺ کی حقیقت پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ جیسے ہیرا اور عام پتھر ہم جنس ہونے کے لحاظ سے بظاہر پتھر ہوتے ہیں لیکن ایک (عام پتھر) لوگوں کے پاؤں تلے روندا جاتا ہے اور دوسرا (ہیرا) بادشاہوں کے تاج پر سجایا جاتا ہے۔ اسی طرح اعلیٰ مٹی سے تیار کردہ اعلیٰ ڈنر سیٹ، ٹی سیٹ اور قیمتی برتن لاکھوں روپے میں خریدے جاتے ہیں مگر دوسری مٹی کی کوئی قدر و وقعت ہی نہیں ہے۔ اسی طرح کعبۃ اللہ میں آویزاں حجرِ اسود بھی پتھر ہے، صفا و مروہ کے کنکر بھی پتھر ہیں لیکن عام پتھر میں اور صفا و مروہ کے پتھروں اور حجرِ اسود میں بھلا کیا مناسبت ہو سکتی ہے؟ عام پتھروں کو پاؤں سے ٹھکراتے ہیں اور حجرِ اسود کو انبیاء علیہم السلام بھی عقیدت سے چومتے ہیں۔

اسی طرح بَشَرٌ مِثْلُکُمْ کا معنیٰ یہ ہے کہ مٹی سے بنا بشر یعنی بظاہر ہم ایک جیسے ہیں مگر اصلاً ہماری مٹی ایک جیسی نہیں۔ حدیث مبارک سے ثابت ہے کہ ہر شخص اس مٹی سے بنا ہوتا ہے جہاں وہ دفن ہوتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْ مَوْلُوْدٍ إِلَّا وَقَدْ ذُرَّ عَلَيْهِ مِنْ تُرَابِ حُفْرَتِهِ. (۱)

آدمی جس مٹی سے بنایا جاتا ہے، موت کے بعد اسی مٹی میں دفن کیا جاتا ہے۔

ایک اور روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ مدینہ کے نواح میں ایک قبر کے پاس سے گزرے تو پوچھا کہ یہ کس کی قبر ہے؟ بتایا گیا کہ یہ حبشہ کے ایک شخص کی قبر ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اسی مٹی میں دفن ہوا ہے جس سے تخلیق کیا گیا تھا۔ (۲)

ان احادیث سے ثابت ہوا کہ ہر شخص جہاں دفن ہوتا ہے اس کی تخلیق کے لیے مٹی

---

(۱) ۱۔ أبو نعیم، حلیة الأولیاء، ۲: ۲۸۰
۲۔ قضاعی، مسند الشہاب، ۴: ۲۹، رقم: ۶۰۸۹

(۲) ۱۔ حکیم ترمذی، نوادر الأصول فی أحادیث الرسول، ۱: ۲۶۶-۲۶۷
۲۔ ہندی، کنز العمال، ۱۵: ۲۹۱، رقم: ۴۲۷۶۸

بھی اسی جگہ سے لی ہوتی ہے۔ یقیناً حضور نبی اکرم ﷺ کے جسم اقدس کے لیے بھی وہی مٹی استعمال ہوئی ہے جہاں آپ ﷺ کا روضۂ اطہر ہے، جس کے لیے آپ ﷺ نے خود ارشاد فرمایا:

مَا بَيْنَ بَيْتِي وَمِنْبَرِي رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ.(۱)

میرے کاشانۂ اقدس اور میرے منبر کا درمیانی حصہ جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے۔

ثابت ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ جس مٹی سے بنے وہ رَوْضَةٌ مِنْ رِيَاضِ الْجَنَّةِ، کی مٹی ہے اور ظاہر ہے کہ جنت کی مٹی، مٹی ہو کر بھی نور ہے، خاک نہیں ہے۔ اس لیے کہ جنت میں موجود ہر شے نور سے بنی ہے۔ جنت کا پانی، درخت، رضوان، حور و قصور، چشمے، شراب، الغرض جنت کی ہر شے نور ہے کیونکہ جنت خود نور ہے۔ پس حضور نبی اکرم ﷺ کا جسدِ بشری جس مٹی سے بنا وہ جنت کی مٹی ہے جو خود نور ہے، اسی بناء پر حضور نبی اکرم ﷺ کی بشریت بھی نور ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب آپ ﷺ سورج کی روشنی میں چلتے تو سایہ زمین پر نہ آتا، آپ ﷺ کے جسم پر مکھی نہ بیٹھتی، جس گلی کوچے سے گزر جاتے تو صحابہ کرام ﷺ آپ ﷺ کے جسمِ

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجمعة، باب فضل ما بین القبر والمنبر، ۱: ۳۹۹، رقم: ۱۱۳۸

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الحج، باب کراهیة النبی ﷺ أن تعری المدینة، ۲: ۶۶۷، رقم: ۱۷۸۹

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحج، باب ما بین القبر والمنبر روضة من ریاض الجنة، ۲: ۱۰۱۰-۱۱۱، رقم: ۱۳۹۰-۱۳۹۱

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۳۶، رقم: ۷۲۲۲

۵۔ ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب ما جاء فی فضل المدینة، ۵: ۷۱۸-۷۱۹، رقم: ۳۹۱۵-۳۹۱۶،

۶۔ نسائی، السنن، کتاب المساجد، باب فضل مسجد النبی ﷺ والصلاة فیه، ۲: ۳۵، رقم: ۶۹۵

اقدس کی خوشبو پہچان لیتے تھے کہ آپ ﷺ اس راستے سے گزرے ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ اگر حضرت علی رضی اللہ عنہ کی دُکھتی آنکھوں پر لعاب دہن لگا دیتے ہیں تو وہ آنکھیں ایسی شفایاب ہوتی ہیں کہ زندگی بھر دوبارہ آشوب چشم کا شکار نہیں ہوئیں، کسی کی نیزے کی نوک سے پھوٹی آنکھ کو لعاب دہن سے دوبارہ اس کی جگہ پر لگا کر زندگی بھر کے لیے روشن کر دیتے ہیں، کھارے اور کڑوے پانی کے کنویں میں اپنا لعاب دہن ڈال دیتے تو وہ پانی میٹھا ہو جاتا۔ اپنی انگلیاں کچھ پانی میں ڈبو دیتے تو ۵۰۰ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے کافی ہو جاتا۔

چنانچہ مثلیت کا معنی سمجھنا چاہیے کہ مثلیت کا اطلاق کس شے پر ہے؟ جس طرح مومن اور فاسق، ولی اللہ اور بدکار، نبی اور غیر نبی اگرچہ بشر اور انسان ہونے میں ایک جیسے ہیں مگر مقام و مرتبہ اور شانِ کمال کے اعتبار سے ایک دوسرے سے کوسوں دور ہیں۔ اس لیے علوِ شان اور بلندئ مقام کی ہر کیفیت پر فقط اپنے جیسی بشریت کا اطلاق نہیں ہوسکتا۔ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ مِّثْلُکُم کا خطاب صرف کافروں کے لیے ہے کہ جن کی نگاہ بشریت پر ہی پڑا کرتی تھی۔ یہ خطاب حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان و حضرت علی رضی اللہ عنہم کو نہیں کیا گیا، اس لیے کہ یہ اصحاب مثلیت کو نہیں دیکھتے تھے بلکہ فضلیت اور فوقیت کو دیکھتے تھے۔ وہ یہ نہیں دیکھتے تھے کہ یہ ہمارے ساتھ کھاتے پیتے ہیں بلکہ وہ تو یہ دیکھتے کہ پتھروں کو اشارہ کرتے ہیں تو وہ کلمہ پڑھتے ہیں، درخت کی طرف انگلیاں اٹھاتے ہیں تو وہ زمین کا سینہ چیر کر سجدہ ریز ہو جاتا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی شانِ اقدس کا یہ ایک عظیم انسانی پہلو ہے جس کو أَیُّکُمْ مِثْلِیْ کی روشنی میں قرآن مجید کی آیت کی تفسیر میں ضمناً بیان کیا گیا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی ساری تعلیمات رحمت، شفقت، نرمی اور سہولت پر مبنی ہیں۔ ان میں قطعاً کسی مقام پر شدت، انتہا پسندی اور مبالغہ پرستی کی گنجائش نہیں ہے چہ جائیکہ اس میں بربریت اور دہشت گردی کی گنجائش ہو جو سراسر کفر ہے۔

باب نمبر 6

وُسعتِ رحمتِ مصطفیٰ ﷺ

اللہ رب العزت کی وسعتِ رحمت یعنی ﴿وَرَحْمَتِیْ وَسِعَتْ كُلَّ شَیْءٍ﴾[1] اور ﴿إِنَّ رَحْمَتِي سَبَقَتْ غَضَبِي﴾[2] کا قرآن و حدیث کی روشنی میں مطالعہ کرنے کے بعد آیئے اسلام کے دینِ امن و رحمت ہونے کے تناظر میں وسعتِ رحمتِ مصطفیٰ ﷺ کے عملی مظاہر کا جائزہ لیتے ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی شانِ بے مثال یہ ہے کہ اللہ رب العزت نے انہیں ﴿وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَ﴾[3] کے ذریعے رَحْمَةً لِجَمِيْعِ النَّاسِ[4] قرار دے کر تمام جہانوں اور جمیع مخلوقات کے لیے رحمت بنا دیا۔ اسی رحمت کا ذکر قرآن مجید میں یوں فرمایا ہے:

لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ عَزِيْزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌo[5]

بے شک تمہارے پاس تم میں سے (ایک باعظمت) رسول (ﷺ) تشریف لائے۔ تمہارا تکلیف و مشقت میں پڑنا ان پر سخت گراں (گزرتا) ہے۔ (اے لوگو!) وہ تمہارے لیے (بھلائی اور ہدایت کے) بڑے طالب و آرزومند رہتے ہیں (اور) مومنوں کے لیے نہایت (ہی) شفیق بے حد رحم فرمانے والے ہیںo

---

(۱) الأعراف، ۷:۱۵۶

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب التوحید، باب (وکان عرشه علی الماء)، ۶: ۲۷۰۰، رقم: ۶۹۸۶

(۳) الأنبیاء، ۲۱:۱۰۷

(۴) قرطبی، الجامع لأحکام القرآن، ۱۱: ۳۵۰

(۵) التوبة، ۹: ۱۲۸

www.MinhajBooks.com

گویا اللہ رب العزت نے تمام بنی نوع انسان کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ کو سراپائے رحمت بنا کر بھیجا کہ آپ ﷺ پوری انسانیت کے دکھوں اور مشقتوں پر گرانی محسوس کرنے والے، ہر مومن و غیر مومن کی بہتری اور بھلائی کے خواہاں اور کوشاں رہنے والے ہیں، تاکہ ہر شخص بھلائی سے ہم کنار ہو جائے جبکہ آپ ﷺ مؤمنوں کے لیے بالخصوص سراسر رحمت ہیں۔

۱۔ بعثتِ مصطفیٰ ﷺ رحمتِ اِلٰہیہ ہے

حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس اور آپ ﷺ سے تعلق و نسبت رکھنے والی ہر ہر چیز سے رحمت و محبت ہی عیاں ہوتی ہے۔ حتی کہ آپ ﷺ کی بعثتِ مبارکہ بھی انسانیت کے لیے رحمت کا باعث ہے۔

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب حضور نبی اکرم ﷺ کو مشرکین نے سخت تکالیف پہنچائیں، آپ ﷺ پر پتھر برسائے گئے یہاں تک کہ آپ ﷺ کا جسد مبارک لہولہان ہو گیا تو یہ حال دیکھ کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

يَا رَسُوْلَ اللهِ، ادْعُ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ.

یارسول اللہ! ان مشرکین کو (جنہوں نے آپ ﷺ کو تکلیف پہنچائی ہے) بددعا دیں۔

آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا: نہیں، میں ان کے لیے بد دعا نہیں کروں گا، کیونکہ:

إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ لَعَّانًا وَإِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً. (۱)

مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا، مجھے صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب النهي عن لعن الدواب وغيرها، ۴: ۲۰۰۶، رقم: ۲۵۹۹
۲۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۱۹: ۱۸۹، رقم: ۴۲۴
۳۔ أبو يعلى، المسند، ۱۱: ۳۵، رقم: ۶۱۷۴
۴۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۷۲

www.MinhajBooks.com

۲۔ حضرت سلمان فارسی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وَإِنَّمَا بَعَثَنِي رَحْمَةً لِلْعَالَمِيْنَ.[1]

بے شک اس ذات نے مجھے تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔

اس حدیث مبارک میں حضور نبی اکرم ﷺ کی رحمت اسی طرح کلمہ حصر کے ساتھ بیان ہوئی ہے جس طرح آیتِ کریمہ ﴿وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَةً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ﴾ میں کلمہ حصر کے ساتھ بیان ہوئی۔ عربی گرائمر کا قاعدہ ہے کہ جب نفی کے ساتھ استثنیٰ آئے (جیسے مَا کلمہ نافیہ ہے، اور إِلَّا حرفِ استثنیٰ ہے) تو بیان، حصر کا فائدہ دیتا ہے اور آیت کا معنی یہ بنتا ہے کہ ہم نے آپ کو تمام جہانوں کے لیے 'صرف' رحمت ہی بنا کر بھیجا ہے۔ آپ ﷺ کی ذات سے کسی کو ضرر، گزند یا نقصان پہنچ ہی نہیں سکتا اور نہ ہی آپ ﷺ کسی کے لیے تکلیف دہ ثابت ہو سکتے ہیں۔ چنانچہ دوست ہو یا دشمن، اپنا ہو یا غیر، مومن ہو یا کافر، نیکوکار ہو یا بدکار، آپ ﷺ کی بارگاہ میں جو بھی آئے گا اور آپ ﷺ جس کی طرف بھی متوجہ ہوں گے تو سراپائے رحمت ﷺ سے ہر شخص کو صرف شفقت، رحمت، لطف و کرم اور بخشش و انعام ہی ملے گا، کسی قسم کا کوئی انتقام یا معمولی سی رنجش بھی ڈھونڈے سے بھی نہیں ملے گی۔ آپ ﷺ نے یہی بات کلمہ حصر کے ساتھ اس حدیث شریف میں بیان فرمائی: وَإِنَّمَا بَعَثَنِي رَحْمَةً لِلْعَالَمِيْنَ کہ میرے اللہ نے تو مجھے تمام جہانوں کے لیے صرف رحمت ہی بنا کر مبعوث فرمایا ہے۔

اسی بنا پر قرآن مجید میں ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

فَبِمَا رَحۡمَةٍ مِّنَ اللهِ لِنۡتَ لَهُمۡ ۚ وَلَوۡ كُنۡتَ فَظًّا غَلِيۡظَ الۡقَلۡبِ لَانۡفَضُّوۡا مِنۡ حَوۡلِكَ.[2]

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵:۲۶۸، رقم: ۲۳۶۱

۲۔ أبوداود، السنن، کتاب السنة، باب في فضل أصحاب رسول الله ﷺ، ۴: ۲۱۵، رقم: ۴۶۵۹

۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۸:۱۹۶، رقم:۸۰۳

(۲) آل عمران، ۳: ۱۵۹

(اے حبیبِ والا صفات!) پس اللہ کی کیسی رحمت ہے کہ آپ ان کے لیے نرم طبع ہیں اور اگر آپ تُندخُو (اور) سخت دل ہوتے تو لوگ آپ کے گرد سے چھٹ کر بھاگ جاتے۔

یعنی آپ ﷺ ہرکس و ناکس، دوست، دشمن، اپنے، بیگانے، غرض ہر ایک سے بڑی نرمی، شفقت اور بڑے لطف و کرم سے پیش آتے ہیں۔ اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کے وجودِ مبارک، قلبِ اطہر اور آپ ﷺ کے ظاہر و باطن کو خود اپنی رحمت کا منبع اور سرچشمہ بنایا ہے۔ اگر آپ ﷺ رحمت کا پیکر نہ ہوتے تو لوگ آپ ﷺ کے اردگرد کشاں کشاں نہ اکٹھے ہوتے۔ آپ ﷺ کے حکم پر جانیں نہ لٹاتے، گردنیں نہ کٹواتے۔ آپ ﷺ کی محبت و تعظیم اور ادب و توقیر میں قربانیاں دینے کا سبب یہی ہے کہ اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو سراپائے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان لوگوں کو بھی آپ ﷺ کی طرف سے محبت، پیار، رحمت اور شفقت ملتی ہے۔

۲۔ ذاتِ مصطفیٰ ﷺ تحفۂ خداوندی ہے

حضور نبی اکرم ﷺ سراسر اللہ تعالیٰ کے عطا کردہ پیکرِ رحمت اور ساری کائنات کے لیے تحفہ ہیں۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنا سراپا رحمت ہونا یوں بیان فرمایا ہے:

إِنَّمَا أَنَا رَحْمَةٌ مُهْدَاةٌ. (۱)

بے شک میں (تمام عوالم کے لیے) تحفتاً عطا کی گئی رحمت ہوں۔

---

(۱) ۱۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۶: ۳۲۵، رقم: ۳۱۷۸۲

۲۔ دارمي، السنن، ۱: ۲۱، رقم: ۱۵

۳۔ حاكم، المستدرك، ۱: ۹۱، رقم: ۱۰۰

۴۔ قضاعي، مسند الشهاب، ۲: ۱۸۹، رقم: ۱۱۶۰

۵۔ ابن عساكر، تاريخ مدينة دمشق، ۵: ۴۰۱

اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی صورت میں جو رحمت اپنی تمام مخلوقات پر کی ہے، یہ رحمتِ مکتسبہ نہیں بلکہ رحمتِ مهداۃ ہے۔ یہ رحمت اکتساب کی ہوئی یا جهد و جہ، محنت اور تربیت و ریاضت کا نتیجہ نہیں بلکہ اللہ رب العزت کی عطا سے جبلی طور پر آپ ﷺ کی ذات کا حصہ ہے۔ یعنی جس دن آپ ﷺ کی خِلقت ہوئی تھی اسی دن سے آپ ﷺ کے جسدِ عنصری اور روحِ مبارک کو منبعِ رحمت بنا دیا گیا تھا۔ چنانچہ رحمت آپ کی خِلقت میں شامل اور آپ ﷺ کے اندر ودیعت کردہ ہے۔ آپ ﷺ پر رحمت پیدائشی طور پر عطیہ اور وھب ہے اور یہ کسی قسم کے اکتساب کا نتیجہ نہیں ہے۔

اللہ رب العزت نے یہ ارادہ فرمایا کہ اپنی مخلوقات، خصوصاً انسانوں کو اپنی رحمتِ حجابانہ یا بے حجابانہ سے نوازنے کے لیے اپنی رحمت کا سب سے بڑا منبع، ذخیرہ اور خزانہ زمین پر اتاروں اور اس مطلعِ رحمت سے رحمت آگے مزید تقسیم ہوتی رہے۔ اللہ رب العزت نے اس طرح وجودِ مصطفیٰ ﷺ کو کائنات میں اپنی رحمت کا عظیم چشمہ اور منبع بنا دیا۔ لہٰذا آپ ﷺ رحمۃٌ للعالمین ہیں، جس کا مطلب یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا وجود بذاتِ خود رحمتِ الٰہیہ اور رحمتِ ایزدی کا مظہر ہے۔

۳۔ ذاتِ مصطفیٰ ﷺ اور مومنین کے مابین حدِّ قربت

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا ہے:

اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ وَاَزْوَاجُهٗٓ اُمَّهٰتُهُمْ.(۱)

یہ نبیِّ (مکرّم ﷺ) مومنوں کے ساتھ اُن کی جانوں سے زیادہ قریب اور حقدار ہیں اور آپ کی ازواجِ (مطہّرات) اُن کی مائیں ہیں۔

اس آیتِ مبارکہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی شانِ رحمت بیان ہو رہی ہے کہ یہ نبی ﷺ تمام مومنوں کی جانوں سے بھی زیادہ ان کے قریب ہیں۔ مومنین کو اپنی تکلیف کا احساس بعد

(۱) الأحزاب، ۳۳: ٦

میں ہوتا ہے جب کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو پہلے ہی ان کے دکھ، درد اور تکلیف کا احساس ہو جاتا ہے کیونکہ وہ ان کی جانوں سے بھی سے قریب تر ہیں۔ امت پر حضور نبی اکرم ﷺ کی شفقت کا عالم یہ ہے کہ آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات کا درجہ امتیوں کے لیے ماؤں کا ہے۔ اللہ رب العزت نے ازواجِ مطہرات کو امہات المومنین کا درجہ عطا فرما کر واضح فرما دیا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال کے بعد بھی کوئی ان سے نکاح نہیں کرسکتا (ان کی یہ حرمت اور تعظیم وتکریم دائمی ہے)۔ ثانیاً چونکہ ازواجِ مطہرات کی ذوات مقدسہ مومنوں کے لیے ممتا سے عبارت ہیں، اس لیے اس صورت میں بھی یہ انتہا درجے کی رحمت وشفقت کی علامت ہے۔

(۱) ختمِ نبوت کے اثبات پر ایک ضمنی بحث

اس موقع پر اسی آیتِ کریمہ سے ختمِ نبوت پر استدلال کا ذکر کرنا بے سود نہیں ہوگا۔ مذکورہ آیت کریمہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی ازواجِ مطہرات کو امتِ مسلمہ کی مائیں کہا گیا ہے۔ عمومی زندگی میں ہم دیکھتے ہیں کہ اگر کسی کی زوجہ کسی دوسرے کے لیے ماں کے درجے کی حامل ہوتو وہ بذاتِ خود اس شخص کے لیے باپ کا درجہ اختیار کر لے گا۔ چنانچہ اس اعتبار سے چاہیے تو یہ تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو امت کا والد یا باپ کہا جاتا مگر آپ ﷺ کے لیے لفظ 'باپ' استعمال نہیں کیا گیا بلکہ ختمِ نبوت کے تناظر میں نازل شدہ آیتِ کریمہ میں باپ ہونے کی نفی فرما دی گئی۔ ارشاد فرمایا:

مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِكُمْ وَلٰـكِنْ رَّسُوْلَ اللهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ ؕ وَكَانَ اللهُ بِكُلِّ شَیْءٍ عَلِيْمًاo[(۱)]

محمد (ﷺ) تمہارے مَردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں لیکن وہ اللہ کے رسول ہیں اور سب انبیاء کے آخر میں (سلسلۂ نبوت ختم کرنے والے) ہیں، اور اللہ ہر چیز کا خوب علم رکھنے والا ہےo

(۱) الاحزاب، ۳۳: ۴۰

اس آیتِ کریمہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے کسی مرد کے باپ ہونے کی نفی یعنی نفیِ اَبُوَّتْ واضح ہے۔ آپ ﷺ کی عظمت اور امت کے لیے آپ ﷺ کے مقامِ ادب وتعظیم کے حوالے سے یہ بات خاص ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو ایک طرف تو سِرے سے امت کا باپ نہیں کہا اور دوسری طرف آپ ﷺ کے کسی بھی مرد کا باپ ہونے کی یکسر نفی فرما دی۔ غور طلب نکتہ ہے کہ ایسا کیوں فرمایا گیا کہ آپ ﷺ کسی مرد کے باپ نہیں بلکہ خاتم النبیین ہیں؟ حالانکہ اصلاً نبی ہونا کسی کے باپ ہونے کے منافی نہیں اور نہ کسی کا باپ ہونا نبی ہونے کے منافی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ اللہ رب العزت کے آخری رسول ہیں تو کیا ان کے لیے کسی مرد کا باپ نہ ہونا شرعاً ضروری ہے جس کا اس آیتِ مقدسہ میں ذکر فرمایا گیا؟ کتنے انبیاء ایسے ہوئے کہ جو باپ بھی تھے، بیٹے بھی تھے اور نبی و رسول بھی تھے مثلاً:

۱۔ حضرت اسماعیل بن حضرت ابراہیم علیہما السلام

۲۔ حضرت یوسف بن حضرت یعقوب بن حضرت اسحاق بن حضرت ابراہیم علیہم السلام

۳۔ حضرت یحییٰ بن حضرت زکریا علیہما السلام۔

کم و بیش ایک لاکھ چوبیس ہزار انبیاء کرام میں تین سو چودہ رسول ہوئے اور ان میں سے کئی رسل کے بیٹے بھی نبی ہوئے ہیں۔ اس لیے کہ اس میں فضیلت ہے کہ رسول کی اولاد بھی رسول ہو بلکہ یہ تو اللہ تبارک و تعالیٰ کی طرف سے نعمت در نعمت، فضیلت در فضیلت، نور علیٰ نور اور نور فوق نور کی مثل ہے۔ چنانچہ جب قیامت کا دن ہوگا، یہ رسول اور نبی کھڑے ہوں گے، ان کے بیٹے بھی کھڑے ہوں گے، وہ بھی نبی ہوں گے، ان کے پوتے بھی کھڑے ہوں گے وہ بھی نبی ہوں گے، ان کے پڑپوتے بھی کھڑے ہوں گے، وہ بھی نبی ہوں گے۔ الغرض نسلاً بعد نسلٍ یہ کتنے بڑے اعزاز، فضیلت اور نعمت کا اظہار ہوگا۔

دوسری طرف حضور نبی اکرم ﷺ کی فضیلت تمام انبیاء و رسل عظام سے فائق اور برتر ہے بلکہ دیگر انبیاء علیہم السلام کی تمام فضیلتیں بھی حضور نبی اکرم ﷺ میں جمع ہیں۔ ارشاد فرمایا:

تِلْکَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰی بَعْضٍ م مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللهُ وَرَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ.(1)

یہ سب رسول (جو ہم نے مبعوث فرمائے) ہم نے ان میں سے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے، ان میں سے کسی سے اللہ نے (براہِ راست) کلام فرمایا اور کسی کو درجات میں (سب پر) فوقیت دی (یعنی حضور نبی اکرم ﷺ کو جملہ درجات میں سب پر بلندی عطا فرمائی)۔

وہ تمام فضیلتیں، تمام شانیں، تمام مراتب اور تمام درجات جو اللہ نے تمام انبیاء اور رسل کو الگ الگ عطا فرمائے وہ تمام نبوت و رسالتِ محمدی میں یک جا ہیں اور حضور نبی اکرم ﷺ جامع الکمالات ہیں۔ اس سوچنے والی بات ہے کہ کیا وجہ ہے کہ جب اَبُوَّتْ، نبوت کے منافی نہیں بلکہ فضیلت ہی کا باعث ہے تو آپ ﷺ سے اس کی نفی کیوں کی گئی؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ سے کسی مرد کے باپ ہونے یعنی اَبُوَّتْ کی نفی اس لیے کی گئی کہ اللہ رب العزت نے آپ کو خاتم النبیین بنا کر مبعوث فرمایا اور آپ ﷺ کے بعد نبوت کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا، لہٰذا اگر حضور نبی اکرم ﷺ کے جوان یا بڑی عمر کے بیٹے ہوتے اور ختمِ نبوت کے باعث نسلاً بعد نسلٍ عطائے نبوت کی اس فضیلت سے محروم رہتے اور نبی نہ بنتے تو آپ ﷺ کی فضیلت میں اس حوالے سے کمی رہ جاتی۔ لہٰذا اس آیت میں صرف بیٹے کا لفظ نہیں آیا بلکہ ایسے بیٹے کا ذکر ہے جو رَجُل ہو۔ عربی زبان میں 'رَجُل' اس شخص کے لیے استعمال ہوتا ہے جو بلوغ کو پہنچتا اور عاقل و بالغ جوان مرد ہوتا ہے۔ اس کے برعکس بچے کو عربی میں صَبِی یا طِفل یا اولاد کہتے ہیں، رَجُل نہیں کہتے۔ قرآن اور حدیث میں جب بھی رَجُل یا اس کی جمع لفظ رِجَال آئے گا تو اس سے مراد عاقل، بالغ، ذمہ دار اور مکلّف مرد ہوں گے۔

اسی لیے اللہ رب العزت نے یہ نہیں فرمایا: مَا كَانَ مُحَمَّدٌ اَبَآ اَحَدٍ مِّنْكُمْ 'تم میں

(1) البقرة، 2: 253

سے کسی کے بھی باپ نہ تھے‘ کیونکہ اگر یہ فرما دیا جاتا تو پھر حضور نبی اکرم ﷺ کے بچپن میں وفات پانے والے بچے بھی نہ ہوتے، لہٰذا فرمایا: اَبَآ اَحَدٍ مِّنْ رِّجَالِکُمْ ’تم میں سے کسی مرد کے باپ نہیں ہیں۔‘

یوں تو حضور نبی اکرم ﷺ کے تین اور بعض روایتوں کے مطابق چار بیٹے ہوئے:

۱۔ حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ

۲۔ حضرت طیب رضی اللہ عنہ

۳۔ حضرت طاہر رضی اللہ عنہ

۴۔ حضرت قاسم یا حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ

مگر سب صاحبزادے بچپن اور نوعمری ہی میں انتقال فرما گئے، ان میں سے کوئی بالغ نہیں ہوا یعنی مرد ہونے کی عمر کو نہیں پہنچ سکا۔ کسی نبی کی بعثت اور اس کا اعلانِ نبوت عموماً بلوغ یعنی عاقل بالغ ہونے سے پہلے نہیں ہوتا چنانچہ اگر حضور نبی اکرم ﷺ کی ’اولاد‘ جوان ہو کر رَجُل اور رِجَال کی عمر تک اور بعثت و اعلان نبوت کی عمر تک پہنچ جاتے مگر نبی نہ ہوتے تو آپ ﷺ کی اس فضیلت (یعنی صاحبزادوں کا بھی نبی ہونا) میں کمی رہ جاتی۔ اللہ رب العزت کو یہ گوارا نہ تھا کہ آپ ﷺ کی فضیلت میں کسی بھی طرح کی کمی رہ جائے۔ لہٰذا آپ ﷺ کو ختمِ نبوت کی شان عطا کر دینے، قیامت تک آپ ﷺ کے بعد کوئی بھی کسی قسم کا نبی و رسول نہ بھیجنے اور قیامت تک کی ساری مخلوق میں صرف رسالتِ محمدی ﷺ کا سایہ برقرار رکھنے کے سبب آپ ﷺ کو کسی مرد کا باپ نہیں بنایا گیا۔ نیز کسی اور نبی کا امتی طعنہ دے سکتا تھا کہ ہمارے نبی کو تو نسلاً بعد نسلٍ یہ فضیلت حاصل ہے جبکہ تمہارے نبی کو نہیں لہٰذا ہمارا نبی اس فضیلت میں بڑھ گیا۔ اسی سبب اللہ تبارک و تعالیٰ نے آپ ﷺ کے تمام شہزادوں کو نوعمری ہی میں وصال عطا فرما دیا۔

لہٰذا جب آپ ﷺ رِجَال میں سے کسی کے باپ بنے ہی نہیں تو نبوت کے اگلی پشتوں تک منتقل نہ ہونے کا طعنہ آپ ﷺ پر آ ہی نہیں سکتا۔ اللہ رب العزت نے اس طعنے سے

بھی شانِ محمدی اور امتِ محمدی کو محفوظ رکھا اور ختمِ نبوت کا نظام بھی برقرار رکھا۔[1]

(۲) ذاتِ مصطفیٰ ﷺ شانِ الوہیت کی مظہر ہے

اللہ تبارک و تعالیٰ نے ایک طرف اپنے رسولِ مکرم ﷺ کو کسی مرد کے باپ نہ ہونے کے حوالے سے عطا کردہ شان کے ذریعے بھی باقی انبیاء سے جدا کر دیا اور دوسری طرف اسے اپنی شانِ الوہیت کی مظہریت کے طور پر حضور نبی اکرم ﷺ میں رکھ دیا۔ اللہ تعالیٰ نے اپنی شان کے لیے بھی قرآن مجید میں یہی قاعدہ ارشاد فرمایا ہے:

قُلْ اِنْ كَانَ لِلرَّحْمٰنِ وَلَدٌ ق فَاَنَا اَوَّلُ الْعٰبِدِيْنَ ○[2]

فرما دیجیے کہ اگر (بفرضِ محال) رحمٰن کے (ہاں) کوئی لڑکا ہوتا (یا اولاد ہوتی) تو میں سب سے پہلے (اس کی) عبادت کرنے والا ہوتا ○

مشرکین کہتے تھے کہ اللہ کے بیٹے اور بیٹیاں ہیں اس لیے ہم انہیں بھی اللہ مانتے ہیں۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ محبوب فرما دو کہ اگر اللہ کا کوئی بیٹا ہوتا تو میں سب سے پہلے اس کی عبادت کرنے والا ہوتا۔ سوال یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ کیوں فرمایا کہ میں سب سے پہلے اسے معبود جانتا اور اس کی عبادت کرتا؟ اس لیے کہ اگر اللہ کا بیٹا ہوتا تو یہ ہو ہی نہیں سکتا تھا کہ وہ خدا نہ ہو۔ خدا کا بیٹا ہو اور الوہیت کی صفات سے خالی ہو، یہ ممکن نہیں تھا۔ بیٹے میں باپ ہی کا رنگ نظر آتا ہے۔ اگر بہت بلند صفات کا حامل اور بڑا جلیل القدر باپ ہو تو اس کی صفات کی کوئی نہ کوئی جھلک بیٹے میں ضرور آتی ہے۔ بیٹوں کی شکل، عادات، قد و قامت اور اخلاق باپ سے اتنے ملتے ہیں کہ لوگ اولاد کو دیکھ کر پہچان لیتے ہیں کہ یہ فلاں کا بیٹا لگتا ہے۔ چنانچہ جس طرح باپ بیٹوں کے ظاہری خواص و عادات ملتے ہیں اس طرح باطنی خواص اور باطنی روحانی کمالات بھی باپ سے بیٹے میں منتقل ہوتے ہیں۔ لہٰذا یہ کیسے ممکن ہے کہ کسی معمولی ہستی

(۱) اس موضوع پر تفصیلی مطالعہ کے لیے راقم کی تصنیف 'عقیدہ ختم نبوت' ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) الزخرف، ۴۳: ۸۱

www.MinhajBooks.com

کا نہیں بلکہ اللہ کا بیٹا ہوتا اور الوہیت سے کلیتًا خالی ہوتا۔ اسی بناء پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر اللہ کا بیٹا ہوتا تو میں اس کی عبادت کرتا لیکن جب میں کسی اور کی عبادت نہیں کرتا تو سمجھ لو کہ خدا کا کوئی بیٹا نہیں اور خدا بیٹے سے پاک ہے۔ اس پاک ذات کی شان تو یہ ہے:

قُلْ هُوَ اللهُ اَحَدٌo اَللهُ الصَّمَدُo لَمْ يَلِدْ وَلَمْ يُوْلَدْo وَلَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌo(۱)

(اے نبی مکرّم!) آپ فرما دیجیے: وہ اللہ ہے جو یکتا ہےo اللہ سب سے بے نیاز، سب کی پناہ اور سب پر فائق ہےo نہ اس سے کوئی پیدا ہوا ہے اور نہ ہی وہ پیدا کیا گیا ہےo اور نہ ہی اس کا کوئی ہمسر ہےo

اگر وہ قادرِ مطلق یہ فیصلہ کر دیتا کہ میرا بیٹا بھی ہو تو اس بیٹے میں بھی کسی نہ کسی درجہ کی خدائی منتقل ہوتی۔ لیکن اگر لا إلٰه إلا الله کے مطابق خدائی آگے منتقل نہ ہوتی اور خدا کا بیٹا تو ہوتا مگر خدا نہ ہوتا تو یہ بھی ایک طعنہ بن جاتا کہ عام مخلوق میں تو باپ کی صفات بیٹے میں منتقل ہوتی ہیں مگر وہ خدا کا بیٹا ہو کر بھی صفتِ معبودیت سے تہی دامن ہے۔ لہٰذا اللہ رب العزت نے نہ اپنا بیٹا رکھا اور نہ ہی اپنے سوا کسی اور کو خدا بننے دیا۔ لہٰذا اس کے سوا کسی اور کو إلٰه جاننا یا کسی اور کی پرستش کرنا بھلا کیسے جائز ہوسکتا ہے۔ اللہ رب العزت نے مطلقاً کسی اور کی خدائی کو جائز ہی قرار نہیں دیا بلکہ رد کرتے ہوئے فرما دیا:

لَوْ كَانَ فِيْهِمَآ اٰلِهَةٌ اِلَّا اللهُ لَفَسَدَتَا.(۲)

اگر ان دونوں (زمین و آسمان) میں اللہ کے سوا اور (بھی) معبود ہوتے تو یہ دونوں تباہ ہو جاتے۔

چنانچہ جب اس کے سوا کسی اور نے خدا ہونا ہی نہیں تھا تو اس کا بیٹا کیسے ہوتا؟

(۱) الإخلاص، ۱۱۲: ۱-۴

(۲) الأنبياء، ۲۱: ۲۲

www.MinhajBooks.com

اس نے اپنی اس شان کی جھلک، مرتبہ خلق، مرتبہ رسالت اور مرتبہ ختم نبوت میں اپنے محبوب ﷺ میں بھی منعکس کی اور فرمایا، میرے محبوب جس طرح اگر میرا بیٹا ہوتا تو لازماً وہ خدائی میں شریک ہوتا اور توحید نہ رہتی، اسی طرح محبوب چونکہ میں نے آپ ﷺ کو خاتم النبیین بنایا ہے لیکن اگر آپ ﷺ کا بیٹا جوان ہوتا تو یقیناً وہ بھی نبی ہوتا کیونکہ آپ ﷺ سے پہلے انبیاء کے بیٹے بھی نبی ہوئے ہیں لیکن ایسا ہوتا تو آپ ﷺ خاتم النبیین نہ رہتے۔ اس لیے جس طرح میں نے اپنی خدائی میں اپنی توحید کو برقرار رکھنے کے لیے اپنے آپ کو بیٹے سے پاک رکھا ہے، اسی طرح اے حبیب! آپ ﷺ کی ختم نبوت کو برقرار رکھنے کے لیے میں نے آپ ﷺ کو بھی بیٹے کے جوان ہونے کی صفت سے علیحدہ رکھا۔

یہ وہ بنیادی نکتہ تھا جس کی وجہ سے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی ازواج کو امت کی مائیں کہا مگر آپ ﷺ کو امت کا باپ نہیں کہا۔ اس لیے کہ جب کسی کو باپ کہتے ہیں تو اس سے ایک یکسانیت، برابری اور ایک طرح کی ہمسری اور شراکت کا شائبہ پیدا ہو جاتا ہے کہ آج میں باپ ہوں یہ بیٹا ہے، کل کو یہی میرا بیٹا کسی اور بیٹے کا باپ ہو جائے گا، پھر اس کے بیٹے ہوں گے۔ باپ ایک ایسا لفظ اور ایک ایسا مرتبہ ہے جو ہر نسل کو آگے منتقل ہوتا رہتا ہے اور اس میں کسی چھوٹے بڑے کی تخصیص بھی نہیں۔ لہٰذا اللہ رب العزت نے فیصلہ کیا کہ اے محبوب! جس طرح میں ساری کائنات میں اپنی خدائی اور اپنی خالقیت میں یکتا ہوں، تیری محبوبیت کے سبب میں تجھے بھی ختمِ نبوت کا تاج پہنا کر منفرد، یکتا، لاثانی اور بے مثال بنانا چاہتا ہوں کہ تمام مخلوق میں کوئی تیرا ہم سر نہ ہو۔

(۳) مثلیت کی نفی

اگر حضور نبی اکرم ﷺ کو باپ کہہ دیا جاتا تو وہ تمام صحابہ جو اپنے درجوں میں باپ تھے ان میں اور آپ ﷺ میں مساوات آ جاتی مگر اللہ رب العزت نے چاہا کہ لقب (title) میں بھی یکسانیت اور ہم سری نہ ہو چہ جائیکہ امتی خود کو حضور نبی اکرم ﷺ جیسا یا آپ ﷺ کو اپنی

مثل قرار دے۔[1]

یوں رب کائنات نے مثلیث کے فتنے کی جڑ ہی کاٹ دی حالانکہ باپ ہونے میں برابری کے ساتھ ساتھ فضیلت بھی ہے لیکن چونکہ فضیلت کے باوجود بھی ایک وقت میں جا کر (باپ ہونے کے ناتے) اکثریت کے برابر ہونے کا اندیشہ ہے، اس لیے اللہ رب العزت نے اس درجے کو اپنے محبوب ﷺ کے لقب کے لیے استعمال ہی نہیں کیا، کیونکہ یہ وہ لقب ہے جس سے کئی لوگوں کو پکارا جاتا ہے۔ شریعت کے قاعدہ کے مطابق صحابہ کرام کو یہ حکم تھا کہ اگر حضور نبی اکرم ﷺ کو پکارنا بھی ہو تو **یا محمد** کہہ کر نہ پکارو کیونکہ نام سے تو ہر ایک کو پکارا جاتا ہے، اس لیے جب رسول اللہ ﷺ کو پکارو تو کہو: 'یا رسول اللہؐ'، 'یا نبی اللہؐ'، 'یا حبیب اللہؐ'۔ نماز میں بھی جب ہم حضور نبی اکرم ﷺ کو تشہد (التحیات) میں درود بھیجنے کے لیے پکارتے ہیں تو کہتے ہیں:

السَّلَامُ عَلَيْکَ أَيُّهَا النَّبِيُّ وَرَحْمَةُ اللهِ وَبَرَکَاتُهُ.

اے نبی مکرم! آپ پر سلام ہو اور اللہ کی رحمتیں و برکتیں ہوں۔

گویا نماز جو خاص ادبِ الٰہی کا مقام ہے وہاں بھی امت کو حضور نبی اکرم ﷺ کو ادب کے ساتھ پکارنے کا حکم ہے۔

قرآن مجید نے تو یہاں تک کہہ دیا:

لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا وَقُوْلُوا انْظُرْنَا.[2]

(نبی اکرم ﷺ کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے) رَاعِنَا مت کہا کرو بلکہ (ادب سے) اُنْظُرْنَا (ہماری طرف نظرِ کرم فرمائیے) کہا کرو۔

لفظ رَاعِنَا کو ترک کرنے کا حکم اس لیے دیا کہ اس لفظ کی برے معنی کے ساتھ

---

(۱) گزشتہ باب پنجم میں بھی مثلیت کے حوالے سے ایک مختلف پیرائے میں بحث گزر چکی ہے۔

(۲) البقرة، ۲: ۱۰۴

www.MinhajBooks.com

مشابہت ہو جاتی اور اس میں مغالطے کے سبب گستاخی کی راہ نکلتی۔ لہٰذا اس کی جڑ ہی کاٹ دی اور حکم دیا کہ جب تمہیں ضرورت ہو کہ میرا نبی ﷺ اپنی بات کو دہرائے تاکہ تم سمجھ سکو تو رَاعِنَا (ہماری رعایت کیجئے) مت کہا کرو کیونکہ لفظ راعنا سے یہودی غلط معنیٰ لیتے تھے اور اسے لمبا کر کے کھینچ کر راعینا کہتے تھے جس کے مفہوم میں گستاخی و بے ادبی پائی جاتی ہے۔ ضرورت پڑنے پر میرے حبیب ﷺ کی بارگاہ میں یوں عرض کیا کرو: 'أنظرنا' آقا ﷺ ہمارے حال پر نظر کرم فرمائیے۔

معلوم ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے جو لقب استعمال کیا جائے اس میں بھی ہم سری اور برابری کا شائبہ نہیں ہونا چاہیے بلکہ اس میں برتری، فوقیت، فضیلت اور انفرادیت ہونی چاہیے۔

اللہ رب العزت کے فرمان ﴿اَلنَّبِیُّ اَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِیْنَ مِنْ اَنْفُسِهِمْ﴾[1] میں آپ ﷺ کی شفقت و رحمت کا اظہار کروڑوں باپوں کی شفقت سے بھی بڑھ کر ہوا ہے۔ باپ کی شفقت تو پھر بھی ایک درجے میں ہوتی ہے جبکہ اللہ رب العزت نے اس آیت میں کہا کہ یہ نبی تم پر تمہاری جانوں سے بھی زیادہ شفیق، قریب، عزیز، تمہارا سب سے زیادہ احساس اور دردِ دل رکھنے والے ہیں۔ اسی بات کو حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی ارشاد فرمایا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں آپ ﷺ نے فرمایا:

أَنَا أَوْلٰی بِالْمُؤْمِنِینَ مِنْ أَنْفُسِهِمْ.[2]

(۱) الأحزاب، ۳۳: ۶

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الکفالة، باب الدین، ۲: ۸۰۵، رقم: ۲۱۷۶

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب النفقات، باب قول النبی ﷺ من ترک کلا أو ضیاعا فإلي، ۵: ۲۰۵۴، رقم: ۵۰۵۶

۳۔ بخاری، الصحیح، کتاب الفرائض، باب قول النبی ﷺ من ترک مالا فلأهله، ۶: ۲۴۷۶، رقم: ۶۳۵۰

۴۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفرائض، باب من ترک مالا فلورثته، ←

میں مسلمانوں کا اُن کی جانوں سے بھی زیادہ مالک ہوں۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَا مِنْ مُؤْمِنٍ إِلَّا وَأَنَا أَوْلٰی بِهٖ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ.(1)

کوئی مومن ایسا نہیں ہے کہ میں دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی، اس کی جان سے بھی زیادہ اس کے قریب نہ ہوں۔

گویا حضور نبی اکرم ﷺ کی رحمت، شفقت اور لطف و کرم اس امت کے لیے دنیا میں تو ہے ہی مگر آپ ﷺ کا درجہ روزِ قیامت بھی اپنی امت کے لیے اسی طرح برقرار رہے گا۔

۴۔ حضور ﷺ عالمِ انسانیت کے لیے پیکرِ رحمت ہیں

عالمِ انسانیت کی نجات اور عذابِ الٰہی سے رہائی کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ نہایت درجہ فکرمندی کا اظہار فرماتے، اللہ رب العزت نے سورہ الکہف میں اس کا تذکرہ یوں فرمایا:

فَلَعَلَّکَ بَاخِعٌ نَّفْسَکَ عَلٰٓی اٰثَارِهِمْ اِنْ لَّمْ يُؤْمِنُوْا بِهٰذَا الْحَدِيْثِ

.... ۳:۱۲۳۷، رقم:۱۶۱۹

۵۔ أبو داود، السنن، کتاب الخراج والإمارة والفيء، باب فی أرزاق الذرية، ۳:۱۳۷، رقم:۲۹۵۴

۶۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الصدقات، باب من ترك دينا أو ضياعا فعلى الله وعلى رسوله ﷺ، ۲:۸۰۷، رقم:۲۴۱۵

۷۔ نسائی، السنن الکبری، ۱:۶۳۷، رقم: ۲۰۹۰

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، کتاب الاستقراض، باب الصلاة على من ترك دينا، ۲: ۸۴۵، رقم: ۲۲۶۹

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲:۳۳۴، رقم:۸۳۹۹

۳۔ بيهقی، السنن الکبری، ۷:۵۸، رقم:۱۳۲۴۲

اَسَفًا ○(۱)

(اے حبیبِ مکرّم!) تو کیا آپ ان کے پیچھے شدتِ غم میں اپنی جانِ (عزیز بھی) گھلا دیں گے اگر وہ اس کلامِ (ربّانی) پر ایمان نہ لائے○

حضور نبی اکرم ﷺ کی رحمت، شفقت اور سراپا درد مندی کا عالم یہ ہے کہ آپ ﷺ منکرین کے مبتلائے عذاب ہونے کا سوچ سوچ کر اپنی جان کو مشقت میں مبتلا کر رہے ہیں اور آخرت میں ان کو ملنے والی اذیت کے غم اور پریشانی کے سبب خود اپنی ذات کو بھی انہی کی فکر میں غم و تکلیف کا شکار کر رہے ہیں اور سرتوڑ کوششیں کر رہیں کہ یہ کسی طرح راہِ راست پر آ کر دونوں جہاں کی فلاح پا لیں۔ اللہ رب العزت آپ ﷺ کی اپنے جانی دشمنوں کے بارے میں ہی اس حد درجہ فکر مندی کو دیکھتے ہوئے آپ ﷺ سے مخاطب ہو کر ارشاد فرما رہا ہے کہ تمہیں ﷺ اس لیے نہیں بھیجا گیا ہے کہ آپ ان کے لیے اتنے غم زدہ اور پریشان ہو جائیں کہ اپنے آپ ہی کو حزن و اذیت میں مبتلا کر لیں، ایسا کرنا آپ ﷺ کی زندگی مبارکہ کے لیے نہایت نقصان دہ ہے۔ یہ آیت جہاں اللہ رب العزت کی حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے محبت کی مظہر ہے، وہاں آپ ﷺ کی انسانیت کے لیے بے پایاں محبت و شفقت اور رحمت کی عکاس بھی ہے۔

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے انسانیت کے لیے بھلائی اور خیر کی طلب کے اسی رویہ کو اللہ رب العزت نے اس طرح بھی بیان فرمایا:

فَلَا تَذْهَبْ نَفْسُکَ عَلَيْهِمْ حَسَرٰتٍ ط اِنَّ اللهَ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَصْنَعُوْنَ○(۲)

سو (اے جانِ جہاں!) ان پر حسرت اور فرطِ غم میں آپ کی جان نہ جاتی رہے، بے شک وہ جو کچھ سرانجام دیتے ہیں اللہ اسے خوب جاننے والا ہے○

اسلام قبول نہ کرنے کے سبب ان لوگوں کا انجام ہلاکت اور عذابِ جہنم صاف دکھائی

(۱) الکہف، ۱۸: ۶

(۲) فاطر، ۳۵: ۸

دینے کے باعث آپ ﷺ کو غم، حسرت اور پریشانی لاحق ہوتی جا رہی تھی۔ اس پر اللہ رب العزت نے فرمایا کہ اِن لوگوں کے حال اور انجام پر اتنا غم زدہ نہ ہوں کہ کہیں یہ پریشانی آپ کی جان کو ہی نقصان نہ پہنچا دے۔ لہٰذا آپ ﷺ کا فریضہ صرف دعوت دینا ہے، قبول کرنے کی ذمہ داری اُن پر ہے۔ آپ ﷺ اپنی ذمہ داری ادا فرماتے رہیں مگر اُن کی طرف سے عدمِ قبولیت پر فکرمند نہ ہوں۔

۲۔ اسی بات کو ایک اور مقام پر یوں ارشاد فرمایا:

وَلَا تَحْزَنْ عَلَيْهِمْ وَلَا تَكُنْ فِيْ ضَيْقٍ مِّمَّا يَمْكُرُوْنَ۝(۱)

اور (اے حبیبِ مکرّم!) آپ ان (کی باتوں) پر غمزدہ نہ ہوا کریں اور نہ اس مکرو فریب کے باعث جو وہ کر رہے ہیں تنگدلی میں (مبتلا) ہوں۝

یعنی اے محبوب! آپ نے ان (کفار و مشرکین) کو دعوتِ حق دے دی اور توحید و رسالت کا پیغام دیتے ہوئے حق و باطل کا انجام بھی سمجھا دیا اور آخرت میں اپنے اعمال کے سبب کون کہاں جائے گا یہ بھی بتا دیا۔ دوسرے انبیاء کرام علیہم السلام کی طرح اپنی یہ ذمہ داری کمال طریقے سے آپ ﷺ نے ادا کر دی ہے، اب اس کے بعد اپنے اچھے برے انجام کے ذمہ دار یہ لوگ خود ہیں، آپ ﷺ اس سے زیادہ پریشان نہ ہوں کیونکہ اس کا ذمہ دار آپ ﷺ کو نہیں ٹھہرایا گیا۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی انسانیت کے لیے رحمت و شفقت کا عالم تو یہ ہے کہ آپ ﷺ کے دشمن آپ ﷺ کو پتھر مارتے ہیں، جنگ کرتے اور تلواریں چلا کر جسدِ اقدس کو لہولہان کرتے ہیں، سازشیں بھی کرتے ہیں اور وطن سے بھی نکالتے ہیں، مگر آپ ﷺ اس کے باوجود آپ ﷺ پھر بھی ان کی بھلائی کے لیے فکرمند اور غم زدہ رہتے ہیں کہ کاش یہ اسلام قبول کر کے آخرت کے دردناک عذاب سے بچ جاتے۔

---

(۱) النمل، ۲۷: ۷۰

واضح رہے کہ اسلام تلوار کے ذریعے نہیں پھیلا!

مذکورہ بالا تینوں آیاتِ مبارکہ حضور نبی اکرم ﷺ کے رحیمانہ کردار اور شفقت پر مبنی طرزِ عمل کی مظہر ہیں۔ آپ ﷺ کی رحمت صرف مومنین کے لیے مخصوص نہیں بلکہ کفار اور منکرین کے لیے بھی آپ ﷺ سراپائے رحمت ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے پوری حیاتِ طیبہ میں کسی کو جبراً مسلمان بنانے کے لیے تلوار نہیں اٹھائی اور نہ ہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے ایسا کوئی فعل سرزد ہوا۔ عہدِ نبوی ﷺ میں ہونے والے غزوات اور سرایا کے ذمہ دار کفار و مشرکین اور دیگر اعدائے اسلام خود تھے جو مسلمانوں پر پہلے حملہ آور ہوتے، انہیں زد و کوب کرتے اور اذیت ناک سزائیں دیتے تھے۔

اس ضمن میں چند مثالیں پیشِ خدمت ہیں۔ غزوۂ بدر میں کفار و مشرکین مدینہ پر حملہ آور ہوئے، جبکہ مسلمانوں نے مجبور ہو کر اپنے دفاع کی جنگ لڑی۔ غزوہ احد میں بھی کفار نے جنگ کے ارادے کے ساتھ مدینہ منورہ کی طرف پیش قدمی کی اور حضور نبی اکرم ﷺ اپنے دفاع میں اسلامی لشکر کو شہر سے باہر لے جانے پر مجبور ہوئے۔ اسی طرح غزوہ احزاب، غزوہ خندق بھی کفارِ مکہ کی مدینہ پر لشکر کشی کا نتیجہ تھا جس میں مسلمانوں نے اطرافِ مدینہ میں خندق کھود کر دشمن سے اپنا دفاع کیا۔

گویا حضور نبی اکرم ﷺ کے مبارک دور میں جتنی بھی جنگیں ہوئیں، سب کی نوعیت دفاعی ہے، خواہ وہ یہود کی عہد شکنی اور مدینے پر حملے کی سازشوں کے سبب ہوئیں یا مشرکینِ مکہ اور دیگر قبائل کی لشکر کشی کی صورت میں رونما ہوئیں۔ حتی کہ فتح مکہ کا واقعہ بھی کفار و مشرکین کی طرف سے حدیبیہ کے مقام پر دس سال کے لیے کئے گئے معاہدۂ امن کو دو سال میں توڑنے کی صورت میں پیش آیا۔ یہود کے ساتھ جنگِ خیبر بھی میثاقِ مدینہ کی خلاف ورزی کے سبب ہوئی جب انہوں نے اہلِ اسلام کے خلاف حملے کے لیے افواج اور قبائل کو اکٹھا کیا۔

فتح مکہ کا تاریخی واقعہ اسلام اور حضور نبی اکرم ﷺ کی تعلیماتِ امن و رحمت کا عظیم عکاس ہے۔ اس موقع پر آپ ﷺ کی ہدایات کی روشنی میں سرزمینِ مکہ پر ایک امن پسند شخص

بھی قتل نہیں ہوا کیونکہ آپ ﷺ نے اہلِ مکہ کو امان عطا فرما دی تھی۔ فاتحِ عرب ﷺ کی حیثیت سے مکہ مکرمہ میں داخل ہوتے ہوئے آپ ﷺ نے اعلان فرما دیا:

۱۔ جو شخص ابوسفیان کے گھر میں آ جائے اس کو بھی پناہ حاصل ہے۔

۲۔ جو شخص ہتھیار ڈال دے اس کو بھی پناہ ہے۔

۳۔ جو کافر و مشرک اپنے گھر کا دروازہ بند کر لے، اس کو بھی پناہ حاصل ہے۔

آج کی دنیا میں بڑی سے بڑی مغربی طاقت بھی اس عظمتِ کردار کا تصور نہیں کر سکتی جو حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی سیرتِ طیبہ کے ذریعے عالمِ انسانیت کو عطا فرمایا۔ خلق میں ایسا شخص بھی ڈھونڈے سے نہ ملے گا کہ اس کی محبت اپنوں کے لیے تو ہے ہی کمال درجہ پر مگر کفار و مشرکین اور جان کے دشمنوں کے لیے بھی اس کی شفقت و محبت اپنی انتہا پر ہو، ہاں ہیں، فقط ایک ہیں، جنہیں دنیا آمنہؓ کے لال، خدیجہؓ و عائشہ کے شوہر اور فاطمہؓ کے بابا حضرت محمد مصطفیٰ اور احمدِ مجتبیٰ ﷺ کے مبارک نام سے جانتی ہے۔

۵۔ وجودِ مصطفیٰ ﷺ کے صدقے سے آنے والے عذاب ٹلتے ہیں

اللہ رب العزت نے حضور نبی اکرم ﷺ کو نہ صرف مسلمانوں کے لیے بلکہ تمام عالمِ انسانیت اور جمیع مخلوقات کے لیے سراپائے رحمت و شفقت بنایا ہے۔ آپ ﷺ کی شانِ بے مثال یہ ہے کہ آپ ﷺ کی موجودگی کے سبب کفار و مشرکین پر اللہ تعالیٰ کا عذاب نازل نہیں ہوا۔

اللہ رب العزت نے سورۃ انفال میں ارشاد فرمایا:

وَمَا كَانَ اللهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ.[1]

اور (درحقیقت بات یہ ہے کہ) اللہ کی یہ شان نہیں کہ ان پر عذاب فرمائے

(۱) الأنفال، ۸: ۳۳

درآنحالیکہ (اے حبیبِ مکرّم!) آپ بھی ان میں (موجود) ہوں۔

اگرچہ کفار اپنی اسلام دشمن حرکتوں کے باعث سخت سے سخت تر عذاب دیئے جانے کے لائق ہیں اور دیگر اقوام کی طرح بستیوں کے الٹائے جانے اور پتھروں کے برسائے جانے کے مستحق اور حق دار ہی کیوں نہ ہوں لیکن حضور نبی اکرم ﷺ کے وجودِ رحمت کی برکت سے اللہ ان پر عذاب نہیں فرمائے گا۔

کفار و مشرکین نے آپ ﷺ کو نہ ماننے میں تعصب اور انتہا پسندی کی حد کر دی تھی مگر جیسے پہلے لوگوں پر انبیاء کے منکر ہونے پر مختلف انداز سے عذاب نازل ہوتا تھا۔ یہ لوگ اس سے بھی دردناک عذاب کے مستحق تھے مگر آپ ﷺ کے مبارک وجود کی برکت نے انہیں عذابِ الٰہی سے دور کر دیا تھا۔

اللہ رب العزت نے وجودِ مصطفیٰ ﷺ کی برکت سے عذاب نہ آنے کے ذکر کے بعد فرمایا:

وَمَا كَانَ اللهُ مُعَذِّبَهُمْ وَهُمْ يَسْتَغْفِرُوْنَ○[1]

اور نہ ہی اللہ ایسی حالت میں ان پر عذاب فرمانے والا ہے کہ وہ (اس سے) مغفرت طلب کر رہے ہوں○

اللہ رب العزت نے توبہ واستغفار کے نتیجے میں عذاب ٹال دینے کا ذکر بعد میں کیا ہے جبکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بابرکت موجودگی کے باعث عذاب کے ٹال دیے جانے کا ذکر پہلے فرمایا ہے۔ اس لیے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی موجودگی کی صورت میں نصیب ہونے والی برکت اس سے اعلیٰ ہے جو برکت توبہ و استغفار کے نتیجے میں امتوں کو حاصل ہوتی ہے۔

(۱) الأنفال، ۸: ۳۳

٦۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا بشیر و نذیر دونوں صفات میں رحمت کا مظہر ہونا

حضور نبی اکرم ﷺ کی نبوت و رسالت کے باب میں ﴿بَشِيْرًا وَّنَذِيْراً﴾ دو انداز سے شان بیان کی گئی ہے۔ اللہ رب العزت نے اِن دونوں شانوں کے بیان میں یہ ترتیب رکھی ہے کہ 'خوشخبری سنانے والا' ہونے کا ذکر پہلے کیا اور 'ڈر سنانے والا' ہونے کا ذکر بعد میں فرمایا۔ ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَرْسَلْنٰـکَ اِلَّا کَآفَّةً لِّـلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا.[1]

اور (اے حبیبِ مکرّم!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر اس طرح کہ (آپ) پوری انسانیت کے لیے خوشخبری سنانے والے اور ڈر سنانے والے ہیں۔

بشیر و نذیر ہونا حضور نبی اکرم ﷺ کی دو صفات کا اظہار ہے۔ خوش خبری سنانے اور ڈر سنانے کے دونوں افعال میں اصلاً رحمت کارفرما ہے۔ خوش خبری سنانا، رحمت کا اظہار ہے مگر ڈر سنانے کا عمل بھی حقیقت میں رحمت ہی کا اظہار ہے۔ اس لیے کہ بعض لوگ جو خوش خبری سن کر مائل بہ ہدایت نہیں ہوتے اور ان کے دل کی سختی نہیں ٹوٹتی، انہیں اللہ کا ڈر اور اس کی پیدا کردہ ہلاکت انگیز کیفیات سنائی جاتی ہیں تاکہ وہ اللہ کے خوف اور دوزخ کے ڈر سے ہی ہدایت قبول کر لیں اور عذاب سے بچ جائیں۔ اس طرح دونوں صورتوں میں رحمت ہے۔ ان دونوں صورتوں میں رحمت ہونے کے باوجود 'بشیر' میں ظاہراً خوش خبری، کثیر رحمت و شفقت اور نرمی کا اشارہ ہے جب کہ دوسرے اسم 'نذیر' میں خوف زدگی کی کیفیت بھی ہے۔ اللہ رب العزت نے حضور نبی اکرم ﷺ کی دونوں شانوں کو بیان کرتے ہوئے آپ ﷺ کا 'خوش خبری سنانے والا' ہونا پہلے بیان کیا اور عذاب اور آخرت کا 'ڈر سنانے والا' بعد میں بیان کیا کیوں کہ 'بشیر' میں نرمی اور محبت کا رخ ہے۔ گو دونوں صفات کا مقصود اللہ تعالیٰ کے عذاب سے بچانا ہے اور دونوں

(١) سباء، ٣٤: ٢٨

رحمت ہیں لیکن قرآن مجید میں پہلے بشیراً کا ذکر اور بعد میں نذیراً کا ذکر آیا ہے۔

آیئے! اس سلسلہ میں چند اور مقامات کا مطالعہ کرتے ہیں جہاں یہی ترتیب ملحوظ رکھی گئی ہے۔

۱۔ ارشاد فرمایا:

يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ قَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلُنَا يُبَيِّنُ لَكُمْ عَلٰى فَتْرَةٍ مِّنَ الرُّسُلِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَا جَآءَنَا مِنْۢ بَشِيْرٍ وَّلَا نَذِيْرٍ ز فَقَدْ جَآءَكُمْ بَشِيْرٌ وَّنَذِيْرٌ ط وَاللّٰهُ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ○(۱)

اے اہلِ کتاب! بے شک تمہارے پاس ہمارے (یہ آخر الزمان) رسول (ﷺ) پیغمبروں کی آمد (کے سلسلے) کے منقطع ہونے (کے موقع) پر تشریف لائے ہیں، جو تمہارے لیے (ہمارے احکام) خوب واضح کرتے ہیں، (اس لیے) کہ تم (عذر کرتے ہوئے یہ) کہہ دو گے کہ ہمارے پاس نہ (تو) کوئی خوشخبری سنانے والا آیا ہے اور نہ ڈر سنانے والا۔ (اب تمہارا یہ عذر بھی ختم ہو چکا ہے کیوں کہ) بلاشبہ تمہارے پاس (آخری) خوشخبری سنانے اور ڈر سنانے والا (بھی) آ گیا ہے، اور اللہ ہر چیز پر بڑا قادر ہے○

اس آیتِ مبارکہ میں منکرین کی عذرخواہی کا جواب دیا جارہا ہے کہ یہ نہ ہو کہ میرے نبی و رسول تمہارے پاس آئیں لیکن تم ان کے آنے ہی کے منکر ہو جاؤ اور کل یہ عذر کرو کہ باری تعالیٰ ہماری بستی میں، تیری طرف سے کوئی خوش خبری سنانے والا یا ڈر سنانے والا رسول آیا ہی نہیں، اس لیے یاد رکھو کہ تمہارے پاس خوش خبری سنانے اور ڈر سنانے والا بھی آ گیا ہے۔ آیت مبارکہ میں بات نافرمانوں اور دعوتِ حق کو ٹھکرانے والوں کی ہو رہی ہے مگر یہاں بھی خوش خبری سنانے والا ہونے کا ذکر پہلے کیا اور ڈر سنانے والا ہونے کو موخر کیا۔

(۱) المائدة، ۵: ۱۹

۲۔ سورہ الاحزاب میں بھی حضور نبی اکرم ﷺ کی انہی خوبیوں کو اسی ترتیب سے بیان فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِنَّآ اَرْسَلْنٰـكَ شَاهِدًا وَّمُبَشِّرًا وَّنَذِيْرًا ○ (۱)

اے نبیِّ (مکرّم!) بے شک ہم نے آپ کو (حق اور خَلق کا) مشاہدہ کرنے والا اور (حُسنِ آخرت کی) خوشخبری دینے والا اور (عذابِ آخرت کا) ڈر سنانے والا بنا کر بھیجا ہے ○

۷۔ شفاعتِ عامہ، شفاعتِ خاصہ اور شفاعتِ عظمیٰ سب رحمتِ محمدی کے مظاہر ہیں

حضور نبی اکرم ﷺ کی رحمت کا ایک انتہائی خوب صورت اظہار ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى﴾ کے نزول کا باعث بنا۔ ایک روز حضور نبی اکرم ﷺ غم زدہ اور اشک بار تھے کہ جبرائیل علیہ السلام اللہ تعالیٰ کا پیغام لے کر آئے کہ یا رسول اللہ! اللہ رب العزت نے پوچھا ہے کہ آپ ﷺ اس قدر پریشان، غم زدہ اور دکھی کیوں ہیں؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے جواب میں فرمایا کہ مجھے یہ غم ہے کہ قیامت کے دن میری امت کا کیا حال ہوگا؟ اس پر یہ آیت نازل ہوئی:

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰى ○ (۲)

اور آپ کا رب عنقریب آپ کو (اتنا کچھ) عطا فرمائے گا کہ آپ راضی ہو جائیں گے ○

یعنی اے حبیب! آپ غم زدہ نہ ہوں، بلکہ خوش اور مطمئن ہو جائیں کیونکہ قیامت

(۱) الأحزاب، ۳۳: ۴۵
(۲) الضحی، ۹۳:۵

www.MinhajBooks.com

کے دن آپ ﷺ کا رب آپ ﷺ کو، آپ ﷺ کی امت کے معاملے میں راضی فرما دے گا کیوں کہ آپ ﷺ کو غم زدہ نہ دیکھنے کے لیے اُس نے یہ پیمانہ مقرر کر دیا ہے کہ وہ آپ ﷺ کو اس انداز سے خوش فرمائے گا کہ وہ اپنی بخشش و مغفرت کے ساتھ آپ ﷺ کی شفاعت اتنی فراوانی کے ساتھ قبول کرے گا کہ آپ ﷺ بذاتِ خود فرمائیں گے کہ مولا اب میں راضی ہوں۔

اس آیت مبارکہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کی شان کے حوالے سے دو باتیں عیاں ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ قیامت کے روز آپ ﷺ کی پریشانی گوارہ نہیں فرمائے گا۔

(۲) اللہ تعالیٰ قیامت کے دن آپ ﷺ کی رضا کو پایۂ تکمیل تک پہنچا دے گا۔

یہ نبیٔ رحمت ﷺ کی شفقت کا عظیم پہلو ہے جو صرف آپ ﷺ کی ذاتِ مبارکہ کے لیے مخصوص ہے۔

۱۔ حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: میں نے اللہ کے حضور سوال کیا کہ اے باری تعالیٰ! جس طرح تو سابقہ امتوں پر ان کی حد سے بڑھی ہوئی طرح طرح کی زیادتیوں اور گم راہیوں کے سبب عذاب نازل کرتا تھا اور اُنہیں اسی دنیا میں دائماً بھوک میں مبتلا، سمندروں میں غرق، دشمنوں کے مسلط ہونے، پتھروں کی بارش ہونے اور شکلیں مسخ ہو جانے کی ہلاکتوں میں ڈالتا تھا، باری تعالیٰ! میری امت کو اِن سخت اور ہلاکت خیز عذابوں سے محفوظ رکھنا۔ اللہ تعالیٰ نے حضور نبی اکرم ﷺ کی اس دُعا پر اپنی درج ذیل وہ خاص چیزیں عطا فرمائیں جو پہلے انبیاء میں سے کسی کو نصیب نہیں ہوئی تھیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ زَوٰى لِيَ الْأَرْضَ. فَرَأَيْتُ مَشَارِقَهَا وَمَغَارِبَهَا. وَإِنَّ أُمَّتِي سَيَبْلُغُ مُلْكُهَا مَا زُوِيَ لِي مِنْهَا، وَأُعْطِيتُ الْكَنْزَيْنِ الْأَحْمَرَ وَالْأَبْيَضَ. وَإِنِّي سَأَلْتُ رَبِّي لِأُمَّتِي أَنْ لَا يُهْلِكَهَا بِسَنَةٍ عَامَّةٍ، وَأَنْ لَا يُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوٰى أَنْفُسِهِمْ، فَيَسْتَبِيحَ بَيْضَتَهُمْ، وَإِنَّ رَبِّي قَالَ: يَا مُحَمَّدُ! إِنِّي إِذَا

قَضَيْتُ فَإِنَّهُ لَا يُرَدُّ وَإِنِّي أَعْطَيْتُكَ لِأُمَّتِكَ أَنْ لَا أُهْلِكَهُمْ بِسَنَةٍ عَامَّةٍ وَأَنْ لَا أُسَلِّطَ عَلَيْهِمْ عَدُوًّا مِنْ سِوَى أَنْفُسِهِمْ يَسْتَبِيحُ بَيْضَتَهُمْ وَلَوِ اجْتَمَعَ عَلَيْهِمْ مَنْ بِأَقْطَارِهَا، أَوْ قَالَ: مَنْ بَيْنَ أَقْطَارِهَا حَتَّى يَكُوْنَ بَعْضُهُمْ يُهْلِكُ بَعْضًا وَيَسْبِي بَعْضُهُمْ بَعْضًا.(۱)

بیشک اللہ تعالیٰ نے زمین کو میرے لیے لپیٹ دیا اور میں نے اس کے مشارق و مغارب کو دیکھا۔ عنقریب میری امت کی حکومت وہاں تک پہنچے گی جہاں تک میرے لیے زمین لپیٹی گئی۔ مجھے (قیصر و کسریٰ کے) دو خزانے سرخ اور سفید دیئے گئے۔ میں نے اپنے رب سے اپنی امت کے بارے میں سوال کیا کہ وہ انہیں قحط سالی سے ہلاک نہ کرے اور نہ ان پر ان کے غیر سے دشمن مسلط کرے جو انہیں مکمل طور پر نیست و نابود کر دے اور بے شک میرے رب نے مجھے فرمایا: اے محمد مصطفیٰ! میں جب ایک فیصلہ کر لیتا ہوں تو اس کو واپس نہیں لوٹایا جا سکتا اور بیشک میں نے آپ کو

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفتن وأشراط الساعة، باب هلاك هذه الأمة بعضهم ببعض، ۴:۲۲۱۵، رقم:۲۸۸۹

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵:۲۷۸، رقم:۲۲۴۴۸

۳۔ترمذی، السنن، کتاب الفتن، باب ما جاء فی سؤال النبي ﷺ ثلاثا فی أمته، ۴:۴۷۲، رقم:۲۱۷۶

۴۔ أبو داود، السنن، کتاب الفتن والملاحم ، باب ذکر الفتن ودلائلها، ۴:۹۷، رقم:۴۲۵۲

۵۔ بزار، المسند، ۸:۴۱۳، رقم:۳۴۸۷

۶۔ حاکم، المستدرک، ۴:۴۹۶، رقم:۸۳۹۰

۷۔ ابن أبی شیبة، المصنف، ۶:۳۱۱، رقم:۳۱۶۹۴

۸۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۵:۱۰۹، رقم:۶۷۱۴

۹۔ بیهقی، السنن الکبری، ۹:۱۸۱، رقم: ۱۸۳۹۸

۱۰۔ دیلمی، مسند الفردوس، ۲:۲۹۶، رقم:۳۳۴۷

www.MinhajBooks.com

آپ کی امت کے لیے یہ چیز عطا فرما دی ہے کہ میں انہیں قحط سالی سے نہیں ماروں گا اور نہ ہی ان کے علاوہ کسی اور کو ان پر دشمن مسلط کروں گا جو انہیں مکمل طور پر نیست و نابود کر دے اگرچہ (وہ دشمن ان کے خلاف ہر طرف سے اکٹھے) ہو جائیں یہاں تک کہ ان میں سے خود بعض بعض کو ہلاک نہ کریں اور بعض بعض کو قیدی نہ بنائیں۔

اللہ رب العزت نے حضور نبی اکرم ﷺ کی دعا کو شرفِ قبولیت سے بہرہ مند فرمایا اور خوش خبری سنا دی کہ اس طرح کے عذاب جو گزشتہ امتوں پر ان کے حد سے گذر جانے کے نتیجے میں اتارے گئے تھے، وہ آپ ﷺ کی امت پر نازل نہیں ہوں گے۔

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ يَدْعُوْ بِهَا، وَأُرِيْدُ (وفي رواية: إِنْ شَاءَ اللهُ) أَنْ أَخْتَبِيءَ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي فِي الْآخِرَةِ. (۱)

ہر نبی کو ایک خاص دعائے مستجاب کا حق ہوتا ہے جو وہ کرتا ہے، میں چاہتا ہوں کہ

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الدعوات، باب لكل نبي دعوة مستجابة، ۵: ۲۳۲۳، رقم: ۵۹۴۵

۲۔ بخاری، الصحيح، كتاب التوحيد، باب في المشيئة والإرادة، ۶: ۲۷۱۸، رقم: ۷۰۳۶

۳۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب إختباء النبي ﷺ دعوة الشفاعة لأمته، ۱: ۱۸۸، رقم: ۱۹۸

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۸۱، ۴۸۶، رقم: ۸۹۵۹، ۱۰۳۱۱

۵۔ مالك، الموطأ، ۱: ۲۱۲، رقم: ۴۹۴

۶۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۴: ۳۷۴، رقم: ۶۴۶۱

۷۔ أبو عوانه، المسند، ۱: ۸۶، رقم: ۲۵۶

۸۔ قضاعی، مسند الشهاب، ۲: ۱۳۳، رقم: ۱۰۴۱۔۱۰۴۲

اِن شاء اللہ اپنی اس خاص دعا کو آخرت میں اپنی امت کی شفاعت کے لیے مؤخر کر کے رکھوں۔

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لِكُلِّ نَبِيٍّ دَعْوَةٌ مُسْتَجَابَةٌ، فَتَعَجَّلَ كُلُّ نَبِيٍّ دَعْوَتَهُ، وَإِنِّي اخْتَبَأْتُ دَعْوَتِي شَفَاعَةً لِأُمَّتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ. فَهِيَ نَائِلَةٌ، إِنْ شَاءَ اللهُ مَنْ مَاتَ مِنْ أُمَّتِي لَا يُشْرِكُ بِاللهِ شَيْئًا. (1)

ہر نبی کو ایک خاص دعائے مستجاب کا حق ہوتا ہے پس ہر نبی نے اپنی دعا میں جلدی کی جبکہ میں نے اپنی اس دعا کو قیامت کے دن اپنی امت کی شفاعت کے لیے مخصوص کر دیا ہے۔ وہ اِن شاء اللہ میری امت کے ہر اس فرد کو پہنچنے والی ہے جو اس حال میں فوت ہوا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرتا ہو۔

حضرت نوح علیہ السلام نے یہ دعا اس وقت مانگی جب انہوں نے پورے 950 سال تبلیغ کرنے کے نتیجے میں دیکھا کہ ان کی قوم بلکہ ان کی نسلیں بھی کفر سے باز آنے والی نہیں ہیں تو انہوں نے دعا کی کہ اے باری تعالیٰ! ان کو تباہ و برباد کر دے کیونکہ میں نے دیکھا ہے کہ ان کی نسلوں میں سے بھی کوئی مؤمن پیدا نہیں ہوگا۔ اس دعا کے نتیجے میں تمام روئے زمین پر طوفان آیا اور کفر کی تمام بستیاں ہلاک ہوگئیں۔ علیٰ ہذا القیاس اس طرح کل انبیاء مختلف وقتوں میں

---

(1) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب إختباء النبي ﷺ دعوة الشفاعة لأمته، ۱:۱۸۹، رقم:۱۹۹

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲:۴۲۶، رقم:۹۵۰۴

۳۔ ترمذی، السنن، كتاب الدعوات، باب فضل لا حول ولا قوة إلّا بالله، ۵:۵۸۰، رقم:۳۶۰۲

۴۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الزهد، باب ذكر الشفاعة، ۲:۱۴۴۰، رقم:۴۳۰۷

۵۔ بيهقی، السنن الكبرى، ۱۰:۱۹۰، رقم: ۲۰۵۶۲

دعائیں کرتے رہے جن کے نتیجے میں غاصب و ظالم کفار پر عذاب آئے اور صرف مومنین کو نجات ملی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے لیے دریائے نیل پھٹ گیا اور آپ علیہ السلام اپنی قوم کو دریا سے کنارے پر لے آئے جبکہ فرعون اسی دریا میں لشکر سمیت غرق ہوگیا۔

اللہ تعالیٰ نے ﴿حَرِيْصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِيْنَ رَءُوْفٌ رَّحِيْمٌo﴾[1] کے الفاظ کے ذریعے حضور نبی اکرم ﷺ کے جن اوصاف کا بیان فرمایا، انہی اوصاف کے پیشِ نظر آپ ﷺ نے اپنی اُس خاص دعا کو قیامت والے دن کے لیے شفاعت کے لیے رکھ لیا، جس کے نتیجے میں شفاعتِ عظمیٰ بھی ہوگی، شفاعتِ عامۃ بھی ہوگی اور شفاعتِ خاصہ بھی ہوگی۔ حضور نبی اکرم ﷺ جس جس کی شفاعت فرمائیں گے اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرماتا جائے گا، کیونکہ اللہ تعالیٰ ﴿وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰىo﴾[2] کے مصداق آپ ﷺ کی رضا و خوشنودی چاہتا ہے۔ آپ ﷺ ہی کی شانِ رحمت ہے کہ آپ ﷺ نے باقی انبیاء کی طرح اپنی قوم کے لیے بددعا نہیں فرمائی، حتیٰ کہ جب آپ ﷺ طائف والوں کی بدسلوکی کے پیشِ نظر پہاڑ کی آڑ میں کھڑے تھے اور جبریلِ امین نے حاضر ہوکر عرض کی کہ یا رسول اللہ! اللہ رب العزت نے مجھے بھیجا ہے کہ اگر آپ حکم دیں تو میں دونوں پہاڑوں کو ملا کر ان بدبختوں کو پیس کر تباہ و برباد کر دوں گا، یا اس پوری بستی کو اٹھا کر بلندیوں سے اس طرح گراؤں کہ زمین کے اس خطے پر قیامت تک کوئی نسل پیدا نہ ہو۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس وقت بھی اس دعا کو استعمال نہیں کیا۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی شانِ رحمت کو خود اس طرح بیان فرمایا:

إِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً.[3]

---

(۱) التوبة، ۹: ۱۲۸

(۲) الضحی، ۹۳: ۵

(۳) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة والآداب، باب النهی عن لعن الدواب وغیرها، ۴: ۲۰۰۶، رقم: ۲۵۹۹

۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۹: ۱۸۹، رقم: ۴۲۴

۳۔ أبو یعلی، المسند، ۱۱: ۳۵، رقم: ۶۱۷۴

مجھے رحمت ہی بنا کر مبعوث کیا گیا ہے۔

یعنی میں کسی کو رحمت سے محروم کرنے والا اور ہلاک و تباہ کرنے والا بن کر نہیں آیا بلکہ میں تو اپنے پرائے، دشمن دوست، سب کے لیے سراپائے رحمت بن کر آیا ہوں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ الفاظ میدانِ اُحد میں بھی ادا فرمائے، جب آپ ﷺ کے چہرۂ اقدس پر پتھر لگے، دندانِ مبارک شہید ہوئے اور آپ ﷺ کا جسدِ اقدس غشی کی حالت میں زمین پر جلوہ افروز ہو گیا۔ مگر جب آپ ﷺ کی طبیعت بحال ہوئی اور صحابہ کرام ﷺ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ان کے لیے بد دعا کریں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ میں لوگوں کو ہلاکت میں مبتلا کرنے والا بن کر نہیں آیا بلکہ رحمت بن کر آیا ہوں۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے اس موقع پر یہ کلمات زبان مبارک سے ادا فرمائے کہ اب بھی جو پلٹ کر واپس میرے پاس آ جائے میں اس کو جنت کی بشارت دیتا ہوں۔ یہ نہیں فرمایا کہ جو شخص میری طرف اب پلٹ کر نہ آیا میں اس کو دوزخ کا ڈر سناتا ہوں یا اس کے لیے دوزخ کی خبر دیتا ہوں بلکہ فرمایا کہ آج جو میرے بلانے پر میری طرف آ جائے گا، میں اسے جنت کی بشارت دیتا ہوں۔

۸۔ طلب گارِ رحمت ہو تو دوسروں پر رحم کرو

کائناتِ انسانی میں نبیٔ رحمت ﷺ کے علاوہ کوئی انسان ایسا پیدا نہیں ہوا کہ جس کی رحمت و شفقت، احسان و انعام اس حالت اور اس کیفیت میں بھی اپنے عروج پر رہے۔ جسے اس غم و غصہ کی انتہائی کیفیت میں بھی اپنے جذبات پر اتنا ضبط ہو کہ وہ اپنے دامنِ رحمت کو تمام انسانیت پر تانے رہے اور اپنے مرتبہ رحمۃً للعالمین سے ایک لمحہ بھی نیچے نہ اترے، بلاشبہ یہ مقام ساری کائنات میں صرف ایک ہی فردِ مقدس کو حاصل ہوا ہے جو ہمارے نبی، سردار اور آقا ﷺ ہیں۔ وہ ﷺ اتنے کامل ہیں کہ جن کے کمال میں کسی تعصب کا کوئی گمان ہو ہی نہیں سکتا۔ چنانچہ جب آپ ﷺ احکام دیتے تو آپ ﷺ کا یہی رحمت بھرا طرزِ عمل اور طرزِ فکر، اجرائے احکام میں بھی جاری رہتا۔

.... ۴۔ هيثمی، مجمع الزوائد، ۸: ۷۲

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ ﷞ فرماتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا فرمائی:

اَللّٰهُمَّ مَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَشَقَّ عَلَيْهِمْ فَاشْقُقْ عَلَيْهِ، وَمَنْ وَلِيَ مِنْ أَمْرِ أُمَّتِي شَيْئًا فَرَفَقَ بِهِمْ فَارْفُقْ بِهٖ.(1)

اے اللہ! میری امت کا جوشخص بھی کسی پر والی اور حاکم ہو اور وہ ان پر سختی کرے تو تو بھی ان پر سختی کر اور اگر وہ ان پر نرمی کرے تو تو بھی ان پر نرمی کر۔

یعنی امت کے کسی بھی معاملے میں حضور نبی اکرم ﷺ کو امیر، وزیر، وزیراعظم، صدر یا کسی بھی سطح کے افسر کا اپنے ماتحتوں کے ساتھ سختی سے پیش آنا گوارا نہیں ہوا۔ اس لیے اللہ کی بارگاہ میں عرض کی کہ مولا! جو حکمران امت کے ساتھ سختی سے پیش آئے، اذیت دے اور ناحق پریشان کرے تو ایسے شخص کے ساتھ تُو بھی سختی کے ساتھ پیش آ۔ اگر کسی شخص کو امت پر کوئی ذمہ داری ملے اور وہ لوگوں کے ساتھ، ماتحتوں کے ساتھ نرم رویہ اختیار کرے، ان سے محبت اور شفقت سے پیش آئے، تو باری تعالیٰ تُو بھی اس کے بدلے میں اس سے نرمی، شفقت اور رحمت وبخشش سے پیش آنا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس فرمان کے ذریعے قیامت تک آنے والی اپنی امت کے تمام لوگوں کے لیے ذمہ داری ملنے کی صورت میں نرمی و محبت سے پیش آنے اور سختی سے اجتناب برتنے کا دائمی اصول عطا فرمایا۔

یہ حضور نبی اکرم ﷺ کی اپنی اُمت کے لیے رحمت، نرمی، شفقت اور سہولت کی

---

(1) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإمارۃ، باب فضیلۃ الإمام العادل، ۳: ۱۴۵۸، رقم: ۱۸۲۸

۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۲: ۳۱۳، رقم: ۵۵۳

۳۔ بیہقی، السنن الکبری، ۱۰: ۱۳۶، رقم: ۲۰۲۵۳

۴۔ أبو عوانہ، المسند، ۴: ۳۸۰، رقم: ۷۰۲۳

۵۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۳: ۱۲۲، رقم: ۳۳۳۳

وسعت ہے جو صرف آپ ﷺ ہی کا امتیاز اور انفرادیت ہے۔

۹۔ فرضیتِ حج کے حوالے سے رحمت و شفقت کا ایک خوب صورت اِظہار

ہم جب حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ نکتہ بغیر کسی شک و شبہ کے واضح ہوتا ہے کہ ہر معاملہ میں آپ ﷺ کا طرزِ عمل رحمت اور شفقت پر مبنی ہوتا تھا۔ آپ ﷺ اگر شریعت کا بھی کوئی حکم دے رہے ہوتے تو اس میں بھی رحمت، شفقت اور محبت کے رنگ نمایاں ہوتے۔ اس حوالے سے ایک مثال حج کی ہے۔ ارشادِ ربانی ہے:

وَلِلّٰهِ عَلَى النَّاسِ حِجُّ الْبَيْتِ مَنِ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلاً. (۱)

اور اللہ کے لیے لوگوں پر اس گھر کا حج فرض ہے جو بھی اس تک پہنچنے کی استطاعت رکھتا ہو۔

اس آیت مبارکہ میں اس بات کی وضاحت موجود نہیں ہے کہ زندگی میں حج کتنی بار فرض ہے؟ کیا حج کے فریضہ کو ہر سال ادا کیا جائے یا پوری زندگی میں ایک ہی مرتبہ ادا کیا جائے؟ ایک شخص کے پاس وسائل کی بہتات ہو تو کیا اس پر ہر سال فرض ہے اور جس کے پاس وسائل کم ہیں تو کیا اس پر تھوڑی تعداد میں فرض ہے؟ الغرض آیتِ مبارکہ میں تعداد کے لحاظ سے کچھ وضاحت نہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کی وضاحت فرمائی اور اس فرمان میں بھی رحمت کا غلبہ نمایاں ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ، قَدْ فَرَضَ اللهُ عَلَيْكُمُ الْحَجَّ، فَحُجُّوْا.

اے لوگو! تم پر حج فرض کر دیا گیا ہے سو حج کیا کرو۔

ایک صحابی نے کھڑے ہو کر عرض کیا:

---

(۱) آل عمران، ۳: ۹۷

أَكُلَّ عَامٍ يَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ؟

یا رسول اللہ! کیا ہر سال حج فرض ہے؟

اِس پر آپ ﷺ خاموش رہے یہاں تک کہ تین مرتبہ اُس صحابی نے یہی سوال دہرایا۔ رسول اللہ ﷺ نے تکرار کے بعد فرمایا:

لَوْ قُلْتُ: نَعَمْ، لَوَجَبَتْ وَلَمَا اسْتَطَعْتُمْ. ثُمَّ قَالَ: ذَرُوْنِي مَا تَرَكْتُكُمْ، فَإِنَّمَا هَلَکَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِكَثْرَةِ سُؤَالِهِمْ، وَاخْتِلَافِهِمْ عَلٰى أَنْبِيَائِهِمْ، فَإِذَا أَمَرْتُكُمْ بِشَيْءٍ، فَأْتُوْا مِنْهُ مَا اسْتَطَعْتُمْ، وَإِذَا نَهَيْتُكُمْ عَنْ شَيْءٍ فَدَعُوْهُ. (1)

اگر میں ہاں کہہ دیتا تو (تم پر حج ہر سال) فرض ہو جاتا اور پھر تم اس کی طاقت نہ رکھتے۔ پھر فرمایا: میری اتنی ہی بات پر اکتفا کیا کرو جو میں تمہیں بتاؤں، اس لیے کہ تم سے پہلے لوگ زیادہ سوال کرنے اور اپنے انبیاء سے اختلاف کرنے کی بناء پر ہی ہلاک ہوئے تھے، لہٰذا جب میں تمہیں کسی شے کا حکم دوں تو بقدرِ استطاعت اسے بجا لایا کرو اور جب کسی شے سے منع کروں تو اسے (بلا تامل) چھوڑ دیا کرو۔

اس وضاحت میں بھی حضور نبی اکرم ﷺ کی رحمت وشفقت کا اظہار جھلک رہا ہے۔

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الحج، باب فرض الحج مرّة في العمر، ۲: ۹۷۵، رقم:۱۳۳۷

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲:۵۰۸، رقم:۱۰۶۱۵

۳۔ نسائی، السنن، كتاب مناسك الحج، باب وجوب الحج، ۵:۱۱۰، رقم:۲۶۱۹

۴۔ ابن خزيمة، الصحيح، ۴:۱۲۹، رقم:۲۵۰۸

١٠۔ دورانِ نماز مقتدیوں پر حضور ﷺ کی محبت و شفقت کا اِظہار

١۔ حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ اپنے قبیلہ کی چھوٹی سی مسجد کے امام تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے اپنے ذوق اور طبیعت کی وجہ سے حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا: یارسول اللہ! میں چاہتا ہوں کہ نماز میں لمبی سورتیں پڑھوں، میرا ذوق اس سے تسکین پاتا ہے۔ میں جب لمبی قرأت خشوع و خضوع کے ساتھ کرتا ہوں تو مجھے لطف آتا ہے۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ إِنَّ مِنكُمْ مُنَفِّرِيْنَ. (١)

اے لوگو! تم میں سے بعض اشخاص لوگوں کو دین سے متنفر کرتے ہیں۔

مراد یہ ہے کہ کیا تم (اپنے ذوق کو پورا کرنے کے لیے) لوگوں کو دین سے متنفر کرنا چاہتے ہو؟ تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ جب تم میں سے کوئی شخص امام بنے تو اسے خبر ہو کہ اس کے پیچھے ضعیف لوگ بھی نماز میں کھڑے ہیں اور اگر جوان بھی ہیں تو ان میں ایسے لوگ بھی ہیں کہ جنہوں نے ابھی اپنا کام کاج کرنا ہے، روزگار کمانا ہے، لہٰذا مقتدیوں کا خیال کرتے ہوئے چھوٹی سورت پڑھا کرو تاکہ لوگ جلد فارغ ہو سکیں اور کسی قسم کی تکلیف میں مبتلا نہ ہوں۔

---

(١) ١۔ بخاری، الصحيح، كتاب الاذان، باب ما شكا إمامه إذا طول وقال أبو أسيد طولت بنا يا بنى، ١:٢٤٩، رقم:٦٧٢

٢۔ مسلم، الصحيح، كتاب الصلوة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة في تمام، ١:٣٤٠، رقم:٤٦٦

٣۔ ابن ماجه، السنن، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب من أمّ قوما فليخفف، ١:٣١٥، رقم:٩٨٤

٤۔ ابن حبان، الصحيح، ٥:٥٠٩، رقم:٢١٣٧

٥۔ بيهقى، السنن الكبرى، ٣:١١٥، رقم:٥٠٤٧

www.MinhajBooks.com

اس حدیث مبارک میں حضور نبی اکرم ﷺ کی بنیادی توجہ اور پیغام لوگوں کے لیے نرمی، سہولت، رحمت اور شفقت کا پیدا کرنا ہے۔ آپ ﷺ کی پوری حیاتِ طیبہ ایسے ہی اندازِ فکر، اندازِ عمل، مزاج، طبیعت اور عمل سے لبریز نظر آتی ہے۔

۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنِّي لَأَدْخُلُ فِي الصَّلَاةِ وَأَنَا أُرِيْدُ إِطَالَتَهَا فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي مِمَّا أَعْلَمُ مِنْ شِدَّةِ وَجْدِ أُمِّهِ مِنْ بُكَائِهِ. (۱)

میں جب جماعت کراتا ہوں اور میرا ذوق چاہتا ہے کہ میں طویل سورت پڑھوں (یعنی دیر تک اللہ تعالیٰ کے حضور قیام کروں)۔ پھر میں کسی بچہ کے رونے کی آواز سنتا ہوں (جونہی بچے کی آواز میرے کان میں پڑتی ہے) تو میں اپنی نماز کو مختصر کر دیتا ہوں اس لیے کہ سوچتا ہوں کہ کہیں اس کے رونے کی وجہ سے اس کی ماں کو تکلیف نہ پہنچتی ہو۔

اس وقت چونکہ خادمائیں نہیں ہوتی تھیں، غریب گھرانے تھے، صحابیاتؓ کسی آیا کے پاس بچے چھوڑ کر نہ آسکتی تھیں، تو بچے بھی ساتھ لے کر آتیں اور چھوٹوں بچوں کو ایک فاصلہ پر بٹھا کر خود نماز میں شریک ہو جاتیں۔

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأذان، باب من أخف الصلاة عند بکاء الصبي، ۱: ۲۵۰، رقم: ۶۷۷، ۶۷۸

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصلاة، باب أمر الأئمة بتخفیف الصلاة في تمام، ۱: ۳۴۳، رقم: ۴۷۰

۳۔ ابن ماجه، السنن، کتاب إقامة الصلاة والسنة فیها، باب الإمام یخفف الصلاة إذا حدث أمر، ۱: ۳۱۶، رقم: ۹۸۹

۴۔ ابن خزیمه، الصحیح، ۳: ۵۰، رقم: ۱۶۱۰

۵۔ بیهقی، السنن الکبری، ۲: ۳۹۳، رقم: ۳۸۴۸

یہ اسلام کا حقیقی چہرہ ہے، یہ سنتِ مصطفیٰ ﷺ اور سیرتِ محمدی ﷺ کے انوار و تجلیات ہیں۔ جن میں انسانی قدروں، دکھ درد، مسائل اور انسان کے شخصی، طبعی اور ذاتی احساسات و جذبات کا اتنا اِدراک ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نماز میں طویل قیام کرنے کا ارادہ ترک فرما دیتے ہیں اور نماز ایک بچے کے رونے کی آواز سن کر مختصر کر دیتے ہیں کہ ماں نماز کے دوران پریشان کھڑی رہے گی۔ اس سے بڑھ کر انسانیت کی مثال کسی دوسرے نظامِ حیات اور مذہب میں بھلا کیا ہوگی؟

اسلام اپنی تعلیمات کو انسانیت اور انسانی جذبات کے احساس میں جتنی بلندیوں تک لے گیا ہے دنیا کا کوئی بھی مذہب اور فلسفہ اس کی گرد کو بھی نہیں پہنچ سکتا۔ بدقسمتی یہ ہے کہ ہم پڑھتے نہیں، ہمیں آگہی نہیں ہے اور ہم نے اسلام کو صحیح طور پر جانا نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انکار کرنے والے اسلام کی عظمتوں کو نہ جانتے ہوئے منکر ہیں یا سیکولر (لادینی) سوچ کے حامل ہیں اور اسلام کے دعویٰ دار اسلام کو گہرائی میں نہ پڑھ کر جہالت کے سبب اسلام کے لیے بڑا افسوس ناک منظر پیش کر رہے ہیں، جس سے اسلام دینِ رحمت و امن کے بارے میں غلط تاثر قائم ہوتا ہے۔

اندازہ کیجیے کہ ایک بچے کے رونے کی آواز کے باعث ماں کی ممتا پر بیتنے والے احساس سے متاثر ہو کر پیغمبرِ اسلام ﷺ اپنی نماز کو مختصر فرما رہے ہیں، کیا وہ اسلام یہ گوارا کر سکتا ہے کہ کسی کے بچے کی گردن کٹ جائے؟ کسی کے سینے پر گولی چل جائے؟ کسی کا گھر جل جائے؟ انسانی آبادیاں، معصوم بچے، بچیاں، عورتیں، مرد، بوڑھے اور مریض ہلاک ہو جائیں اور مخلوقِ الٰہی خودکش حملوں کے ذریعے تباہ ہو جائے۔ ایسا کام کرنے والے بدبخت پھر بھی خود کو مسلمان سمجھتے ہیں، ان کا رشتہ بھلا کس اسلام سے ہے؟ کس قرآن کے ساتھ ہے؟ کس دین و مذہب کے ساتھ ہے؟ غور طلب بات ہے کہ وہ اسلام کو کیوں بدنام کر رہے ہیں؟ وہ دشمنانِ دین وملت ہیں اور انہیں اسلام کی لطافتوں، رحمتوں، شفقتوں اور عظمتوں کی خبر ہی نہیں ہے۔

۱۱۔ اعتدال و توازن کی تعلیمات بھی رحمت کی عکاس ہیں

اسلام کا تصور حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کو یہاں تک دیا کہ زندگی کے ہر معاملہ میں اعتدال، توازن اور آسانی کی تعلیم دی اور تمام امور میں انتہا پسندی سے منع فرما دیا۔

۱۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک چٹائی تھی، رات کو اس کی آڑ بنا کر جگہ مخصوص کر لیتے اور وہاں نماز پڑھتے تھے۔ چند صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی آپ کے ساتھ نماز پڑھنے لگے، دن میں آپ ﷺ وہ چٹائی بچھا لیتے تھے۔ ایک رات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کثیر تعداد میں آ گئے، آپ ﷺ نے فرمایا:

يَا أَيُّهَا النَّاسُ، عَلَيْكُمْ مِنَ الْأَعْمَالِ مَا تُطِيْقُوْنَ فَإِنَّ اللهَ لَا يَمَلُّ حَتّٰى تَمَلُّوْا وَإِنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللهِ مَا دُوْوِمَ عَلَيْهِ وَإِنْ قَلَّ، وَكَانَ آلُ مُحَمَّدٍ ﷺ إِذَا عَمِلُوْا عَمَلًا أَثْبَتُوْهُ. (۱)

اے لوگو! اپنی طاقت کے مطابق عمل کیا کرو، کیوں کہ اللہ تعالیٰ تو (اَجر دینے سے) نہیں اُکتاتا حتی کہ تم (عبادت کرنے سے) اُکتا جاؤ گے، اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ عمل وہ ہے جس پر ہمیشگی اختیار کی جائے خواہ وہ عمل کم ہی ہو۔ اور (سیدہ عائشہ فرماتی ہیں کہ) آلِ محمد ﷺ (یعنی خاندانِ نبوت) کا یہی طریقہ تھا کہ جب کوئی کام کرتے تو اسے ہمیشہ جاری رکھتے۔

۲۔ ایک اور مقام پر سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب فضيلة العمل الدائم من قيام الليل وغيره، ۱:۵۴۰، رقم: ۷۸۲
۲۔ أبو عوانة، المسند، ۲:۲۵۶، رقم: ۳۰۶۲
۳۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۳:۱۰۹، رقم: ۵۰۱۹
۴۔ بيهقي، معرفة السنن والآثار، ۲:۳۱۰، رقم: ۱۳۷۹

سَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَاعْلَمُوْا أَنْ لَنْ يُدْخِلَ أَحَدَكُمْ عَمَلُهُ الْجَنَّةَ وَأَنَّ أَحَبَّ الْأَعْمَالِ إِلَى اللهِ أَدْوَمُهَا وَإِنْ قَلَّ. (۱)

اپنے اعمال میں راست روی اور میانہ روی اختیار کرو اور یہ ذہن نشین کر لو کہ تم میں سے کسی کا عمل اسے جنت میں ہرگز داخل نہیں کر سکتا، اور اللہ تعالیٰ کو سب سے پیارا وہ عمل ہے جو تسلسل کے ساتھ ہو اور ہمیشہ کیا جائے، اگرچہ وہ کم ہی کیوں نہ ہو۔

۳۔ حضرت علقمہ رضی اللہ عنہ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے پوچھا: اے ام المومنین! حضور نبی اکرم ﷺ کا عمل کیسا تھا؟ کیا کوئی کام کسی دن کے ساتھ مخصوص تھا؟ تو انہوں نے جواباً فرمایا:

لَا، كَانَ عَمَلُهُ دِيْمَةً وَأَيُّكُمْ يَسْتَطِيْعُ مَا كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَسْتَطِيْعُ. (۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الرقاق، باب القصد والمداومة على العمل، ۵:۲۳۷۳، رقم:۶۰۹۹

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب صفة القيامة والجنة والنار، باب لن يدخل أحدا الجنة بعمله بل برحمة الله تعالى، ۴:۲۱۷۱، رقم:۲۸۱۸

۳۔ مسلم، الصحيح، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب فضيلة العمل الدائم من قيام الليل وغيره، ۱:۵۴۱، رقم: ۷۸۳

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶:۱۲۵، رقم:۲۴۹۸۵

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الرقاق، باب القصد والمداومة على العمل، ۵:۲۳۷۳، رقم:۶۱۰۱

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب صلاة المسافرين وقصرها، باب فضيلة العمل الدائم من قيام الليل وغيره، ۱:۵۴۱، رقم:۷۸۳

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶:۵۵، رقم:۲۴۳۲۷

۴۔ أبو داود، السنن، كتاب الصلاة، باب ما يؤمر به من القصد فى الصلاة، ۲:۴۸، رقم:۱۳۷۰

نہیں، آپ کے عمل میں تسلسل و دوام ہوتا تھا اور جو کچھ حضور نبی اکرم ﷺ کرتے وہ تم میں سے کون کر سکتا ہے؟

اللہ تعالیٰ اُس وقت تک کسی پر بوجھ نہیں ڈالتا، کسی شخص کو تنگی میں مبتلا نہیں کرتا اور کسی کے لیے مشکل پیدا نہیں فرمایا جب تک وہ بندہ خود اپنے لیے مشکل میں ڈال کر اپنے آپ کو رنج و ملال میں مبتلا نہ کر لے۔ اللہ کے نزدیک محبوب ترین عمل وہ ہے جو مقدار میں بھلے کم ہی ہو مگر تسلسل کے ساتھ کیا جاتا رہے۔

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہ نے ساری رات قیام کرنے، روزانہ روزہ رکھنے، صائم الدھر ہونے کی بات کی تو حضور نبی اکرم ﷺ نے ایسا کرنے سے منع فرما دیا۔ الغرض آپ ﷺ نے عبادات میں بھی اعتدال کی تلقین فرمائی اور واضح فرما دیا کہ اعتدال وتوازن کے اندر پیغامِ رحمت پنہاں ہے۔

۱۲۔ حضور ﷺ پر صلوٰۃ وسلام پڑھنا بھی امت کے لیے باعثِ رحمت ہے

حضور نبی اکرم ﷺ کی وساطت سے امت کے لیے اللہ تعالیٰ کی رحمت کا ایک یہ مظہر بڑا عجیب ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ امت کے لیے ظاہری طور پر، وصال کے بعد بھی اور قیامت کے دن تک ہر روز، ہر شب، ہر وقت، ہر لمحہ اور ہر گھڑی رحمت ہیں۔ صرف یہی نہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ رحمت فرما رہے ہیں بلکہ ہر تعلق، ہر جہت اور ہر نسبت سے آپ ﷺ کا امت کے ساتھ یا امتی کا آپ ﷺ کے ساتھ جو بھی معاملہ ہے اس میں بھی رحمت کا ہی عنصر غالب نظر آتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے بے شمار فرشتے ایسے ہیں جو زمین پر، گلی کوچوں میں گھومتے ہیں اور اللہ کے ذکر کی مجلسوں اور اہلِ ذکر کو تلاش کرتے ہیں۔ جہاں کوئی مجلسِ ذکر مل جائے تو ملائکہ ان

۵۔ ابن خزیمة، الصحیح، ۲: ۲۶۳، رقم: ۱۲۸۱

۶۔ ابن حبان، الصحیح، ۸: ۴۰۸، رقم: ۳۶۴۷

مجالس میں شریک ہوتے ہیں اور جب مجلس ذکر ختم ہوتی ہے تو اللہ کے حضور جا کر اہلِ مجلس کا احوال سناتے ہیں۔

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ لِلّٰهِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰى مَلَائِكَةً سَيَّارَةً فُضُلًا يَتَتَبَّعُونَ مَجَالِسَ الذِّكْرِ.(۱)

بے شک اللہ تبارک و تعالیٰ کے کچھ گشت کرنے والے فرشتے ہیں جو ذکر کی مجالس کو ڈھونڈتے پھرتے ہیں۔

جس طرح اللہ تبارک وتعالیٰ نے اپنے ذکر کی مجالس کے لیے فرشتے مقرر کر رکھے ہیں، عین اسی طرح ربِ دو جہاں نے اپنے رسول ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پڑھنے والے لوگوں کے لیے اور صلوٰۃ و سلام کی مجالس کے لیے بھی ملائکہ مقرر کر رکھے ہیں۔ ملائکہ کا پہلا طبقہ مجالسِ ذکرِ الٰہی کی تلاش میں ہوتا ہے اور ملائکہ کا دوسرا طبقہ مجالسِ صلوٰۃ و سلام علی النبی ﷺ اور حلقاتِ صلوٰۃ و سلام کے لیے مخصوص ہوتا ہے۔ حتی کہ اگر کوئی حضور نبی اکرم ﷺ پر انفرادی حیثیت میں صلوٰۃ و سلام پڑھ رہا ہو یا، ایک جماعت حلقہ میں بیٹھ کر حضور نبی اکرم ﷺ پر صلوٰۃ و سلام پڑھ رہی ہو تو وہ ملائکہ ان مجالس کو بھی تلاش کرنے کے بعد ان میں خود بھی شریک ہوتے ہیں۔

۲۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ لِلّٰهِ مَلَائِكَةً سَيَّاحِيْنَ فِي الْأَرْضِ، يُبَلِّغُوْنِي مِنْ أُمَّتِي السَّلَامَ.(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الدعوات، باب فضل ذکر اللہ، ۵: ۲۳۵۳، رقم: ۶۰۴۵

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الذکر و الدعاء، باب فضل مجالس الذکر، ۴: ۲۰۶۹، رقم: ۲۶۸۹

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۵۲، رقم: ۷۴۲۰

۴۔ طیالسی، المسند، ۱: ۳۱۹، رقم: ۲۴۳۴

(۲) ۱۔ نسائي، السنن کتاب السهو، باب السلام علی النبي ﷺ، ۳: ۴۳، ـــــ

بلا شبہ اللہ تعالیٰ کی زمین میں بعض گشت کرنے والے فرشتے ہیں (جن کا کام یہی ہے کہ) وہ مجھے میری اُمت کا سلام پہنچاتے ہیں۔

۳۔ ایک اور روایت میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہما سے مروی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ وَكَّلَ بِقَبْرِي مَلَكًا أَعْطَاهُ أَسْمَاعَ الْخَلَائِقِ، فَلَا يُصَلِّي عَلَيَّ أَحَدٌ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، إِلَّا بَلَغَنِي بِاسْمِهِ وَاسْمِ أَبِيْهِ، هٰذَا فُلَانُ بْنُ فُلَانٍ قَدْ صَلّٰى عَلَيْكَ. (1)

بے شک اللہ تعالیٰ نے میری قبر پر ایک فرشتہ مقرر کیا ہوا ہے، جسے اس نے تمام مخلوقات کی آوازیں سننے (اور سمجھنے) کی قوت عطا فرمائی ہے چنانچہ قیامت کے دن تک جو بھی مجھ پر درود پڑھے گا، وہ فرشتہ اس درود پڑھنے والے کا نام اور اس کے باپ کا نام مجھے پہنچائے گا اور عرض کرے گا: (یا رسول اللہ!) یہ فلاں بن فلاں ہے جس نے آپ پر درود پیش کیا ہے۔

۴۔ ابو الشیخ بن حیان کی بیان کردہ روایت میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

.... رقم:۱۲۸۲

۲۔ نسائی، السنن الکبری، ۱:۳۸۰، رقم:۱۲۰۵،

۳۔ نسائی، السنن الکبری، ۶:۲۲، رقم:۹۸۹۴

۴۔ دارمي، السنن، ۲:۴۰۹، رقم:۲۷۷۴

۵۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۲:۲۵۳، ۶:۳۱۶، رقم:۸۷۰۵، ۳۱۷۲۱

۶۔ عبد الرزاق، المصنف، ۲:۲۱۵، رقم:۳۱۱۶

۷۔ ابن حبان، الصحیح، ۳:۱۹۵، رقم:۹۱۴

۸۔ حاکم، المستدرک، ۲:۴۵۶، رقم:۳۵۷۶

(۱) ۱۔ بزار، المسند، ۴:۲۵۴-۲۵۵، رقم:۱۴۲۵، ۱۴۲۶

۲۔ بخاری، التاریخ الکبیر، ۶:۴۱۶، رقم:۲۸۳۱

۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۱۰:۱۶۲

إِنَّ لِلّٰهِ تَبَارَکَ وَتَعَالٰى مَلَكًا أَعْطَاهُ أَسْمَاعَ الْخَلَائِقِ كُلِّهِمْ، فَهُوَ قَائِمٌ عَلٰى قَبْرِي، إِذَا مُتُّ إِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ، فَلَيْسَ أَحَدٌ مِنْ أُمَّتِي صَلّٰى عَلَيَّ صَلَاةً إِلَّا سَمَّاهُ بِاسْمِهٖ وَاسْمِ أَبِيْهِ، فَقَالَ: يَا مُحَمَّدُ، صَلّٰى عَلَيْکَ فُلَانٌ، فَيُصَلِّي الرَّبُّ تَبَارَکَ وَتَعَالٰى عَلٰى ذٰلِکَ الرَّجُلِ بِكُلِّ وَاحِدٍ عَشْرًا.(1)

بے شک اللہ تبارک وتعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے، جسے اللہ تعالیٰ نے تمام مخلوقات کی آواز سننے (اور سمجھنے) کی قوت عطا فرمائی ہے، چنانچہ وہ فرشتہ میرے وصال کے بعد میری قبر پر قیامت تک کھڑا رہے گا اور میری امت میں سے جو شخص بھی مجھ پر درود بھیجے گا، وہ فرشتہ اس کا نام اور اس کے باپ کا نام لے گا اور کہے گا: یا محمد(ﷺ)! فلاں شخص نے آپ کی خدمت میں درود بھیجا ہے۔ سو اللہ تعالیٰ اس شخص پر ہر ایک درود کے بدلے میں دس رحمتیں نازل فرمائے گا۔

فرشتے ذکرِ الٰہی کی مجلس میں بیٹھ کر ذکر کی خبر اللہ جل مجدہٗ کو پہنچاتے ہیں اور حضور نبی اکرم ﷺ پر پڑھے جانے والے صلوٰۃ وسلام کی خبر لے کر حضور نبی اکرم ﷺ تک پہنچاتے ہیں۔ یہ امت کے ساتھ رحمت کا ایک پیار بھرا اور عظیم طریقہ ہے۔

۵۔ اسی لیے ایک روایت میں حضرت اَوس بن اَوس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ مِنْ أَفْضَلِ أَيَّامِكُمْ يَوْمَ الْجُمُعَةِ، فِيْهِ خُلِقَ آدَمُ، وَفِيْهِ قُبِضَ، وَفِيْهِ النَّفْخَةُ، وَفِيْهِ الصَّعْقَةُ، فَأَكْثِرُوْا عَلَيَّ مِنَ الصَّلَاةِ فِيْهِ، فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ مَعْرُوْضَةٌ عَلَيَّ، قَالَ: قَالُوْا: يَا رَسُوْلَ اللهِ، كَيْفَ تُعْرَضُ صَلَاتُنَا عَلَيْکَ وَقَدْ أَرِمْتَ؟ قَالَ: يَقُوْلُوْنَ: بَلِيْتَ. قَالَ: إِنَّ اللهَ ﷻ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ

(۱) ابن حیان، العظمۃ، ۲: ۷۶۲-۷۶۳، رقم: ۱

أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ.(1)

بے شک تمہارے دنوں میں سے جمعہ کا دن سب سے افضل ہے اِس دن آدم علیہ السلام پیدا ہوئے اور اسی دن انہوں نے وفات پائی۔ اسی دن صور پھونکا جائے گا اور اسی دن (قیامِ قیامت کے لیے) سخت آواز ظاہر ہوگی۔ پس اس دن مجھ پر کثرت سے درود بھیجا کرو کیونکہ تمہارا درود مجھ پر پیش کیا جاتا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہمارا درود آپ کے وصال کے بعد آپ کو کیسے پیش کیا جائے گا؟ کیا آپ کا جسدِ مبارک بھی خاک میں نہیں مل چکا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: (نہیں ایسا

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴:۸، رقم:۱۶۲۰۷

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب الصلاة، باب فضل یوم الجمعة ولیلة الجمعة، ۱:۲۷۵، رقم:۱۰۴۷،

۳۔ أبو داود، السنن، کتاب الصلاة، باب في الاستغفار، ۲:۸۸، رقم: ۱۵۳۱

۴۔ نسائي، السنن، کتاب الجمعة، باب إکثار الصلاة علی النبي ﷺ یوم الجمعة، ۳:۹۱، رقم:۱۳۷۴

۵۔ ابن ماجه، السنن، کتاب إقامة الصلاة، باب في فضل الجمعة، ۱: ۳۴۵، رقم:۱۰۸۵

۶۔ دارمي، السنن، ۱:۴۴۵، رقم:۱۵۷۲

۷۔ بزار، المسند، ۸:۴۱۱، رقم:۳۴۸۵

۸۔ ابن أبي شیبة، المصنف، ۲:۲۵۳، رقم:۸۶۹۷

۹۔ حاکم، المستدرک، ۱:۴۱۳، رقم:۱۰۲۹

۱۰۔ ابن خزیمة، الصحیح، ۳:۱۱۸، رقم:۱۷۳۳-۱۷۳۴

۱۱۔ ابن حبان، الصحیح، ۳:۱۹۰-۱۹۱، رقم:۹۱۰

۱۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱:۲۱۶، رقم:۵۸۹

۱۳۔ بیهقی، السنن الصغریٰ، ۱:۳۷۱، رقم:۶۳۴-۶۳۵

نہیں ہے)، اللہ تعالیٰ نے زمین پر اَنبیاءِ کرام (علیہم السلام) کے جسموں کو (کھانا یا کسی بھی قسم کا نقصان پہنچانا) حرام فرما دیا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ تک صرف فرشتوں کے واسطے سے ہی ہمارا اسلام نہیں پہنچتا بلکہ ان کے واسطے کے بغیر بھی صلوٰۃ وسلام حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں پہنچ جاتا ہے۔

٦۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَا تَجْعَلُوْا بُيُوْتَكُمْ قُبُوْرًا وَلَا تَجْعَلُوْا قَبْرِي عِيْدًا، وَصَلُّوْا عَلَيَّ فَإِنَّ صَلَاتَكُمْ تَبْلُغُنِي حَيْثُ كُنْتُمْ.(١)

اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ (یعنی اپنے گھروں میں بھی نماز پڑھا کرو اور انہیں قبرستان کی طرح ویران نہ رکھو) اور نہ ہی میری قبر کو عیدگاہ بناؤ (کہ جس طرح عید سال میں دو مرتبہ آتی ہے اس طرح تم سال میں صرف ایک یا دو بار میری قبر کی زیارت کرو بلکہ میری قبر کی جس قدر ممکن ہو کثرت سے زیارت کیا کرو) اور مجھ پر (کثرت سے) درود بھیجا کرو؛ پس تم جہاں کہیں بھی ہوتے ہو تمہارا درود مجھے پہنچ جاتا ہے۔

گویا حضور نبی اکرم ﷺ نے واضح فرما دیا کہ تم جہاں بھی بیٹھ کر مجھ پر صلوٰۃ وسلام

(١) ١۔ أحمد بن حنبل، المسند، ٢:٣٦٧، رقم:٨٧٩٠
٢۔ أبو داود، السنن، كتاب المناسك، باب زيارة القبور، ٢:٢١٨، رقم:٢٠٤٢
٣۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ٢:١٥٠، رقم:٧٥٤٢
٤۔ بزار، المسند، عن علي ص، ٢:١٤٧، رقم:٥٠٩
٥۔ طبراني، المعجم الأوسط، ٨:٨١، رقم:٨٠٣٠
٦۔ بيهقي، شعب الإيمان، ٣:٤٩١، رقم:٤١٦٢
٧۔ ديلمي، مسند الفردوس، ٥:١٥، رقم:٧٣٠٧
٨۔ ابن سرايا، سلاح المؤمن في الدعاء، ١:٤٤، رقم:٢٧

پڑھتے ہو وہ بغیر کسی واسطہ و وسیلہ سے مجھ تک پہنچتا ہے اور میں اسے براہِ راست سنتا ہوں۔

(ا) انبیاء کرام علیہم السلام کی حیاتِ جسمانی کی وضاحت

اس حدیث مبارک میں مذکور حیاتِ نبی کے متعلق ایک ضمنی وضاحت بھی ضروری ہے۔ حضرت ابو دَرداء رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: تمہارے سارے درود و سلام جو تم جہاں بھی پڑھتے ہو مجھ پر پیش کئے جاتے ہیں۔ میں نے پوچھا: **وَبَعْدَ الْمَوْتِ؟** یارسول اللہ! کیا آپ کی وفات کے بعد بھی ہمارے درود و سلام آپ پر پیش ہوں گے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: **وَبَعْدَ الْمَوْتِ.** ہاں، وصال کے بعد بھی تمہارے درود و سلام پیش ہوں گے۔ اس لیے:

إِنَّ اللهَ تعالیٰ حَرَّمَ عَلَى الْأَرْضِ أَجْسَادَ الْأَنْبِيَاءِ. (1)

اللہ تعالیٰ نے انبیائے کرام کے جسموں کو زمین پر حرام کر دیا ہے۔

انبیاء علیہم السلام کی جب وفات ہو جاتی ہے تو وہ روحانی طور پر زندہ ہوتے ہی ہیں مگر جسمانی طور پر بھی ان کی حیات برقرار رہتی ہے۔ ایک لمحہ کے لیے وفات آتی ہے، ان کی روح قفسِ عنصری سے پرواز کرتی ہے، مگر پھر پلٹا دی جاتی ہے۔ جسم اطہر سے نکلنا اس لیے لازم ہے تاکہ وفات حق ثابت ہو جائے اور بندے کا بندہ ہونا، مخلوق کا مخلوق ہونا ثابت ہوجائے مگر اس لمحۂ وفات کے بعد روح واپس جسم میں پلٹا دی جاتی ہے، اسی وجہ سے جسم زندہ و سلامت ہوتا

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۸، رقم: ۱۶۲۰۷

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب الصلاة، باب فضل یوم الجمعة ولیلة الجمعة، ۱: ۲۷۵، رقم: ۱۰۴۷،

۳۔ نسائي، السنن، کتاب الجمعة، باب إکثار الصلاة علی النبي ﷺ یوم الجمعة، ۳: ۹۱، رقم: ۱۳۷۴

۴۔ ابن ماجه، السنن، کتاب إقامة الصلاة، باب في فضل الجمعة، ۱: ۳۴۵، رقم: ۱۰۸۵

ہے۔ قبروں کے اندر مٹی میں موجود ہونے کے باوجود مٹی اُنہیں کھاتی نہیں بلکہ وہ سلامت اور تر وتازہ رہتے ہیں۔[1]

یہ امر ذہن نشین رہے کہ سنن ابی داؤد کی یہ حدیث صحیح ہے۔ اس کی سند میں کوئی شک اور کوئی کمزوری نہیں۔ ہر عالم اور ہر محدّث نے بغیر اختلاف کے اس حدیث کو بیان کیا ہے۔ ائمہ صحاحِ ستہ اور دیگر ائمہ حدیث میں سے کسی ایک نے بھی اس پر جرح کی ہے اور نہ اسے رد کرتے ہوئے اس کا انکار کیا ہے۔ یہ حدیث انبیاء علیہم السلام کی حیاتِ جسمانی پر نہایت صراحت سے دلالت کرتی ہے۔ قاضی عیاض، امام نووی، علامہ ابن القیم (جلاء الافہام)، حافظ ابن کثیر، امام جلال الدین سیوطی، امام قسطلانی، امام عینی، حافظ عسقلانی، کی کوئی بھی کتب اٹھا کر دیکھ لیں ہر ایک نے بغیر کسی اختلاف کے اس حدیث کو بیان کیا ہے۔

(۲) حضور ﷺ کی بارگاہ میں ملائکہ کا درود وسلام پہنچانا کیا معنی رکھتا ہے؟

ذہن میں سوال ابھرتا ہے کہ جب ہمارا درود وسلام حضور نبی اکرم ﷺ خود سنتے ہیں تو ملائکہ کیوں مقرر کئے گئے ہیں کہ وہ عرض کریں کہ یا رسول اللہ! فلاں شخص آپ ﷺ پر درود و سلام پڑھ رہا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ مجلسِ ذکرِ الٰہی میں جب کوئی ذکر کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ دیکھتا اور سنتا ہے کہ کون میرا ذکر کر رہا ہے، جب وہ خود دیکھتا اور سنتا ہے تو ملائکہ اس کو خبر کیوں پہنچاتے ہیں؟ اگر یہ سوال ذہن میں آئے کہ حضور نبی اکرم ﷺ خود سن سکتے ہیں تو ملائکہ صلوٰۃ وسلام کیوں پہنچاتے ہیں؟ تو اس کا جواب ان کندھوں پر بیٹھے ہوئے فرشتوں سے پوچھ لو کہ یہ نامہ اعمال لکھ کر اللہ تعالیٰ کو کیوں پیش کرتے ہیں جبکہ اللہ تعالیٰ ہمارے چھپے اور ظاہر تمام اعمال کو خود دیکھ رہا ہے۔ وہ عالم الغیب والشہادۃ ہے، جب وہ دلوں کے نہاں خانوں میں ابھرنے والے خیالات کو

(۱) اس موضوع پر تفصیلی مطالعہ کے لیے راقم کی تصنیف 'حیات النبی ﷺ' ملاحظہ فرمائیں۔

دیکھتا بھی ہے اور جانتا بھی ہے تو ملائکہ لوگوں کے اعمال نامے لکھ کر اللہ تعالیٰ کو کیوں پہنچاتے ہیں؟ جس طرح ملائکہ ہمارے اعمال نامے اللہ تعالیٰ کو پہنچانے سے معاذ اللہ، استغفر اللہ، اللہ کی لاعلمی ثابت نہیں ہوتی اسی طرح ملائکہ اگر درود و سلام کی روداد حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں پہنچائیں تو اس سے حضور نبی اکرم ﷺ کی لاعلمی ثابت نہیں ہوتی۔ از خود جاننا اور مرتبہ ہے، پہنچایا جانا اور مرتبہ ہے۔ از خود جاننا اور سننا قوتِ سماعت اور اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب والشہادۃ ہونے کی دلیل ہے جبکہ ملائکہ کا اعمال پہنچانا بارگاہِ خداوندی کے آداب میں سے ایک ہے۔ لہٰذا اللہ تعالیٰ نے ملائکہ پر فرائضِ منصبی لگا رکھے ہیں جو وہ پورا کرتے ہیں۔ فرائضِ منصبی نبھانے والے یہ نہیں پوچھتے کہ بادشاہ سلامت کو خود بخود یا اپنے ذریعے سے علم ہے یا نہیں۔ ان کا فریضہ صرف ریکارڈ پیش کرنا ہے۔ اسی طرح دربارِ رسالت ﷺ کی عظمت کا تقاضا ہے کہ فرائضِ منصبی سرانجام دینے والے ملائکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی امت کے صلوٰۃ و سلام اعمال ناموں کے رجسٹر کی طرح آپ ﷺ کی بارگاہ میں پہنچائیں۔

(۳) اُمتیوں کے سلام پر حضور ﷺ کا جواب عطا فرمانا رحمت کا اِظہار ہے

حضور نبی اکرم ﷺ پر خود سلام پہنچے یا ملائکہ پہنچائیں اس پر آپ ﷺ کیا کرتے ہیں؟ اس کا جواب درج ذیل حدیث مبارک سے ملتا ہے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ أَحَدٍ يُسَلِّمُ عَلَيَّ إِلَّا رَدَّ اللهُ عَلَيَّ رُوْحِي حَتّٰى أَرُدَّ عَلَيْهِ السَّلَامَ. (۱)

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲:۵۲۷، رقم:۱۰۸۲۷

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب المناسك، باب زيارة القبور، ۲:۲۱۸، رقم:۲۰۴۱

۳۔ ابن راهويه، المسند، ۱:۴۵۳، رقم:۵۲۶

۴۔ طبراني، معجم الأوسط، ۳:۲۶۲، رقم:۳۰۹۲، وأيضًا، ۹:۱۳۰، ـــــ

جو شخص بھی مجھ پر سلام بھیجتا ہے میں اُس کے سلام کا جواب دیتا ہوں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے میری روح مجھ میں لوٹا دی ہوئی ہے۔

آپ ﷺ کا قیامت کے دن تک امت کے ساتھ رشتہ رحمت اور شفقت قائم ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا اتنا کرم، اتنا لطف و احسان، اتنی رحمت، اتنی شفقت اور اتنی مہربانی کہ ایک وقت میں خدا جانے لاکھوں لوگ دنیا میں آپ ﷺ پر درود و سلام پڑھ رہے ہوتے ہیں اور آپ ﷺ ہر ایک کا درود و سلام بذاتِ خود سنتے بھی ہیں اور ملائکہ کے ذریعے بارگاہِ رسالت میں پہنچتا بھی ہے۔ جب ہر دو طریق سے سلام پہنچتا ہے تو ہر امتی کے سلام کا بنفسِ نفیس جواب دیتے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ دن رات امت کے درود و سلام کا جواب وعلیک السلام، وعلیک السلام دیتے رہتے ہیں کہ اے میرے امتی تو سلامت رہے!، اے میرے امتی تو سلامت رہے! ہر لمحہ حضور نبی اکرم ﷺ ہر اس امتی کو جو آپ ﷺ پر درود و سلام پڑھتا ہے، اس کی سلامتی کی دعا اپنے مبارک لبوں سے ادا فرماتے رہتے ہیں۔ امتیوں کے سلام کا جواب دینا درحقیقت رحمت کا رشتہ ہے کہ ہر ایک کے حق میں ہر وقت حضور نبی اکرم ﷺ شفقت اور اس کی سلامتی و خوش حالی کے لیے دعا کرتے ہیں۔

۱۳۔ بعد از وصال بھی عطائے رحمتِ مصطفیٰ ﷺ جاری و ساری ہے

۱۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث میں حضور نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں:

حَيَاتِي خَيْرٌ لَكُمْ تُحَدِّثُوْنَ وَنُحَدِّثُ لَكُمْ، وَوَفَاتِي خَيْرٌ لَكُمْ تُعْرَضُ عَلَيَّ أَعْمَالُكُمْ. فَمَا رَأَيْتُ مِنْ خَيْرٍ حَمِدْتُ اللهَ عَلَيْهِ وَمَا رَأَيْتُ مِنْ شَرٍّ

.... رقم: ۹۳۲۹

۵۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۵: ۲۴۵، رقم: ۱۰۰۵۰

۶۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۲: ۲۱۷، رقم: ۱۵۸۱

۷۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۱۰: ۱۶۲

اسْتَغْفَرْتُ اللهَ لَكُمْ.(۱)

میری زندگی تمہارے لیے (باعثِ) خیر ہے، (کیونکہ) تم مجھ سے گفتگو کرتے ہو اور میں تم سے ہم کلام ہوتا ہوں اور میری وفات بھی تمہارے لیے (باعثِ) خیر ہے، کیونکہ مجھ پر تمہارے اعمال پیش کیے جائیں گے۔ پس جب میں تمہارے کسی اچھے عمل کو دیکھوں گا تو اس پر اللہ تعالیٰ کی حمد بیان کروں گا اور جب کوئی بری چیز دیکھوں گا تو تمہارے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کروں گا۔

۲۔ ایک اور روایت میں حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

حَيَاتِي خَيْرٌ لَكُمْ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ، وَوَفَاتِي خَيْرٌ لَكُمْ، ثَلَاثَ مَرَّاتٍ. فَسَكَتَ الْقَوْمُ، فَقَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ رضی اللہ عنہ: بِأَبِي أَنْتَ وَأُمِّي، كَيْفَ يَكُوْنُ هٰذَا؟ قَالَ: حَيَاتِي خَيْرٌ لَكُمْ، يَنْزِلُ عَلَيَّ الْوَحْيُ مِنَ السَّمَاءِ، فَأُخْبِرُكُمْ بِمَا يَحِلُّ لَكُمْ وَمَا يَحْرُمُ عَلَيْكُمْ، وَمَوْتِي خَيْرٌ لَكُمْ، تُعْرَضُ عَلَيَّ أَعْمَالُكُمْ كُلَّ خَمِيْسٍ، فَمَا كَانَ مِنْ حَسَنٍ حَمِدْتُ اللهَ تعالیٰ عَلَيْهِ، وَمَا كَانَ مِنْ ذَنْبٍ اسْتَوْهَبْتُ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ.(۲)

(۱) ۱۔ بزار، المسند، ۵:۳۰۸-۳۰۹، رقم:۱۹۲۵
۲۔ شاشي، المسند، ۲:۲۵۳، رقم:۸۲۶
۳۔ جهضمي، فضل الصلاة على النبي صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم، ۱:۳۸-۳۹، رقم:۲۵-۲۶
۴۔ ابن سعد، الطبقات الكبرى، ۲:۱۹۴
۵۔ ديلمي، مسند الفردوس، ۱:۱۸۳، رقم:۶۸۶
۶۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۹:۲۴
۷۔ ابن كثير، تفسير القرآن العظيم، ۳:۵۱۶
۸۔ زرقاني، شرح المواهب، ۷:۳۷۳

(۲) ۱۔ ديلمي، مسند الفردوس، ۲:۱۳۷-۱۳۸، رقم:۲۷۰۱

میری حیات بھی تمہارے لیے باعثِ خیر ہے، (آپ ﷺ نے یہ) تین بار فرمایا، اور میرا وصال بھی تمہارے لیے باعثِ خیر ہے (اور آپ ﷺ نے یہ بھی) تین بار فرمایا۔ پھر جب لوگ خاموش ہو گئے تو حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: (یا رسول اللہ!) میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں! یہ کیسے ہو گا (وفات کیسے باعثِ خیر ہوگی)؟ آپ ﷺ نے فرمایا: میری حیات تمہارے لیے (اِس طرح) باعثِ خیر ہے کہ مجھ پر آسمان سے وحی نازل ہوتی ہے۔ میں تمہیں بتاتا ہوں کہ کون سی چیزیں تم پر حلال ہیں اور کون سی شے تم پر حرام ہے۔ میری وفات تمہارے لیے اِس طرح باعثِ خیر ہے کہ تمہارے اعمال ہر جمعرات مجھ پر پیش کیے جائیں گے، پس اگر وہ اعمال بہتر ہوئے تو میں اُس پر اللہ تعالیٰ کی حمد و ثناء کروں گا اور اگر وہ اعمال برے ہوئے تو میں تمہارے لیے (اللہ تعالیٰ سے) تمہارے گناہوں کی معافی طلب کروں گا۔

یعنی قیامت تک آنے والی میری امت کا ہر فرد جو عمل بھی کرے گا وہ عمل براہِ راست مجھ پر پیش کیا جائے گا۔ حیاتِ ظاہری یعنی آج بھی پیش کیا جاتا ہے اور بعد از وفات میری قبرِ انور میں بھی، جس طرح تمہارے پڑھے گئے درود و سلام پیش ہوتے رہیں گے اسی طرح تمہارے صبح و شام کئے گئے سارے اعمال بھی مجھ پر پیش ہوں گے۔

ان احادیث صحیحہ کی روشنی میں امت کا اجماع کے ساتھ یہ عقیدہ ہے کہ قیامت تک صبح و شام امتیوں کے اعمال حضور نبی اکرم ﷺ پر پیش ہوتے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ آج بھی اپنی جمیع امت کے اعمال سے واقف، آگاہ اور شاہد ہیں۔ وہ ﷺ اس کا معائنہ و مشاہدہ فرماتے ہمارے اوپر گواہ ہیں۔ جس نے کسی کے اعمال کو دیکھا ہی نہ ہو، خبر ہی نہ ہو تو کیا وہ گواہی دے سکتا ہے؟ ہم کسی کی چھوٹی سی گواہی اس وقت تک قبول نہیں کرتے جب تک اس نے مشاہدہ نہ کیا ہو۔ موقع پر جو شخص موجود نہ ہو، عدالت تو اس کی گواہی قبول نہیں کرتی۔ تو کیا اللہ تعالیٰ،

۲۔ ابن الجوزي، الوفا بأحوال المصطفیٰ ﷺ، ۱:۸۲۶، رقم:۱۵۶۵

۳۔ ابن ناصر الدین الدمشقي، سلوة الکئیب بوفاة الحبیب:۱۸۳

۴۔ نبهاني، حجة الله علی العالمین:۷۱۳

مصطفیٰ ﷺ کی گواہی اپنی امت کے بارے میں اور دیگر انبیاء کی اپنے امتیوں کے بارے میں بغیر ان کی خبر، بغیر علم اور بغیر مشاہدہ کے قبول فرمائے گا۔ یہ نصِ قرآنی کے خلاف ہے۔ معلوم ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو امتیوں کے ہر عمل کی خبر ہے، اس لیے بروزِ قیامت آپ ﷺ کی گواہی امت کے حق میں قبول کی جائے گی۔

اب سلسلۂ رحمت اور نسبتِ شفقت کیا ہے؟ فرمایا: اگر میں کسی شخص کا نیک عمل دیکھتا ہوں، عبادات دیکھتا ہوں، اعمالِ صالحہ دیکھتا ہوں، اچھائی کے کام دیکھتا ہوں تو حَمِدْتُ اللهَ عَلَيْهِ میں خوش ہو کر اللہ تعالیٰ کی حمد کرتا ہوں کہ میرے اللہ تیرا شکر ہے کہ تو نے میرے امتیوں کو نیک اعمال کرنے کی توفیق عطا فرمائی۔ امتی نیک عمل کرتا ہے مگر اس پر شکر تاجدارِ کائنات ﷺ اپنے روضۂ اقدس میں بجا لاتے ہیں۔ پھر فرمایا: اگر میں کسی آدمی کے برے اعمال دیکھتا ہوں تو اِسْتَغْفَرْتُ اللهَ لَکُمْ میں اللہ تعالیٰ کے حضور تمہارے لیے توبہ اور مغفرت طلب کرتا ہوں، اس کے لیے شفاعت کرتا ہوں کہ باری تعالیٰ اسے معاف فرما دے۔

شام و سحر حضور نبی اکرم ﷺ امت کا درود و سلام بھی سن رہے ہیں، امت کے ہر ہر فرد کے سارے نیک و بد اعمال کا بھی مشاہدہ فرما رہے ہیں، نیک اعمال پر اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں شکر بھی بجا لا رہے ہیں اور اعمالِ بد کے ارتکاب پر ہر لمحہ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں استغفار فرما رہے ہیں کہ باری تعالیٰ انہیں بخش دے، انہیں نیکی اور توبہ کی توفیق دے، انہیں عذاب نہ دے اور انہیں معاف فرما دے۔ یہ حضور نبی اکرم ﷺ کا امت کے ساتھ وہ رشتۂ رحمت اور شفقت ہے جو حیاتِ ظاہری سے لے کر قیامت لے دن تک قائم و دائم رہے گا۔

۱۴۔ شفاعت اور وسعتِ رحمتِ مصطفیٰ ﷺ

حدیثِ شفاعت متفق علیہ حدیث مبارک ہے اور کثیر محدّثین نے اسے مختلف اسانید کے ساتھ اپنی کتب میں روایت کیا ہے۔ حدیث کی ایک کتاب بھی ایسی نہیں جو درجنوں احادیثِ شفاعت کے ساتھ معمور نہ ہو۔ رشتۂ رحمت و شفقت بشکلِ شفاعت قیامت کے دن بھی قائم ہوگا

اور بعد از قیامت جنت میں بھی قائم رہے گا۔[1]

امام بخاریؒ اور امام مسلمؒ نے اس حدیث کو بار بار متعدد طرق و اسانید کے ساتھ بیان کیا ہے کہ بروزِ محشر سورج سوا نیزے پر ہوگا، ہر شخص اپنے ہی پسینہ میں ڈوب رہا ہوگا، ابھی حساب و کتاب کا عمل شروع نہیں ہوا ہوگا، ہر شخص قیامت کی ہولناکیوں سے تھر تھر کانپ رہا ہوگا اور تمام امتیں پریشان حال ہوکر اجتماعی طور پر کسی شفیع کی تلاش میں سرگرداں ہوں گی تاکہ اس کی سفارش سے قیامت کی اس ہولناکی سے جلد نجات ملے اور جس کا جو معاملہ ہو وہ حساب کتاب کی صورت میں جلد سمٹ جائے۔ چنانچہ:

فَيَأْتُوْنَ آدَمَ فَيَقُوْلُوْنَ اشْفَعْ لَنَا.

وہ تمام حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوکر عرض کریں گے کہ اپنے رب کی بارگاہ میں ہماری شفاعت کیجئے۔

تمام امتیں حضرت آدم علیہ السلام کی خدمت میں مدد کی درخواست کریں گی۔ کیا یہاں جو لوگ ایک دوسرے کو شرک و بدعت کے الزام دیتے ہیں وہ وہاں بھی کہیں گے کہ انبیاء علیہم السلام سے استغاثہ کر کے سب مشرک اور بدعتی ہو گئے کیونکہ ساری امتوں کے تمام لوگ مل کر اللہ سے التجا نہیں کر رہے بلکہ انبیاء سے مدد طلب کر رہے ہیں؟ ہرگز نہیں، اس لیے کہ یہ اپنی امتوں کے ساتھ انبیاء کے رشتۂ رحمت کی بات ہے جو خود اللہ رب العزت نے اپنی رحمت کے باعث ان کے دلوں میں ڈال دی ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ کی رحمتِ کاملہ کے صدقے نے پندرہ سو سال قبل امت کو بتا دیا کہ اس دن یوں ہوگا۔

چنانچہ تمام امتیں حضرت آدم علیہ السلام سے عرض کریں گی کہ آپ اللہ تعالیٰ کے حضور ہماری شفاعت کریں، جواباً وہ فرمائیں گے کہ آج میرا دن نہیں کسی اور کے پاس جاؤ۔ پھر سب لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس جا کر یہی عرض کریں گے۔ جواب میں وہ بھی یہی فرمائیں گے کہ آج

(۱) شفاعت کے موضوع پر مختلف طرق سے مروی سیکڑوں احادیث کے مطالعہ کے لیے راقم کی تالیف 'أَحْسَنُ الصَّنَاعَةِ فِي إِثْبَاتِ الشَّفَاعَةِ' کا مطالعہ کریں۔

کا دن میرے پاس نہیں کسی اور کے پاس جاؤ۔ تمام امتیں اسی طرح باری باری تمام انبیاء علیہم السلام سے ایسے ہی جواب سنتے سنتے سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے پاس پہنچیں گی۔ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام سے عرض کریں گے: آپ کلمۃ اللہ ہیں، آپ ہمارے لیے اللہ تعالیٰ کے حضور دعا اور التجا کریں۔ وہ بھی کہیں گے کہ آج کا دن میرے لیے نہیں بلکہ

وَلَکِنِ ائْتُوا مُحَمَّدًا ﷺ.

تم محمد ﷺ کے پاس جاؤ (کیونکہ آج کا دن محمدِ مصطفیٰ ﷺ کا دن ہے)۔

بلا شبہ انبیاء کرام علیہم السلام کو شفاعت کا حق ملے گا مگر اس کا موقع تب آئے گا جب حساب و کتاب شروع ہو جائے گا اور انہیں شفاعت کا اذن دیا جائے گا لیکن اس حدیث میں اس وقت کا ذکر ہے جب ابھی حساب و کتاب کا عمل شروع ہی نہیں ہوا۔ قیامت کی ہلاکت خیزیوں سے گھبرا کر ہی امتیں حساب و کتاب کے جلد آغاز کے لیے ہی سیدنا عیسیٰ علیہ السلام کے پاس آتی ہیں جو انہیں حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس بھیجتے ہیں۔ یہی آپ ﷺ کی شفاعتِ کبریٰ اور شفاعتِ عظمٰی کی ابتدا ہے اور اسے ہی شفاعتِ عامہ کہتے ہیں۔ یہ صرف حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے مخصوص ہے اور صرف آپ ﷺ کی خصوصیت ہے جو اور کسی سے ثابت نہیں۔ الغرض جب تمام امتیں حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں آئیں گی تو آپ ﷺ فرمائیں گے:

أَنَا لَهَا.

یہ (شفاعتِ عامہ کا) حق میرا ہے۔

یعنی یہ شفاعتِ کبری صرف میرے لیے ہی مختص ہے۔ بعد ازاں حضور نبی اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو جائیں گے اور تمام امتوں کی شفاعت فرمائیں گے۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ حدیثِ شفاعت میں بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: بروز قیامت میں اللہ تعالیٰ کے حضور سجدہ ریز ہو جاؤں گا۔ فرمایا جائے گا:

ارْفَعْ رَأْسَکَ وَقُلْ يُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ. فَأَقُوْلُ: يَا رَبِّ،

اِئْذَنْ لِي فِيمَنْ قَالَ: لاَ إِلٰـهَ إِلَّا اللهُ، فَيَقُوْلُ: وَعِزَّتِي وَجَلاَلِي، وَكِبْرِيَائِي وَعَظَمَتِي لَأُخْرِجَنَّ مِنْهَا مَنْ قَالَ لاَ إِلٰـهَ إِلَّا اللهُ.(۱)

(اے حبیب!) اپنا سر انور اٹھایئے اور کہیے، اسے سنا جائے گا، مانگیے آپ کو عطا کیا جائے گا اور شفاعت کیجیے، آپ کی شفاعت قبول کی جائے گی۔ اس پر میں عرض کروں گا: اے میرے رب! مجھے اس شخص کی بھی (شفاعت کرنے کی) اجازت دیجیے جس نے لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ کہا ہے، وہ فرمائے گا: مجھے اپنی عزت و جلال اور عظمت و کبریائی کی قسم! میں اس شخص کو بھی ضرور جہنم سے نکال لوں گا جس نے لَا اِلٰـهَ اِلَّا اللهُ کہا ہے۔

مقصودِ بیان یہ ہے کہ قیامت کے دن بھی حضور نبی اکرم ﷺ کا رشتۂ رحمت و شفقت صرف اپنی امت کے ساتھ ہی نہیں بلکہ آدم علیہ السلام سے لے کر عیسٰی علیہ السلام تک تمام انبیاء علیہم السلام کی امتوں اور پورے عالم انسانیت کے ساتھ بڑے عروج پر ہوگا۔ اس لیے کہ آپ ﷺ کی بے پناہ شفقت تمام انسانیت پر سایہ فگن ہوگی۔ قیامت والے دن بھی حضور ﷺ کی یہ شفقت و رحمت جاری رہے گی۔ حیاتِ ظاہری میں بھی تھی، حیات برزخی میں بھی ہے، حیاتِ اخروی میں بھی ہوگی اور جنت میں بھی یہ کرم نوازی بدستور قائم رہے گی۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی رحمت کا یہ رشتہ اوّل تا آخر صرف اپنی امت کے ساتھ نہیں بلکہ جمیع امتوں کے ساتھ ہے۔ غور طلب بات ہے کہ ایسی امت جس کا نبی ﷺ اس قدر شفیق اور رحیم ہے، ایسے امتیوں کا لوگوں کے ساتھ شفقت

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب التوحید، باب کلام الرب عزّوجلّ یوم القیامة مع الأنبیاء وغیرهم، ۶: ۲۷۲۷، رقم: ۷۰۷۲
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب أدنٰی أهل الجنة منزلة فیها، ۱: ۱۸۲-۱۸۴، رقم: ۱۹۳
۳۔ نسائي، السنن الکبری، ۶: ۳۳۰، رقم: ۱۱۱۳۱
۴۔ أبو یعلی، المسند، ۷: ۳۱۱، رقم: ۴۳۵۰
۵۔ ابن منده، الإیمان، ۲: ۸۴۱، رقم: ۸۷۳

اور رحمت پر مبنی نہ ہو تو کتنی تعجب اور افسوس ناک بات ہوگی۔

۱۵۔ حَرِیُصٌ عَلَیُکُمُ

حضور نبی اکرم ﷺ ہر وقت امت کی خیر و بھلائی کے لیے فکر مند رہتے، امت کا مشکلات میں مبتلا ہونا آپ ﷺ پر بھاری گزرتا تھا۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو العاص رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک دفعہ سورۃ ابراہیم کی آیت ۳۶ اور سورۃ المائدۃ کی آیت ۱۱۸ کی تلاوت فرمائی:

رَبِّ اِنَّهُنَّ اَضُلَلُنَ كَثِيُرًا مِّنَ النَّاسِ ج فَمَنُ تَبِعَنِیُ فَاِنَّهٗ مِنِّیُ ج وَمَنُ عَصَانِیُ فَاِنَّکَ غَفُوُرٌ رَّحِيُمٌ○[1]

اے میرے رب! ان (بتوں) نے بہت سے لوگوں کو گمراہ کر ڈالا ہے۔ پس جس نے میری پیروی کی وہ تو میرا ہو گا اور جس نے میری نافرمانی کی تو بے شک تُو بڑا بخشنے والا نہایت مہربان ہے○

پھر فرمایا:

اِنُ تُعَذِّبُهُمُ فَاِنَّهُمُ عِبَادُکَ ج وَاِنُ تَغُفِرُ لَهُمُ فَاِنَّکَ اَنُتَ الُعَزِيُزُ الُحَكِيُمُ○[2]

اگر تو انہیں عذاب دے تو وہ تیرے (ہی) بندے ہیں اور اگر تو انہیں بخش دے تو بے شک تو ہی بڑا غالب حکمت والا ہے○

ان دو آیات کی تلاوت کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ نے حالتِ گریہ میں اپنے دونوں ہاتھ اٹھا کر عرض کیا: اَللّٰهُمَّ! أُمَّتِي أُمَّتِي.

(۱) إبراهيم، ۳۶:۱۴

(۲) المائدة، ۱۱۸:۵

فَقَالَ اللهُ ﷻ: يَا جِبْرِيْلُ، اِذْهَبْ إِلٰى مُحَمَّدٍ، وَرَبُّکَ أَعْلَمُ، فَسَلْهُ: مَا يُبْکِيْکَ؟ فَأَتَاهُ جِبْرِيْلُ ؑ فَسَأَلَهُ فَأَخْبَرَهُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ بِمَا قَالَ، وَهُوَ أَعْلَمُ، فَقَالَ اللهُ: يَا جِبْرِيْلُ، اِذْهَبْ إِلٰى مُحَمَّدٍ فَقُلْ: إِنَّا سَنُرْضِيْکَ فِي أُمَّتِکَ وَلَا نَسُوْءُکَ. (1)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے جبرائیل! محمد (ﷺ) کے پاس جاؤ، حالانکہ تیرے رب کو خوب علم ہے، تاہم ان سے پوچھو کہ اُن پر کس وجہ سے گریہ طاری ہوا ہے؟ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حضرت جبرائیل ؑ حاضر ہوئے اور آپ ﷺ سے (گریہ طاری ہونے کا سبب) پوچھا۔ رسول اللہ ﷺ نے جبرائیل ؑ کو اس کی وجہ بیان فرما دی، حالانکہ اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جبرائیل سے فرمایا: اے جبرائیل! محمد(ﷺ) کے پاس جاؤ اور ان سے کہو کہ آپ کی اُمت (کی بخشش) کے معاملہ میں ہم آپ کو راضی کر دیں گے اور آپ کو رنجیدہ خاطر نہیں کریں گے۔

اس کے بعد یہ آیت مبارکہ اتری:

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب الإيمان، باب دعاء النبي ﷺ لأمته وبکائه شفقة عليهم، ۱:۱۹۱، رقم:۲۰۲

۲۔ نسائي، السنن الکبری، ۶:۳۷۳، رقم: ۱۱۲۶۹

۳۔ أبو عوانة، المسند، ۱:۱۳۸، رقم:۴۱۵

۴۔ ابن منده، الإيمان، ۲:۸۶۸، رقم:۹۲۴

۵۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۸:۳۶۷، رقم:۸۸۹۴

۶۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۱:۲۸۲، رقم:۳۰۳

۷۔ ابن عساکر، تاريخ مدينة دمشق، ۴:۹۳

۸۔ ابن کثير، تفسير القرآن العظيم، ۲:۱۲۲

۹۔ سيوطي، الدر المنثور، ۳:۲۴۰

www.MinhajBooks.com

وَلَسَوْفَ يُعْطِيْكَ رَبُّكَ فَتَرْضٰىO [1]

عنقریب آپ کو آپ ﷺ کا رب اتنا عطا کر دے گا کہ آپ ﷺ خود راضی ہو جائیں گے۔

حضرت عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک رات حضور نبی اکرم ﷺ نے دیگر انبیاء، ان کی امتوں اور قیامت کے دن پیش آنے والے مناظر کو خواب میں دیکھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ جب میری شفاعت کی وجہ سے امت کو بخش دیا گیا تو مجھ سے کہا گیا:

أَرَضِيْتَ؟

اب آپ راضی ہیں؟

میں نے عرض کیا:

رَضِيْتُ يَا رَبُّ، رَضِيْتُ يَا رَبُّ. [2]

اے رب! میں راضی ہوں، اے رب! میں راضی ہوں۔

حضور نبی اکرم ﷺ ظاہری حیات میں امت کے لیے فکر مند رہتے اور بعد از وصال بھی شفاعت کی صورت میں آپ ﷺ کے سرچشمۂ رحمت کا فیض جاری ہے۔

۱۶۔ قیامت اور اس کے بعد رحمتِ مصطفیٰ ﷺ کے مناظر

حضور نبی اکرم ﷺ کی رحمت اور شفقت کا کمال قیامت کے دن ظاہر ہوگا۔ حضور نبی

---

(۱) الضحیٰ، ۹۳:۵

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۴۰۱، رقم: ۳۸۰۶

۲۔ عبد الرزاق، المصنف، ۱۰: ۴۰۸، رقم: ۱۹۵۱۹

۳۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۰: ۶، رقم: ۹۷۶۶

۴۔ أبو نعیم، حلیة الأولیاء، ۲: ۲۴۸

اکرم ﷺ کا اپنی امت کے ساتھ محبت کا رشتہ اتنا مضبوط ہے کہ قیامت کے دن کئی مقامات ایسے ہوں گے جہاں الگ الگ حضور ﷺ کی شفاعت ظاہر ہوگی۔

کہیں حساب و کتاب دینے والوں کے لیے شفاعت ہوگی۔ کہیں پل صراط سے گزرنے والوں کے لیے شفاعت ہوگی۔ جہاں نامہ اعمال تولے جا رہے ہوں گے وہاں شفاعت ہوگی۔ پورے اہل محشر کے لیے اس وقت شفاعت ہوگی جب حساب و کتاب ابھی شروع بھی نہ ہوا ہوگا۔ کئی کی شفاعت اس وقت ہوگی جب ان کے لیے اذنِ جہنم دے دیا گیا ہوگا۔ حضور نبی اکرم ﷺ ایسے حقدارانِ شفاعت کو جنت میں لے جائیں گے اور دوزخ میں جانے سے روک دیں گے۔ کئی ایک کی شفاعت یوں ہوگی کہ دوزخ میں جا کر اپنے حصہ کا عذاب بھگت چکے ہوں گے۔ حضور نبی اکرم ﷺ اپنے دستِ اقدس سے انہیں دوزخ سے نکال کر جب جنت میں بھیجیں گے۔ یہ سب کچھ حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت سے ہی ممکن ہوگا۔

کئی ایک کی شفاعت جنت میں اپنے اعمال کے مطابق خاص خاص مقامات اور درجات پر فائز کرنے کے حوالے سے ہوگی۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت سے ان کے درجات بلند کئے جائیں گے، انہیں عظمتیں عطا کی جائیں گی۔ الغرض مختلف طرح کی شفاعتیں حضور نبی اکرم ﷺ قیامت کے دن فرمائیں گے۔ یہ تمام واقعات صحاح ستہ اور دیگر کتبِ حدیث میں تحریر ہیں۔

۱۷۔ روزِ قیامت بالواسطہ رحمتِ مصطفیٰ ﷺ کا اظہار

مذکورہ شفاعتیں تو صرف وہ شفاعتیں ہیں جو براہِ راست حضور نبی اکرم ﷺ کے ذریعے نصیب ہوں گی۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعتیں درحقیقت امت کے ساتھ رحمت، شفقت، کرم نوازی اور لطف و احسان کا رشتہ ہے۔ یہ تو حضور نبی اکرم ﷺ کی امت کے حق میں بلا واسطہ شفاعتیں ہیں۔ اس کے علاوہ حضور نبی اکرم ﷺ کے صدقے سے بھی دیگر شفاعتیں نصیب ہیں۔ احادیث مبارکہ میں ہے کہ اللہ تعالیٰ دیگر انبیاء علیہم السلام کو حکم دے گا کہ میرے مصطفیٰ ﷺ نے شفاعت کرلی ہے، اب تم بھی اپنے امتوں کے لیے شفاعت کرلو پھر انبیاء

شفاعت کریں گے۔ ملائکہ کو اذن ہوگا کہ تم شفاعت کرو۔ پھر اللہ تعالیٰ شہداء کو شفاعت کا حکم دے گا۔ پھر اولیاء و صالحین کی شفاعت ہوگی اور اولیاء اور صالحین میں سے ہر ایک کی شفاعت سے ستر ستر ہزار آدمیوں کی شفاعت ہوگی۔ستر ہزار اولیاء صالحین حضور نبی اکرم ﷺ کی امت میں ایسے ہوں گے کہ جن میں سے ایک ایک ہزار اپنے ساتھ پھر ستر ستر ہزار افراد اور ایک روایت کے مطابق ایک ایک ولی ستر ہزار افراد کی بغیر حساب و کتاب کے بخشش کروائے گا۔ ایسے نورانی لوگوں کی تعداد ایک روایت کے مطابق ستر ہزار جب کہ دوسری روایت کے مطابق سات لاکھ ہوگی جن کی بغیر حساب و کتاب کے بخشش ہوگی۔ (1)

یہ لوگ قطار در قطار ایک دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر کھڑے ہوں گے اور اس پورے سلسلہ کا شخص اوّلین وہ ولی، راہبر اور اللہ تعالیٰ کا مقرب بندہ ہوگا جس کی تعلیم و نصیحت سے ہزاروں لاکھوں لوگ سنورے تھے۔ وہ قیامت کے دن بابِ جنت پر کھڑا ہوگا اور ان لوگوں کے حق میں اللہ تعالیٰ اس کی شفاعت کو قبول فرمائیں گے۔ جب تک آخری شخص جنت میں داخل نہیں ہو جائے گا وہ اللہ کا برگزیدہ ولی اس وقت تک جنت میں قدم نہیں رکھے گا۔

پھر علماء شفاعت کریں گے۔ قرآن مجید کے حفاظ شفاعت کریں گے۔ نیک لوگ

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الرقائق، باب ومن یتوکّل علی اللہ فهو حسبه، ۵:۲۳۷۵، رقم:۶۱۰۷

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الایمان، باب الدلیل علی دخول طوائف من المسلمین الجنة بغیر حساب ولا عذاب، ۱:۱۹۷، رقم: ۲۱۶

۳۔ ترمذی، السنن، کتاب صفة القیامة والرقائق والورع، باب ۱۲، ۴:۶۲۶، رقم:۲۴۳۷

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۲۷۱، رقم: ۲۴۴۸

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۳:۴۴۷، رقم:۶۰۸۴

۶۔ حاکم، المستدرك، ۴:۶۲۱، رقم:۸۷۲۱

۷۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۱:۲۹۳، رقم:۹۶۷

۸۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۱۸:۱۸۳، رقم:۴۲۷

اپنے خاندان کے لیے، کوئی ماں باپ کے لیے، کوئی پورے قبیلے کے لیے شفاعت کا باعث ہوگا۔ ماہِ رمضان کی شفاعت ہوگی۔ قرآن مجید کی شفاعت ہوگی، قرآن مجید کی سورتیں آ کر بندے کو بخشوائیں گی کہ یہ ہر رات میری تلاوت کرتا تھا، جن لوگوں کے ساتھ بھلائی کی ہوگی ان کی شفاعت ہوگی۔ معصوم بچے جن کی وفات ہو جاتی ہے اور جن کے جنازے میں ہم یہ دعا کرتے ہیں کہ باری تعالیٰ اس معصوم بچے کو ہمارا شفاعت کرنے والا بنا اور اس کی شفاعت ہمارے حق میں قبول فرما، وہ بچے شفاعت کریں گے۔ علیٰ ہذا القیاس ایک سلسلۂ شفاعت ہوگا۔

یہ سارا وسیع تر سلسلۂ شفاعت کیا ہے؟ اصل میں یہ اللہ رب العزت اور مصطفیٰ ﷺ کی رحمت، شفقت، کرم نوازی اور لطف و کرم ہے۔ یہ بخشش و مغفرت کی وہ صورتیں ہیں جن سے اسلام کی تعلیمات میں ہمیں ہر جگہ فراوانی کے ساتھ رحمت، شفقت، نرمی، سہولت، لطف و کرم، احسان اور عفو و درگزر کا عنصر غالب نظر آتا ہے۔ یہ عفو و درگزر، رحمت و شفقت، نرمی و سہولت ہی حقیقتاً سارا اسلام ہے۔ اتنی شفقت اور اتنی رحمت ہمیں دین اسلام کے سوا دنیا کے کسی مذہب میں نظر نہیں آتی۔ دنیا کے کسی فلسفۂ حیات میں نظر نہیں آتی۔ دنیا کے کسی نظام میں نظر نہیں آتی۔ افسوس کہ ہم نے اسلام کا مطالعہ کرنا اور اسے سمجھنا چھوڑ دیا ہے۔ اس غفلت کی بنا پر ہم سے اسلام کی معرفت، محبت چھوٹ گئی، اسلام پر عمل چھوٹ گیا، اسلام سے ہمارے تعلق اور رشتے کمزور ہو گئے۔ آج ہمیں پھر اسلام کی تعلیمات کو اپنے اقوال و اعمال اور احوال میں لانا ہوگا۔

۱۸۔ آپ ﷺ کا امت پر شہید (گواہ) ہونا، رحمت کا اِظہار ہے

اسلام کے دینِ امن و رحمت ہونے اور مسلمانوں پر حضور نبی اکرم ﷺ کی شفقت کے موضوع پر قرآن مجید کی متعدد آیات اور احادیثِ نبوی ﷺ کا مطالعہ ہمیں حضور نبی اکرم ﷺ کے رحمۃً للعالمین ہونے اور آپ ﷺ کی رحمتِ واسعہ کے مختلف مظاہر، مختلف صورتوں اور متنوع ظہورات (menifestation) کی طرف متوجہ کرتا ہے۔ اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَكَذٰلِكَ جَعَلْنٰكُمْ اُمَّةً وَّسَطًا لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا.[1]

اور (اے مسلمانو!) اسی طرح ہم نے تمہیں (اعتدال والی) بہتر امت بنایا تا کہ تم لوگوں پر گواہ بنو اور (ہمارا یہ برگزیدہ) رسول (ﷺ) تم پر گواہ ہو۔

درج بالا آیت کریمہ میں بھی دیگر بہت سی آیات کی طرح حضور نبی اکرم ﷺ کا امت کے لیے سراپا رحمت و شفقت ہونے کے ایک مظہر کا بیان ہے۔ اس آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے امت مسلمہ کو 'امتِ وسط' کے طور پر متعارف فرمایا کہ امتِ محمدیہ ﷺ کو اعتدال پسند، متوازن اور اہمیت کی حامل اور قیادت کا فریضہ سرانجام دینے والی امت بنایا گیا ہے۔ یعنی امت محمدی ﷺ کے تصورِ قیادت کے لیے 'وَسَطًا' کا لفظ استعمال فرمایا اور Leading role یہ اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ امت مسلمہ قیادت تب ہی کر سکتی ہے اگر اس کا کردار، اعتدال، توازن اور برداشت پر مبنی ہوگا۔

پھر ارشاد فرمایا:

لِّتَكُوْنُوْا شُهَدَآءَ عَلَى النَّاسِ وَيَكُوْنَ الرَّسُوْلُ عَلَيْكُمْ شَهِيْدًا.

تا کہ تم انسانیت پر گواہ بن سکو اور رسول اکرم ﷺ تمہارے اوپر گواہ ہوں۔

امت پر حضور نبی اکرم ﷺ کا شہید (گواہ) ہونا یہ امر بھی آپ ﷺ کی عظیم رحمت کا ایک مظہر اور منفرد پہلو ہے۔ اس کی وضاحت صحیح بخاری کی 'کتاب الجنائز' اور صحیح مسلم کی 'کتاب الفضائل' میں مذکور حدیث مبارک سے ہوتی ہے جسے حضرت عقبٰی بن عامر رضی اللہ عنہ نے روایت کیا کہ حضور نبی اکرم ﷺ ایک روز صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ساتھ لے کر مدینہ طیبہ سے کم و بیش دو میل دور غزوۂ احد کے مقام پر شہدائے احد کی زیارت کے لیے پہنچے اور

فَصَلّٰى عَلٰى اَهْلِ اُحُدٍ صَلَاتَهُ عَلَى الْمَيِّتِ.

(۱) البقرة، ۲: ۱۴۳

آپ ﷺ نے شہدائے احد کی نمازِ جنازہ ادا فرمائی۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے اس عمل کے یہ دونوں معنی بیان کئے گئے ہیں:

۱۔ آپ ﷺ نے دوبارہ ان کی نماز پڑھی جیسے میت پر پڑھی جاتی ہے۔

۲۔ اموات کے حق میں جس طرح دعا کی جاتی ہے آپ ﷺ نے ان کی قبور پر جا کر ان کے لیے دعا کی۔

حضور نبی اکرم ﷺ چونکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی ایک کثیر تعداد کو لے کر شہداءِ اُحد کے مزارات پر گئے۔ لہٰذا آپ ﷺ کے اس عملِ مبارک سے امت کے لیے اجتماعی طور پر مزارات پر جانا ثابت ہوتا ہے۔ یہ واقعہ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے آخری سال پیش آیا۔ آپ ﷺ کا انفرادی معمول یہ بھی تھا کہ ہر ہفتے جنت البقیع میں قبور کو دیکھنے اور ان کے حق میں دعا کرنے کے لیے تشریف لے جاتے تھے۔ آپ ﷺ کے اس عمل کے حوالے سے صحیح بخاری، صحیح مسلم، صحاح ستہ اور دیگر کتبِ حدیث میں کثرت کے ساتھ احادیثِ صحیحہ آئی ہیں۔ آپ ﷺ کے اِس متواتر و مسلسل انفرادی عمل سے بھی امت کے لیے قبور اور مزارات کی زیارت کے لیے جانا ثابت ہے اور یہ بات غیر متنازعہ (undisputed) ہے، بغیر کسی اختلاف کے کتب حدیث میں کثرت کے ساتھ حضور نبی اکرم ﷺ کے اس عمل کا ذکر آیا ہے۔

انفرادی طور پر حضور نبی اکرم ﷺ کا قبور کی زیارت کے لیے جانا تو ثابت ہی ہے مگر زیرِ بحث متفق علیہ حدیث مبارک سے اکٹھے ہو کر، اجتماعی طور پر مزارات پر جانا، وہاں اجتماع کرنا، اکٹھے ہونا اور مل کر دعا کرنا، یہ عمل بھی آپ ﷺ کی سنتِ طیبہ سے ثابت ہے۔ گویا مزارات پر زیارت کے لیے تنہا جانا یا اجتماع کی صورت میں کثیر تعداد میں جانا اور دعا کرنا، یہ عمل آپ ﷺ اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی سنت ہے۔

جب آپ ﷺ شہداءِ اُحد کے قبرستان پہنچے تو آپ ﷺ نے شہداءِ اُحد کے حق میں دعا فرمائی اور ثُمَّ انْصَرَفَ اِلَی الْمِنْبَرِ 'پھر آپ ﷺ پلٹے اور منبر پر قیام فرما ہوئے'۔

صاف ظاہر ہے کہ شہدائے احد کی قبور اور مزارات کے مقام پر پہلے سے تو کوئی منبر موجود نہیں تھا کیونکہ اس وقت تو وہاں نہ مسجد تھی اور نہ وہاں کوئی جلسے ہوتے تھے کہ منبر مستقل وہاں موجود رہے، صرف شہداء کے مزارات تھے۔ حضور نبی اکرم ﷺ، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو لے کر اجتماعی طور پر وہاں تشریف لے گئے، زیارت کی اور دعا فرمائی۔ ذہن میں سوال آتا ہے کہ منبر وہاں کہاں سے آ گیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ لامحالہ حضور نبی اکرم ﷺ کے حکم پر وہاں منبر رکھنے کا انتظام کیا گیا تھا جس پر آپ ﷺ قیام فرما ہوئے اور خطاب فرمایا۔ گویا مزارات کی زیارت کرنا۔ وہاں اجتماع منعقد کرنا اور وہاں خطاب کرنا یہ عمل بھی رسول اللہ ﷺ کی سنت سے ثابت ہیں۔ اولیائے کرام کے عرس کے مواقع پر اجتماع ہوتا ہے، لوگ جمع ہوتے ہیں، قرآن مجید کی تلاوت کرتے ہیں، مزار کی زیارت کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کے حضور صاحبانِ مزارات اور اپنے لیے دعا کرتے ہیں۔ پھر وہاں تلاوت و نعت اور خطاب ہوتا ہے۔ اس سارے عمل کی اصل یہ متفق علیہ حدیث ہے اور یہ آپ ﷺ کی سنت سے ثابت ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ منبر پر قیام فرما ہوئے اور اپنے خطاب میں درج ذیل چھ باتیں ارشاد فرمائیں۔ ان میں سے ہر ایک زریں کلمہ امت کے لیے، رحمت و شفقت کے بے بہا خزینوں کو سموئے ہوئے ہے۔

(۱) وصالِ مصطفیٰ ﷺ امت کے لیے کیونکر باعثِ رحمت ہے؟

حضور نبی اکرم ﷺ نے منبر پر قیام فرما ہونے کے بعد فرمایا:

اِنِّیْ فَرَطٌ لَکُمْ. 'بے شک میں تمہارے لیے فرط ہوں'۔

'فرط' کا معنی ہے کہ ظاہراً تم سے پہلے اس دنیا سے رخصت ہو رہا ہوں تا کہ تمہارے لیے، امت مسلمہ کے لیے وہاں جا کر بخشش، شفاعت، جنت میں ٹھہرنے کے ٹھکانے اور قیامت و آخرت کے احوال کے مطابق انتظامات کروں۔ تمہارے لیے معاملات کو سنواروں اور سہولت و خیر پیدا کروں۔ پس سہولت اور آسانی پیدا کرنے اور مشکلات دور کرنے کے مقصد کے پیشِ نظر

آگے جانے والے کو 'فرط' کہتے ہیں۔

فرط کا دوسرا معنیٰ حافظ عراقی، امام عسقلانی، امام قسطلانی، امام عینی، قاضی عیاض اور دیگر محدّثین نے یہ بیان کیا ہے کہ میں تمہارے لیے 'فرط' ہوں، مراد یہ ہے کہ میں تمہارے اعمال پر اس زندگی میں بھی گواہ تھا اور آگے جا کر آخرت میں بھی تمہارے اعمال پر گواہ رہوں گا۔ گویا تمہارے اعمال اس دنیا سے ظاہراً رُخصتی کے بعد بھی مجھ پر پیش کئے جاتے رہیں گے، میں ان پر نگاہ رکھوں گا۔ گویا آگے جا کر بھی میں تم میں باقی رہوں گا۔ یہ نہ سمجھنا کہ میں تم سے رخصت ہوگیا، جدا ہوگیا، ہرگز نہیں، میں آگے جا کر بھی تمہارے اندر موجود رہوں گا۔ اس معنی کو حافظ عراقی نے یوں بیان کیا ہے:

فَكَأَنَّهٗ بَاقٍ مَعَهُمْ لَمْ يَتَقَدَّمْهُمْ. (۱)

گویا حضور نبی اکرم ﷺ جدا ہوئے ہی نہیں، وصال فرما کر بھی امت کے اندر ہی باقی اور موجود ہیں۔

اسی طرح 'فرط' کے اندر شفاعت کرنے، آخرت کے لیے امت کی بخشش کا سامان تیار کرنے اور امت کے اعمال پر گواہ ہونے کا معنی بھی پایا جاتا ہے۔ مگر یہاں غالب معنی یہی ہے کہ میں آگے جاتا ہوں تاکہ امت کی شفاعت کا انتظام ہو، میری امت کو کوئی تکلیف نہ ہو، ان کے پہنچنے سے پہلے میں بندوبست کرلوں۔ آپ اندازہ کیجئے کہ اس جامع المعنیٰ لفظ 'فرط' میں امت کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ کی شفقت اور محبت کارفرما ہے کہ آپ ﷺ کا آگے جانا بھی ہمارے لیے خیر کا باعث ہے۔ گویا 'فرط' آپ ﷺ کی دو صفات یعنی امت کے شفیع اور شہید (امت پر گواہ) دونوں کا جامع ہے مگر غالب مفہوم 'شافع الامۃ' کا ہے۔

کئی روایات میں آیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ خطاب سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم زار و قطار رونے لگے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم فرماتے ہیں کہ یوں لگ رہا تھا گویا حضور اکرم ﷺ ہم سے الوداعی خطاب فرما رہے ہیں کہ اِنِّیْ فَرَطُ لَّکُمْ۔۔ میں تم سے رخصت ہو رہا ہوں، آخرت میں

(۱) عراقی، طرح التثریب في شرح التقریب، ۳: ۲۷۴

تم سے پہلے تمہارا انتظام کرنے کے لیے جا رہا ہوں، گویا آپ ﷺ نے یہ پیغام بھی دے دیا کہ میری رخصت کا وقت قریب ہے۔

(۲) بعد از وصال بھی حضور ﷺ ہمارے اعمال و احوال پر گواہ ہیں

حضور نبی اکرم ﷺ نے اسی خطاب میں دوسرا جملہ یہ ارشاد فرمایا:

أَنَا شَهِيْدٌ عَلَيْكُمْ (میں تم پر گواہ ہوں)۔

یعنی یہ نہ سمجھنا کہ میں تم سے جدا ہو گیا ہوں اور میرا تم سے کوئی تعلق اور کوئی علاقہ نہیں رہا، نہیں، نہیں ایسا نہیں ہے، بلکہ **اَنَا شَهِيْدٌ عَلَيْكُمْ** جس طرح آج اس حیاتِ ظاہری میں، تم پر اور تمہارے صبح و شام کے جمیع احوال و اعمال پر گواہ تھا اور گواہ ہوں، بعد از وصال بھی قیامت تک میں تمہارے تمام اعمال و احوال پر ایسے ہی گواہ رہوں گا۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان بھی اُس حدیث کے معنی کو مزید تقویت عطا فرماتا ہے جس کا مطالعہ گزشتہ صفحات پر ہم کر چکے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: بعد از وصال بھی تمہارا درود و سلام مجھ پر صبح و شام پیش کیا جائے گا، اسی طرح تمہارے اعمال بھی مجھ پر پیش کئے جائیں گے۔ گویا حضور نبی اکرم ﷺ نے واضح فرما دیا کہ میرا تعلقِ رحمت، تعلقِ شفقت، تعلقِ شہادت اور تعلقِ شفاعت جو تمہارے ساتھ اس ظاہری زندگی میں ہے، یہ بعد از وصال بھی جوں کا توں برقرار رہے گا اور تا قیامت کبھی منقطع نہیں ہوگا۔

(۳) حوضِ کوثر پر امت کی پیاس بجھانا

تیسری بات جو حضور نبی اکرم ﷺ نے اس خطبہ میں ارشاد فرمائی وہ یہ ہے:

وَإِنِّيْ وَاللهِ لَأَنْظُرُ إِلٰى حَوْضِيَ الآنَ.

اللہ کی قسم کہ میں اس وقت بھی (قیامت کے دن قائم کئے جانے والے) حوضِ کوثر کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔

یعنی وہ حوضِ کوثر جس سے میں جام بھر بھر کر تمہیں پلاؤں گا اور قیامت کے دن تمہاری پیاس بجھاؤں گا، آج اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ یہ پیغام بھی رحمت، شفقت اور محبت پر مبنی ہے کہ جب امت پیاس سے نڈھال ہوگی، کسی سہارے اور ٹھنڈے پانی کی تلاش میں ہوگی، اس وقت یہ آسانی اور سہولت بھی اُنہیں حضور نبی اکرم ﷺ کے ذریعے ہی میسر آئے گی۔ اس فرمان میں دوسرا پہلو عظمت و شانِ رسالتمآب ﷺ کا بھی ہے۔ آپ ﷺ فرما رہے ہیں اَلآن 'اس وقت میں دیکھ رہا ہوں' حالانکہ اس وقت حشر برپا نہیں ہوا، جب قیامت آئے گی، اس وقت یومِ محشر برپا ہوگا، تب حوضِ کوثر بھی ظاہر ہوگا۔ قیامت کے تمام معاملات، واقعات اور حقائق اُس وقت ظہور پذیر ہوں گے۔ اِس وقت قیامت، جنت، پل صراط، میزان، حوضِ کوثر اور تمام امورِ آخرت و قیامت پردۂ غیب میں ہیں مگر حضور نبی اکرم ﷺ کی شانِ علم، شانِ معرفت، شانِ مشاہدہ اور شانِ شہادت کا یہ عالم ہے کہ جو چیز مستقبل میں ہے، ابھی ظہور پذیر ہی نہیں ہوئی، سراسر غیب میں ہے، آپ ﷺ فرماتے ہیں کہ میں اس وقت بھی یہاں کھڑے ہوکر اپنے حوضِ کوثر کو دیکھ رہا ہوں۔ اس سے آپ ﷺ کی یہ شان ظاہر ہوتی ہے کہ اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو مشاہدہ کی اتنی عظیم الشان عطا فرمائی ہے کہ وہ امور جو عالمِ شہادت میں ہیں وہ بھی آپ ﷺ کے ہاں عیاں ہیں اور وہ جو پردۂ غیب میں نہاں ہیں وہ بھی آپ ﷺ کی آنکھوں کے سامنے آشکار ہیں۔

(۴) اُمت کے لیے جغرافیائی وسعتوں کی نوید

چوتھی بات جو حضور نبی اکرم ﷺ نے اس خطبہ میں ارشاد فرمائی وہ یہ ہے:

وَإِنِّي أُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنِ الْأَرْضِ أَوْ مَفَاتِيْحَ الْأَرْضِ.

بے شک مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کردی گئی ہیں، دوسری روایت کے مطابق مجھے زمین کی کنجیاں عطا کر دی گئی ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے خطاب کے اس حصہ میں اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ آج

دینِ اسلام اور میری امت کی جغرافیائی حدود عرب کی سرزمین اور اس کے اردگرد کے کچھ علاقے تک ہے، مگر جان لو، اِنِّي أُعْطِيْتُ مَفَاتِيْحَ خَزَائِنِ الْاَرْضِ أَوْ مَفَاتِيْحَ الْاَرْضِ ’مجھے زمین کی کنجیاں اور زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئی ہیں‘۔ زمین کی کنجیوں کا اشارہ دراصل ان فتوحات کی طرف تھا جو بعد کے ادوار میں ہوتی رہیں۔ جن میں بنو امیہ، بنو عباس اور خلافتِ عثمانیہ تک کا دور بھی شامل ہے کہ ان ادوار میں امت مسلمہ کی جغرافیائی حدود کی توسیع ہوئی۔

گویا ہزار سال کے عرصہ تک شرق تا غرب، شمال تا جنوب اور اطراف واکناف عالم میں جتنی فتوحات ہوتی رہیں جن کے نتیجے میں اسلام کی سلطنت، خلافت اور حکومت وسیع سے وسیع تر ہوتی رہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ اس دور تک دیکھ کر فرما رہے تھے کہ مجھے فتوحاتِ ارضی کی کنجیاں عطا فرما دی گئی ہیں۔ یعنی میری امت کو فتوحات حاصل ہوں گی، تم غلبہ حاصل کرتے چلے جاؤ گے اور میری امت اور میرا دین وسیع سے وسیع تر ہوتا چلا جائے گا۔ آج جو حدود تمہیں عرب کی سرزمین تک نظر آرہی ہیں ان میں توسیع ہوتی چلی جائے گی اور میری امت اور میرے دین کا پھیلاؤ مشارق سے لے کر مغارب تک جائے گا۔

آج ہم دیکھتے ہیں کہ دینِ اسلام کی جغرافیائی حدود یورپ کے ایک حصہ، مشرق وسطیٰ، ترکمانستان، وسطی ایشیائی ریاستوں، ہندوستان اور افریقہ تک پھیل چکی ہیں۔ گویا زمین کی کنجیوں کا عطا کیا جانا، فتوحات کی طرف اشارہ تھا۔ پھر فرمایا **مفاتیح خزائن الارض** مجھے زمین کے خزانوں کی کنجیاں عطا کی گئیں ہیں۔ زمین کے خزانوں سے مراد مختلف معدنیات ہیں۔ آج کا عالمی منظر نامہ بتاتا ہے کہ مسلمانوں کی سرزمین عرب میں بے تحاشا تیل اور گیس کے ذخائر موجود ہیں اور آج عالمی قوتیں ان پر نظریں گاڑی بیٹھی ہیں۔ آج پوری دنیا میں جو جنگ عالمی طاقتوں کے ذریعے بقائے باہمی اور قیامِ امن کے نام پر ہو رہی ہیں، اصل میں یہ بغرض خزائن الارض ہو رہی ہیں۔ پوری دنیا میں امن کے قیام کی خاطر عالمی جنگوں کے نام پر دنیا میں جو فساد اور انسانیت پر جو قیامت برپا ہے، یہ خزائن الارض پر قبضہ کرنے کی جنگ ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے ان خزانوں کی طرف اشارہ کیا کہ زمین کے سینے میں جو

خزانے دفن ہیں ان تمام دفینوں اور خزینوں کی چابیاں مجھے عطا کی گئی ہیں۔ میری امت میں ایسے ممالک ہوں گے جہاں کی سر زمین سے یہ خزانے نکلیں گے اور ان کے پاس بے تحاشہ دولت ہوگی۔ وہ سرزمین عرب جولق و دق صحرا تھا، کوئی تصور بھی نہیں کرسکتا تھا کہ یہ زمین ایسے بیش قدر خزانے اگلے گی۔ آج سعودی عرب، متحدہ عرب امارات، کویت، عراق اور ایران کو دیکھئے اسی طرح باقی عرب ممالک حتی کہ سوڈان تک کو دیکھیں کہ یہ ممالک معدنی خزانوں سے مالامال ہیں۔ ان خزانوں کا اشارہ حضور نبی اکرم ﷺ نے پندرہ صدیاں قبل امت کے لیے فرمادیا تھا۔ اُس وقت صورتِ حال یہ تھی کہ ضروریاتِ زندگی بہت قلیل تعداد میں دستیاب تھیں، مالِ غنیمت پر گزارہ ہوتا تھا، محدود زراعت و تجارت ہوتی، معاشی حالات انتہائی پریشان کن تھے۔ اس طرزِ زندگی میں کیا کوئی تصور کرسکتا تھا کہ اسلام کے دور میں امت کے لیے اتنے خزانے نکل آئیں گے اور ان کے پاس مالی آسودگی کے اتنے ذرائع میسر آئیں گے۔ ایسا سوچنا بھی ناممکنات میں سے تھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ اس ناممکن کے ممکن بن جانے کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے خوش خبری سنا رہے ہیں۔ تنگی کے دنوں میں خوش حالی کی نوید سنانا بھی اظہارِ رحمت ہے۔

(۵) امت کے مبتلائے شرک نہ ہونے کی نوید

پانچویں بات جو حضور نبی اکرم ﷺ نے اس خطبہ میں ارشاد فرمائی وہ یہ ہے:

وَاِنِّي وَاللهِ مَا أَخَافُ عَلَيْكُمْ اَنْ تُشْرِكُوْا بَعْدِي.

اللہ کی قسم! مجھے یہ ڈر نہیں کہ میرے بعد تم شرک کرنے لگو گے۔

یعنی میں دنیا سے رخصت ہوتے وقت پرسکون جا رہا ہوں، کیونکہ مجھے اطمینان ہے کہ انبیاء کرام علیہم السلام اپنی اپنی امت سے جس شرک کو مٹانے کے لیے مبعوث ہوتے رہے اور جس شرک کو مٹانے کے لیے میں آیا الحمد للہ تعالیٰ وہ شرک مٹا دیا گیا ہے۔ اب مجھے اس بات کا کوئی خوف نہیں کہ اے میرے صحابہ اور اے میری امت تم میرے بعد دوبارہ پلٹ کر شرک میں چلے جاؤ گے، یعنی قیامت تک اب میری امت شرک میں مبتلا نہیں ہوگی۔

کیا مبتلائے شرک نہ ہونے کی نویدِ نبوی دورِ صحابہ کے لیے محدود تھی

بعض لوگ اس مقام پر یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مبتلائے شرک نہ ہونے کی نوید صرف صحابہ کرام ﷡ کے لیے تھی، بعد کے زمانے کے لیے یہ خوشخبری نہیں، اس لیے شرک میں مبتلا ہونے کا خوف قیامت تک باقی ہے۔ ان احباب کے لیے اس شائبہ کو دور کرنا از حد ضروری ہے۔ صاف ظاہر ہے جس طرح درج بالا ساری خوش خبریاں صرف صحابہ کرام ﷡ کے لیے ہی نہیں ہیں بلکہ پوری امت کے لیے ہیں، اسی طرح یہ خوش خبری بھی صحابہ کرام ﷡ اور پوری امت کے لیے ہے۔ اس لیے کہ تمام خوش خبریوں میں سے صرف اسی ایک کو صحابہ کرام ﷡ کے لیے محدود نہیں کر سکتے۔ اگر حضور نبی اکرم ﷺ فرما رہے ہیں کہ **إِنِّي فَرُطٌ لَكُمْ**۔۔ تو یہ امرِ شفاعت صرف صحابہ کرام ﷡ کے لیے ہی نہیں بلکہ پوری امت کے لیے ہے۔ اسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ کی شانِ شہادت **وَاَنَا شَهِيْدٌ عَلَيْكُمْ** بھی محدود نہیں بلکہ قیامت تک لیے ہے۔

بے شک اوّلین مخاطب صحابہ کرام ﷡ ہی تھے مگر خوش خبری پوری امت کے لیے ہے۔ جیسا کہ قرآن و سنت میں پوری امت کے گناہ گاروں کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ کی شفاعت کے مظاہر واضح نظر آتے ہیں۔ یہ اہتمامِ شفاعت اور آپ ﷺ کا حوضِ کوثر کے جام پلانا اور خزانوں اور زمین کی چابیاں ملنا پوری امت کے لیے ہے، صرف صحابہ کرام کے لیے نہیں۔

جب حضور نبی اکرم ﷺ پوری امت کو قیامت تک کے لیے ساری خوش خبریاں، نعمتیں اور مبارک بادیں دے رہے ہیں تو یہ کس طرح ممکن ہے کہ جب شرک قطع ہونے کی بات کی جائے کہ میری امت شرک میں مبتلا نہیں ہوگی تو اسے صرف صحابہ کرام ﷡ کے لیے مختص کر دیا جائے۔ مبتلائے شرک نہ ہونے کی نوید کو کسی اعتبار سے صحابہ کرام ﷡ کے لیے مخصوص و محدود نہیں۔ یہ تمام شرائط، خوش خبریاں، مبارکبادیاں، رحمت و شفقت کی ساری صورتیں اور سارے مظاہر پوری امت کے لیے ہیں۔ سو حضور نبی اکرم ﷺ نے پوری امت کو یہ خبر سنا دی ہے کہ اللہ کی قسم! مجھے اس بات کا کوئی خوف نہیں کہ میرے بعد میری امت میں شرک پلٹ آئے گا۔

اس کا مطلب یہ ہوا کہ اب امت کے کسی وسیع طبقہ کے عقیدے پر شرک کا فتویٰ لگانا

درست نہیں۔ نیز یہ امر بھی ملحوظِ نظر رہے کہ جب نبی یہ فرما دے کہ 'اللہ کی عزت کی قسم! مجھے اس بات کا خوف نہیں کہ میرے بعد شرک پلٹ کر میری امت میں واپس آئے گا' تو حضور نبی اکرم ﷺ کے اس فرمانِ نبوت کو معاذ اللہ غلط ثابت کرنے کے مترادف ہے۔ امتِ مسلمہ وصالِ اقدس کے بعد نہ کبھی مشرک ہوئی، نہ آج ہے اور نہ قیامت تک امت میں شرک کبھی پلٹ کر آئے گا۔

افسوس! ہمارے ہاں صورت حال اس کے بالکل برعکس ہے اور ہم بے احتیاطی کے سبب شرک کا فتویٰ لگانے میں بڑے بے باک ہیں۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر شرک اور بدعت کے فتوے لگا دیتے ہیں کہ یہ شرک ہے، یہ بدعت ہے، یہ مشرک ہو گئے، وہ کافر ہو گئے اور وہ بدعتی ہو گئے۔ ہم یہ کام بڑی دیدہ دلیری سے کرتے ہیں جن کے کرنے کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ اس میں نہایت احتیاط برتنی چاہیے، اس لیے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے امت میں شرک کے پلٹ آنے کے امکان کو مکمل طور پر ختم کر دیا۔

(٦) خطرے سے آگاہ کرنا بھی رحمتِ مصطفیٰ ﷺ ہے

چھٹی بات جو حضور نبی اکرم ﷺ نے شہداء اُحد کے مزارات پر منعقدہ مجلس میں دورانِ خطاب ارشاد فرمائی وہ یہ ہے:

وَلٰكِنْ اَخَافُ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنَافَسُوْا فِيْهَا.(١)

(١) ١۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجنائز، باب الصلاة علی الشهيد، ١:٤٥١، رقم:١٢٧٩
٢۔ بخاری، الصحیح، کتاب المغازي، باب أُحد يحبنا ونحبه، ٤:١٤٩٨، رقم:٣٨٥٧
٣۔ بخاری، الصحیح، کتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، ٣:١٣١٧، رقم:٣٤٠١
٤۔ بخاری، الصحیح، کتاب الرقاق، باب ما يحذر من زهرة الدنيا والتنافس فيها، ٥:٢٣٦١، رقم:٦٠٦٢
←

www.MinhajBooks.com

لیکن مجھے تم پر ڈر اس بات کا ہے کہ تم دنیا کے مال و دولت اور دنیا کے فتنوں میں مبتلا ہو جاؤ گے۔

خطرے کی نشاندہی کرنا بھی رحمت و شفقت ہی کا اظہار ہے کہ امت دنیا کی محبت میں گرفتار نہ ہو بلکہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی محبت کو ہی ہمیشہ ہر چیز پر غالب رکھے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے جس خوف کا اظہار فرمایا وہ کام آج ہو رہا ہے۔ ہر طرف جو اصل فتنہ بپا ہے وہ مال و دولت، بدعنوانی کا ہے، دنیا سے محبت، حرص اور لالچ کا ہے۔ یاد رہے کہ لوٹ مار، قتل و غارت گری، بدامنی، دنیا کا اقتدار، جاہ و منصب، زیب و زینت اور آرائش ان تمام امور کا پس منظر دنیا کی محبت ہے۔ شہواتِ نفسانی تمام تر شر کا سبب ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ مجھے ڈر ہے کہ تم دنیا کے فتنوں میں مبتلا ہو جاؤ گے۔ لہٰذا تمہیں اس سے بچنے کی تلقین کرتا ہوں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے اس خطاب میں امت کو چھ خوش خبریاں سنائیں۔ ایک اعتبار سے آپ ﷺ کا یہ سب کچھ امت کے لیے اظہارِ رحمت و شفقت ہے۔ یہ آپ ﷺ کے رحمۃً للعالمین اور شفقت کا پیکر ہونے کے عمومی مظاہر کا بیان ہے۔

۱۹۔ رحمتِ مصطفیٰ ﷺ ہر خاص و عام کو شامل ہے

یاد رہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی رحمت و شفقت ہر خاص و عام کے لیے ہے۔ سیرتِ مصطفیٰ ﷺ میں ہمیں کثرت کے ساتھ ایسے مظاہر نظر آتے ہیں جو آپ ﷺ کی رحمت کی وسعت کے تصور کو ہمارے لیے مزید نمایاں کرتے ہیں۔

حضرت یزید بن ثابت رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ہم راہ مدینہ طیبہ سے باہر تشریف لے گئے۔ آپ ﷺ نے راستے میں ایک نئی قبر دیکھی جو تازہ

۵۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب إثبات حوض نبینا ﷺ وصفاته، ۴:۱۷۹۵، رقم: ۲۲۹۶

۶۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴:۱۵۳، رقم: ۱۷۴۳۵

۷۔ أصبهاني، دلائل النبوة، ۱:۱۹۱، رقم: ۲۴۸

ہی بنی ہوئی تھی۔ اس نئی قبر کو دیکھ کر آپ ﷺ نے پوچھا: یہ کس کی قبر ہے؟ کون فوت ہوا ہے؟ عرض کیا گیا: یارسول اللہ! یہ فلاں قبیلے کی ایک خاتون ہے۔ آپ ﷺ کو اس کا تعارف کرانے کے بعد عرض کی کہ یارسول اللہ! اس کی اچانک وفات ہوگئی تھی، آپ ﷺ آرام فرما تھے، اس لیے آپ ﷺ کو بے آرام کرنا مناسب نہیں سمجھا۔ ہم نے آپ ﷺ کو جگائے بغیر نماز جنازہ پڑھ کر تدفین کر دی۔ حضور نبی اکرم ﷺ وہیں کھڑے ہوگئے اور فرمایا: مجھے تم نے اطلاع کیوں نہیں دی؟ میں سورہا تھا تو مجھے جگایا کیوں نہیں؟ کیا تم نے اس جنازے کو مسجد نبوی کی صفائی کرنے والی سیاہ رنگ کی ضعیفہ خاتون ہونے اور غریب قبیلہ سے تعلق کی بنا پر اسے اہمیت نہیں دی؟ آپ ﷺ اس پر بہت رنج زدہ ہوئے کہ غریب سے غریب تر فرد، سیاہ ہو یا سفید، کسی چھوٹے قبیلہ کا ہو یا بڑے قبیلہ کا، محنت کش ہو یا کسی بھی پیشہ سے تعلق رکھتا ہو، کسی کا معاملہ، کسی کی موت، کسی کی زندگی اور کسی کی عزت میری نگاہ میں ہلکی نہیں بلکہ تمام برابر درجے کی اہمیت کے حامل ہیں۔ گویا حضور نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پر خفا ہوئے فرمایا کہ میرے پیچھے صفیں بناؤ:

فَقَامَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَصَفَّ النَّاس خَلفَهُ وَكَبَّرَ عَلَيْهَا اَرْبَعًا.

رسول اللہ ﷺ کھڑے ہوئے اور لوگوں نے آپ ﷺ کے پیچھے صفیں بنائیں اور چار تکبیروں کے ساتھ آپ ﷺ نے اس کی قبر پر نماز جنازہ پڑھائی۔

جب نماز جنازہ پڑھا کے فارغ ہوئے تو فرمایا:

لَا يَمُوْتُ فِيْكُمْ مَيِّتٌ مَا دُمْتُ بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ اِلَّا اٰذَنْتُمُوْنِيْ بِهِ.

جب بھی تم میں سے کوئی وفات پا جائے حالانکہ میں تم میں موجود ہوں، تو تمہیں مجھے ہر شخص کی وفات کی ضرور اطلاع دینی چاہیے۔

یعنی سن لو! میں جب تک حیات ظاہری کے ساتھ تمہارے درمیان موجود ہوں، کوئی شخص غریب ہو یا امیر، تمہاری نگاہ میں چھوٹا ہو یا بڑا، سفید ہو یا سیاہ، غلام ہو یا آزاد، کوئی بھی شخص مدینہ میں وفات پا جائے تو تم مجھے اطلاع کرو، دن کا وقت ہو یا رات کا، میں جاگ رہا

ہوں یا آرام کر رہا ہوں، تمہارا فرض اطلاع کرنا ہے تاکہ میں خود اس کی نماز جنازہ پڑھاؤں۔

یہ حضور نبی اکرم ﷺ کی شفقت و رحمت کا ایک پہلو ہے جو قیامت تک کے لیے معیار اور کردار کا تعین کر رہا ہے۔ غریب و امیر کے امتیاز کے سارے تصور آپ ﷺ کے اس فرمان نے پاش پاش کر ڈالے اور سیاہ و سفید کے سارے امتیازات آپ ﷺ نے مٹا دیئے۔ چھوٹے بڑے کے سارے ناجائز وضع کئے ہوئے امتیازات آپ ﷺ نے مٹا دیئے۔

(۱) اِنَّ صَلَاتِیُ لَهٗ رَحْمَةٌ

یہ دنیا میں حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت وکردار ہے۔ آپ ﷺ نے رویوں کے طرزِ عمل کا معیار دیا ہے۔ آپ ﷺ کی شفقت و رحمت کا یہ عالم ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو ہر جنازہ کی اطلاع دینے کی ہدایت دینے کے بعد فرمایا:

فَإِنَّ صَلَاتِي عَلَيْهِ لَهٗ رَحْمَةٌ.(۱)

کیونکہ میرا اس پر نماز جنازہ پڑھنا اس کے لیے سراپا رحمت ہے۔

نماز جنازہ تو ہو ہی جاتی ہے جو مرضی پڑھا دے مگر میرا کسی کی نماز جنازہ پڑھانا اس کے لیے خصوصی رحمت کا باعث ہوتا ہے۔ اس کی بخشش کے لیے یہی کافی ہے کہ جس کی نماز

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴:۳۸۸، رقم: ۱۹۴۷۰

۲۔ نسائي، السنن، كتاب الجنائز، باب الصلاة على القبر، ۴:۸۴، رقم: ۲۰۲۲

۳۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الجنائز، باب ما جاء في الصلاة على القبر، ۱:۴۸۹، رقم: ۱۵۲۸

۴۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۲:۴۷۵، رقم: ۱۱۲۱۷

۵۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۲:۲۴۰، رقم: ۶۲۸

۶۔ ابن أبي عاصم، الآحاد والمثاني، ۴:۲۷، رقم: ۱۹۷۰

۷۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۴:۴۸، رقم: ۶۸۰۹

جنازہ میں پڑھا دوں گا یہ اس کے لیے رحمت ہو جائے گی اور جس کو میری نماز کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کی رحمت نصیب ہوگئی اس کو عذاب اور سوال و جواب کبھی دامن گیر نہیں ہو سکتے۔ اس لیے کہ رحمت اور زحمت کبھی اکٹھے جمع نہیں ہو سکتے۔ فرمایا: میری نماز اس کے لیے رحمت ہے۔

(۲) قبور کا دعائے مصطفیٰ ﷺ سے منور ہونا

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اسی طرح کی ایک حدیث صحیح البخاری اور صحیح مسلم میں بھی موجود ہے کہ حبشہ سے تعلق رکھنے والی ایک سیاہ رنگ کی عورت یا ایک سیاہ رنگ کا جوان مسجد نبوی کی خدمت کرتی تھی/کرتا تھا۔ ایسا ہوا کہ ایک یا دو روز سے حضور نبی اکرم ﷺ نے انہیں نہ دیکھا تو اس حبشی خاتون کے بارے میں پوچھا کہ وہ خاتون نظر نہیں آئی؟ بتایا گیا: یا رسول اللہ! اس کی وفات ہوگئی۔ فرمایا:

أَفَـلَا كُنْتُمْ آذَنْتُمُوْنِي؟

تم نے مجھے اطلاع کیوں نہیں کی؟

حضور نبی اکرم ﷺ اطلاع نہ کرنے پر ناراض اور خفا ہوگئے۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فَكَأَنَّهُمْ صَغَّرُوْا اَمْرَهَا أَو أَمْرَهُ ایسا لگا کہ صحابہ نے اس خاتون یا جوان کے معاملہ کو ہلکا جانا اور اس کی اہمیت کو کم سمجھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

دُلُّوْنِي عَلٰى قَبْرِهٖ أَوْ قَبْرِهَا.

مجھے اس کی قبر پر لے چلو۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی اکرم ﷺ کو اس کی قبر پر لے گئے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی صفیں بنوائیں اور آپ ﷺ نے وہاں اس عورت یا جوان کی نماز جنازہ ادا کی۔ نماز جنازہ ادا کرنے کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

اِنَّ هٰذِهِ الْقُبُوْرَ مَمْلُوْءَةٌ ظُلْمَةً عَلٰى اَهْلِهَا، وَاِنَّ اللهَ عَزَّوَجَلَّ يُنَوِّرُهَا لَهُمْ

بِصَلَاتِي عَلَيْهِمْ.(۱)

یہ قبریں ان قبروں والوں کے لیے ظلمت اور تاریکی سے بھری ہوئی ہیں، اور بے شک اللہ تعالیٰ میری ان پر پڑھی گئی نمازِ جنازہ کی بدولت (ان کی تاریک قبور میں) روشنی فرما دے گا۔

یہ قبریں ظلم و سیاہی کے ساتھ معمور ہوتی ہیں۔ قبروں کی اپنی ایک حقیقت ہے۔ جیسے نفس کی حقیقت یہ ہے کہ یہ برائی کی طرف رغبت دلانے والا، برائی کی طرف کھینچ کر لے جانے والا ہوتا ہے۔ انسانی روح کی اپنی حقیقت ہے کہ یہ نیکیوں کی طرف لے جانے والی ہے۔ اسی طرح آپ ﷺ سے فرمایا کہ قبر اندھیری اور تاریک ہوتی ہے مگر برزخی اعتبار سے جب تک اس میں روشنی کا سامان نہ کیا جائے تو وہ روشن نہیں ہوتی۔ میت کو نیک اعمال کے ساتھ قبر میں روشنی ملتی ہے، وگرنہ حقیقی اعتبار سے وہ ظلمت سے بھری ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ قبریں اپنے طور پر سیاہی اور ظلمت کے ساتھ بھری ہوتی ہیں لیکن اگر کسی پر میں نمازِ جنازہ پڑھوں یا دعا کر دوں تو میری نماز اور دعا سے اللہ تعالیٰ ان قبروں کو نور سے معمور فرما دیتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی امت کے لیے رحمت و شفقت کی یہ جھلک دنیا کے ساتھ ساتھ امتی کے برزخ و آخرت کے مراحل میں بھی نظر آتی ہے کہ آپ ﷺ کا دعا کرنا، قبر کو نور سے معمور کر دیتا ہے۔

۲۰۔ حضور ﷺ کی رحمتِ واسعہ کا دائرہ کار

حضور نبی اکرم ﷺ ہمہ وقت امت کی بخشش کے لیے فکر مند رہتے تھے۔ یہ آپ ﷺ

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الصلاة، باب کنس المسجد، ۱: ۱۷۵-۱۷۶، رقم: ۴۴۶، ۴۴۸

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجنائز، باب الصلاة علی القبر، ۲: ۶۵۹، رقم: ۹۵۶

۳۔ أبوداود، السنن، کتاب الجنائز، باب الصلاة علی القبر، ۳: ۲۱۱، رقم: ۳۲۰۳

کی وہ رحمتِ واسعہ، آفاقی، کائناتی، دنیاوی، برزخی اور اخروی رحمت ہے کہ کائنات اور حیاتِ انسانی کے تمام مراحل اور سارے جہاں آپ ﷺ کی رحمت کے ساتھ معمور ہیں۔ اس لیے اللہ رب العزت نے آپ ﷺ کو رحمۃً للعالم ’اس جہان کے لیے رحمت‘ نہیں کہا بلکہ فرمایا:

وَمَآ اَرۡسَلۡنٰکَ اِلَّا رَحۡمَۃً لِّلۡعٰلَمِیۡنَ○[1]

اور (اے رسولِ محتشم!) ہم نے آپ کو نہیں بھیجا مگر تمام جہانوں کے لیے رحمت بنا کر○

یعنی سارے جہانوں کے لیے رحمت بنا کر بھیجا ہے۔ اگر ہم اس دنیا میں رہ رہے ہیں تو اس دنیا میں بھی ہر فرد کسی نہ کسی طریق سے رحمتِ محمدی ﷺ سے فیض یاب ہو رہا ہے۔ جب امتی وفات پا جائیں گے تو تب بھی قیامت کے انعقاد سے پہلے عالمِ برزخ میں حضور نبی اکرم ﷺ کا ہر امتی کسی نہ کسی طریق پر آپ ﷺ کی رحمت و شفاعت سے متمتع اور فیض یاب ہو رہا ہے۔ جب ہم قیامت کے دن اٹھیں گے تو روزِ قیامت جو پچاس ہزار سال پر محیط ہے، اس روز کے ہر لمحہ میں آپ ﷺ کی امت بھی اور تمام انبیاء علیہم السلام کی امتیں بھی کسی نہ کسی شکل میں آپ ﷺ کی رحمت اور شفاعت کے چشمے سے سیراب ہو رہی ہوں گی۔ جب جنتی، جنت میں چلے جائیں گے تو تب بھی جنت کے اندر آپ ﷺ کی رحمت کے فیض جاری رہیں گے، درجات بلند ہوتے رہیں گے، قربتِ الٰہیہ نصیب ہوتی رہے گی اور اللہ رب العزت کے مزید فیوضات اور انعامات میسر آتے رہیں گے۔ حتیٰ کہ جو لوگ اپنے اعمال اور بدکاریوں کے سبب دوزخ میں چلے جائیں گے تو دوزخ میں جانے والے مسلمان بھی حضور ﷺ کی رحمت سے محروم نہیں ہوں گے بلکہ دوزخ میں داخلہ کے بعد بھی حضور ﷺ کی رحمت اور شفاعت کے صدقہ و سبب سے دوزخ سے نکال کر جنت میں بھیجا جائے گا۔ حتیٰ کہ ہر مسلمان جس نے حضور نبی اکرم ﷺ کا صدقِ دل سے کلمہ پڑھا ہوگا اور بطورِ مسلمان مرا ہوگا وہ شخص بھی مقررہ عذاب کو بھگت کر بالآخر شفاعتِ محمدی ﷺ ہی کی بدولت دوزخ سے نکال کر جنت میں بھیجا جائے گا۔ اس لیے کہ انہوں

---

(۱) الأنبياء، ۲۱:۱۰۷

نے حضور نبی اکرم ﷺ کا کلمہ پڑھا ہوگا، آپ ﷺ پر ایمان لایا ہوگا، اس ایمان کے تصدق سے مقررہ وقت کا عذاب بھگت کر بالآخر جنت میں چلے جائیں گے۔ جہنم سے نکال کر جنت میں منتقل کر دینا یہ بھی آپ ﷺ کی رحمت و شفاعت ہے۔

۲۱۔ حصولِ رحمت کیونکر ممکن ہے؟

حضور نبی اکرم ﷺ کی رحمتِ عامہ تمام عالم انسانیت کے لیے ہے جس میں آپ ﷺ مبعوث ہوئے اور جو آپ ﷺ کی امتِ دعوت ہے۔ آپ ﷺ کی رحمتِ خاصہ آپ ﷺ کی امتِ اجابت کے افراد کے لیے ہے۔ اِن کے لیے آپ ﷺ کی رحمت و شفقت نہایت جوش پر ہے۔ آپ ﷺ کی رحمتِ عامہ اور خاصہ دونوں کے لاتعداد مظاہر سیرتِ طیبہ اور آپ ﷺ کے اقوال و افعال کی شکل میں موجود ہیں۔ اس ضمن میں حضور نبی اکرم ﷺ نے نہ صرف امت مسلمہ کے لیے بلکہ پوری انسانیت کے لیے قاعدۂ رحمت بیان فرمایا۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ. (۱)

جو لوگوں پر رحم نہ کرے اس پر بھی رحم نہیں کیا جاتا۔

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب رحمة الولد وتقبيله ومعانقته، ۵: ۲۲۳۵، رقم: ۵۶۵۱

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب رحمته الصبيان والعيال وتواضعه وفضل ذالك، ۴: ۱۸۰۸، رقم: ۲۳۱۸

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۴۱، رقم: ۷۲۸۷

۴۔ أبو داود، السنن، کتاب الأدب، باب في قبلة الرجل ولده، ۴: ۳۵۵، رقم: ۵۲۱۸

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۲: ۲۰۲، رقم: ۴۵۷

۶۔ بیهقی، السنن الکبری، ۷: ۱۰۰، رقم: ۱۳۳۵۴

www.MinhajBooks.com

یعنی جو شخص دوسروں کے لیے مہربان، شفیق، نرم خو، مددگار، فیض رساں اور کریم النفس نہیں ہے، دوسروں کے لیے رحمت و شفقت کا پیکر نہیں تو لَا یُرْحَمُ اس پر بھی رحمت و شفقت نہیں کی جائے گی۔ اس طرح حضور نبی اکرم ﷺ نے رحمت کے تصور کو وسیع کر دیا تا کہ ہر شخص اپنے رویے کو درست کرے۔ اگر وہ چاہتا ہے کہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی بارگاہ سے اسے رحمت و شفقت کا رویہ نصیب ہو تو اسے چاہیے کہ وہ دوسرے انسانوں کے لیے پیکرِ رحمت و شفقت بن جائے۔ غور کریں حضور نبی اکرم ﷺ نے کتنا خوبصورت اندازِ تعلیم عطا فرمایا کہ جو شخص مخلوق پر رحم نہیں کرتا وہ جان لے کہ اللہ رب العزت بھی اس پر رحم نہیں فرمائے گا۔

یہی مضمون تھوڑے مختلف انداز میں حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا یَرْحَمُ اللهُ مَنْ لَا یَرْحَمُ النَّاسَ.(۱)

اللہ تعالیٰ اُس شخص پر رحم نہیں فرماتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔

پیغام اور مضمون ایک ہی ہے مگر مختلف طریقوں اور مواقع پر حضور نبی اکرم ﷺ نے امت تک پہنچایا ہے کہ جو شخص انسانوں پر رحم نہیں کرتا اللہ تعالیٰ بھی اس پر رحم نہیں فرماتا۔

اس حدیث مبارک میں حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ نہیں فرمایا کہ **مَنْ لَا یَرْحَمُ**

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب التوحید، باب قول الله تبارك وتعالی ﴿قُلْ ادْعُوا اللهَ أَوِ ادْعُوا الرَّحْمَنَ أَيًّا مَا تَدْعُوا فَلَهُ الْأَسْمَاءُ الْحُسْنَى﴾، ۶: ۲۶۸۶، رقم: ۶۹۴۱

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب رحمته الصبیان والعیال وتواضعه وفضل ذالك، ۴: ۱۸۰۹، رقم: ۲۳۱۹

۳۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۵: ۲۱۴، رقم: ۲۵۳۵۶

۴۔ بیهقی، السنن الکبری، ۹: ۴۱، رقم: ۱۷۶۸۲

۵۔ قضاعي، مسند الشهاب، ۲: ۶۶، رقم: ۸۹۴

الْمُؤْمِنِيْنَ جو مومنین پر رحم نہیں کرتا۔مَنْ لَا يَرْحَمُ الْمُسْلِمِيْنَ جو مسلمانوں پر رحم نہیں کرتا۔ مَنْ لَا يَرْحَمُ عِيَالَهُ، مَنْ لَا يَرْحَمُ أَهْلَهُ۔ جو اپنے اہل وعیال اور اپنی اولاد پر رحم نہیں کرتا، اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرتا۔حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ الفاظ استعمال فرما کر رحمت کو کسی ایک خاص طبقہ کے ساتھ خاص نہیں کیا بلکہ فرمایا 'مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ' جو انسانوں پر رحم نہیں کرتا، جو تمام نوعِ انسانی کے لیے رحم اور رحمت کا سبب نہیں بنتا اللہ تعالیٰ اس پر رحم نہیں کرتا۔ اہل وعیال تو پھر اس سے زیادہ حق دار ہیں، اولاد تو اس سے بھی کہیں زیادہ حق دار ہے، خونی رشتہ دار حق دار ہیں کیونکہ اس میں سبب بڑھتے چلے جاتے ہیں۔ انسان ہونا رحمت و شفقت ہونے کا ایک سبب تھا۔رشتہ دار ہونا ایک اور اضافی سبب بن گیا۔ پھر اولاد اور اہل و اعیال ہونا ایک اور سبب بن گیا۔ پھر غریب اورمحتاج ہونا ایک اور سبب بن گیا۔ گویا سبب پر سبب کا اضافہ ہوتا جائے تو استحقاقِ رحمت بڑھتا چلا جاتا ہے مگر جس رحمت کی وسعت کا بیان کیا گیا وہ بنی نوع انسان کے لیے ہے۔خواہ وہ مسلم ہیں یا غیر مسلم، نیک ہیں یا بد، واقف ہیں یا ناواقف ہر ایک کے لیے فرمایا کہ جس کا اخلاق رحمت پر مبنی نہیں ہے تو وہ جان لے کہ اللہ تعالیٰ کا رویہ اس کے ساتھ رحمت پر مبنی نہیں ہوگا۔

(ا) باہمی معاملات میں کارفرما رویّے

سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر ہم آپس میں رحمت و شفقت پر مبنی رویہ نہیں اپناتے تو اس صورت حال میں اللہ تعالیٰ، ہم بندوں کے ساتھ کیا معاملہ کریں گے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ بندوں کے ایک دوسرے سے معاملات کے تین درجات ہیں:

۱۔ اگر کوئی شخص کسی کے ساتھ کوئی معاملہ خلافِ عدل کرے تو یہ ظلم کا معاملہ ہوگا یعنی کسی کو اس کا حق نہ دینا بھی ظلم ہے۔

۲۔ ہوسکتا ہے کہ ایک بندہ دوسرے کے ساتھ عدل کا معاملہ کرے یعنی جو اس کا حق ہے اسی قدر دے، کم بھی نہ دے اور زیادہ بھی نہ دے، یہ عدل کا معاملہ ہے۔

۳۔ تیسرا معاملہ فضل کا معاملہ ہے اور وہ یہ ہے کہ جو اس کا حق بنتا تھا وہ تو اس نے دیا مگر اس کے حق سے بڑھ کر دیا جو اس کا استحقاق نہ تھا، اسے فضل کہتے ہیں۔

ظلم کا معاملہ انسان کرتے ہیں اور ہم میں سے بیشتر لوگ دوسروں کے ساتھ اکثر اوقات معاملہ ظلم کا ہی کرتے ہیں۔ ہم لوٹ مار کرتے، حق چھینتے ہیں، حقدار کو اسکا حق نہیں دیتے، دیتے ہیں تو پورا نہیں تھوڑا دیتے ہیں۔ الغرض ہم زندگی میں ہزار طریقوں سے دوسروں پر ظلم کرتے ہیں۔ ہماری سوسائٹی کی زندگی اجتماعی طور پر اس رویے سے بھری پڑی ہے۔

(۲) اللہ تعالیٰ کا بندے کے ساتھ معاملہ

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انسانوں پر ظلم کرنے کی گنجائش نہیں کیونکہ اس کا فرمان ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ.[1]

بے شک اللہ ذرّہ برابر بھی ظلم نہیں کرتا۔

کوئی شخص بھول کر بھی تصور نہ کرے کہ اس کا جتنا حق بنے گا، اللہ اس سے کم دے گا، نہیں، اللہ تبارک وتعالیٰ جب معاملہ کرتا ہے تو کم سے کم عدل کا معاملہ کرتا ہے۔ جس شخص کا جو حق ہے، اسے پورا پورا عطا فرماتا ہے، اس کا اجر پورا پورا ادا فرماتا ہے، یہ معاملۂ عدل ہے۔ اس کے بعد اللہ رب العزت کی اپنی منشاء اور رضا ہے کہ جس کے ساتھ چاہے فضل والا معاملہ کرے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

ذٰلِكَ فَضْلُ اللّٰهِ يُؤْتِيْهِ مَنْ يَّشَآءُ.[2]

یہ اللہ کا فضل ہے وہ جسے چاہتا ہے عطا فرماتا ہے۔

اس فضل کی وجہ اور اس کا سبب کیا ہوگا، یہ سبب بھی اصل میں اس کا فضل ہی ہے۔

(۱) النساء، ۴: ۴۰

(۲) المائدة، ۵: ۵۴

فضل، اضافہ کو کہتے ہیں یعنی کسی کا حق دے دیا تو عدل تھا، حق سے زائد دیا تو یہ فضل ہے۔

(۳) اللہ تعالیٰ سے عدل نہیں بلکہ فضل مانگنے کا حکم ہے

اللہ تبارک وتعالیٰ کا لوگوں کے ساتھ معاملہ دو طرح کا ہے:

۱۔ عدل

۲۔ فضل

ہمیں حکم یہ ہے کہ بندو! اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور اس کے عدل سے بھی ڈرو، اگر اس نے ہمارے ساتھ عدل کا معاملہ کرنے کا فیصلہ کر لیا تو پھر ہماری خیر نہیں۔ پھر چھوٹے سے چھوٹے گناہ بھی گرفت میں آجائیں گے، مواخذہ ہوگا اور وہ کبائر بن جائیں گے۔ اگر اس نے فیصلہ کرلیا کہ میں اس بندے سے فضل کا معاملہ کرتا ہوں تو اس سے بڑے بڑے کبائر بھی صغائر ہوجائیں گے کیونکہ پھر اللہ تعالیٰ کا طرزِ عمل اور رجحان معافی اور درگزر کا ہو جائے گا۔ اگر عدل کا معاملہ کرنے کا فیصلہ ہوا تو ہر چیز کا حساب و کتاب ہوگا، اگر عدل کے تقاضے پورے کیے گئے تو پھر ہم مارے گئے، پھر بخشش کی کوئی گنجائش نہیں ہوگی۔ اس لیے اللہ رب العزت سے ہمیشہ فضل طلب کرتے ہیں۔ فضل، سراپا رحمت و بخشش، مغفرت و شفاعت اور عطا و جود و سخا ہے۔

اللہ رب العزت فرما رہا ہے کہ اے بندے! تو لوگوں کے ساتھ رحم نہیں کرتا، ظلم کرتا ہے حتی کہ عدل بھی نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے کیسے توقع کرتا ہے کہ تم پر فضل ہوگا؟ تو لوگوں کے ساتھ ظلم کرے اور اللہ تعالیٰ سے فضل کی توقع کرے کیا یہ ممکن ہے؟ اللہ تعالیٰ چونکہ عدل سے کم معاملہ نہیں کرتا اس لیے تیرے ساتھ عدل کرے گا اور اگر تو نے لوگوں کے ساتھ ظلم کیا ہے تو انتظار کر اور تیار رہ کہ تیرے ساتھ عدل ہوگا اور اللہ تعالیٰ کا عدل کرنا بندے کا مارا جانا ہے، پھر خیر نہیں ہے، کوئی بچ نہیں سکتا۔

حدیث مبارک میں آتا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ نے عدل کا فیصلہ کرلیا تو وہ قیامت کے دن ایک عالم کو بلائے گا اور اس سے پوچھے گا کہ تو نے میرے لیے کیا عمل کیے؟ وہ عرض کرے

گا: باری تعالیٰ! تو نے مجھے علم عطا کیا اور میں نے تیرا عطا کردہ علم لوگوں کی ہدایت کے لیے لوگوں تک پہنچایا، ان کو ہدایت فراہم کی۔ باری تعالیٰ فرمائے گا: نہیں، بلکہ جب تو لوگوں کو علم پہنچاتا تھا، وعظ کرتا تھا، مسند پہ بیٹھ کر لوگوں کو پڑھاتا تھا تو تیری خواہش یہ ہوتی تھی کہ پڑھانے سے لوگ تمہیں عالم سمجھیں گے، اپنا راہنما سمجھیں گے، تمہاری تعظیم و تکریم کریں گے، جہاں جاؤ گے لوگ کھڑے ہو جائیں گے، ہاتھ چومیں گے، واہ واہ ہوگی، الغرض اپنی عزت اور تعظیم و تکریم کے لیے تم نے علم کو پھیلایا، یہ تمہاری نیت تھی اور جو تم نے چاہا وہ تمہیں دنیا میں مل گیا۔ اس عمل کا اجر و جزا مل گئی اب قیامت کے دن اس عمل کے لیے کوئی جزا نہیں بچی۔ تم نے دنیا کی عزت، احترام اور تعظیم مانگی تھی، وہ سب کچھ تمہیں مل گیا۔ اب تمہارا کوئی اور عمل باقی نہیں بچا، ملائکہ کو حکم ہوگا کہ اسے دوزخ میں پھینک دو۔

پھر ایک مال دار کو بلایا جائے گا اور پوچھا جائے گا کہ تو کیا عمل میری بارگاہ میں لایا ہے؟ عرض کرے گا: باری تعالیٰ! تو نے مجھے مال دیا، میں نے اسے تیری راہ میں غریبوں اور تیرے دین پر خرچ کیا، اللہ رب العزت فرمائیں گے: مال خرچ کرتے ہوئے تیرے دل میں چھپی ہوئی نیت یہ ہوتی تھی کہ لوگ تمہیں سخی جانیں، تمہاری تعریف کریں، تمہارے خیراتی کاموں کو دیکھ کر تمہاری تحسین کریں۔ آپ کے حسبِ منشا ہر طرف دنیا میں ہر طرف تمہار واہ واہ ہوئی، جو تم نے چاہا وہ تمہیں دنیا میں مل گیا۔ تمہارا آخرت کے لیے کچھ نہیں بچا۔ ملائکہ کو حکم ہوگا کہ اسے بھی لے جاؤ اور دوزخ میں پھینک دو۔

پھر تیسرے آدمی کو اٹھایا جائے گا اور وہ مجاہد ہوگا، جس نے اللہ کی راہ میں جہاد کیا ہو گا۔ پوچھا جائے گا: تم کیا عمل میری بارگاہ میں لائے ہو؟ عرض کرے گا: باری تعالیٰ! تو نے مجھے زندگی دی، میں نے تیرے دین کے لیے اور جہاد کیا اور جان دے دی۔ اللہ رب العزت فرمائیں گے: تیری نیت یہ تھی کہ اگر بچ کر آ گیا تو لوگ غازی کہیں گے اور اگر مارا گیا تو شہید کہیں گے، انعام و اکرام بیوی بچوں کو مل جائے گا، پلاٹ مل جائیں گے، شہید ہونے کے بعد ذمہ داریاں اور مالی بوجھ جنہیں اپنے وسائل سے آج ادا نہیں کر سکتے وہ ادا ہو جائیں گے اور تمہاری ایک یادگار بنے گی۔ تمہیں بڑے بڑے خطابات ملیں گے۔ پس جو تم نے چاہا وہ تمہیں مل

گیا۔ اب آخرت میں تمہارا کوئی اجر نہیں بچا۔ ملائکہ کو حکم ہوگا اسے دوزخ میں پھینک دو۔(۱)

الگ بات ہے کہ بعد ازاں مسلمان ہونے کے ناتے اگرچہ گناہ گار ہے، اعمال کی کمی ہے مگر اس حدیث کے مصداق وہ جنت میں جائے گا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ قَالَ لَا اِلَهَ اِلَّا اللهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ.(۲)

خواہ دوزخ کا عذاب بھگت کر ہی کیوں نہیں مگر جنت میں ہر صورت جائے گا۔ یہ ایک الگ باب ہے مگر اس حدیث کو بیان کرنے کا مقصود یہ تھا کہ وہ اعمال جنہیں ہم اپنے لیے بہت بڑا سرمایۂ آخرت سمجھتے پھرتے ہیں مثلاً علم دین کی اشاعت ہے، خیرات کے کام ہیں، جہاد جیسے کام ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ ہم بڑے بڑے اور اونچے اعمالِ صالحہ کے ڈھیر پر بھی تکیہ نہیں کر سکتے اس لیے کہ جب اللہ تعالیٰ کے حضور پیش ہوں گے تو بہت نہاں خانوں میں چھپی ہوئی نیتیں بھی اس کے سامنے عیاں ہوں گی، شاید کوئی عمل بھی وہاں ٹک نہ سکے۔ لہٰذا اس امر سے ڈرنا چاہیے کہ وہ ذاتِ حق ہمارے ساتھ عدل کا معاملہ کرے۔ کھرے کھرے ناپ تول کی طلب و خواہش نہ کرو ہمیشہ بلکہ اس سے اس کا فضل طلب کرو۔ اسی صورتِ حال پر حضرت سلطان باہوؒ فرماتے ہیں:

عدل کریں تاں تھر تھر کنبن اُچیاں شاناں والے
فضل کریں تاں بخشے جاون میں ورگے منہ کالے

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الامارة، باب من قاتل للریاء والسمعة استحق النار، ۳: ۱۵۱۳، رقم: ۱۹۰۵
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۲۱، رقم: ۸۲۶۰
۳۔ نسائی، السنن، کتاب الجهاد، باب من قاتل لیقال فلان جریء، ۶: ۲۳، رقم: ۳۱۳۷
۳۔ حاکم، المستدرک، ۱: ۱۸۹، رقم: ۳۶۴

(۲) ترمذی، کتاب الایمان، باب ما جاء فیمن یموت وهو یشهد أن لا إله إلا الله، ۵: ۲۳ رقم: ۲۶۳۸

www.MinhajBooks.com

(۴) اعمال پر بھروسہ نہیں ہونا چاہیے

حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ سے فرمایا: کوئی شخص ہم میں سے ایسا نہیں جس کے عمل اس کو بخشوا کر جنت میں لے جائیں یعنی کوئی شخص محض اپنے عمل کے بل بوتے پر جنت میں نہیں جائے گا۔ آپ ﷺ نے اس بات کو تین بار فرمایا۔ صحابہ کرام ﷺ کانپ اٹھے، خوف زدہ ہوگئے اور عرض کیا: یارسول اللہ! کیا یہ معاملہ آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس کے ساتھ بھی اسی طرح ہے؟ حضور ﷺ نے فرمایا:

وَلَا أَنَا إِلَّا أَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللهُ بِرَحْمَةٍ، سَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَاغْدُوْا وَرُوْحُوْا وَشَيءٌ مِنَ الدُّلْجَةِ، وَالْقَصْدَ الْقَصْدَ تَبْلُغُوْا. (۱)

مجھے بھی نہیں، مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ مجھے اپنی رحمت سے ڈھانپ لے۔ لہٰذا سیدھی راہ پر چلو، میانہ روی اختیار کرو، صبح و شام اور رات کے آخری کچھ حصے میں (باقاعدگی سے) کچھ (نیک عمل) کرتے رہو، راہ راست پر چلتے رہو یہاں تک کہ منزل مقصود تک جا پہنچو۔

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الرقاق، باب القصد والمداومة علی العمل، ۵:۲۳۷۳، رقم:۶۰۹۸، ۶۰۹۹

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب صفة القیامة والجنة والنار، باب لن یدخل أحد الجنة بعمله بل برحمة الله تعالی، ۴:۲۱۷۰، ۲۱۷۱، رقم:۲۸۱۶، ۲۸۱۸

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶:۱۲۵، رقم:۲۴۹۸۵

۴۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الزهد، باب التوقي علی العمل، ۲:۱۴۰۵، رقم:۲۸۵۶

۵۔ دارمي، السنن، ۲:۳۹۵، رقم:۲۷۳۳

۶۔ عبد الرزاق، المصنف، ۱۱:۲۸۹، رقم:۲۰۵۶۲

یعنی جنت میں داخلہ صرف اللہ تعالیٰ کے فضل سے ممکن ہوگا، اعمال کی وجہ سے نہیں۔ داخلۂ جنت کا اعتماد اور بھروسہ کوئی شخص اپنے عمل پر نہ کرے۔ عمل کرے مگر اس پر بھروسہ نہ کرے۔ خدا جانے جب نامۂ اعمال پیش ہوں تو وہ عمل کہیں ہوا کی گرد بن کر ہی نہ اڑ جائے، اس عمل کے پیچھے چھپی ہوئی نیتیں سامنے آ جائیں؟ اس عمل کے پیچھے چھپے ہوئے عیب نظر آ جائیں۔ اس لیے کہ اعمال کا انحصار تو نیتوں پر ہے، ہماری نیت میں کیا کیا خرابی ہے عین ممکن ہے کہ ہمیں بھی اس کی خبر نہ ہو۔ نیت کے جس نقص کی ہمیں بھی خبر نہیں ہوسکتی اللہ تعالیٰ پر وہ بھی آشکار ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللهَ لَا يَنْظُرُ إِلٰی صُوَرِكُمْ وَأَمْوَالِكُمْ وَلٰكِنْ يَنْظُرُ إِلٰی قُلُوْبِكُمْ وَأَعْمَالِكُمْ.(1)

بے شک اللہ تعالیٰ تمہاری شکلوں اور تمہارے اَموال کو نہیں بلکہ وہ تمہارے دلوں اور تمہارے اَعمال کو دیکھتا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ کی نگاہ ہماری نیتوں کے اندر چھپے ہوئے حال پر ہوتی ہے۔ اگر اللہ رب العزت نے عدل کا معاملہ کرلیا تو معلوم نہیں جنہیں ہم نیک اعمال سمجھتے ہیں وہ بھی برے بن جائیں اور اٹھا کر پھینک دیے جائیں۔

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم ظلم المسلم وخذله واحتقاره ودمه وعرضه وماله، ۴:۱۹۸۷، رقم:۲۵۶۴
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲:۲۸۴، ۵۳۹، رقم:۷۸۱۴، ۱۰۹۷۳
۳۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الزهد، باب القناعة، ۲:۱۳۸۸، رقم:۴۱۴۳
۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۲:۱۱۹، رقم:۳۹۴
۵۔ ابن المبارك، الزهد:۵۴۰، رقم:۱۵۴۴
۶۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۷:۳۲۸، رقم:۱۰۴۷۷
۷۔ ديلمي، مسند الفردوس، ۱:۱۶۶، رقم:۶۱۴

www.MinhajBooks.com

(۵) ہمارا عمومی طرزِ عمل

اللہ کے بندو! سوچو کیا ہم زندگی میں لوگوں سے عدل کرتے ہیں؟ کیا جو لوگوں کا حق ہے انہیں دیتے ہیں؟ ایک حاکم کیا اپنی رعایا سے عدل کر رہا ہے؟ کیا افسر ماتحتوں سے عدل کر رہے ہیں؟ کیا استاد اپنے ادارے اور طلبہ کے ساتھ عدل کر رہا ہے؟ کیا باپ اپنی اولاد کے ساتھ اور اولاد اپنے بوڑھے والدین کے ساتھ عدل کر رہی ہے؟ کیا حکمران آج اپنی رعایا کے ساتھ عدل کر رہے ہیں؟ کیا انہیں اس بات کا احساس ہے کہ رعایا مر رہی ہے، بھوکی ہے، بے روزگار ہیں، ان کو ضروریات زندگی میسر نہیں، عزتیں بیچ رہے ہیں، تباہ حال ہیں، امن لٹ گیا ہے، زندگی کا سکون ختم ہوگیا ہے، جان، مال اور عزت و آبرو کی حفاظت نہیں۔ حق اور عدل یہ ہے کہ اگر یہ ذمہ داریاں ادا نہ کرسکیں تو حکومت چھوڑ دیں مگر اس کے برعکس ہم یہ کرتے ہیں کہ ہر شخص اپنی دنیا بنانے، اپنا مال بنانے، تجوریاں بھرنے، بینک بیلنس بنانے، جائیدادیں بنانے میں مصروف ہے۔ ہم لوٹ مار میں لگے رہتے ہیں اور یہ معاملہ ہر سطح پر ہے، ہر شخص اپنے دوسرے بھائی کے خون سے اپنا منہ جتنا ہوسکتا ہے رنگے بیٹھا ہے۔ اپنی تجوری بھرنا، ہر ایک کی جیب کاٹنا، عزت لوٹنا، تنگ کرنا اور پریشان کرنا ہر شخص کا عمل ہے۔ چھوٹی سی چھوٹی سطح پر رشوت کا لین دین ہے کیونکہ کسی کا کام از خود اپنے فریضہ کی ادائیگی میں انجام دیتا ہی نہیں۔ یہی طرز عمل جب بڑھتے ہیں تو ہوتے ہوتے اونچے درجے پر جاتے ہیں تو لوٹ مار اور کرپشن کی ایک کائنات بن چکی ہوتی ہے، ظلم کی پوری دنیا ہے جہاں ہر شخص اپنی بساط کے مطابق دوسرے پر ظلم کرتا ہے۔

کیا آج ہم یا ہمارے مسلمان حاکم اپنی رعایا کے ساتھ عدل کر رہے ہیں؟ بحیثیت سربراہِ مملکت اپنی ذمہ داری کو ادا کرنا فضل نہیں عدل ہے اور یہ طرزِ عمل امت، رعایا، مخلوق اور سوسائٹی کے لیے ان کا شیوۂ رحمت و شفقت ہے۔ عدل دیکھنا ہو تو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے کردار کی طرف ایک نظر دوڑائیں۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ رات کے اندھیرے میں بھیس بدل کر گلیوں میں نکلتے اور دروازوں پر کان لگا کر سنتے کہ رعایا میں سے کوئی تکلیف میں تو نہیں ہے، یہ

عدل ہے۔ ذمہ داری کا ادا کرنا بحیثیت سربراہِ مملکت عدل ہے۔ صاف ظاہر ہے اس کا اطلاق آج کے حالات میں نہیں ہوسکتا، اس لیے کہ ملک بڑے ہیں۔ صدر اور وزیرِاعظم بھیس بدل کر گلیوں میں نہیں پھر سکتے مگر آج کے حکمران عدل کی اس اعلیٰ معیار کی روح اور جذبے کے ساتھ اپنے اعمال کو تو سرانجام دے سکتے ہیں۔ علاقائی حکام اور لوکل نمائندے نچلی سطح پر اس کام کو انجام دے سکتے ہیں مگر افسوس کہ سربراہِ مملکت میں ویژن اور عوامی فلاح و بہبود کی سوچ کے فقدان کے پیشِ نظر علاقائی نمائندوں میں بھی اس سوچ اور جذبے کا فقدان واضح دکھائی دیتا ہے۔

اپنی ذمہ داریوں کو کمال عدل سے نبھانا اسلامی تعلیمات کی اوّلین خصوصیت اور عہد فاروقی کا طرۂ امتیاز ہے۔ جس کی مثال یہ ہے کہ ایک دفعہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ معمول کے ایک گشت پر تھے کہ ایک گھر میں بچوں کے رونے کی آواز آئی، دروازہ کھٹکھٹایا اور اندر داخل ہوگئے۔ خاتون نے پوچھا: آپ کون ہیں؟ فرمایا: میں اجنبی ہوں، آپ مجھے نہیں جانتے، یہ بتائیں کہ یہ بچے کیوں رو رہے ہیں؟ اس نے بتایا: بھوکے ہیں، گھر میں کھانے پینے کے لیے کچھ نہیں ہے۔ پوچھا: چولہے پر کیا رکھا ہوا ہے؟ بتایا کہ اے اجنبی! یہ پانی ہے اور کچھ نہیں، آگ جلا کر اس لیے اس کو چولہے پر رکھ کر بیٹھی ہوں کہ بچے شاید اس امید پر رہیں کہ ہماری ماں کچھ پکا رہی ہے، کھانا پک جائے گا اور ہمیں مل جائے گا اور وہ رونے میں ذرا تخفیف کر لیں گے، چپ ہو جائیں گے اور روتے روتے بالآخر انہیں نیند آجائے گی۔

آپ رضی اللہ عنہ نے یہ بات سنی تو پوچھا کہ تم نے یہ بات امیرالمومنین تک نہیں پہنچائی کہ ہمارے گھر کھانے کے لیے کچھ نہیں؟ اس نے جواب دیا: میں کیوں پہنچاؤں، کیا اس کی ذمہ داری نہیں کہ وہ خود خبر لے؟ میں کیوں پہنچاؤں؟ سیدنا عمر رضی اللہ عنہ کو عورت کی یہ بات سن کر اپنی ذمہ داری کا بہت گہرا احساس ہوا۔ آپ اس گھر سے نکلے اور سیدھے بیت المال گئے، آٹے کی بوری لی، گھر کا دیگر سامان لیا، کھانے پینے کی اشیاء لیں، سارے سامان کو اکٹھا کر کے اپنے خادم کو کہا کہ اسے میرے کندھے پر رکھو۔ خادم نے کہا: امیرالمومنین! میں اٹھا کر لے جاتا ہوں، فرمایا: نہیں، آج یہ بوجھ تم اٹھاؤ گے تو قیامت کے دن میرا بوجھ کون اٹھائے گا؟ میں خود اٹھا کر

لے جاتا ہوں۔ اپنے کندھوں پر سارا سامان اٹھا کر لے آئے۔ خادم کو باہر کھڑا کر دیا اور خود اندر داخل ہوئے۔ کھانا خود پکایا اور بچوں کو کھلایا۔ جب واپس آنے لگے تو اس خاتون سے کہا کہ اب تمہارا کام تو ہو گیا، اگر امیرالمومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے تیرا خیال نہیں رکھا تو تو اس کو معاف کر دے۔ کل جا کر امیر المومنین کو بتا دینا جو آئندہ ضروریات کی چیزیں ہیں تمھیں وہ سامان مل جائے گا۔ اس خاتون نے کہا کہ میں دعا کرتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ تمہیں امیر المومنین بنا دے۔ آپ رضی اللہ عنہ چلے گئے، خاتون صبح پوچھتے پوچھتے امیر المومنین کے دربار میں پہنچی تو دیکھا کہ سامنے رات والا اجنبی شخص (سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ) ہی موجود تھا۔ آپ رضی اللہ عنہ نے بیت المال سے اس خاتون کو پورے مہینہ کے اخراجات لگا دیے۔[1]

اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ غیر مسلم رعایا کا بھی خیال رکھتے۔ ایک دفعہ ایک ضعیف یہودی دیکھا جو مانگتا تھا۔ اس سے پوچھا: کیوں مانگ رہے ہو؟ اس نے کہا کہ میں نے اپنا ٹیکس ادا کرنا ہے، ضروریات پوری کرنی ہیں۔ آپ اس کو ساتھ لے گئے، بیت المال سے مستقل ماہانہ آمدنی لگوا دی اور قانون جاری کر دیا کہ جب اہل کتاب/ ذمی بوڑھے ہو جائیں تو ان کے ٹیکس بھی معاف ہوں گے۔[2]

گویا یہ فرائض ادا کرنا حکمرانوں کا فرض ہے، یہ ادا کریں گے تو حق حکمرانی ادا ہو گا اور یہی عدل ہے، جبکہ اپنے فرائض سے زائد انعام و احسان کا نام فضل ہے۔

(۶) بچوں کی تعلیم و تربیت اور عدل

ہمارا عمومی رویہ یہ ہے کہ عدل تو بہت دور کی بات ہے، ہر شخص دوسرے پر ظلم کرتا نظر آتا ہے۔ یہاں تک کہ ہم اپنے بچوں پر بھی ظلم کرتے ہیں کیونکہ ان کی حقیقی تربیت کرنے کو تیار نہیں ہیں۔ یاد رہے کہ بچوں کی تربیت نہ کرنا بھی عدل کے منافی ہے۔ بچے کی ابتدائی تربیت تو

---

(۱) ۱۔ ابن اثیر، الکامل فی التاریخ، ۲:۴۵۳
۲۔ ابن کثیر، البدایة والنهایة، ۷:۱۳۶
(۲) أبو یوسف، کتاب الخراج: ۱۵۰

کرتے نہیں۔ جب وہ بگڑ جاتے ہیں پھر والدین کہتے ہیں کہ ہمارا بچہ تو بری صحبت میں گھر گیا ہے، وہ ہمارا کہنا نہیں مانتا اور نماز نہیں پڑھتا۔ جب انہیں سنوارنے کا وقت کا تھا تو تب تمہیں ان کی فکر ہی نہ تھی۔ والدین بچے کو زندگی میں ہر آسائش دیتے ہیں مگر اسے حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت اور دین کی تربیت نہیں دیتے۔ اسے اخلاقیات اور دین کا علم نہیں دیتے۔ اب اگر وہ آپ کی عزت نہیں کرتا تو اس میں اس کا کیا قصور ہے، آپ نے اس کی اخلاقی تربیت ہی کہاں کی ہے؟ کیا آپ نے اسے بتایا تھا کہ والدین اور اعزاء و اقارب کے حقوق کیا ہیں؟ تربیت دینے کا زمانہ بچپن کا تھا، آپ اسے پڑھاتے ہوئے لاکھوں روپے کی فیس دیتے رہے مگر آپ نے اُسے آفیسر، ڈاکٹر، انجینئر اور پائلٹ بنانے پر سب کچھ لگا دیا۔ اسے اعلیٰ سے اعلیٰ یونیورسٹیز میں دنیا کی جدید ترین تعلیم دلوانے کے لیے بھیجا۔ آپ نے سرتوڑ کوششوں کے ساتھ ان کے لیے جو کچھ ہو سکا وہ کیا۔ آپ نے حسبِ منشا اسے دنیا میں تو ایک بلند مقام دلا دیا، مگر افسوس اسے آپ نے ایک اچھا انسان اور پکا مسلمان نہیں بنایا۔ اُسے صرف قرآن مجید ناظرہ پڑھا کر یہ سمجھ لیا کہ دینی فرض ادا ہوگیا ہے۔ نہیں، نہیں ایسا نہیں یہ سراسر ظلم ہے۔ آپ درحقیقت اس بچہ کی دینی زندگی کے ساتھ ساتھ اس کی آخرت بھی برباد کر رہے ہیں۔ قیامت کے روز ماں باپ کا گریبان پکڑا جائے گا کہ تم نے اپنا فریضہ کہاں تک ادا کیا اور اپنے بچوں کے دینی معاملات معاملے میں عدل کا دامن کہاں تک تھامے رکھا۔

(۷) اعزاء و اقارب کی مدد اور عدل

یہ بھی ظلم کی ایک شکل ہے کہ ہم اپنے پڑوسی اور اعزاء و اقارب کی تکلیف کا احساس نہیں کرتے۔ پیسے اوروں کو دے رہے ہیں، خرچ کر رہے ہیں، مسجدوں پر خرچ کررہے ہیں، نیک نامی کما رہے ہیں، ہزار جگہوں پر خیرات کر رہے ہیں مگر خونی رشتہ دار بھوک سے مر رہا ہے۔ اس کے پاس مہینے کے اخراجات نہیں ہیں، بچوں کو کھلانے کے اخراجات نہیں ہیں، کپڑے پہننے، فیس دینے اور علاج معالجہ کے پیسے نہیں ہیں مگر ہم نمود و نمائش کی خاطر ان قریبی رشتہ داروں کو نظرانداز کرتے ہوئے اوروں میں خیرات بانٹتے نظر آتے ہیں۔

یاد رکھیں! ہم پر ماں باپ، بہن بھائیوں، بیوی بچوں اور خونی رشتوں کا حق سب سے پہلے ہے۔ الأَقْرَبُ فَالأَقْرَب ’قریب والا زیادہ حق دار ہے‘ جبکہ ہم قریب والوں کو نہیں دیتے۔ ہماری سوچ یہ ہے کہ قریب والوں کے ساتھ مقابلہ ہے اس لیے کہ ہم کہتے ہیں کہ وہ ہمارے ساتھ حسد کرتے ہیں، وہ ہمارے شریک ہیں اور ہم سے بغض کرتے ہیں۔ اس لیے جو حسد کرتا ہے اس پر ہم خیر نہیں کرتے۔ ہم نے یہ نہ سوچا کہ حسد کرنا اس کا فعل ہے، مگر اس کی مدد کرنا ہمارا فرض ہے۔ اس نے حسد کیا تو اپنی جان پر ظلم کیا اور اگر ہم نے اپنا فرض نہ ادا کیا تو اللہ کے حضور جواب دہ ہوں گے۔ آپ کا اس کی مدد کرنا اس کی نیکی کا صلہ نہیں ہے۔ وہ آپ کی تعریف اور اچھا سلوک کرے۔

یہ امر ہمیشہ ملحوظ رہے کہ فرض ادا نہ کرنا ظلم کہلاتا ہے۔ پڑوسی کا دھیان نہ کرنا ظلم کہلائے گا۔ ہمارا طرزِ عمل ہے کہ ہم معاشرے میں کم زور لوگوں اور اپنے ماتحتوں کو تنگ کرتے ہیں، دراصل یہ بھی ظلم ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے واضح فرما دیا کہ جب تم لوگوں کے ساتھ رحم نہیں بلکہ ظلم کرتے ہو، تو پھر تم اللہ تعالیٰ سے فضل کی امید کیسے رکھتے ہو؟ خود لوگوں سے ظلم کرو اور اللہ تعالیٰ سے توقع کرو کہ وہ تم پر رحمت اور فضل کرے گا، نہیں ایسا نہیں ہے، یہ ناممکن ہے۔

اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ سے رحمت اور فضل چاہتے ہو تو لوگوں کے ساتھ عدل سے بڑھ کر فضل کیا کرو۔ اگر بندہ لوگوں پر رحم کرے گا، مدد کرے گا اور شفقت کرے گا تو اللہ رب العزت کی رحمت کہے گی کہ بندہ ہو کر میرے بندوں پر فضل کرتا رہا، میں تو پھر رب ہوں میں اس پر فضل کیوں نہ کروں۔ پس وہ بیش از بیش فضل فرمائے گا۔

حضرت عبد اللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

الرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ، ارْحَمُوْا مَنْ فِي الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ. (1)

---

(1) ١۔ احمد بن حنبل، المسند، ٢: ١٦٠، رقم: ٦٤٩٤

٢۔ ترمذی، السنن، كتاب البر والصلة، باب ما جاء في رحمة الناس، —

رحم کرنے والوں پر رحمٰن بھی رحم فرماتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا (یعنی اللہ تعالیٰ) تم پر رحم فرمائے گا۔

حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہما سے مروی یہ حدیث 'حديث الرحمة' ہے۔ اور 'حديث الرحمة المسلسل بالأوّلية' کے نام سے مشہور ہے۔ یعنی وہ حدیث جو ایک شاگرد اپنے شیخ سے زندگی میں پہلی بار براہِ راست سماعت کرے، اس کے شیخ نے اپنے شیخ سے پہلی بار اس حدیث کا سماع کیا ہو، اس نے اپنے شیخ سے پہلی حدیث جو سنی ہو وہ یہ حدیث سنی ہو۔ الغرض صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے لے کر اس راوی حدیث تک throughout تمام واسطوں میں سماع میں اس حدیث کی شان اوّلیت برقرار رہے۔ ہر شاگرد اپنے شیخ سے اسی حدیث کا اوّل سماع کرتا رہا اور سماع میں یہ اوّلیت throughout بغیر انقطاع کے جاری رہی۔ حدیث کی یہ قسم 'الحديث المسلسل بالأوّلية' کہلاتی ہے اور مذکورہ بالا حدیث، حدیثِ رحمت ہے۔

یہاں تحدیثِ نعمت کے طور پر عرض کر رہا ہوں کہ بحمدہٖ تعالیٰ راقم کو حرمِ کعبہ میں وہاں کے محدّثین کے ذریعے 'حديث الرحمة المسلسل بالأوّلية' کی سماع، سند اور اجازت اولیت کے تسلسل کے ساتھ ملی ہے۔ اب بہت سے مشائخِ عرب و عجم، اساتذہ اور محدّثین راقم سے اس کا سماع کرتے اور اجازت لیتے ہیں۔

۲۲۔ حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی حیات و وصال دونوں فضل و رحمت ہیں

حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

إِذَا أَرَادَ رَحْمَةَ أُمَّةٍ مِنْ عِبَادِهِ قَبَضَ نَبِيَّهَا قَبْلَهَا، فَجَعَلَهُ لَهَا فَرَطًا وَسَلَفًا بَيْنَ يَدَيْهَا، وَإِذَا أَرَادَ هَلَكَةَ أُمَّةٍ عَذَّبَهَا، وَنَبِيُّهَا حَيٌّ، فَأَهْلَكَهَا وَهُوَ يَنْظُرُ،

.... ۴: ۳۲۳، رقم: ۱۹۲۴

۳۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۵: ۲۱۴، رقم: ۲۵۳۵۵

۴۔ حاكم، المستدرك، ۴: ۱۷۵، رقم: ۷۲۷۴

فَأَقَرَّ عَيْنَهُ بِهَلَكَتِهَا حِيْنَ كَذَّبُوْهُ وَعَصَوْا أَمْرَهُ.(۱)

جب اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی اُمت پر رحمت کا ارادہ فرماتا تو وہ اُس اُمت (کی ہلاکت) سے پہلے اُس کے نبی کو اُٹھا لیتا، اور اُس نبی کو اُمت کے لیے ذریعۂ اَجر اور پیش رَو بنا دیتا۔ جب کسی اُمت کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرتا تو اُس نبی کی زندگی میں اُس کی آنکھوں کے سامنے اُس اُمت پر عذاب نازل فرما دیتا اور اُس اُمت کو ہلاک کر کے اُس نبی کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا تھا، کیونکہ اُنہوں نے اُس نبی کی تکذیب کی تھی اور اُس کی نافرمانی کی تھی۔

اللہ تبارک و تعالیٰ جب کسی قوم پر اپنی خاص رحمت کا ارادہ کرتے ہوئے فیصلہ فرماتا ہے کہ اس امت پر رحمت کرنی ہے تو اللہ تعالیٰ اس امت کے نبی کی وفات کو پہلے فرما دیتا ہے، امت بعد میں بھی برقرار رہتی ہے۔ جیسے حضور نبی اکرم ﷺ کا وصال ہو گیا اور آپ ﷺ کی امت قیامت تک قائم رہے گی۔ ارشاد فرمایا کہ امت ابھی باقی ہوتی ہے، زندہ ہوتی ہے کہ نبی کا وصال ہو جاتا ہے۔ پھر اس امت کے لیے اس نبی کو 'فرطاً'، بنا دیا جاتا ہے یعنی جب امت میں ہوتے ہیں تو امت کے اندر ظاہراً رہ کر بھلائی کا بندوبست کرتے رہتے ہیں، اپنی ہدایت کے ذریعے سمجھاتے، سلجھاتے، سنوارتے رہتے ہیں اور جب وصال ہو جاتا ہے تو نبی امت کی اگلی زندگی کو سنوارنے کا اہتمام کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ ان کو امت کے لیے فرط بنا دیتا ہے۔ وہ ان کی شفاعت کرنے اور بخشش و مغفرت کا ذخیرہ جمع کرنے والے بن جاتے ہیں۔

اگر اللہ تعالیٰ کسی امت اور کسی طبقہ کو ہلاک کرنے اور عذاب دینے کا ارادہ کرے تو وہ اس نبی کی حیاتِ ظاہری میں ہی اس امت پر عذاب نازل کر دیتا ہے، جیسا کہ پہلے انبیاء کی

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الفضائل، باب إذا أراد الله تعالى رحمة أمة قبض نبيها قبلها، ۴: ۱۷۹۱، رقم: ۲۲۸۸
۲۔ بزار، المسند، ۸: ۱۵۴، رقم: ۳۱۷۷
۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۵: ۲۲، رقم: ۶۶۴۷
۴۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۴: ۳۱۵، رقم: ۴۳۰۶

امتوں پر ہوا۔ حضرت نوح حیات تھے تو طوفان آیا اور ساری امت ہلاک ہوگئی۔ اسی طرح حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت لوط، حضرت شعیب، حضرت موسیٰ اور دیگر انبیاء کرام علیہم السلام کے کثیر واقعات موجود ہیں کہ نبی حیات تھے اور ان کی زندگی میں امت پر عذاب آتا رہا، بستیاں الٹا کر تباہ کر دی جاتیں، شکلیں مسخ کر دی جاتیں اور پتھروں کی بارش کر دی جاتی۔ وہ نافرمان امت جس نے اپنے نبی کی دعوتِ حق قبول نہیں کی تھی، اس پر ایمان لانے کی بجائے ٹھٹھہ مذاق کیا تھا۔ وہ امت نبی علیہ السلام کی آنکھوں کے سامنے ہی اپنی تمام کرتوتوں کا انجام بھگتی ہے ۔ ان پر عذاب آتا ہے اور وہ تباہ و برباد ہو جاتے ہیں۔ یہ سب کچھ اس لیے ہوتا ہے کہ منکرین کو عذاب میں مبتلا دیکھ کر باقی نسلوں کو نصیحت حاصل ہو۔ یہ سب تو اس امر کی مثال ہے جس میں اگر اللہ تعالیٰ عذاب کا ارادہ کر لے۔

دوسری طرف نظر دوڑائیں، حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کے لیے درخواست کی کہ باری تعالیٰ میری امت کے ساتھ رحمت کا ارادہ فرما اور ان پر اس طرح کے عذاب نہ بھیج جیسے تو پہلی امتوں اور پہلی ملتوں پر بھیجتا رہا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول ﷺ کی التجا کو شرفِ قبولیت بخشا۔ حضور نبی اکرم ﷺ اس دنیا سے ظاہراً پردہ فرما گئے۔ آج امت نے نافرمانیوں کی انتہا کرتے ہوئے اندھیر نگری مچا رکھی ہے۔ انتہاؤں کی انتہا ہو جانے کے باوجود اللہ تعالیٰ اس طرح کے عذاب نازل نہیں فرما رہا۔ ستار العیوب ذات نے ان عذابوں کو روکتے ہوئے آخرت کے لیے موخر کیا ہوا ہے۔ یہ بھی حضور نبی اکرم ﷺ کی رحمت ہے کہ نافرمانیوں کے باوجود امتِ مسلمہ پر آپ ﷺ وسیلہ سے اللہ تبارک وتعالیٰ کی رحمت و شفقت ہمیشہ سایہ فگن رہتی ہے۔

۲۳۔ حضور ﷺ کا امت کو درپیش مشکلات پر پریشانی کا اِظہار رحمت کا عکاس ہے

اُم المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

خَرَجَ النَّبِيُّ ﷺ مِنْ عِنْدِي وَهُوَ قَرِيرُ الْعَيْنِ طَيِّبُ النَّفْسِ، ثُمَّ رَجَعَ إِلَيَّ

وَهُوَ حَزِينٌ. فَقُلْتُ: يَا رَسُولَ اللهِ، خَرَجْتَ مِنْ عِنْدِي وَأَنْتَ قَرِيرُ الْعَيْنِ وَرَجَعْتَ وَأَنْتَ حَزِينٌ.

حضور نبی اکرم ﷺ میرے پاس سے تشریف لے گئے تو خوش خوش تھے اور پھر جب واپس تشریف لائے تو غمگین تھے۔ میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ میرے پاس سے خوش خوش گئے تھے اب آپ غمگین ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے جواب میں فرمایا:

إِنِّي دَخَلْتُ الْكَعْبَةَ وَوَدِدْتُ أَنِّي لَمْ أَكُنْ فَعَلْتُ إِنِّي أَخَافُ أَنْ أَكُوْنَ أَتْعَبْتُ أُمَّتِي مِنْ بَعْدِي. (1)

میں کعبہ معظّمہ میں داخل ہوا اور میں نے دل میں سوچا کہ نہ داخل ہوتا تو اچھا تھا (کیونکہ) مجھے ڈر ہے کہ میرے بعد میری امت مشقت میں نہ پڑ جائے۔

یعنی مجھے کعبۃ اللہ کے اندر داخل ہونے کا افسوس ہے کہ کاش میں کعبۃ اللہ کے اندر داخل نہ ہوا ہوتا کیونکہ اس سے مجھے یہ خدشہ لاحق ہو گیا ہے کہ میرے کعبۃ اللہ کے اندر جا کر عبادت کرنے کا یہ عمل بھی صحابہ کرام ﷺ نے دیگر معمولات کی طرح دیکھا ہے۔ وہ میرے اس عمل کو آگے امت میں بیان کریں گے۔ مجھے پریشانی اس بات کی ہے کہ کہیں میں نے اس وجہ سے اپنی امت کو زیادہ مشقت میں تو نہیں ڈال دیا۔ اس خیال سے مجھے پریشانی لاحق ہو رہی ہے کہ جب یہ بات میری امت میں پہنچے گی تو اسے سنت سمجھتے ہوئے ہر شخص کوشش کرے گا کہ وہ بھی کعبۃ اللہ کے اندر داخل ہو۔ جب ہر شخص کوشش کرے گا تو لوگوں کو پریشانی ہوگی۔ یہ سوچ کر مجھے فکر

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۳۷، رقم: ۲۵۱۰۰

۲۔ ترمذی، السنن، کتاب الحج، باب ما جاء في دخول الکعبة، ۳: ۲۲۳، رقم: ۸۷۳

۳۔ ابن ماجه، السنن، کتاب المناسك، باب دخول الکعبة، ۲: ۱۰۱۸، رقم: ۳۰۶۴

لاحق ہوئی کہ کاش میں اندر داخل نہ ہوا ہوتا۔

اس امت کے مستقبل کا نقشہ حضور نبی اکرم ﷺ کی مبارک آنکھوں کے سامنے تھا اور وہ دیکھ رہے تھے کہ جب لاکھوں کی تعداد میں لوگ حج اور عمرے کے لیے آئیں گے اور صحنِ کعبہ میں ایک ہجوم ہوگا۔ اگر یہ سنت لوگوں کو اسی طرح منتقل ہوتی رہی کہ کعبۃ اللہ کے اندر داخل ہونا اور جا کر دو نفل پڑھنا، عبادت کرنا میرا معمول ہے تو کہیں وہ اسے اپنے اوپر لازم نہ کر لیں۔ اسی وجہ سے حضور نبی اکرم ﷺ بہت محدود مواقع پر کعبۃ اللہ کے اندر داخل ہوئے ہیں۔ اندازہ کریں کعبۃ اللہ کے اندر داخل ہونے کا ایک عمل حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے تو باعثِ مسرت ہے مگر امتی کی مشقت اور پریشانی کے پیش نظر ہادیِ برحق ﷺ یہ خواہش فرما رہے ہیں کہ کاش میں کعبۃ اللہ کے اندر داخل نہ ہوتا۔

یہ واقعہ حضور نبی اکرم ﷺ کا امت کے لیے شفقت و رحمت اور نرمی کا گہرا احساس اپنے اندر سموئے ہوئے ہے۔ غور کریں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کتنی باریک بینی کے ساتھ ہر چیز کو ملاحظہ فرماتے ہیں کہ کہیں کوئی عمل میری امت کے لیے مشقت کا باعث نہ بن جائے۔ آپ ﷺ کی شفقت و رحمت کا عالم یہ ہے کہ کوئی بھی عمل جو امتیوں کو تکلیف دے، ان پر گراں گزرے اور انہیں مشقت میں مبتلا کر دے وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی طبعِ مبارک پر ناگوار گزرتا ہے۔

۲۴۔ نفلی عبادات سے زیادہ مستحسن عمل تفرقہ و انتشار کا خاتمہ کرنا ہے

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ کیا میں تمہیں ایک ایسا عمل نہ بتاؤں جس کا درجہ نفلی روزوں، نفلی نمازوں اور نفلی صدقہ و خیرات سے بھی زیادہ ہے؟ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یارسول اللہ! اتنی بڑی فضیلت والا عمل بھلا کون سا ہے جو نفلی نمازوں، روزوں اور صدقات و خیرات سے بھی زیادہ اجر کا باعث ہے؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِصْلَاحُ ذَاتِ الْبَيْنِ وَفَسَادُ ذَاتِ الْبَيْنِ الْحَالِقَةُ.[1]

آپس میں صلح کروا دینا جب فساد مجموعی طاقت کے خرمن میں آگ لگا رہا ہو۔

آپ ﷺ نے تعلیم فرمائی کہ میری امت میں اگر پھوٹ، اختلاف اور تفرقہ پیدا ہو رہا ہو یا ہو چکا ہو تو جو شخص ان میں اختلاف و تفرقہ ختم کرنے اور امت کو محبت اور آشتی کے ساتھ وحدت کی طرف بلانے، اصلاح کرنے، صلح کرانے اور امن کا ماحول پیدا کرنے کی کوشش کرے گا، وہ اللہ تعالیٰ سے نفلی عبادات، صدقات، خیرات اور صیام سے بھی زیادہ اجر پائے گا۔ کیونکہ امت کے درمیان فساد ڈالنا اور تفرقہ پیدا کرنا دین کی جڑوں کو کاٹنے کے مترادف ہے۔ گویا امت کو تفرقہ، انتشار، افتراق اور اختلاف سے بچانے اور محبت، باہمی مودت، پیار، الفت، وحدت و یگانگت اور یکجہتی پیدا کرنے کو حضور نبی اکرم ﷺ نے دین کی حفاظت قرار دیتے ہوئے اس عمل کو نفلی عبادات سے بھی اجر و ثواب کے اعتبار سے افضل ترین عمل قرار دیا۔

۲۵۔ مجموعی طرزِ عمل اور عمومی رویوں کی اصلاح

حضور نبی اکرم ﷺ کے متعدد فرامین ہیں جو انسان کے رویہ، دوسروں کے ساتھ برتاؤ اور طرز عمل کو متعین کرتے ہیں کہ ہمارا دوسروں کے ساتھ رویہ اور طرزِ عمل بھی رحمت، درگزر، عفو، سہولت اور معاف کر دینے کے پہلو پر مشتمل ہونا چاہیے۔

۱۔ ایک معروف متفق علیہ حدیث جسے اکثر پڑھتے اور سنتے ہیں، ہم اس پر غور کریں گے کہ اس حدیث کا مقصد کیا ہے؟ حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے روایت ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۴۴۴، رقم: ۲۷۵۴۸
۲۔ أبو داود، السنن، کتاب الأدب، باب فی إصلاح ذات البین، ۴: ۲۸۰، رقم: ۴۹۱۹
۳۔ ترمذی، السنن، کتاب صفة القیامة والرقائق والورع، باب ۵۶، ۴: ۶۶۳، رقم: ۲۵۰۹

لَا تَحَاسَدُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَجَسَّسُوا وَلَا تَحَسَّسُوا وَلَا تَنَاجَشُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا.(1)

ایک دوسرے سے حسد نہ کرو، ایک دوسرے سے بغض نہ رکھو، ایک دوسرے کے ظاہری اور باطنی عیب تلاش مت کرو، تناجش نہ کرو (کسی کو پھانسنے کے لیے کسی چیز کی زیادہ قیمت نہ لگاؤ)، اور اللہ کے بندے بھائی بھائی بن جاؤ۔

اس حدیث مبارک میں ہمیں مخاطب کیا جا رہا ہے کہ لوگو! ایک دوسرے کے ساتھ حسد نہ کرو، بلکہ دوسرے کے بارے میں خوشی محسوس کیا کرو۔ گویا تمہارا دوسروں کے ساتھ رویہ محبت، شفقت اور رحمت پر مبنی ہونا چاہیے۔ تمہارا طرزِ عمل غیض و غضب، تنگی، سختی اور درشتی پر مبنی نہیں ہونا چاہیے۔ یہ حدیث مبارک ہمیں تنبیہ کر رہی ہے کہ آپس میں بغض اور عداوت نہ رکھا کرو، کسی کی غیبت نہ کیا کرو اور کسی کے معاملات میں تجسس کرتے ہوئے اسے کریدا نہ کیا کرو۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ان تمام رویوں، طرزِ عمل اور سوچ کی ممانعت کیوں فرمائی؟ یہ سب چیزیں کیا ہیں؟

واضح رہے کہ اس ممانعت کی صرف اور صرف یہ وجہ ہے کہ یہ طرزِ عمل محبت کے خلاف ہے۔ رویہ اگر محبت، رحمت اور شفقت کا ہو تو آدمی درگزر کرنے کا طریقہ اختیار کرتا ہے۔ اس کے برعکس اگر رویہ سختی، جبر، بربریت، حسد، عناد، عداوت، بغض اور دل کی تنگی کا ہے تو پھر آدمی چھوٹی چھوٹی باتوں کی ٹوہ لگاتا ہے، عیب گوئی اور غیبت کرتا ہے۔ چھوٹی چھوٹی باتوں کو معاملہ بنانا، عمومی معاملات میں بال کی کھال اتارنا اور تجسس کرنا یہ ساری چیزیں چونکہ اُس رویّہ پر مبنی ہیں جس میں رحمت، شفقت، نرمی اور محبت نہیں۔ لہٰذا حضور نبی اکرم ﷺ نے ان ساری

(1) ١۔ بخاری، الصحیح، كتاب الأدب، باب ما ينهى عن التحاسد والتدابر، ۵: ۲۲۵۳، رقم: ۵۷۱۷

۲۔ مسلم، الصحیح، كتاب البر والصله، باب تحريم الظن والتجسس والتنافس والتناجش ونحوها، ۴: ۱۹۸۵، رقم: ۲۵۶۳

چیزوں کو سختی سے منع کرتے ہوئے یہ تمام چیزیں حرام کر دیں۔ اس کے برعکس فرمایا:

وَكُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰهِ اِخْوَانًا. اللہ کے ایسے بندے بن جاؤ جو ایک دوسرے کے بھائی بھائی لگیں، آپس میں اخوت، مؤدت، محبت، باہمی اعتماد اور ایک دوسرے کے لیے پردہ پوشی کا ماحول پیدا کرو۔ ایک دوسرے کے لیے معاون و مددگار بنو۔

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک اور موقع پر اس رویّے اور طرزِ عمل کی اصلاح فرماتے ہوئے ان جیسے دیگر رویّوں کی بھی ممانعت فرمائی۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ راوی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا تَقَاطَعُوا وَلَا تَدَابَرُوا وَلَا تَبَاغَضُوا وَلَا تَحَاسَدُوا وَكُونُوا عِبَادَ اللهِ إِخْوَانًا.(۱)

نہ قطعِ تعلق کرو، نہ ایک دوسرے سے پیٹھ پھیرو، نہ ایک دوسرے سے بغض و عداوت رکھو اور نہ آپس میں حسد کرو۔ اللہ کے بندے اور بھائی بھائی بن جاؤ۔

یہاں لفظ 'وَلَا تَقَاطَعُوْا' کا اضافہ کیا کہ قطع رحمی نہ کیا کرو یعنی خونی رشتوں اور دوستیوں کو کاٹا نہ کریں، بلکہ آپس میں اخوت کے رشتے پر اپنے تعلقات کو استوار کریں۔

غور کریں کہ آقائے دو جہاں ﷺ کے ایک ایک حکم کے اندر جو بنیادی مقصد اور پیغام ہے وہ رحمت وشفقت کا ہے۔ دراصل جو بنیادی حکم آگے پہنچایا جا رہا ہے وہ سختی کا نہیں، بلکہ نرمی، ملاطفت، ملائمت، محبت، شفقت و پیار، عفو و درگزر اور دوسروں کو سہولت دینے کا ہے۔ اسی بنیادی رویہ اور طرزِ عمل کی آفاقی مثالیں جملہ اسلامی تعلیمات کے اندر موجود ہیں۔

(۱) ترمذی، السنن، أبواب البر والصلة، باب ما جاء في الحسد، ۴: ۳۲۹، رقم: ۱۹۳۵

باب نمبر 7

جملہ طبقہ ہائے زندگی پر رحمتِ مصطفی ﷺ کے مظاہر

www.MinhajBooks.com

فصل نمبر 1

حضور نبی اکرم ﷺ کی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر رحمت و شفقت

www.MinhajBooks.com

حضور نبی اکرم ﷺ کی رحمت و شفقت ساری امت اور اس کے تمام طبقات کے لیے عام ہے۔ انہی طبقات میں سے ایک خاص طبقہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے نام سے موسوم ہے۔ جن کی قربانیوں اور وفا کا صلہ حضور نبی اکرم ﷺ نے انہیں مختلف مواقع پر مختلف طریقوں سے عطا فرمایا۔ آیئے! اس باب کے آغاز میں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ کی محبت و شفقت اور رحمت کے مظاہر کا جائزہ لیتے ہیں۔

ا۔ حضور ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ڈھال ہیں

حضور نبی اکرم ﷺ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے بیان کردہ ایک مختصر جملہ معنیٰ کے اعتبار سے بہت عظیم ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

أَنَا أَمَنَةٌ لِأَصْحَابِي.[1]

میں اپنے صحابہ کے لیے ڈھال ہوں۔

اگرچہ حضور نبی اکرم ﷺ پوری امت کے لیے امان ہیں اور اس کا تذکرہ ہم گزشتہ صفحات پر کئی احادیث مبارکہ کی روشنی میں کر چکے ہیں مگر اس حدیث مبارکہ میں رسول اللہ ﷺ بطورِ خاص اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے فرما رہے ہیں کہ میں اپنے صحابہ کے لیے امان، پناہ گاہ اور ان کی حفاظت کرنے والا ہوں۔ گویا آپ ﷺ انہیں ہر قسم کے طعن و تشنیع، مخالفت و عداوت

---

(۱) ا۔ مسلم، الصحيح، كتاب فضائل الصحابة، باب بيان أن بقاء النبى ﷺ أمان لأصحابه وبقاء أصحابه أمان للأمة، ۴: ۱۹۶۱، رقم: ۲۵۳۱
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۹۸، رقم: ۱۹۵۸۴
۳۔ أبو يعلى، المسند، ۱۳: ۲۶۰، رقم: ۷۲۷۶

www.MinhajBooks.com

اور اتہام و الزام سے بری کر کے اپنی پناہ میں لے کر ان کی حفاظت فرما رہے ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی رحمت و شفقت کا یہ وہ خاص رنگ ہے جس کا اظہار صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے ہوا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ہر لمحہ محبوب پیغمبر ﷺ کے قدموں پر اپنی جان نچھاور کرنے کے لیے تیار رہتے اور آپ ﷺ کی رضا و خوشنودی ہمیشہ ان کا مطمع نظر ٹھہرتی تھی۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے یہاں تک فرمایا:

اللهَ اللهَ فِي أَصْحَابِي، لَا تَتَّخِذُوْهُمْ غَرَضًا بَعْدِي، فَمَنْ أَحَبَّهُمْ فَبِحُبِّي أَحَبَّهُمْ، وَمَنْ أَبْغَضَهُمْ فَبِبُغْضِي أَبْغَضَهُمْ، وَمَنْ آذَاهُمْ فَقَدْ آذَانِي، وَمَنْ آذَانِي فَقَدْ آذَى اللهَ، وَمَنْ آذَى اللهَ فَيُوْشِكُ أَنْ يَأْخُذَهُ. (1)

میرے صحابہ کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو! اللہ سے ڈرو! اور میرے بعد انہیں تنقید کا نشانہ مت بنانا کیونکہ جس نے ان سے محبت کی اس نے میری محبت کی وجہ سے ان سے محبت کی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے میرے بغض کی وجہ سے ان سے بغض رکھا اور جس نے انہیں تکلیف پہنچائی اس نے مجھے تکلیف پہنچائی اور جس نے مجھے تکلیف پہنچائی اس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف پہنچائی اور جس نے اللہ تعالیٰ کو تکلیف پہنچائی عنقریب وہ اللہ تعالیٰ کی گرفت میں ہوگا۔

---

(١) ١۔ أحمد بن حنبل، المسند، ٥:٥٤، ٥٧، رقم: ٢٠٥٤٩، ٢٠٥٧٨

٢۔ ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب فیمن سبّ أصحاب النبي ﷺ، ٥: ٦٩٦، رقم: ٣٨٦٢

٣۔ ابن أبي عاصم، السنة، ٢: ٤٧٩، رقم: ٩٩٢

٤۔ بیہقی، شعب الإیمان، ٢: ١٩١، رقم: ١٥١١

٥۔ رویانی، المسند، ٢: ٩٢، رقم: ٨٨٢

٦۔ دیلمی، مسند الفردوس، ١: ١٤٦، رقم: ٥٢٥

٧۔ ھیثمی، موارد الظمآن، ١: ٥٦٨، رقم: ٢٢٨٤

چونکہ وہ میرے غلام، میرے وفادار، جان نثار اور میرے تابع دار ہیں اور ترویجِ اسلام کی ۲۳ برس پر مبنی پوری جدوجہد میں قدم بقدم میرے ساتھ رہے ہیں۔ انہوں نے اذیتیں، تکلیفیں اور مصائب و آلام اُٹھائے، گھر بار چھوڑے، قربانیاں دیں، جنگیں لڑیں اور میری قیادت میں جہدِ مسلسل کے ذریعے اسلام کو منزل مقصود تک پہنچایا ہے۔ چنانچہ جیسے وہ میری اور میرے دین کی حفاظت کے لیے لڑتے رہے، اب ویسے ہی میں ان کے لیے پناہ گاہ بن گیا ہوں۔

۲۔ محنت و مشقت کی تلقین رحمت کی آئینہ دار ہے

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ نے سورج گرھن کے وقت صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو صلوٰۃ الکسوف (سورج گرھن کی نماز) پڑھائی۔ نماز کے دوران پہلی رکعت میں آپ ﷺ اپنی جگہ سے دو قدم آگے بڑھے اور اپنے دستِ مبارک کو یوں آگے بڑھایا جیسے کسی چیز کو پکڑا اور پھر چھوڑ دیا۔ بعد ازاں آپ ﷺ نے اپنا دستِ اقدس نیچے کر لیا۔ دوسری رکعت میں آپ ﷺ پھر آگے بڑھے مگر تیزی کے ساتھ اپنی جگہ پر واپس آ گئے۔ صحابہ کرام نے نماز کے بعد آپ ﷺ سے نماز کے دوران یہ عمل کرنے کی وجہ پوچھی:

يَا رَسُولَ اللهِ! رَأَيْنَاکَ تَنَاوَلْتَ شَيْئًا فِي مَقَامِکَ ثُمَّ رَأَيْنَاکَ تَكَعْكَعْتَ. قَالَ: إِنِّي أُرِيتُ الْجَنَّةَ فَتَنَاوَلْتُ مِنْهَا عُنْقُودًا وَلَوْ أَخَذْتُهُ لَأَكَلْتُمْ مِنْهُ مَا بَقِيَتِ الدُّنْيَا. (۱)

یا رسول اللہ! ہم نے دیکھا کہ آپ ﷺ نے (اپنی جگہ پر کھڑے) کوئی چیز پکڑی، پھر ہم نے دیکھا کہ آپ اپنی جگہ سے پیچھے ہٹے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بے شک مجھے (اس جگہ پر) جنت دکھائی گئی تو میں نے اس کے انگوروں کے خوشوں کو پکڑ لیا، اور

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب صفة الصلاة، باب رفع البصر إلی الإمام في الصلاة، ۱: ۲۶۱، رقم: ۷۱۵

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الکسوف، باب ما عرض علی النبی ﷺ في صلاة الکسوف من أمر الجنة والنار، ۲: ۶۲۳، رقم: ۹۰۴

اگر میں وہ خوشے توڑ لیتا تو تم اُن کو رہتی دنیا تک کھاتے رہتے (اور وہ ختم نہ ہوتے)۔

یہ حضور نبی اکرم ﷺ کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم اور امت کے لیے رحمت و شفقت کا جذبہ ہے کہ آپ ﷺ دورانِ نماز، جنت کا مشاہدہ و ملاحظہ فرماتے ہیں اور یہ چاہتے ہیں کہ جنت کے انگور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے لیے توڑ لائیں۔ پھر جنت کے انگوروں کو اس نیت سے چھوڑ دیا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ان کی وجہ سے لوگ محنت کرنا ہی چھوڑ بیٹھیں۔ جو کہ میری سنت بھی ہے اور ایک عبادت بھی ہے۔ اگر امت محنت چھوڑ دے گی تو کاہلی کا شکار ہو جائے گی اور اس طرح تمام نظامِ زندگی درہم برہم ہو جائے گا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے اس طرزِ عمل میں بھی امت کے لیے محبت اور رحمت کا وہ عنصر ہے جو کسی صاحبِ عقل سے پوشیدہ نہیں۔

جنت کی نعمتیں رغبت اِلی اللہ کا باعث ہیں

اس موقع پر ضمنی بحث کے طور پر یہ مسئلہ بھی واضح کرتا چلوں کہ بعض ذہنوں میں سوال آ سکتا ہے کہ ایسا کیوں ہے کہ ہم جنت میں جس نعمت کی تمنا کریں گے وہ ہمیں فوری میسر ہو جائے گی؟ نیز اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں جا بجا اپنی اِن نعمتوں کا تذکرہ کیوں فرمایا ہے؟

پہلی بات یہ ذہن میں رکھیں کہ دنیا میں فصلیں اگانے کے حوالے سے قوانین مختلف ہیں۔ ہل چلانے، بیج ڈالنے، پانی دینے، پرورش کرنے اور مہینوں محنت کرنے کے بعد کہیں جا کر پھل آنے کا مرحلہ آتا ہے۔ جبکہ عالمِ آخرت اس دنیا کے قوانین کے تابع نہیں، وہاں اس دنیا کے ہر پھل اور ہر نعمت جیسی نعمتیں ہوں گی مگر ان کی تیاری کا نظام دنیا والا نہیں ہو گا بلکہ وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے پکی پکائی شکل میں عطا کی جائیں گی۔ اللہ تعالیٰ نے قران مجید میں فرمایا ہے:

وَلَكُمْ فِيهَا مَا تَشْتَهِيٓ اَنْفُسُكُمْ.(۱)

(۱) حم السجدة، ۴۱: ۳۱

اور تمہارے لیے وہاں ہر وہ نعمت ہے جسے تمہارا جی چاہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں اپنی ان لا محدود عطاؤں کی باتیں بلاوجہ وبلا مقصد ذکر نہیں فرمائیں کہ وہاں غلمان، بے شمار سرسبز باغات، اعلیٰ محلات، طرح طرح کے پھل اور دیگر بے شمار نعمتیں ہوں گی۔ اِن کے تذکرہ میں اللہ رب العزت کا کوئی ذاتی فائدہ یا اس کا ذوق نہیں، کیونکہ وہ تو بندے کی اطاعت، اپنی محبت و معرفت اور اس کے دل میں اپنے دیدار کے شوق کو پسند فرماتا ہے۔ اِن تمام نعمتوں کے بیان کا مقصد یہ ہے کہ یہ سب کچھ ان لوگوں کے لیے ہے جن کی پوری زندگی ایسی چیزوں کی طرف رغبت، محبت، محنت اور شوق میں بسر ہوتی ہے۔ الغرض مخمل کی سیجوں، نور کے ٹیلوں، عظیم محلوں، بہتی نہروں، شرابِ طہور، دریاؤں اور دیگر بے شمار نعمتوں کے یہ سارے مناظر صرف زبانی نہیں بلکہ واقعی اور حقیقی شکل میں سامنے آئیں گے۔ اس لیے کہ جن لوگوں کو ایسی نعمتوں کی ساری عمر طلب رہی یا ہے وہ اللہ رب العزت سے جُڑ کر ایسی نعمتوں کے مالک ہوں گے جو اس دنیا کی نعمتوں کی طرح عارضی نہیں بلکہ دائمی ہیں۔

اسی لیے اس نے تمام انسانیت کو یہ پیغام دیا کہ وہ انسان جو فقط دنیاوی نعمتوں کے لیے اپنی اور دوسروں کی زندگی، اخلاق اور کردار تباہ کرتے پھرتے ہیں اگر وہ راتوں کو اپنے رب کی بارگاہ میں آجائیں، اس کے خوف میں رونا سیکھ لیں، اس سے پیار کریں اور اس کی اطاعت ومحبت میں رکاوٹ بننے والی چیزوں سے تعلق توڑ لیں تو تمہیں وہ سب کچھ بلکہ اس سے لاکھوں گنا بہتر اور ہمیشہ کے لیے مل جائے گا جس کے لیے تم ایک دوسرے کو مارنے سے بھی دریغ نہیں کرتے۔ چنانچہ جنہیں محلات کی طلب ہے انہیں محلات، اعلیٰ زندگی، حور وقصور، لہلہاتے کھیتوں کے نظارے، پھولوں اور پھلوں کی بہاریں اور محلوں کے نیچے بہتے دریاؤں اور رواں دواں نہروں کی فراوانی عطا ہوگی۔ الغرض انسان کو جس بھی نعمت کی کیفیات سے خاص لطف اور سرور آتا ہے، اسے جنت میں وہ تمام مناظر اور تمام نعمتیں عطا کر دی جائیں گی۔ لیکن وہ لوگ جنہیں ان چیزوں سے اتنی رغبت نہیں، اگر ہے بھی تو ایک جائز حد تک، لیکن وہ ان کے طالب اور مشتاق نہیں بلکہ ان کے برعکس انہیں صرف دیدارِ الٰہی کا اشتیاق ہے۔ ان کے لیے بھی فرما دیا کہ میں اپنے جمال کے ان مشتاقین کو تمام پردے ہٹا کر اپنا جلوہ دکھاؤں گا۔

www.MinhajBooks.com

احادیث مبارکہ میں آتا ہے کہ جمعہ کا دن ہو گا جب اس مقصد کے لیے تمام جب دیدارِ الٰہی کے طالبین کو ایک جگہ اکٹھا کیا جائے گا اور انہیں درجہ بہ درجہ مختلف مسندوں پر بٹھایا جائے گا۔ پھر اللہ رب العزت اپنے شایانِ شان نور کے پردوں میں جلوہ افروز ہو گا، تمام پردے اٹھ جائیں گے اور وہ اپنے تمام مشتاقانِ جمال کو اپنے دیدار کی نعمت سے سرفراز فرمائے گا۔

حضرت صہیب رضی اللہ عنہ سے منقول ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِذَا دَخَلَ أَهْلُ الْجَنَّةِ الْجَنَّةَ، قَالَ: يَقُوْلُ اللهُ تبارك وتعالى: تُرِيْدُوْنَ شَيْئًا أَزِيْدُكُمْ؟ فَيَقُوْلُوْنَ: أَلَمْ تُبَيِّضْ وُجُوْهَنَا؟ أَلَمْ تُدْخِلْنَا الْجَنَّةَ وَتُنَجِّنَا مِنَ النَّارِ؟ قَالَ: فَيَكْشِفُ الْحِجَابَ فَمَا أُعْطُوْا شَيْئًا أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنَ النَّظَرِ إِلٰى رَبِّهِمْ. ثُمَّ تَلَا هٰذِهِ الْآيَةَ: ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾(1) (2).

جب جنتی جنت میں داخل ہو جائیں گے (تو) اللہ تعالیٰ فرمائے گا: تم کچھ اور چاہتے ہو جو میں تمہیں عطا کروں؟ وہ عرض کریں گے: (اے ہمارے رب!) کیا تو نے ہمارے چہرے منور نہیں کر دیے؟ کیا تو نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کر دیا اور ہمیں دوزخ سے نجات نہیں دے دی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے بعد اللہ تعالیٰ پردہ اٹھا دے گا، تو انہیں اپنے پروردگار کے دیدار سے محبوب چیز کوئی نہیں ملی ہو گی۔ پھر آپ ﷺ نے یہ آیت تلاوت فرمائی: ﴿لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوا الْحُسْنٰى وَزِيَادَةٌ﴾ 'ایسے لوگوں کے لیے جو نیک کام کرتے ہیں نیک جزا ہے (بلکہ) اس پر اضافہ بھی ہے'۔

(۱) یونس، ۱۰/۲۶

(۲) مسلم، الصحيح، كتاب الإيمان، باب إثبات رؤية المؤمنين الآخرة ربهم، ۱:۱۶۳، رقم: ۱۸۱

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۳۲، رقم: ۱۸۹۵۵

۳۔ ترمذی، السنن، كتاب تفسير القرآن، باب ومن سورة يونس، ۵: ۲۸۶، رقم: ۳۱۰۵

۴۔ عبد الله بن أحمد، السنة، ۱:۲۴۵، رقم: ۴۴۹

گویا جسے حسنِ مطلق کے دیدار کا شوق ہے، اسے اُس کا نقشہ بھی بتا دیا اور جسے دائمی نعمتوں کا ذوق ہے، اس کے لیے جنت میں یہ سارا سامان بھی رکھ دیا۔

دراصل نعمتوں کے اس بیان میں بھی اللہ رب العزت کی حکمت ہے تا کہ ہر کوئی اپنے اپنے ذوق کے مطابق اللہ کی معرفت کی حقیقی نعمت سے مشرف ہو سکے کیوں کہ جیسے جنت کی نعمتیں دائمی ہیں ایسے ہی دوزخ کا عذاب بھی دائمی ہے۔اللہ رب العزت کی رحمت یہ کب گوارہ کرتی ہے کہ اس کے بندے عذاب میں مبتلا ہوں۔ اسی لیے اس نے جنت کو تخلیق بھی کیا اور بار بار اس کا تذکرہ بھی فرمایا تا کہ انسان کو رغبت دلائی جائے۔ نیز جو راحت کے خواہش مند ہیں وہ صرف اللہ اور اس کے آخری رسول ﷺ پر ایمان لے آئیں اور پھر چونکہ جنت اور اس کی نعمتوں میں ہمیشگی اور دوام ہے، لہٰذا ایمان والوں کے لیے جنت کی راحت کبھی ختم نہ ہوگی۔ جو بھی، جتنی بار بھی اور جو کچھ بھی مانگے گا وہ اسے مل جائے گا بشرطیکہ دنیا میں وہ خدا کی حکمرانی قبول کرتے ہوئے حقیقی معنوں میں اس کی بندگی اختیار کرے گا۔

۳۔ وجودِ مصطفیٰ ﷺ عذابِ الٰہی سے حفاظت کا ذریعہ ہے

حضرت عقبیٰ بن عامر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم نے حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ نماز پڑھی۔ آپ ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب نماز پڑھاتے تو تخفیف کرتے تا کہ پیچھے کھڑے لوگوں کو تکلیف نہ ہو لیکن اس موقع پر طویل قیام کیا۔ اس دوران ہمیں کچھ سنائی نہیں دیتا تھا کہ آپ ﷺ کیا پڑھ رہے ہیں۔ ہم صرف یہ کلمات سنتے تھے: رَبِّ وَأَنَا فِيهِمْ۔ 'اے میرے رب! میں ان میں موجود ہوں، اے میرے رب! میں ان میں موجود ہوں'۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سمجھ گئے کہ حضور نبی اکرم ﷺ اسی امر کا اظہار فرما رہے ہیں جس کے بارے قرآن مجید میں اللہ رب العزت کا وعدہ ہے:

وَمَا كَانَ اللهُ لِيُعَذِّبَهُمْ وَاَنْتَ فِيهِمْ.(۱)

---

(۱) الأنفال، ۸: ۳۳

اور (درحقیقت بات یہ ہے کہ) اللہ کی یہ شان نہیں کہ ان پر عذاب فرمائے درآنحالیکہ (اے حبیبِ مکرّم ﷺ!) آپ بھی ان میں (موجود) ہوں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جان لیا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے دورانِ نماز عذاب کا کوئی منظر دیکھا ہے۔ امت کو بالعموم اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو بطورِ خاص اس سے بچانے کے لیے عرض کر رہے ہیں: باری تعالیٰ! ان پر عذاب نہ بھیج، میں ان میں موجود ہوں؛ ان پر عذاب نہ بھیج، میں ان میں موجود ہوں۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کہتے ہیں کہ نماز سے فراغت کے بعد ہم نے عرض کیا: یارسول اللہ!

سَمِعْنَاکَ تَقُولُ: رَبِّ وَأَنَا فِيْهِمْ.

ہم یہ سن رہے تھے کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے حضور یہ عرض کیے جا رہے تھے کہ باری تعالیٰ! میں ان میں موجود ہوں۔ (یہ کیا ماجرا تھا؟)

حضور نبی اکرم ﷺ نے جواباً فرمایا:

وَالَّذِيْ نَفْسِيْ بِيَدِهٖ، مَا مِنْ شَيْءٍ وُعِدتُّمُوْهُ فِي الآخِرَةِ إِلَّا قَدْ عُرِضَ عَلَيَّ فِيْ مَقَامِي هٰذَا حَتّٰى لَقَدْ عُرِضَتْ عَلَيَّ النَّارُ.

اس ذات کی قسم جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے تم لوگوں سے آخرت کے دن کے لیے جس جس شے کا وعدہ (جنت اور دوزخ کی صورت میں) کیا گیا ہے ان میں سے ہر چیز اللہ تعالیٰ نے مجھے مصلّے پر نماز کی حالت میں دکھا دی حتیٰ کہ دوزخ بھی میرے سامنے لائی گئی۔

چنانچہ میں نے دیکھا کہ (جیسے) دوزخ کا کوئی شعلہ اٹھ رہا ہے اور مجھے خدشہ ہوا کہ کہیں وہ میری امت کو اپنی لپیٹ میں نہ لے لے، اس لیے میں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا:

رَبِّ وَأَنَا فِيْهِمْ، رَبِّ وَأَنَا فِيْهِمْ، رَبِّ وَأَنَا فِيْهِمْ.

اے اللہ! (میری امت کو اپنے عذاب کی لپیٹ میں نہ لے،) میں ان میں موجود ہوں۔ اے میرے رب! میں ان میں موجود ہوں۔ اے میرے رب! میں ان میں موجود ہوں۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے ان الفاظ سے اندازہ کیجئے کہ آپ ﷺ کے قلب و روح اور احساس و خیال میں امت کے لیے کس قدر رحمت، شفقت اور محبت رچی بسی ہوئی ہے کہ آپ ﷺ امت کے لیے ایک ڈھال اور پناہ ہیں۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا:

فَصَرَفَهَا عَنْكُمْ.

پس اللہ تعالیٰ نے اسے تم سے ہٹا دیا۔

اپنے جملوں کی وضاحت کرنے کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ نے مزید فرمایا کہ (دورانِ نماز) پھر میں نے دیکھا کہ حمیریہ قبیلہ کی ایک خاتون دوزخ میں جل رہی ہے اور اسے دوزخ میں اس لیے پہنچایا گیا کہ اس نے کسی وجہ سے اپنی پالتو بلّی کو سزا دی؛ اسے بند رکھا، نہ پانی پلایا اور نہ کھانا دیا یہاں تک کہ وہ بلّی مر گئی۔ اس ظلم کے نتیجے میں اسے دوزخ میں پھینک دیا گیا۔[(1)]

حدیث کے یہ الفاظ ایک طرف امت کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ کی رحمت کا بیان ہیں اور دوسری طرف آپ ﷺ امت کو یہ پیغام دے رہے ہیں کہ جب بلّی کو اذیت دینے پر عذاب کا یہ عالم ہے تو انسان پر ظلم کرنے کا عذاب اس سے کہیں بڑھ کر ہو گا۔

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۱۷، رقم: ۱۴۴۵۷

۲۔ ابن ماجه، السنن، كتاب إقامة الصلاة والسنة فيها، باب ما جاء في صلاة الكسوف، ۱: ۴۰۲، رقم: ۱۲۶۵

۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۴: ۳۴۳، رقم: ۶۴۳۲

www.MinhajBooks.com

۴۔ حضور ﷺ اپنا بوجھ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر نہیں ڈالتے تھے

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ غزوۂ بدر کے موقع پر ہمارے پاس بہت کم سواریاں تھیں جب کہ سفر کم و بیش ۸۰ میل کا تھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ انتظام فرمایا کہ ایک سواری کے لیے تین تین سواروں کو اکٹھا کر دیا کہ تینوں آدمی باری باری سواری پر بیٹھ کر سفر کریں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی ایک سواری لی جسے صرف اپنے لیے مخصوص نہیں فرمایا بلکہ حضرت علی ابن طالب کرم اللہ وجهه الکریم اور حضرت ابو لبابہ رضی اللہ عنہ کو اپنی سواری کے ساتھ شریک کر لیا۔ جب حضور نبی اکرم ﷺ کے پیدل چلنے کی باری ہوتی تو وہ دونوں صحابہ عرض کرتے:

يَا رَسُوْلَ اللهِ! نَحْنُ نَمْشِيْ عَنْکَ.

یا رسول اللہ! آپ ﷺ کی جگہ ہم چلتے ہیں۔

یعنی آپ ﷺ کے پیدل سفر کا حصہ ہم آپس میں باری باری بانٹ لیتے ہیں تاکہ آپ ﷺ کو تکلیف نہ ہو۔ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی یہ محبت دیکھ کر حضور نبی اکرم ﷺ نے رحمت، شفقت، محبت اور لطف و کرم کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا:

مَا أَنْتُمَا بِأَقْوٰی مِنِّي وَمَا أَنَا بِأَغْنٰی عَنِ الأَجْرِ مِنْکُمَا. (۱)

(میں سواری پر مسلسل بیٹھا رہوں اور میری جگہ تم کیوں چلو دریں حال کہ) تم دونوں جسمانی طاقت میں مجھ سے زیادہ نہیں ہو اور میں اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اجر لینے سے تمہاری ہی طرح مستغنی نہیں ہوں۔

یعنی اگر تم اس سفر میں پیدل چلو گے تو میں بھی چل لوں گا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے تم سے زیادہ جسمانی طاقت دی ہے۔ مزید یہ کہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں چلنا اور مشقت برداشت کرنا عبادت ہے اور اس میں اجر ہے۔ میں بھی یہ چاہتا ہوں کہ مجھے بھی اللہ تعالیٰ کی راہ میں

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۴۱۱، رقم: ۳۹۰۱
۲۔ أبو یعلی، المسند، ۹: ۲۴۲، رقم: ۵۳۵۹

سفر کرنے پر اُس کی بارگاہ سے اجر نصیب ہو۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان خصوصاً صحابہ اور عموماً تمام امت کے لیے آپ ﷺ کی رحمت کا آئینہ دار بھی ہے۔

۵۔ امت کے لیے سجدۂ تعظیمی کی ممانعت بھی رحمتِ مصطفیٰ ﷺ کا اِظہار ہے

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ انصارِ مدینہ کا ایک اونٹ پاگل ہو گیا۔ انصار نے نقصان سے ڈر کر اسے ایک باغ میں باندھ کر اسی حالت میں حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں تشریف لائے (کیونکہ ان کی کھیتی باڑی اور روزگار کا سارا انحصار اسی اونٹ پر تھا) اور عرض کیا کہ حضور! ﷺ ہمارا اونٹ پاگل ہو کر لوگوں کو کاٹتا اور مارتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ان کی یہ پریشانی سن کر فرمایا کہ میرے ساتھ چلو۔

آپ ﷺ ان سب کو لے کر اس باغ میں چلے گئے جو انصار کا ایک احاطہ تھا، جس کے اردگرد چار دیواری تھی۔ وہ عرض کرنے لگے: یارسول اللہ! آپ ﷺ آگے نہ جائیے، یہ اونٹ کاٹتا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ مسکرا پڑے (کہ یہ مجھے کچھ نہیں کہے گا)، آپ ﷺ احاطہ میں داخل ہوئے تو وہ اونٹ آپ ﷺ کو دیکھ کر بھاگ کر آپ ﷺ کی طرف آگے بڑھا اور اپنے گھٹنوں کو زمین کے ساتھ لگا کر اپنی ٹانگوں کو بچھایا اور حضور نبی اکرم ﷺ کے قدموں کے سامنے سجدہ ریز ہو گیا۔ گویا اونٹ نے آپ ﷺ کو عملاً اور فعلاً سجدہ کیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے دیکھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں اونٹ سجدہ کر رہے ہیں تو انہوں نے عرض کیا:

يَارَسُوْلَ اللهِ! هٰذِهِ بَهِيْمَةٌ لَا تَعْقِلُ تَسْجُدُ لَکَ. وَنَحْنُ نَعْقِلُ فَنَحْنُ أَحَقُّ أَنْ نَّسْجُدَ لَکَ.

یا رسول اللہ! یہ جانور ہے، اس کو عقل و شعور بھی نہیں مگر اس کے باوجود یہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوا ہے جبکہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے عقل و شعور دیا ہے اس لیے ہمارا حق زیادہ ہے کہ آپ ﷺ کو سجدہ کیا کریں۔

حضور نبی اکرم ﷺ کو جانوروں کے سجدہ کرنے اور اس کے بعد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرف سے آپ ﷺ سے سجدہ کی اجازت مانگنے والی احادیث تواتر کی حد تک پہنچ گئی ہیں۔ ان احادیث کا مطالعہ کریں تو پتا چلتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو کبھی اونٹ سجدہ کر رہے ہیں، کبھی گھوڑے سجدہ کر رہے ہیں، کبھی بکریاں سجدہ کر رہی ہیں، کبھی کوئی ہرن سجدہ کر رہا ہے۔ الغرض مدینہ منورہ کے مضافات میں یا حضور نبی اکرم ﷺ کی موجودگی میں جو جانور بھی مصیبت میں ہوتے وہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتے اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم ان جانوروں کو سجدہ کرتے دیکھ کر ہمیشہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں التجا کرتے کہ یا رسول اللہ! ہمیں بھی سجدہ کی اجازت دیں۔

اس موقع پر بھی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے سجدہ کی اجازت مانگی مگر حضور نبی اکرم ﷺ نے کسی بھی صحابی کو سجدہ کرنے کی اجازت نہیں دی۔ فرمایا: کہ انسان کو اجازت نہیں کہ وہ انسان کو سجدہ کرے، اور اگر کسی ایک انسان کا دوسرے انسان کو سجدہ کرنا جائز ہوتا تو

لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا. (۱)

میں بیوی کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے۔

یعنی اب کسی شخص کو اجازت نہیں کہ وہ کسی بھی شخص کو سجدہ کرے۔ یہ حضور نبی اکرم ﷺ کی شفقت ہے کہ آپ ﷺ کی تعظیم و تکریم کے باب میں امت پر سجدہ کا بوجھ نہیں حالانکہ حضور نبی اکرم ﷺ سے قبل پہلی امتوں میں سجدۂ تعظیمی جائز تھا۔ خود اللہ تبارک و تعالیٰ نے حضرت آدم علیہ السلام کو تمام ملائکہ سے سجدہ کروایا۔ (۲) وہ سجدۂ عبادت نہ تھا کیونکہ سجدۂ عبادت تو اللہ تعالیٰ کے سوا کبھی بھی جائز نہیں رہا اور اگر کوئی کرے تو مشرک ہے۔ سو ملائکہ کا آدم علیہ السلام کو سجدہ، سجدۂ تعظیمی تھا جو تمام امتوں میں جائز رہا، حتیٰ کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی والدہ، والد گرامی

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۵۸، رقم: ۱۲۶۳۵
۲۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۹: ۸۱، رقم: ۹۱۸۹

(۲) البقرۃ، ۲: ۳۴

سیدنا یعقوب علیہ السلام اور یوسف علیہ السلام کے سارے بھائیوں نے انہیں سجدہ کیا۔(۱) حضرت موسیٰ علیہ السلام نے فرعون کے جادوگروں کو جب اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت سے شکست دی تو ان سارے جادوگروں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو سجدۂ تعظیمی کیا(۲) اور یہ سب واقعات قرآن مجید سے ثابت ہیں۔ چنانچہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت سے پہلے تعظیماً سجدے کیے جاتے تھے مگر جب حضور نبی اکرم ﷺ کی بعثت ہوئی تو آپ ﷺ نے اسے حرام قرار دے دیا۔

سجدۂ تعظیمی قرآن مجید سے ثابت ہے مگر اس کا شریعت محمدی میں حرام قرار دیا جانا قرآن مجید کی کسی آیت میں نہیں بلکہ فرمانِ مصطفیٰ ﷺ سے ثابت ہے۔ یہ آپ ﷺ کی رحمت ہے کہ آپ ﷺ نے اسے حرام کر دیا۔ لہٰذا اب کسی ولی، صحابی، امام، والدین، یا کسی زندہ مقرب ہستی کو کسی بھی شکل میں تعظیماً سجدہ کرنا، قطعی طور پر حرام، حرام، اور حرام ہے۔

خبردار! کوئی سجدۂ تعظیمی کے جواز کا یہ راستہ مت نکالے کہ اس کی حرمت کا ذکر قرآن مجید میں نہیں آیا۔ یاد رکھیں! پیغمبرِ اسلام کا حرام کیا ہوا بھی بعینہٖ اسی طرح ہے جیسے قرآن مجید کا حرام کیا ہوا اور رسول اللہ ﷺ کا حلال کردہ بعینہٖ اسی طرح ہے جیسے قرآن مجید کا حلال کردہ ہے۔ اس لیے کہ قرآن مجید میں اللہ رب العزت نے فرمایا ہے:

وَمَآ اٰتٰـكُمُ الرَّسُوْلُ فَخُذُوْهُ وَمَا نَهٰكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوْا. (۳)

اور جو کچھ رسول (ﷺ) تمہیں عطا فرمائیں سو اُسے لے لیا کرو اور جس سے تمہیں منع فرمائیں سو (اُس سے) رُک جایا کرو، اور اللہ سے ڈرتے رہو۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے رحمت و شفقت فرمائی اور امت پر اپنی تعظیم کے لیے بھی سجدہ کرنے کا بوجھ نہ ڈالا، صرف اللہ رب العزت کے سامنے ہی سجدہ ریز ہونے کا حکم دیا۔ اس لیے کہ مجھے یا کسی اور کو اللہ تعالیٰ کے سوا تعظیم کی نیت سے بھی سجدہ کرنا حرام ہے۔

---

(۱) یوسف، ۱۲: ۴

(۲) الأعراف، ۷: ۱۲۰

(۳) الحشر، ۵۹: ۷

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے لیے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے جذباتِ تعظیم و محبت کی یہ عملی جھلک بھی نظر آتی ہے کہ بقیہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم تو سجدہ کرنے کی اجازت ہی طلب کرتے تھے مگر حضرت معاذ رضی اللہ عنہ بن جبل نے ملک شام سے واپسی پر حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوتے ہی بغیر اجازت آپ ﷺ کے حضور سجدہ ریز ہوگئے۔ حضرت عبد اللہ بن اوفی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

لَمَّا قَدِمَ مُعَاذٌ مِنَ الشَّامِ سَجَدَ لِلنَّبِيِّ ﷺ.

جب معاذ شام سے آئے تو انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو سجدہ کیا۔

آپ ﷺ نے فرمایا:

مَا هَذَا يَا مُعَاذُ؟

اے معاذ! یہ کیا ہے؟

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے جواب میں کہا:

أَتَيْتُ الشَّامَ فَوَافَقْتُهُمْ يَسْجُدُونَ لِأَسَاقِفَتِهِمْ.

جب میں شام پہنچا تو میں نے وہاں لوگوں کو اپنے علماء اور حکام کے سامنے سجدہ کرتے دیکھا۔

(تو میں نے سوچا کہ وہ اس قابل کہاں ہیں، سب سے بڑھ کر تو آپ ﷺ سجدے کے حق دار ہیں) اس لیے:

فَوَدِدْتُ فِي نَفْسِي أَنْ نَفْعَلَ ذَلِکَ بِکَ.

مجھے یہ خواہش ہوئی کہ ہم آپ کو سجدہ کیوں نہ کریں۔

اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

فَـلَا تَفْعَلُوْا.

ایسا ہرگز نہ کرو۔

حضرت معاذ رضی اللہ عنہ کے اس عمل پر حضور نبی اکرم ﷺ ان سے وجہ پوچھے بغیر فوراً منع فرما سکتے تھے مگر آپ ﷺ نے انہیں سارا پس منظر اس لیے بیان کرنے دیا تاکہ تفصیل سامنے آ جائے۔ آپ ﷺ نے پوری بات سن کر سجدہ تعظیمی کو حرام قرار دیتے ہوئے فرمایا:

فَإِنِّي لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لِغَيْرِ اللهِ لَأَمَرْتُ الْمَرْأَةَ أَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا. (1)

اگر میں کسی کو اللہ کے علاوہ سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے خاوند کو سجدہ کرے۔

ان احادیثِ مبارکہ سے ثابت ہوا کہ گو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بعض اوقات تعظیماً اور تکریماً ایسا کرنا چاہتے مگر حضور نبی اکرم ﷺ نے انہیں کبھی اس عمل کی اجازت نہ دی اور اپنی ذات کے لیے بھی تعظیم کے سجدے کا راستہ نہیں کھولا۔ یہ امت پر رحمت و شفقت بھی ہے کہ انہیں ایک بوجھ سے بچایا اور ایسے عمل کی طرف امت کو راغب کرنا بھی ہے جو عمل انہیں ایسی خالص توحید پر قائم رکھے جس میں کوئی امکانِ شرک نہ رہے کہ لوگ تعظیماً سجدہ کرتے کرتے عبادتاً سجدہ کرنے لگیں۔ اس طرح حضور نبی اکرم ﷺ نے امت کو شرک سے بھی بچایا، توحید پر بھی قائم رکھا اور اضافی مشقت کے بوجھ سے بھی بچایا۔

(۱) ۱۔ ابن ماجه، كتاب النكاح، باب حق الزوج على المرأة، ۱: ۵۹۵، رقم: ۱۸۵۳

۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۹: ۴۷۹، رقم: ۴۱۷۱

www.MinhajBooks.com

فصل نمبر 2

حضور نبی اکرم ﷺ کی خواتین پر رحمت و شفقت

اسلام کے رحمت، شفقت، امن اور محبت پر مبنی دین ہونے کے موضوع پر حضور نبی اکرم ﷺ کا زندگی کے تمام طبقات کے ساتھ شفقت و محبت کے مظاہر میں سے 'عورتوں کے ساتھ حُسنِ سلوک' کا مطالعہ بھی ہمیں اپنے قول و عمل کی اصلاح کی دعوت دیتا ہے۔ ماں، بہن، بیوی، بیٹی یا معاشرتی تعلقات کے کسی بھی درجے پر موجود عورت ہم سے اسلامی تعلیمات کی روشنی میں عقیدت، احترام، حیا نرمی و احسان کا تقاضا کرتی ہے۔ آیئے اس سلسلے میں حضور نبی اکرم ﷺ کی شفقت و رحمت، محبت و نرمی، لطف و کرم اور احسان و عنایت کے عملی مظاہر کا جائزہ لیتے ہیں۔

۱۔ اہلِ خانہ کے ساتھ حسنِ سلوک

۱۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِأَهْلِهِ، وَأَنَا خَيْرُكُمْ لِأَهْلِي.(۱)

تم میں سے بہتر شخص وہ ہے جو اپنے گھر والوں کے لیے بہتر ہو اور میں اپنے گھر والوں کے لیے تم سب سے بہتر ہوں۔

اس حدیث مبارک میں حضور نبی اکرم ﷺ نے دو چیزیں بیان فرمائیں:

(۱) بطور مسلمان، معاشرے میں سب سے بہتر ہونے کا پیمانہ یہ مقرر فرمایا کہ وہ اپنے اہلِ

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب فضل أزواج النبي ﷺ، ۵: ۷۰۹، رقم: ۳۸۹۵

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب النکاح، باب حسن معاشرة النساء، ۱: ۶۳۶، رقم: ۱۹۷۷

۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۹: ۴۸۴، رقم: ۴۱۷۷

www.MinhajBooks.com

خانہ کے ساتھ نرمی، شفقت اور محبت کا برتاؤ کرتا ہوگا۔

(۲) اپنی سنت اور اپنے طرزِ عمل کے حوالے سے بیان فرمایا کہ میرا اپنے اہلِ خانہ کے ساتھ طرزِ عمل تم سب سے بہتر ہے۔

۲۔ یہی مضمون زیادہ پرزور اور تاکیدی الفاظ کے ساتھ حضرت سیدنا ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے بھی مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ إِيْمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا، وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِكُمْ. (۱)

اہلِ ایمان میں سے کامل تر مؤمن وہ ہے جو اُن میں سے بہترین اَخلاق کا مالک ہے اور تم میں سے بہترین وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے لئے (اخلاق اور برتاؤ میں) بہترین ہیں۔

۳۔ امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی مروی حدیث مبارک میں یہی مضمون بیان ہوا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ مِنْ أَكْمَلِ الْمُؤْمِنِيْنَ إِيْمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَأَلْطَفُهُمْ بِأَهْلِهِ. (۲)

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲:۴۷۲، رقم: ۱۰۱۱۰

۲۔ ترمذی، السنن، كتاب الرضاع، باب ما جاء في حق المرأة على زوجها، ۳: ۴۶۶، رقم: ۱۱۶۲

۳۔ دارمي، السنن، ۲: ۴۱۵، رقم: ۲۷۹۲

۴۔ حاكم، المستدرك، ۱: ۴۳، رقم: ۲۰۱

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶:۴۷، رقم:۲۴۲۵۰

۲۔ ترمذی، السنن، كتاب الإيمان، باب ما جاء في استكمال الإيمان وزيادته ونقصانه، ۵:۹، رقم: ۲۶۱۲

۳۔ نسائي، السنن الكبرى، ۵:۳۶۴، رقم: ۹۱۵۴

۴۔ حاكم، المستدرك، ۱: ۱۱۹، رقم:۱۷۳

مؤمنوں میں سب سے زیادہ کامل ایمان والے لوگ وہ ہیں جن کے اَخلاق سب سے اچھے ہیں اور وہ اپنے گھر والوں سے سب سے زیادہ نرمی و شفقت سے پیش آتے ہیں۔

مذکورہ بالا احادیث مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ جو لوگ اپنی بیویوں کے ساتھ حُسنِ سلوک میں سب سے اعلیٰ ہیں وہی لوگ اخلاق میں بھی سب سے افضل ہیں اور جو اخلاق میں سب سے اعلیٰ ہیں وہی ایمان میں سب سے بہتر ہیں۔ اس طرح حضور نبی اکرم ﷺ نے پورا لائحہ عمل دیا ہے کہ ایمان میں اعلیٰ ترین مرتبہ حاصل کرنے کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ شخص اخلاق میں سب سے اعلیٰ ہو کیونکہ جس کا اخلاق اچھا نہیں ہوگا اس کا ایمان کامل نہیں ہے اور جو اخلاق میں کامل ہے وہی ایمان میں کامل ہے۔ حُسنِ خلق میں وہ کامل ہے جس کا اپنی بیوی اور دیگر اہلِ خانہ کے ساتھ رویہ قابلِ تحسین ہے۔

گویا اخلاق کے سب سے بہتر مظاہرہ کی جگہ اہلِ خانہ ہیں لیکن جو شخص اہلِ خانہ کے ساتھ تو سختی یا درشتی سے پیش آئے مگر گھر سے نکلتے ہی ہر ایک سے مسکرا کر ملے، اسلام ایسے رویے کو قبول نہیں کرتا۔ اسلام جس پہلی جگہ اخلاقیات کا اعلیٰ ترین مظاہرہ دیکھنا چاہتا ہے وہ گھر اور وہاں موجود اہلِ خانہ ہیں۔ اب ہم نے سوچنا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے بیان کردہ اخلاق کے اس معیار پر کس طرح پورا اُترنا ہے؟ جس معیار میں آپ ﷺ نے اعلیٰ ایمان کو اعلیٰ اخلاق سے اور اعلیٰ اخلاق کو اہل و عیال سے اعلیٰ سلوک پر منحصر فرمایا ہے۔

۲۔ بیٹی کے ساتھ حسنِ سلوک

اپنے اہل و عیال اور بیوی بچوں سے حضور نبی اکرم ﷺ کے حُسنِ سلوک کو آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے آئینے میں دیکھیں تو ہمارے سامنے آپ ﷺ کے اقوال کی عملی تفسیر آ جاتی ہے۔

۱۔ اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

مَا رَأَيْتُ أَحَدًا كَانَ أَشْبَهَ سَمْتًا وَدَلًّا وَهَدْيًا (وَفِي رِوَايَةٍ:) حَدِيثًا وَكَلَامًا

بِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ مِنَ فَاطِمَةَ ؓ. كَانَتْ إِذَا دَخَلَتْ عَلَيْهِ قَامَ إِلَيْهَا، فَأَخَذَ بِيَدِهَا فَقَبَّلَهَا، وَأَجْلَسَهَا فِي مَجْلِسِهِ، وَكَانَ إِذَا دَخَلَ عَلَيْهَا قَامَتْ إِلَيْهِ، فَأَخَذَتْ بِيَدِهِ فَقَبَّلَتْهُ، وَأَجْلَسَتْهُ فِي مَجْلِسِهَا.[1]

میں نے چال ڈھال، شکل و شباہت، سلیقہ و عادت اور گفتگو کے اَنداز میں سیدہ فاطمہ ؓ سے بڑھ کر کسی کو رسول اللہ ﷺ سے مشابہ نہیں دیکھا۔ جب سیدہ فاطمہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوتیں تو آپ ﷺ اُن کے استقبال لئے کھڑے ہو جاتے، اُن کا ہاتھ پکڑ کر اسے بوسہ دیتے اور انہیں اپنی جگہ پر بٹھاتے اور جب آپ ﷺ ان کے پاس تشریف لے جاتے تو وہ آپ ﷺ کے لئے کھڑی ہو جاتیں، آپ ﷺ کے دستِ اقدس کو پکڑ کر بوسہ دیتیں اور اپنی جگہ بٹھاتیں۔

اس حدیث شریف سے جہاں آپ ﷺ کی سیدہ فاطمہ الزہراء ؑ خاص محبت و شفقت ظاہر ہوتی ہے وہاں اس میں ہر مسلمان باپ کے لیے ایک دائمی سبق ہے کہ اس کا اپنی اولاد، خاص طور پر بیٹیوں کے ساتھ کیا سلوک ہونا چاہیے۔

۲۔ ایک حدیث مبارک حضرت نعمان بن بشیر ؓ سے مروی ہے کہ انہوں نے منبر پر بیان فرمایا: میرے والد نے مجھے کچھ عطیہ دیا۔ میری والدہ عَمْرَہ بنتِ رَواحہ نے میرے والد یعنی اپنے شوہر سے کہا: میں اس وقت تک راضی نہیں ہوں گی جب تک آپ اس پر رسول اللہ ﷺ کو گواہ نہ بنائیں۔ لہٰذا وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض گزار ہوئے: میں نے اپنے بیٹے کو جو عَمْرَہ بنتِ رواحہ سے ہے، ایک عطیہ دیا ہے۔ یا رسول اللہ! وہ مجھ سے کہتی

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الأدب، باب ما جاء في القيام، ۴: ۳۵۵، رقم:۵۲۱۷

۲۔ نسائي، السنن الکبری، ۵: ۹۶، ۳۹۲، رقم: ۸۳۶۹، ۹۲۳۶

۳۔ حاكم، المستدرك، ۳: ۱۶۷، رقم: ۴۷۳۲

۴۔ بخاری، الأدب المفرد: ۳۳۶، رقم: ۹۷۱

ہے کہ میں آپ کو گواہ بناؤں۔ آپ ﷺ نے ان سے پوچھا: کیا تم نے اپنے تمام بیٹوں کو ایسا ہی عطیہ دیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: نہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

فَاتَّقُوا اللهَ، وَاعْدِلُوْا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ.

اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل و انصاف کرو۔

راوی کہتے ہیں: پس وہ واپس لوٹ آئے اور اپنا عطیہ واپس لے لیا۔ (شاید اُن کے پاس اُس وقت سب کو برابر دینے کی مالی استطاعت نہ تھی، اس لئے اس عمل کو اگلے وقت پر مؤخر کر دیا ہو۔)[1]

۳۔ حضرت انس بن مالک ﷺ فرماتے ہیں:

كَانَ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ رَجُلٌ، فَجَاءَ ابْنٌ لَهُ، فَقَبَّلَهُ وَأَجْلَسَهُ عَلٰى فَخِذِهِ، ثُمَّ جَاءَتْ بِنْتٌ لَهُ، فَأَجْلَسَهَا إِلٰى جَنْبِهِ.

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں ایک شخص حاضر تھا کہ اُس شخص کا بیٹا اُس کے پاس آیا۔ اُس شخص نے اُسے چوما اور اُسے اپنی گود میں بٹھا لیا۔ پھر اُس کی بیٹی آئی تو اُس نے اُسے اپنے پہلو میں بٹھا لیا۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کا یہ عمل دیکھا تو فرمایا:

فَهَلَّا عَدَلْتَ بَيْنَهُمَا؟[2]

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الهبة وفضلها، باب الإشهاد في الهبة، ۲: ۹۱۴، رقم: ۲۴۴۷

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الهبات، باب کراهة تفضيل بعض الأولاد في الهبة، ۳: ۱۲۴۲، رقم: ۱۶۲۳

۳۔ أبو داود، السنن، کتاب الإجارة، باب في الرجل يفضل بعد ولده في النحل، ۳: ۲۹۲-۲۹۳، رقم: ۳۵۴۲-۳۵۴۵۔

(۲) ۱۔ طحاوی، شرح معاني الآثار، ۴: ۸۹ ←

www.MinhajBooks.com

تم نے اِن دونوں کے درمیان عدل کیوں نہیں کیا؟

یعنی بیٹا آیا تو اس کو چوم کر اپنی ران پر بٹھا لیا اور جب بیٹی آئی تو اسے بغیر چومے اپنے قریب چٹائی پر بٹھا دیا۔ گویا حضور نبی اکرم ﷺ کو یہ بات گوارا نہیں کہ بیٹی اور بیٹے کے ساتھ امتیاز برتا جائے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس شخص کے اس امتیازی عمل کی گرفت کرتے ہوئے تلقین کی کہ تو نے ان دونوں کے درمیان عدل کیوں نہیں کیا، اچھا ہوتا اگر تم عدل کرتے۔

۴۔ حتی کہ ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ نے بیٹیوں کو بیٹوں پر ترجیح دینے کا اپنی خواہش کا اظہار بھی فرمایا۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

سَوُّوْا بَيْنَ أَوْلَادِكُمْ فِي الْعَطِيَّةِ. فَلَوْ كُنْتُ مُفَضِّلاً أَحَدًا لَفَضَّلْتُ النِّسَاءَ.(۱)

اپنی اولاد میں تحائف کی تقسیم میں برابری رکھا کرو اور اگر میں کسی کو کسی پر فضیلت دیتا تو عورتوں کو (یعنی بیٹیوں کو بیٹوں پر) فضیلت دیتا۔

بیٹیوں کے علاوہ باقی کی طرف آئیں تو یہاں بھی حضور نبی اکرم ﷺ کا اُسوۂ مبارک ہمارا رہنما ہے کہ آپ ﷺ اپنے نواسوں حضرت امام حسن اور حضرت امام حسین رضی اللہ عنہما سے بہت زیادہ محبت فرماتے، یہاں تک کہ انہیں اپنے کندھوں پر بٹھا کر سیر کراتے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی اپنی بیٹی اور نواسوں سے محبت کے متعدد مظاہر، کثیر کتبِ حدیث میں موجود ہیں۔ اس موضوع پر راقم نے 'الدرة البیضاء فی مناقب فاطمة الزهراء

.... ۲۔ تمام الرازي، الفوائد، ۲:۲۳۷، رقم:۱۶۱۶

۳۔ بیهقي، شعب الإیمان، ۶: ۴۱۰، رقم:۸۷۰۰

۴۔ ابن عساکر، تاریخ مدینة دمشق، ۱۳:۳۹۶

(۱) طبراني، المعجم الکبیر، ۱۱: ۳۵۴، رقم: ۱۱۹۹۷

۲۔ بیهقي، السنن الکبری، ۶: ۱۷۷، رقم: ۱۱۷۸۰

۳۔ طحاوی، شرح معاني الآثار، ۴: ۸۶

ﷺ' اور 'مرج البحرين في مناقب الحسنين علیہما السلام' کے نام سے الگ الگ کتب میں احادیث جمع کی ہیں جن میں حضور نبی اکرم ﷺ کی اپنی بیٹی اور نواسوں سے محبت کے اعلیٰ نمونے درج ہیں۔

۵۔ علاوہ ازیں حضور نبی اکرم ﷺ نے بیٹیوں کی اچھی پرورش اور بہترین تعلیم و تربیت کرنے والے کو جنت کی بشارت دی ہے۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ عَالَ ثَـلَاثَ بَنَاتٍ، فَأَدَّبَهُنَّ، وَزَوَّجَهُنَّ، وَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ، فَلَهُ الْجَنَّةُ. (۱)

جس نے تین بیٹیوں کی پرورش کی، اُن کی اخلاقی تربیت کی، پھر اُن کی شادی کی اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرتا رہا تو اُس کے لیے جنت ہے۔

۶۔ ایک اور حدیث مبارک میں فرمایا کہ جس شخص کے ہاں بیٹی کی پیدائش ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ اُس کی اچھی پرورش اور اچھی تعلیم و تربیت میں اُس کا معاون ہو جاتا ہے۔ (۲)

۷۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے عرب معاشرے میں پائی جانے والی بیٹیوں سے نفرت کو اپنی تعلیمات اور عمل کے ذریعے دور فرمایا۔ آپ ﷺ کا فرمان ہے:

لَا تَكْرَهُوا الْبَنَاتَ؛ فَإِنَّهُنَّ الْمُؤْنِسَاتُ الْغَالِيَاتُ. (۳)

تم بیٹیوں کو ناپسند نہ کیا کرو، بے شک وہ (والدین کی) غم خوار اور لائقِ احترام

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۹۷، رقم: ۱۱۹۴۳
۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الأدب، باب في فضل من عال يتيما، ۴: ۳۳۸، رقم: ۵۱۴۷
۳۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۶: ۴۰۴، رقم: ۸۶۷۶
(۲) ۱۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۳: ۲۶۵، رقم: ۳۱۰۱
(۳) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۵۱، رقم: ۱۷۴۱۱
۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۷: ۳۱۰، رقم: ۸۵۶

ہوتی ہیں۔

۳۔ عام عورتوں سے حسنِ سلوک

آج معاشرے میں خواتین کے مقام اور حقوق کی بات بڑے شدّ ومد سے کی جاتی ہے اور مغرب خواتین کے حقوق کا علم بردار بنتا ہے۔ قابلِ غور بات ہے کہ مغرب حقوقِ نسواں کی بات آج کر رہا ہے جبکہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی تعلیمات کے ذریعے تقریباً چودہ صدیاں قبل ہی خواتین کے حقوق واضح فرما دیئے تھے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے خواتین سے امتیازی سلوک کا اپنے اُسوۂ حسنہ سے قلع قمع فرما دیا اور خواتین کو بھی مردوں کے برابر حقوق عطا فرمائے۔

۱۔ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

قَالَتِ النِّسَاءُ لِلنَّبِيِّ ﷺ: غَلَبَنَا عَلَيْکَ الرِّجَالُ، فَاجْعَلْ لَنَا يَوْمًا مِنْ نَفْسِکَ، فَوَعَدَهُنَّ يَوْمًا لَقِيَهُنَّ فِيْهِ فَوَعَظَهُنَّ وَأَمَرَهُنَّ.(۱)

حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں خواتین عرض گزار ہوئیں: (یا رسول اللہ!) آپ کی جانب (سے تعلیم و تربیت پانے میں) مرد ہم سے آگے نکل گئے لہٰذا ہماری تعلیم و تربیت کے لیے بھی ایک دن مقرر فرما دیجئے۔ آپ ﷺ نے اُن کے لئے ایک دن مقرر فرما دیا۔ اُس دن آپ ﷺ اُن سے ملاقات کرتے، اُنہیں نصیحت فرماتے اور اللہ تعالیٰ کے اَحکام بتلاتے۔

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب العلم، باب هل يجعل للنساء يوم على حدة في العلم، ۱: ۵۰، رقم: ۱۰۱
۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب البر والصلة والآداب، باب فضل من يموت له ولد فيحتسبه، ۴: ۲۰۲۸، رقم: ۲۶۳۳
۳۔ أحمد بن حنبل في المسند، ۳: ۳۴، رقم: ۱۱۳۱۴

۲۔ رسول مکرم ﷺ غریب و نادار خواتین کی داد رسی اور حاجت روائی بھی فرماتے اور اس کے لیے ہر مشقت برداشت کرتے تھے۔ حضرت انس بن مالک ﷺ بیان کرتے ہیں:

أَنَّ امْرَأَةً كَانَ فِي عَقْلِهَا شَيءٌ، فَقَالَتْ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، إِنَّ لِي إِلَيْكَ حَاجَةً، فَقَالَ: يَا أُمَّ فُلَانٍ، انْظُرِي أَيَّ السِّكَكِ شِئْتِ، حَتَّى أَقْضِيَ لَكِ حَاجَتَكِ، فَخَلَا مَعَهَا فِي بَعْضِ الطُّرُقِ حَتَّى فَرَغَتْ مِنْ حَاجَتِهَا. (۱)

ایک عورت دماغی مریضہ تھی، وہ بارگاہِ رسالت میں عرض گزار ہوئی: یا رسول اللہ! مجھے آپ سے کچھ کام ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اے اُم فلاں! جس گلی میں جانا چاہو چلو، میں تمہارا مسئلہ حل کروں گا، پس آپ ﷺ (اُس سے گُفت وشُنید کرتے اور اس کے مسائل سنتے ہوئے) بعض راستوں میں اس کے ساتھ چلے حتی کہ اُس کی ضرورت پوری ہوگئی (اور وہ چلی گئی)۔

۳۔ اسی موضوع پر امام بخاری کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

إِنْ كَانَتِ الْأَمَةُ مِنْ إِمَاءِ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ لَتَأْخُذُ بِيَدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَتَنْطَلِقُ بِهِ حَيْثُ شَاءَتْ. (۲)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الفضائل، باب قرب النبي ﷺ من الناس وتبركهم به، ۴: ۱۸۱۲، رقم: ۲۳۲۶
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۱۹، رقم: ۱۲۲۱۸
۳۔ أبو داود، السنن، كتاب الأدب، باب في الجلوس في الطرقات، ۴: ۲۵۷، رقم: ۴۸۱۸

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الأدب، باب الكبر، ۵: ۲۲۵۵، رقم: ۵۷۲۴
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۹۸، رقم: ۱۱۹۶۰
۳۔ أبو نعيم، حلية الأولياء، ۷: ۲۰۲

مدینہ طیبہ کی (بے سہارا) لونڈیوں میں سے اگر کوئی لونڈی (اپنے کسی کام کے سلسلے میں) رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو کہیں لے جانا چاہتی تو لے جاتی (اور آپ اُس پر شفقت فرماتے ہوئے اس کے کام کاج کے سلسلے میں اس کا سہارا بنتے)۔

کہاں سدرۃ المنتہیٰ کے مسافر، مقامِ 'قَابَ قَوْسَيْنِ اَوْ اَدْنٰى'[1] پر نزولِ جلال فرمانے والے پیغمبر، جن کا استقبال اپنی شان کے لائق اللہ رب العزت فرماتا ہے، ملائکہ جس کے دیدار کے لیے سدرۃ المنتہیٰ پر ترستے ہیں اور جن کی انگلی کے اشارے سے چاند اپنا سینہ چیر لیتا ہے، ڈوبا ہوا سورج پلٹ آتا ہے، درخت ان کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں مگر ان کی شفقت اور غریب وضعیف پروری کا یہ عالم ہے کہ وہ ایک بوڑھی بیمار خاتون (جو ایک باندی ہے) کے کہنے پر مدینہ کی گلیوں میں اس کا سامان اٹھا کر جہاں کہتی وہیں بلا عذر تشریف لے جاتے ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے لطف و کرم اور آپ ﷺ کی رحمت وشفقت کا یہ وہ عظیم مظاہرہ ہے جو ایک طرف انسانیت کے حقوق کی پاسداری کی اساس قائم کرتا ہے تو دوسری طرف انسانی معاشرے پر عام خواتین کے خصوصی اور امتیازی حقوق کو اخلاقی اور قانونی سند ثابت کرتا ہے۔

۴۔ بیویوں سے حسنِ سلوک

محسنِ انسانیت ﷺ کا معاشرے کی عام خواتین کے ساتھ طرزِ عمل کا یہ ایک نمونہ تھا۔ جہاں تک اپنی خواتین (بیویوں) کی بات ہے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے یہاں تک فرما دیا کہ ان پر خرچ کیے گئے ایک ایک پیسہ پر بھی تمہارے لیے اجر وثواب ہے۔

۱۔ حضرت سعد ابن وقاص رضی اللہ عنہ سے مروی ایک طویل حدیث ہے جس کے متعلقہ حصہ میں شوہر کو ہدایات دیتے ہوئے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے تم جو خرچ اہل و عیال پر کرتے ہو، اللہ تبارک و تعالیٰ اُس کی ایک ایک پائی پر تمہیں اجر عطا کرتا ہے۔ حتی کہ فرمایا:

---

(۱) النجم، ۵۳: ۹

اللُّقْمَةُ الَّتِي تَرْفَعُهَا إِلٰى فِي امْرَأَتِکَ.(۱)

جو لقمہ اُٹھا کر تم اپنی بیوی کے منہ میں ڈالو، (اس پر بھی اللہ تعالیٰ تمہیں اجر عطا کرتا ہے)۔

یعنی حضور نبی اکرم ﷺ نے شوہروں کو ترغیب دی ہے کہ تم اپنی بیوی، اہل و عیال اور بچوں کا جتنا بھی خیال رکھو گے، اس میں سے کچھ بھی اجر سے محروم نہیں رہے گا۔

۲۔ آپ ﷺ نے عزت و مرتبہ اور اعلیٰ مقام کا حامل اُس شخص کو قرار دیا جس کا سلوک اپنی بیوی سے اچھا ہو گا۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ إِيْمَانًا أَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِكُمْ.(۲)

اہلِ ایمان میں سے کامل تر مؤمن وہ ہے جو اُن میں سے بہترین اَخلاق کا مالک ہے اور تم میں سے بہترین وہ ہیں جو اپنی بیویوں کے لیے (اخلاق اور برتاؤ میں)

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الوصایا، باب أن يترك ورثته أغنياء خير من أن يتكففوا الناس، ۳: ۱۰۰۶، رقم: ۲۵۹۱، ۲۵۹۳

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب فضائل الصحابة، باب قول النبي ﷺ: اللهم أمض لأصحابي هجرتهم، ۳: ۱۴۳۱، رقم: ۳۷۲۱

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الوصیة، باب الوصیة بالثلث، ۳: ۱۲۵۰، رقم: ۱۶۲۸

۴۔ مالك، الموطأ، کتاب الوصیة، باب الوصیة في الثلث لا تتعدی، ۲: ۷۶۳، رقم: ۱۴۵۶

۵۔ أبو يعلى، المسند، ۲: ۱۴۵، رقم: ۸۳۴

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۷۲، رقم: ۱۰۱۱۰

۲۔ ترمذي، السنن، کتاب الرضاع، باب ما جاء في حق المرأة على زوجها، ۳: ۴۶۶، رقم: ۱۱۶۲

۳۔ دارمي، السنن، ۲: ۴۱۵، رقم: ۲۷۹۲

بہترین ہیں۔

۳۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا اپنی ازواج مطہرات کے ساتھ برتاؤ اور رویہ نہایت نرم تھا، یہی نہیں بلکہ آپ ﷺ گھر کے کاموں میں اپنی ازواج مطہرات کا ہاتھ بھی بٹاتے تھے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

كَانَ يَكُوْنُ فِي مِهْنَةِ أَهْلِهِ، تَعْنِي خِدْمَةَ أَهْلِهِ.(۱)

آپ ﷺ اہلِ خانہ کے کاموں میں معاونت میں مشغول رہتے۔

حضور نبی اکرم ﷺ سفر و حضر میں اپنی اَزواجِ مطہرات کا خاص خیال رکھتے اور اپنے اس اُسوہ کی بدولت آپ ﷺ نے اپنے اُمتیوں کو بھی اپنی بیویوں سے نیک سلوک کی تعلیم دی ہے۔ بیویوں کے ساتھ مزاح، اُن کی دل جوئی کے لیے کھیل کود میں حصہ لینے کے کئی واقعات آپ ﷺ کی سیرت طیبہ کا حصہ ہیں۔

۴۔ آپ ﷺ اپنی ازواج مطہرات کا کس قدر خیال رکھتے تھے اس کی ایک مثال یہ واقعہ بھی ہے کہ جب آپ ﷺ نے اُم المؤمنین سیدہ صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح فرمایا اور اُنہیں لے کر مدینہ کی طرف روانہ ہونے لگے تو اُنہیں عزت و احترام دینے کا یہ عالم تھا کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے:

فَرَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يُحَوِّي لَهَا وَرَاءَهُ بِعَبَاءَةٍ، ثُمَّ يَجْلِسُ عِنْدَ بَعِيْرِهٖ، فَيَضَعُ رُكْبَتَهُ فَتَضَعُ صَفِيَّةُ رِجْلَهَا عَلٰى رُكْبَتِهٖ حَتّٰى تَرْكَبَ.(۲)

(۱) بخاري، الصحيح، كتاب الأذان، باب من كان في حاجة أهله فأقيمت الصلاة فخرج، ۱: ۲۳۹، رقم: ۶۴۴

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۴۹، رقم: ۲۴۲۷۲

۳۔ ترمذي، السنن، كتاب صفة القيامة والرقائق والورع، باب: (۴۵) منه، ۴: ۶۵۴، رقم: ۲۴۸۹

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب البيوع، باب هل يسافر بالجارية قبل أن يستبرئها، ۲: ۷۷۸، رقم: ۲۱۲۰

www.MinhajBooks.com

میں نے رسول اللہ ﷺ کو دیکھا کہ انہیں چادر میں لپیٹے ہوئے تھے۔ پھر اونٹ کے پاس بیٹھ گئے اور اپنا گھٹنا رکھ دیا۔ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا اپنا پاؤں آپ ﷺ کے گھٹنے پر رکھ کر اونٹ پر سوار ہوئیں۔

آج کے دور میں اپنی بیوی کو بٹھانے کے لیے گاڑی کا دروازہ کھولنا مغربی تہذیب کی اِختراع نہیں ہے بلکہ یہ درحقیقت سیرتِ طیبہ سے ثابت شدہ ہے۔

۵۔ ’ماں‘ کا مقام و مرتبہ

اندازہ کیجیے کہ اگر آقائے دو جہاں حضرت محمد ﷺ نے معاشرے کی عام عورت، بیوی، بیٹی کو اتنا مقام و مرتبہ دیا ہے تو پھر ماں کو بھلا کیا فضیلت و مرتبت عطا کی ہوگی!

۱۔ اس ضمن میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا:

مَنْ أَحَقُّ النَّاسِ بِحُسْنِ صَحَابَتِي؟

(یا رسول اللہ!) لوگوں میں سے میرے حسنِ سلوک کا سب سے زیادہ حق دار کون ہے؟

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ’تمہاری ماں۔‘ اس نے پھر پوچھا: ’یا رسول اللہ! پھر کون؟‘ آپ ﷺ نے فرمایا:

أُمُّکَ.

تمہاری ماں۔

اس نے یہی بات تیسری مرتبہ دہرائی تو حضور نبی اکرم ﷺ نے تینوں مرتبہ ماں کا نام لیا۔ اس نے چوتھی مرتبہ یہی بات پوچھی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

۲۔ بيهقي، السنن الكبرى، ٦: ٣٠٤، رقم: ١٢٥٣٥

ثُمَّ أَبُوْکَ.(۱)

پھر تمہارا باپ۔

بلا شبہ باپ کا حق اپنی جگہ مسلّمہ اور محکم ہے کہ باپ کی رضا میں اللہ کی رضا پوشیدہ ہے اور باپ کے ناراض ہونے میں اللہ کی ناراضگی ہے۔ اس کے باوجود ماں کے حوالے سے حضور نبی اکرم ﷺ فرماتے ہیں کہ تمہاری خدمت کی سب سے زیادہ حق دار تمہاری ماں ہے۔

اس حدیث کی روشنی میں واضح ہوتا ہے کہ ماں کی خدمت پر کس قدر ثواب ملتا ہے۔

۲۔ حضرت انس ﷺ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت اقدس میں حاضر ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! میں جہاد کا خواہش مند ہوں لیکن استطاعت نہیں رکھتا۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا تمہارے والدین میں سے کوئی زندہ ہے؟ اس نے عرض کیا: جی ہاں، میری والدہ زندہ ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

فَأَبْلِ اللهَ فِي بِرِّهَا، فَإِذَا فَعَلْتَ ذَلِکَ فَأَنْتَ حَاجٌّ وَمُعْتَمِرٌ وَمُجَاهِدٌ، فَإِذَا رَضِيَتْ عَنْکَ أُمُّکَ فَاتَّقِ اللهَ وَبَرَّهَا.(۲)

تو اُس کے ساتھ حسنِ سلوک کر کے اللہ کے ساتھ اپنے عہد کو پورا کر، جب تُو نے ایسا کر دیا تو تُو حج کرنے والے، عمرہ کرنے والے اور جہاد کرنے والے کے درجے پر فائز ہو گا، اور جب تمہاری ماں تجھ سے راضی ہو جائے تو تُو اللہ سے ڈرتے رہنا اور

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الادب، باب من أحق الناس بحسن الصحبة، ۵: ۲۲۲۷، رقم: ۵۶۲۶

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة، باب بر الوالدین وأنهما أحق به، ۴: ۱۹۷۴، رقم: ۲۵۴۸

(۲) أبو یعلی، المسند، ۵: ۱۴۹، رقم: ۲۷۶۰

۲۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۳: ۱۹۹، رقم: ۲۹۱۵

۳۔ مقدسي، الأحادیث المختارة، ۵: ۲۲۶، رقم: ۱۸۵۵

اس کے ساتھ مزید بھلائی سے پیش آتا رہ۔

۳۔ حضرت مقدام بن معدی کرب رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے تین مرتبہ یہ جملہ ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللهَ يُوْصِيْكُمْ بِأُمَّهَاتِكُمْ. (۱)

اللہ تعالیٰ تمہیں اپنی ماؤں کے ساتھ بھلائی کرنے کا حکم دیتا ہے۔

لمحۂ فکریہ

عورت خواہ ماں ہے، بیوی ہے، بہن ہے، بیٹی ہے یا معاشرے کی عام عورت۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی امت کو عورت کے ساتھ ہر سطح پر شفقت و رحمت کے ساتھ پیش آنے کا درس ہی نہیں دیا بلکہ عملی طور پر بلند معیار بھی قائم فرمایا۔ حتیٰ کہ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جہاد پر جاتے تو حضور نبی اکرم ﷺ انہیں ہدایات دیتے تھے کہ دورانِ جنگ عورتوں اور بچوں کو قتل نہیں کرنا۔

موجودہ حالات میں دنیا بھر میں خودکش حملوں کے اندھا دھند واقعات ہو رہے ہیں جن کا ظاہری مقصد اسلام کی دینی غیرت بتایا جاتا ہے، حالانکہ اسلام میں کسی بھی قسم کی دہشت گردی کی سرے سے کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ ان احادیث مبارکہ کی روشنی میں آج ہم خود اندازہ لگا سکتے ہیں کہ یہ باتیں کس حد تک درست ہو سکتی ہیں؟ جب کہ ان کے نتیجے میں بے شمار معصوم اور بے گناہ لوگوں کی جانیں جا رہی ہوں۔ یہ تو ایسا ہی ہے جیسے کوئی اللہ رب العزت کی مقرر کردہ حدود کو پامال کرے اور کہے کہ میری نیت اور میرا مقصد تو بالکل ٹھیک ہے۔ یہ تمام

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۳۲، رقم: ۱۷۲۲۶

۲۔ نسائي، السنن، كتاب الأدب، باب بر الوالدين، ۱: ۱۲۰۷، رقم: ۳۶۶۱

۳۔ ابن أبي عاصم، الآحاد والمثاني، ۴: ۳۹۳، رقم: ۲۴۴۱

۴۔ طبراني، المعجم الكبير، ۲۰: ۲۷۰، رقم: ۶۳۸، ۶۳۹

امور حرام ہیں اور ان کے پیچھے کارفرما عوامل کو اچھی نیت کا نام دیا ہی نہیں جا سکتا، کیونکہ برے عمل کی نیت اچھی ہو ہی نہیں سکتی۔ جس طرح اسلام کسی بھی حرام فعل کی ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ بالکل اسی طرح دہشت گردی اور فساد فی الارض پھیلانے والے اعمال بھی حرام ہیں۔

مقامِ غور ہے کہ جب حضور نبی اکرم ﷺ نے جنگ کے دوران مشرکین کے بچوں، بوڑھوں اور عورتوں کو قتل کرنے سے صراحتاً منع فرمایا ہو تو عام حالات میں ان لوگوں کا قتل اسلام کیسے روا رکھ سکتا ہے؟ یہ اسلام کے دینِ امن و رحمت ہونے کی ایک روشن اور واضح دلیل ہے۔

۶۔ غیر مسلم عورتوں کو قتل کرنے کی ممانعت

حضور نبی اکرم ﷺ نے جن عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع فرمایا ہے وہ مومن عورتیں اور مسلمان بچے نہیں بلکہ کفار کی عورتیں اور ان ہی کے بچے ہیں جنہیں میدانِ جنگ میں بھی قتل کرنے کی اجازت نہیں چہ جائیکہ گھروں یا ہسپتالوں میں زیرِ علاج، عبادت گاہوں میں موجود لوگوں پر خودکش بموں کے ذریعے اپنے آپ کو بھی حرام موت کے ذریعے جہنم میں پھینک دیا جائے اور ساتھ میں بیسیوں بے گناہ اور نہتے افراد بھی لقمۂ اجل بن جائیں۔

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

وُجِدَتِ امْرَأَةٌ مَقْتُوْلَةً فِي بَعْضِ مَغَازِي رَسُوْلِ اللهِ ﷺ، فَنَهَى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ.(۱)

کسی غزوہ میں ایک عورت مقتول پائی گئی تو رسول اللہ ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الجهاد والسير، باب قتل النساء في الحرب، ۳: ۱۰۹۸، رقم: ۲۸۵۲

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجهاد والسير، باب تحريم قتل النساء والصبيان في الحرب، ۳: ۱۳۶۴، رقم: ۱۷۴۴

۳۔ ترمذی، السنن، کتاب السير، باب ما جاء في النهي عن قتل النساء والصبيان، ۴: ۱۳۶، رقم: ۱۵۶۹

کرنے کی (سختی سے) ممانعت فرما دی۔

افسوس! اسلام کے نام پر آج کے دور میں روا رکھے جانے والے خودکش حملوں میں مسلمان عورتیں اور بچے بھی محفوظ نہیں، حالانکہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حالتِ جنگ میں بھی غیر مسلم عورتوں کو بھی قتل کرنے سے منع فرمایا ہے۔

۲۔ امام مسلم اپنی صحیح میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ایک خط کا ذکر کرتے ہوئے بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے تحریر فرمایا:

وَإِنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ لَمْ يَكُنْ يَقْتُلُ الصِّبْيَانَ، فَلَا تَقْتُلِ الصِّبْيَانَ. (۱)

بے شک رسول اللہ ﷺ (یعنی عہد نبوی کی مسلم فوج) دشمنوں کے بچوں کو قتل نہیں کرتے تھے، سو تم بھی بچوں کو قتل نہ کرنا۔

۳۔ حضرت رباح بن ربیع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ کے لیے حکم بھیجا:

لَا يَقْتُلَنَّ امْرَأَةً وَلَا عَسِيْفًا. وفي رواية: لَا تَقْتُلَنَّ ذُرِّيَّةً وَلَا عَسِيْفًا. (۲)

---

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب الجهاد والسير، باب النساء الغازيات يرضخ لهن ولا يسهم والنهي عن قتل صبيان أهل الحرب، ۳: ۱۴۴۴، رقم: ۱۸۱۲
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۳۰۸، الرقم: ۲۸۱۲
۳۔ أبو عوانه، المسند، ۴: ۳۳۶، الرقم: ۶۸۹۰

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳:۴۸۸، رقم: ۱۶۰۳۵
۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الجهاد، باب في قتل النساء، ۳:۵۳، رقم: ۲۶۶۹
۳۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الجهاد، باب الغارة والبيات وقتل النساء والصبيان، ۲:۹۴۸، رقم: ۲۸۴۲
۴۔ نسائي، السنن الكبرىٰ، ۵:۱۸۶-۱۸۷، رقم: ۸۶۲۵، ۸۶۲۷
۵۔ حاكم، المستدرك، ۲:۱۳۳، رقم: ۲۵۶۵

(مشرکین کی) عورتوں اور لوگوں کی خدمت کرنے والوں کو ہرگز قتل مت کرنا۔ ایک روایت میں ہے: بچوں اور خدمت گاروں کو ہرگز قتل مت کرنا۔

گویا حضور نبی اکرم ﷺ نے جنگ کے دوران بھی عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے کی صراحت سے ممانعت فرمائی۔ اس کے علاوہ آپ ﷺ نے دورانِ جنگ غیر مسلموں کی عبادت گاہوں کو مسمار کرنے یا ان کے درختوں کو کاٹنے، مکانوں کے منہدم کرنے اور پجاریوں، پادریوں یا راہبوں کو مارنے کی بھی ممانعت فرمائی۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ نے دشمن پر شب خون مارنے سے بھی روک دیا۔

پوری کائنات میں کوئی ایک نظامِ حیات یا مذہب ایسا نہیں ملے گا جو دشمن کی طرف سے اعلانِ جنگ کے بعد بھی اور عین جنگ کے دوران (right in the state of war) بھی رحمت و شفقت کے قاعدوں کو نظرانداز نہ کرے، امن کے قواعد و ضوابط قائم رکھے اور دشمن ہو کر بھی لوگوں کی بھلائی قطع نہ کرے بلکہ جاری رکھے۔ دنیا کا کوئی مذہب کوئی دین، کوئی فلسفۂ حیات اور کوئی درس گاہ ایسی تعلیم نہیں دیتی جو اسلام، قرآن مجید اور تاجدارِ کائنات ﷺ نے اپنی سنت کے ذریعے عطا فرمائی ہے۔

۷۔ خاندانی زندگی کا بنیادی اُصول بھی رحمت پر مبنی ہے

بیویوں اور اہل خانہ پر نرمی اور شفقت کرنے کے حوالے سے حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت سے ایک اور نہایت ایمان افروز اور توجہ طلب واقعہ ہمیں خاندانی زندگی کے بنیادی اصول فراہم کرتا ہے۔ اس کی روح کو ہمیں اپنی زندگیوں میں رائج کرنے کی ضرورت ہے۔ اس حدیث میں تعلیم و تربیت اور تفریح کے بہت سے لطیف گوشے ہیں جو حظ اٹھانے کے بھی ہیں اور تعلیم و تربیت کے حوالے سے بھی اہم ہیں۔ علاوہ ازیں اس میں حضور نبی اکرم ﷺ کی طبیعت کی شگفتگی اور آپ ﷺ کی نفیس و لطیف حسِ مزاح کی جھلک بھی دکھائی دیتی ہے۔

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کا ایک پڑوسی فارس کا

رہنے والا تھا۔ وہ بہت اچھا کھانا پکانے والا تھا۔ اس نے حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں پیش کرنے کے لیے کھانا تیار کیا اور آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں آ کر آپ ﷺ کو دعوت دی کہ یارسول اللہ! میں نے آپ ﷺ کے لیے کھانا تیار کیا ہے چنانچہ آپ ﷺ پڑوس میں ہمارے گھر تشریف لائیں اور کھانا تناول فرمائیں۔

جب حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کی یہ بات سنی تو امّ المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا:

وَهٰذِهٖ لِعَائِشَةَ؟

کیا یہ دعوت عائشہ کے لیے بھی ہے؟

کیونکہ اس نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے لیے دعوت نہیں دی تھی۔ لہٰذا اس نے جواب میں کہا: 'لَا' (یا رسول اللہ!) انہیں دعوت نہیں ہے۔ ممکن ہے اس کے پاس کھانا کم ہو یا اس کے ہاں امّ المومنین رضی اللہ عنہا کو بٹھانے کی کوئی الگ مناسب جگہ نہ ہو۔ بہرصورت اس نے کہا کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا کو دعوت دینے سے معذوری کا اظہار کیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے جواباً فرمایا: 'لَا' یعنی اگر اس کو دعوت نہیں، (اس کے لیے لا ہے) تو میری طرف سے بھی تمہاری دعوت میں شرکت سے لا (انکار) ہے۔ اس نے انکار سنا تو بارِدگر دعوت دی کہ یارسول اللہ! تشریف لے آیئے۔ آپ ﷺ نے دوبارہ فرمایا:

وَهٰذِهٖ لِعَائِشَةَ؟

کیا یہ دعوت عائشہ کے لیے بھی ہے؟

اس نے پھر کہا: یارسول اللہ! ام المؤمنین کی دعوت نہیں ہے۔ اس پر آپ ﷺ نے پھر فرمایا کہ ان کو دعوت نہیں تو میری بھی نہیں۔ اس نے تیسری بار پھر آپ ﷺ کو کھانے کی دعوت دی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے پھر فرمایا:

وَهَذِهٖ؟

کیا یہ (عائشہ) بھی آئے؟

یعنی حضور نبی اکرم ﷺ نے ہر دفعہ بتکرار یہی بات کی۔ چنانچہ وہ سمجھ گیا کہ حضور نبی اکرم ﷺ چاہتے ہیں کہ ام المؤمنین رضی اللہ عنہا بھی ان کے ساتھ ہوں۔ چنانچہ جب تیسری بار حضور نبی اکرم ﷺ نے یہی بات کی تو اس نے کہا:

نَعَمْ. (۱)

جی ہاں! (یارسول اللہ! یہ بھی تشریف لاسکتی ہیں۔)

پھر آپ ﷺ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اُس شخص کے گھر تشریف لے گئے۔

یہاں دو پہلو قابلِ توجّہ ہیں:

(۱) حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت میں خواتین پر شفقت و رحمت، حسنِ سلوک، نرمی، محبت اور ملاطفت کا پیمانہ سامنے آتا ہے۔

(۲) حضور نبی اکرم ﷺ نے گھریلو زندگی کے لیے ایک بنیادی اصول وضع فرمایا کہ جب گھر سے باہر جا کر کھانا کھانے کا کوئی موقع ہوتو اہلِ خانہ کو بھی ساتھ لے جائیں۔

بعض لوگ اس عمل کو خلافِ شریعت سمجھتے ہیں حالانکہ وہ خود بے شمار دعوتیں اڑاتے ہیں مگر اپنے بیوی بچوں کے لیے اسے جائز نہیں سمجھتے۔ یہ تصور من گھڑت اور تنگ نظری پر مبنی ہے جسے حضور نبی اکرم ﷺ نے اس حدیث میں تین بار 'وھذہ' کہہ کر توڑا ہے اور یہ سبق دیا ہے کہ آپ کی خواتین جو صبح و شام آپ کے لیے کھانا پکاتی اور کھلاتی ہیں، آپ کے ذوق کی تسکین کے لیے جو کچھ آپ چاہتے ہیں مہیا کرتی ہیں، لہٰذا اگر کبھی آپ کی گھر سے کہیں باہر دعوت ہو

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الأشربة، باب ما یفعل الضیف إذا تبعه غیر من دعاه صاحب الطعام، ۳: ۱۶۰۹، رقم: ۲۰۳۷
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۲۳، رقم: ۱۲۲۶۵

اور وہاں کوئی اور امر مانع نہ ہوتو آپ اپنے اہلِ خانہ کو بھی ساتھ لے جایا کریں۔ میں تو یہ کہوں گا کہ اس سنت سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ آپ اپنی بیویوں، جو ہمہ وقت آپ کی خدمت کرتی ہیں، اگر آپ کے مالی حالات اس کی اجازت دیں تو ہفتے کے اختتام پر گھر سے باہر کھانا کھلانے لے جائیں تاکہ وہ بھی آپ کے ساتھ گھر سے باہر سکون کا وقت گذاریں اور اس دن ان کی کھانا پکانے کی بھی چھٹی ہو جائے۔ اس لیے کہ نرمی کا یہ سلوک حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت ہے کہ آپ ﷺ اُمّ المؤمنین ﷝ کو اصرار کے ساتھ دعوت پر اپنے ساتھ لے گئے۔

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ جب بھی سفر پر جاتے، اَزواجِ مطہرات میں کسی کو ساتھ لے جانے کے لیے ان کے درمیان قرعہ اندازی فرماتے۔ حضرت عائشہ صدیقہ ﷝ فرماتی ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا أَرَادَ سَفَرًا أَقْرَعَ بَيْنَ نِسَائِهِ، فَأَيَّتُهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا مَعَهُ. (1)

رسول اللہ ﷺ جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی اَزواجِ مطہرات کے درمیان قرعہ اندازی کرتے۔ چنانچہ جس کا قرعہ نکلتا تو اُسے اپنے ساتھ لے جاتے۔

حضور نبی اکرم ﷺ ازواجِ مطہرات کے وقت کے دورانیہ کو بھی تقسیم فرماتے تھے۔

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الهبة وفضلها، باب هبة المرأة لغير زوجها وعتقها، ۲: ۹۱۶، رقم: ۲۴۵۳

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الشهادات، باب في المشكلات، ۲: ۹۵۵، رقم: ۲۵۴۲

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۱۷، رقم: ۲۴۹۰۳

۴۔ أبو داود، السنن، کتاب النكاح، باب في القسم بين النساء، ۲: ۲۴۳، رقم: ۲۱۳۸

۵۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الأحكام، باب القضاء بالقرعة، ۲: ۷۸۶، رقم: ۲۳۴۷

۸۔ خوش گوار گھریلو زندگی کی تلقین

حضور نبی اکرم ﷺ کا اپنی ازواج کے لیے محبت پر مبنی یہ وہ سلوک تھا جس کی آپ ﷺ نے امت کو تعلیم دی ہے۔ آپ ﷺ نے اپنی گھریلو زندگی خود بھی نہایت خوش گوار گزاری اور امت کو بھی خوش گوار گھریلو زندگی گزارنے کی تلقین کی ہے۔ اس کے برعکس ہم نے زندگی کو روکھا پھیکا اور محدود بنا دیا ہے اور اس میں سے تفریح، شفقت، نرمی، خوش طبعی اور لطف اندوزی کے عنصر کو نکال کر اپنے اہل و عیال کے لیے گھر کو جیل خانہ بنا دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی گھریلو زندگی کی سنتوں کا ہماری زندگی میں شعور ہی نہیں رہا۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

خَرَجْتُ مَعَ النَّبِيِّ ﷺ فِي بَعْضِ أَسْفَارِهِ وَأَنَا جَارِيَةٌ لَمْ أَحْمِلِ اللَّحْمَ وَلَمْ أَبْدُنْ، فَقَالَ لِلنَّاسِ: تَقَدَّمُوْا فَتَقَدَّمُوْا.

میں ایک سفر میں رسول اللہ ﷺ کے ساتھ گئی جب میں ابھی نوجوان تھی اور ابھی میرے جسم پہ موٹاپا نہیں آیا تھا۔ (ہم ایک جگہ پہ رکے) تو حضور نبی اکرم ﷺ نے تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم (جو اس سفر میں ہمارے ساتھ تھے) سے فرمایا کہ تم آگے چلے جاؤ (اور خود آپ ﷺ پیچھے رک گئے)۔

جب وہ آگے چلے گئے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے مجھے فرمایا کہ آؤ عائشہ رضی اللہ عنہا میں اور تم دونوں دوڑ کا مقابلہ کرتے ہیں۔

یہ پیغمبر اسلام ﷺ کی سنت ہے۔ کیا گھریلو زندگی میں اور میاں بیوی کے رشتے کا یہ تصور اب ہماری زندگی اور ہمارے معاشرے میں رائج ہے؟ اس کے برعکس اگر آج کوئی مذہبی شخصیت، کوئی عالم یا کوئی دینی سکالر جبہ، قبہ اور عمامہ پہن کر دوڑ پڑے اور اسے کوئی دوڑتا دیکھ لے تو شاید ان کو شک ہو جائے گا کہ اسے کوئی ذہنی مسئلہ ہے۔ اس لیے کہ ہم نے اسلام کا حقیقی تصور اپنی زندگیوں سے ہی نکال دیا ہے۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب دوڑ کا مقابلہ ہوا تو میں آگے بڑھ گئی۔ اس کے بعد فرماتی ہیں کہ اس واقعہ کو ایک زمانہ گزر گیا، میرے جسم میں کچھ فربہی آ گئی (یعنی جسم تھوڑا موٹا ہوگیا) اور میں اُس دوڑ والے واقعے کو بھول بھی گئی۔ دریں حال ہم ایک مرتبہ پھر سفر پر جا رہے تھے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آگے بڑھنے کا حکم فرمایا اور خود ﷺ پیچھے رک گئے۔ جب تمام صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آگے نکل گئے۔ آپ ﷺ نے مجھے پھر فرمایا کہ عائشہ! آؤ آج پھر دوڑ کا مقابلہ کرتے ہیں۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

فَسَابَقْتُهُ فَسَبَقَنِيْ.

میں نے حضور ﷺ کے ساتھ پھر دوڑ کا مقابلہ کیا (لیکن) اس مرتبہ آپ ﷺ مجھ سے آگے بڑھ گئے۔

فَجَعَلَ يَضْحَکُ وَهُوَ يَقُوْلُ: هٰذِهِ بِتِلْکَ. (1)

(میرے کندھے پر آہستگی اور پیار سے اپنا دست مبارک مار کر فرمایا کہ) اے عائشہ! یہ اس دن کی دوڑ کا جواب ہے۔

تفریحی رجحان کی حوصلہ افزائی

حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ بھی دوڑ لگائی ہے اور باقاعدہ کشتی لڑی ہے۔ واقعہ کچھ یوں ہے کہ ایک پہلوان رکانہ نے یہ شرط لگائی کہ میں اسلام اس شرط پر قبول کروں گا کہ آپ ﷺ میرے ساتھ کشتی کریں اور وعدہ کریں کہ اس دوران آپ ﷺ اپنی روحانی طاقت استعمال نہیں کریں گے۔ محض جسمانی طاقت کے ساتھ اگر آپ ﷺ مجھ پر غالب آ گئے اور تو میں اسلام قبول کر لوں گا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کی یہ شرط قبول کرتے ہوئے

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۲۶۴، رقم: ۲۶۳۲۰
۲۔ بیہقی، السنن الکبری، ۱۰: ۱۷، رقم: ۱۹۵۴۳
۳۔ ابن جوزی، صفة الصفوة، ۱: ۱۷۶

اس سے (روحانی طاقت استعمال نہ کرنے کا وعدہ کیا اور) کشتی کر کے اسے پچھاڑ دیا۔ اس طرح وہ پہلوان کلمہ پڑھ کر شرفِ صحابیت پر فائز ہوگیا۔(1)

الغرض انسانی فطرت میں تفریحاتی رجحان کو صحت مندانہ بنانے اور جائز حدود میں لطف اندوز ہونے کے حوالے سے حضور نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ کا یہ ایک نہایت روشن پہلو ہے۔ اس حوالے سے آپ ﷺ صحابہ کرام ؓ میں تیر اندازی، تیراکی اور دوڑ وغیرہ کے مقابلے کرواتے اور اوّل، دوم اور سوم آنے والوں کو انعامات سے بھی نوازتے۔ خود حضور نبی اکرم ﷺ نے بچپن میں تیراکی بھی کی اور تیر اندازی بھی۔ آپ ﷺ لوگوں کے ساتھ اس طرح گھل مل جاتے تھے کہ کسی کو آپ ﷺ سے اجنبیت محسوس نہ ہوتی۔ آپ ﷺ کی حیاتِ طیبہ میں لوگوں کے لیے نرمی، شفقت اور پیار ہوتا چنانچہ جو آپ ﷺ سے جتنا قریب ہوتا وہ آپ ﷺ سے اسی قدر زیادہ محبت کرتا اور آپ ﷺ سے جدا ہونے کا تصور بھی نہ کرسکتا۔

۹۔ ازواجِ مطہرات پر حد درجہ نرمی و رحمت کا اظہار

اگر کسی شخص کی ایک سے زائد بیویاں ہوں تو یہ ایک فطری، طبعی اور بشری پہلو ہے کہ ان میں سے ہر خاتون اپنے حق کی حفاظت کے لیے خاص اہتمام کرتی ہے اور بعض اوقات جذبۂ رشک سے اپنے شوہر یا دیگر بیویوں سے ناراضگی کا اظہار بھی کرتی ہے۔ یہ وہ چیز ہے کہ اگر شوہر اس پر سخت ردِعمل اختیار کرے تو اس سے ازدواجی زندگی کا نظام خراب ہو جاتا ہے اور میاں بیوی کے درمیان جھگڑے شروع ہو جاتے ہیں۔ چونکہ خاوند عورت کے اس طرزِ عمل کے جواب میں چونکہ سختی سے کام لیتا ہے اور اس بات کو نظر انداز کر دیتا ہے کہ یہ ایک فطری اور بشری تقاضا ہے جسے ہر صورت ظاہر ہونا ہی ہے۔

اس تناظر میں دیکھیں تو حضور نبی اکرم ﷺ کی ازواجِ مطہرات جن کی تعداد ۹ تھی۔ ان کے درمیان بھی لامحالہ بحیثیتِ انسان، رشک کا یہ طبعی، بشری اور فطری عنصر موجود رہتا ہو گا

(۱) ۱۔ عبد الرزاق، المصنف، ۱۱: ۴۲۷، رقم: ۲۰۹۰۹
۲۔ بخاری، التاریخ الکبیر، ۱: ۸۲، رقم: ۲۲۱

اور رہتا تھا۔ اس صورتِ حال میں حضور نبی اکرم ﷺ کی سنتِ طیبہ کیا تھی اور آپ ﷺ کا ردِعمل کیا ہوتا تھا؟ حضور نبی اکرم ﷺ اِس موقع پر بھی نہایت محبت و شفقت کا اظہار فرماتے اور کسی بھی حوالے سے ازواجِ مطہرات کے اس ردِعمل پر سختی یا شدت نہ فرماتے تھے۔

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ ازواجِ مطہرات کے درمیان اپنے دن اور راتیں عدل کے ساتھ تقسیم فرماتے۔ سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا أَرَادَ سَفَرًا أَقْرَعَ بَيْنَ نِسَائِهِ، فَأَيَّتُهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا مَعَهُ، وَكَانَ يَقْسِمُ لِكُلِّ امْرَأَةٍ مِنْهُنَّ يَوْمَهَا وَلَيْلَتَهَا.(۱)

رسول اللہ ﷺ جب سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی ازواجِ مطہرات کے درمیان قرعہ ڈالتے۔ سو جس کا قرعہ نکلتا تو اُسے اپنے ساتھ لے جاتے اور آپ ﷺ نے اُن کے درمیان ہر ایک کے لئے ایک رات اور دن کی باری مقرر فرمائی ہوئی تھی۔

۲۔ حضرت انس ابن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ ایک مرتبہ اپنی ایک زوجہ محترمہ کے حجرے میں ان کی باری کے دن تشریف فرما تھے کہ دوسری زوجہ محترمہ نے کوئی اچھا کھانا بنایا اور خادم کے ہاتھ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بھی بھجوا دیا۔ جب وہ خادم پلیٹ میں کھانا لے کر آیا تو حضور نبی اکرم ﷺ جن زوجہ مطہرہ کے گھر قیام فرما تھے، انہیں اس

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الهبة وفضلها، باب هبة المرأة لغير زوجها وعتقها، ۲: ۹۱۶، رقم: ۲۴۵۳
۲۔ بخاری، الصحيح، كتاب الشهادات، باب في المشكلات، ۲: ۹۵۵، رقم: ۲۵۴۲
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۱۷، رقم: ۲۴۹۰۳
۴۔ أبو داود، السنن، كتاب النكاح، باب في القسم بين النساء، ۲: ۲۴۳، رقم: ۲۱۳۸
۵۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الأحكام، باب القضاء بالقرعة، ۲: ۷۸۶، رقم: ۲۳۴۷

www.MinhajBooks.com

بات پر غیرت آئی اور دل میں ناراضگی پیدا ہوئی۔ جس کا سبب یقیناً یہ تھا کہ آٹھ، نو دن کے بعد تو میری باری آئی ہے کہ میں آقا ﷺ کی میزبانی اور خدمت کروں اور جو کچھ توفیق ہو، پکا کر پیش کروں مگر دوسری زوجہ جو اپنی باری میں خدمت کا موقع پہلے ہی حاصل کر چکی ہیں، میری باری میں بھی یہ موقع پھر حاصل کرنا چاہتی ہے۔ یہ فطری چیز تھی۔ لہٰذا انہوں نے اس غیرت میں ذرا غصے میں آ کر ہاتھ مارا اور پلیٹ خادم کے ہاتھ سے نیچے گر کر ٹوٹ گئی۔

یہ عمل حضور نبی اکرم ﷺ کے سامنے ہوا لیکن اس پر آپ ﷺ نہ خفا ہوئے اور نہ کسی قسم کے ردعمل کا مظاہرہ فرمایا بلکہ ناراضگی کا ایک کلمہ تک بھی ادا نہ کیا۔ اس کے برعکس آپ ﷺ نے خود نیچے بیٹھ کر اس پلیٹ کے ٹوٹے ہوئے ٹکڑوں کو جمع کر کے ایک طرف رکھا، جو کھانا گر گیا تھا، اسے جمع کیا اور نئی پلیٹ میں رکھ کر خادم کو واپس بھجوا دیا۔ پھر اتنا ہی نہیں بلکہ رحمتِ عالم ﷺ نے لطیف مزاح کے انداز میں اس زوجہ کو جنہوں نے پلیٹ توڑ دی تھی؛ نصیحت، تربیت اور تلقین بھی فرما دی۔ امام بخاری حضرت انس ﷺ سے مروی اس روایت کو 'کتاب المظالم' میں یوں نقل کرتے ہیں:

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ كَانَ عِنْدَ بَعْضِ نِسَائِهِ فَأَرْسَلَتْ إِحْدَى أُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ مَعَ خَادِمٍ بِقَصْعَةٍ فِيْهَا طَعَامٌ، فَضَرَبَتْ بِيَدِهَا فَكَسَرَتِ الْقَصْعَةَ، فَضَمَّهَا وَجَعَلَ فِيْهَا الطَّعَامَ، (وفی روایة يَقُوْلُ: غَارَتْ أُمُّكُمْ). وَقَالَ: كُلُوْا. وَحَبَسَ الرَّسُولَ وَالْقَصْعَةَ حَتَّى فَرَغُوْا، فَدَفَعَ الْقَصْعَةَ الصَّحِيْحَةَ وَحَبَسَ الْمَكْسُوْرَةَ. (1)

---

(١) ١۔ بخاری، الصحیح، کتاب المظالم، باب إذا کسر قصعة أو شيئا لغيره، ٢: ٨٧٧، رقم: ٢٣٤٩

٢۔ أحمد بن حنبل، المسند، ٣: ١٠٥، رقم: ١٢٠٤٦

٣۔ أبو داود، السنن، کتاب الإجارة، باب فيمن أفسد شيئا يغرم مثله، ٣: ٢٩٧، رقم: ٣٥٦٧

حضور نبی اکرم ﷺ ازواجِ مطہرات میں سے کسی ایک زوجہ کے یہاں تشریف فرما تھے۔ امہات المومنین میں سے کسی دوسری نے وہیں آپ ﷺ کے لیے خادم کے ہاتھ ایک پیالے میں کچھ کھانے کی چیز بھجوائی۔ پہلی زوجہ مطہرہ رضی اللہ عنہا نے ایک ہاتھ اس پیالے پر مارا، اور پیالہ (گر کر) ٹوٹ گیا۔ آپ ﷺ نے پیالے کو جوڑا اور جو کھانے کی چیز تھی اسے اس میں دوبارہ رکھا (ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری ماں کو غیرت آ گئی ہے)۔ پھر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے فرمایا کہ کھاؤ۔ آپ ﷺ نے پیالہ لانے والے (خادم) کو روک لیا اور پیالہ بھی نہیں بھیجا بلکہ جب (کھانے سے) سب فارغ ہو گئے تو دوسرا صحیح پیالہ بھجوا دیا اور جو ٹوٹ گیا تھا اسے نہیں بھجوایا۔

اپنے اس عظیم طرزِ عمل سے حضور نبی اکرم ﷺ نے شوہروں کے لیے سنت وضع کر دی ہے کہ اپنی ازواج کے ساتھ کس طرح رحمت، نرمی اور سہولت سے پیش آیا جائے۔ نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور عبادات کی حد تک تو ہر کوئی سنت کی پیروی کر لیتا ہے مگر پیروی اور اتباع کا لطف تو یہی ہے کہ عبادات سے ہٹ کر جمیع معاملاتِ زندگی میں بھی انسان قدم قدم پر حضور نبی اکرم ﷺ کے **وَاِنَّکَ لَعَلٰی خُلُقٍ عَظِیْم**[(۱)] کے فیض کو جہاں تک ممکن ہو اپنی روزمرہ زندگی کے معاملات میں اختیار کرے اور حتی الامکان خود کو اس رنگ میں رنگنے کی کوشش کرے۔ حقیقت میں یہی متابعتِ رسول ﷺ ہے۔ بول چال، دوسروں کے ساتھ معاملات کرنے، دوسروں کے ساتھ تعلق رکھنے، غصے اور ناراضگی کی کیفیات میں کسی کے ساتھ برتاؤ کرنے، لین دین کرنے، الغرض عبادات سے ہٹ کر زندگی کے مختلف معاملات کو چلانے، سنبھالنے اور انہیں باقاعدہ کرنے کے لیے اللہ رب العزت نے ہمیں حضور نبی اکرم ﷺ کا اسوۂ حسنہ عطا کیا ہے۔ ارشاد فرمایا:

لَقَدْ کَانَ لَکُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ.[(۲)]

فی الحقیقت تمہارے لیے رسول اللہ (ﷺ کی ذات) میں نہایت ہی حسین نمونۂ

(۱) القلم، ۶۸: ۴

(۲) الأحزاب، ۳۳: ۲۱

(حیات) ہے۔

یہ وہ عظیم اور کامل نمونۂ حیات ہے جو لائقِ تقلید اور قابلِ عمل ہے۔ اگر ہم اپنی زندگی کے تمام معاملات کو اس کے تابع کر دیں تو ہماری زندگی کے تمام اعمال و افعال نہ صرف عبادت ہو جائیں گے بلکہ ہم انسانیت کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ کی رحمت و شفقت کو عام کرنے والے بن جائیں گے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ میں جو پیار، نرمی، دوسروں کے لیے سہولت، رحمت اور غیر معمولی حالات میں بھی درشتگی اور سختی پر قابو پانے کے مسلسل رجحان کا گوشہ ہے۔ یہی وہ بنیادی تعلیم ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی سنت کے ذریعے اپنی امت کو عطا فرمائی۔

۱۰۔ خواتین کے لیے تفریح کی اجازت

۱۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میرے پاس گڑیاں تھیں اور میں سہیلیوں کے ساتھ مل کر ان سے کھیلا کرتی تھی۔ شادی کے بعد میری سہیلیاں میرے گھر یعنی بیتِ نبوت میں آ جاتیں۔ اس اثنا میں حضور نبی اکرم ﷺ جب کبھی گھر میں داخل ہوتے اور ہمیں کھیلتے ہوئے دیکھتے تو اعتراض نہ کرتے، بلکہ آپ ﷺ کے حیاء سے میری سہیلیاں ادھر ادھر چھپ جاتیں تو آپ ﷺ انہیں نکال نکال کر میرے پاس لے آتے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ قابلِ توجہ ہیں:

كُنْتُ أَلْعَبُ بِالْبَنَاتِ عِنْدَ النَّبِيِّ ﷺ وَكَانَ لِي صَوَاحِبُ يَلْعَبْنَ مَعِي، فَكَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا دَخَلَ يَتَقَمَّعْنَ مِنْهُ، فَيُسَرِّبُهُنَّ إِلَيَّ فَيَلْعَبْنَ مَعِي. (۱)

میں حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس گڑیوں کے ساتھ کھیلتی رہتی اور میری سہیلیاں بھی میرے ساتھ کھیلا کرتی تھیں۔ جب رسول اللہ ﷺ تشریف لاتے تو وہ اندر چھپ جاتیں۔ آپ انہیں نکال کر میرے پاس لاتے تو وہ میرے ساتھ کھیلتی رہتیں (اور

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب الإنبساط إلی الناس، ۵: ۲۲۷۰، رقم: ۵۷۷۹

۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۲۳: ۲۱، رقم: ۴۶

جب حضور نبی اکرم ﷺ گھر یا حجرہ مبارک میں تشریف فرما ہوتے تو بھی ہمیں کھیلنے سے کبھی منع نہ کرتے)۔

بعض تنگ نظر لوگ ان کھلونوں کو بھی بُت سمجھتے ہیں اور انہیں توڑ کر گھروں سے باہر پھینک دیتے ہیں۔ وہ اپنے بچوں کو ان کے ساتھ کھیلنے کی اجازت نہیں دیتے۔ حالانکہ یہ حدیثِ نبوی بتا رہی ہے کہ اس قسم کے کھلونوں سے کھیلنا بچپن کا فطری تقاضا ہے جس سے بچوں اور خاص طور پر بچیوں کو، اگلی نسلوں کی تربیت کرنے کا سلیقہ آتا ہے۔ آج کل بھی بچیاں ان گڑیاؤں کو فیڈرز سے دودھ پلا رہی ہوتی ہیں، ان کے لیے ماں باپ کو کہہ کر بستر فراہم کرتی ہیں، ان کو سلاتی ہیں۔ چونکہ اللہ رب العزت نے بچیوں کو یہ شرف ان کی فطرت میں رکھا ہے کہ بڑے ہو کر انہوں نے اگلی نسل کی تربیت اور پرورش کرنی ہے۔ چنانچہ وہ اس طرح اپنی گڑیاؤں سے کھیلتی، انہیں نہلاتی، کھلاتی اور سُلاتی ہیں۔ واضح رہے کہ یہ قطعاً بت نہیں۔

۲۔ ایک اور روایت میں حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ہی فرماتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ ایک غزوہ سے واپس تشریف لائے تو کونے میں میری سہیلیاں اور میں گڑیوں کے ساتھ کھیل رہی تھیں۔ آپ ﷺ نے پوچھا:

مَا هَذَا، يَا عَائِشَةُ؟

اے عائشہ! یہ کیا ہے؟

میں نے کہا:

بَنَاتِي.

(یا رسول اللہ!) یہ میری گڑیائیں ہیں۔

یعنی آپ رضی اللہ عنہا نے اپنی گڑیاؤں کے لیے پیار سے 'بنات' کا لفظ استعمال کیا۔ پھر حضور نبی اکرم ﷺ نے ان گڑیاؤں کے درمیان دو پروں والا گھوڑا دیکھا اور فرمایا:

فَرَسٌ لَهُ جَنَاحَانِ؟

عائشہ یہ کیسا گھوڑا ہے کہ اس کے دو پر بھی ہیں؟

میں نے جواب میں عرض کیا:

أَمَا سَمِعْتَ أَنَّ لِسُلَيْمَانَ خَيْلًا لَهَا أَجْنِحَةٌ. (1)

(یا رسول اللہ!) کیا آپ ﷺ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا گھوڑا پروں والا تھا۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے جب یہ سنا تو امّ المومنین رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ آپ ﷺ اتنا ہنسے کہ آپ ﷺ کے دندان مبارک کے طرفین نواجذ نظر آنے لگے۔ آپ ﷺ نے نہ صرف اس جواب سے لطف اٹھایا بلکہ اسے رد بھی نہیں کیا کہ یہ بات تو غلط ہے۔ امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خوشی کو دیکھتے ہوئے کہ وہ اس پروں والے گھوڑے کو حضرت سلیمان علیہ السلام کے گھوڑے سے مشابہت دے کر کے خوش ہو رہی ہیں، ان کے ساتھ رعایت کا وطیرہ اختیار فرمایا۔ یہ حضور نبی اکرم ﷺ کی عظمت ہے کہ آپ ﷺ مقام، مرتبے اور شعور میں بلند ہو کر بھی مخلوقِ الٰہی کے حال کے مطابق 'تنزلِ حال' فرماتے اور ان کے حال کے مطابق رعایت فرماتے۔

۳۔ ہر سال حبشی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم مدینہ طیبہ آتے اور مسجدِ نبوی کے صحن میں اجتماعی عسکری رقص کیا کرتے۔ یہ ایک خاص انداز کا رقص لوگوں میں جوش ابھارنے کے لیے کیا جاتا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا ایک واقعہ روایت کرتی ہیں:

وَاللهِ، لَقَدْ رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ يَقُوْمُ عَلَى بَابِ حُجْرَتِي، وَالْحَبَشَةُ يَلْعَبُوْنَ بِحِرَابِهِمْ فِي مَسْجِدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ، يَسْتُرُنِي بِرِدَائِهِ، لِكَيْ أَنْظُرَ إِلَى لَعِبِهِمْ، ثُمَّ يَقُوْمُ مِنْ أَجْلِي حَتَّى أَكُوْنَ أَنَا الَّتِي أَنْصَرِفُ، فَاقْدِرُوْا قَدْرَ

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الأدب، باب فی اللعب بالبنات، ۴:۲۸۳، رقم: ۴۹۳۲

۲۔ نسائی، السنن الکبری، ۵: ۳۰۶، رقم: ۸۹۵۰

الْجَارِيَةِ الْحَدِيْثَةِ السِّنِّ، حَرِيْصَةً عَلَى اللَّهْوِ.(1)

اللہ تعالیٰ کی قسم! میں (وہ منظر آج بھی) دیکھ رہی ہوں کہ رسول اللہ ﷺ میرے کمرے کے دروازے پر کھڑے تھے اور حبشی اپنے ہتھیاروں سے رسول اللہ ﷺ کی مسجد میں کرتب دِکھا رہے تھے۔ آپ ﷺ مجھے اپنی چادر میں چھپائے ہوئے تھے تاکہ میں اُن کے کرتب دیکھ سکوں۔ آپ ﷺ میری وجہ سے (مسلسل) قیام فرما رہے تھے یہاں تک کہ (میرا جی بھر گیا اور) میں خود وہاں سے چلی گئی۔ اب تم خود اندازہ کر لو کہ نو عمر لڑکی کتنی دیر تک کھیل کو دیکھنے کا شوق رکھتی ہے (یعنی آپ کافی دیر تک کھڑی رہیں اور یہ حضور ﷺ کا اپنی ازواج کے ساتھ حسنِ معاملہ تھا)۔

یعنی حضور نبی اکرم ﷺ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو اپنی چادر کے پیچھے چھپا کر دیر تک اجتماعی رقص دکھاتے رہے۔ یہ آپ ﷺ کی اپنی ازواجِ مطہرات کے ساتھ نرمی، سہولت اور لچک کا مظاہرہ ہے کہ انسان کے فطری تقاضوں کو آپ ﷺ کس حد تک جا کر پورا فرماتے۔

میلاد النبی ﷺ کی خوشیاں منانا: ایک ضمنی بحث

حافظ ابن حجر عسقلانی نے اس حدیث کی شرح کرتے ہوئے اپنی کتاب 'فتح الباری فی شرح صحیح البخاری' میں متعدد طرق و اسانید سے اس موضوع پر کثیر احادیث بیان کی ہیں اور ان حبشی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے مسجد نبوی میں آنے کا سبب بیان کرتے ہوئے ایک بڑی لطیف بات کہی کہ یہ حبشی اس خاص دن مسجدِ نبوی میں کیوں رقص کے ذریعے خوشی کا اظہار کیوں کرتے؟

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب النکاح، باب حسن المعاشرة مع الأهل، ۵:۱۹۸۸، رقم:۴۸۹۴

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب صلاة العیدین، باب الرخصة في اللعب الذي لا معصية فيه في أيام العيد، ۲: ۶۰۹، رقم: ۸۹۲

۳۔ نسائي، السنن، کتاب صلاة العیدین، باب اللعب في المسجد يوم العيد ونظر النساء إلى ذلك، ۳: ۱۹۵، رقم: ۱۵۹۵

حافظ ابن حجر عسقلانی اس کی وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ جس دور میں حضور نبی اکرم ﷺ نے مدینہ طیبہ کی طرف ہجرت فرمائی تو آپ ﷺ کی آمد کی اطلاع پا کر حبشہ کے یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی مدینہ طیبہ آ گئے اور اس خاص دن جب تمام انصارِ مدینہ آپ ﷺ کے استقبال کے لیے جمع تھے، ان حبشی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کی آمد پر استقبال کے لیے رقص کیا تھا۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کے الفاظ کچھ یوں ہیں:

لَمَّا قَدِمَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ الْمَدِينَةَ لَعِبَتِ الْحَبَشَةُ لِقُدُوْمِهِ بِحِرَابِهِمْ فَرَحًا بِذَلِکَ. (۱)

جب رسول اللہ ﷺ ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لائے تو آپ ﷺ کی آمد کی خوشی میں حبشی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے اپنے ہتھیاروں کے ساتھ (رقص کا) کھیل پیش کیا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی لکھتے ہیں:

وَلَا شَکَّ أَنَّ يَوْمَ قُدُومِهِ ﷺ کَانَ عِنْدَهُمْ أَعْظَمَ مِنْ يَوْمِ الْعِيْدِ. (۲)

اس بات میں کوئی شک نہیں ہے کہ آپ ﷺ کی مدینہ منورہ آمد کا دن ان کے نزدیک روزِ عید سے زیادہ خوشی و مسرت کا دن تھا۔

اس حدیث مبارک کا یہ پسِ منظر حافظ ابن حجر عسقلانی نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی صحیح بخاری کی اسی حدیث کی شرح کرتے ہوئے 'فتح الباری' میں درج بھی کیا اور اعتماد بھی کیا۔ وہ اس پر مزید فرماتے ہیں کہ جس دن حضور نبی اکرم ﷺ کی مدینہ طیبہ آمد ہوئی،

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۶۱، رقم: ۱۲۶۷۰
۲۔ أبو داود، السنن، کتاب الأدب، باب فی النهی عن الغناء، ۴: ۲۸۱، رقم: ۴۹۲۳
۳۔ ابو یعلی، المسند، ۶: ۱۷۷، رقم: ۳۴۵۹
۴۔ بخاری، التاریخ الأوسط، ۱: ۸، رقم: ۱۵

(۲) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ۲: ۴۴۳

یہ حبشی صحابہ کرام ﷺ ہر سال اس دن کی یاد میں مسجد نبوی میں اجتماعی رقص کرتے تھے۔

اس حدیث شریف کا یہ پس منظر ہر سال میلاد النبی ﷺ منانے کی بھی دلیل ہے کیوں کہ وہ آپ ﷺ کی آمدِ مدینہ تھی اور میلاد کی خوشیاں منانا عالم ارضی میں تاجدارِ کائنات ﷺ کی آمد ہے۔ وہ مدینہ طیبہ کا قدوم تھا اور یہ عالمِ خلق میں حضور نبی اکرم ﷺ کی ولادت ہے۔ سو جس طرح انصارِ مدینہ اور حبشی صحابہ کرام ﷺ نے آمدِ مدینہ پر حضور نبی اکرم ﷺ کا استقبال کیا، رقص کئے، مدینہ کی بچیوں نے دف بجا کے 'طَلَعَ الْبُدْرُ عَلَیْنَا' پر مشتمل نعتیہ اشعار ترنم کے ساتھ پڑھے اور صحیح مسلم کی حدیثِ صحیح کے مطابق مدینہ کے بوڑھے، جوان، عورتیں، مرد اور بچے سب گلیوں میں جلوس کی صورت میں نکل آئے اور ان سب کی زبانوں پر ایک ہی نعرہ تھا:

یُنَادُوْنَ یَا مُحَمَّدُ، یَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ، یَا مُحَمَّدُ یَا رَسُوْلَ اللهِ ﷺ.(۱)

وہ تمام 'یا محمد'، 'یا رسول اللہ'، 'یا محمد'، 'یا رسول اللہ' کے نعرے بلند کر رہے تھے۔

خواتین اور چھوٹے بچے مکانوں کی چھتوں پر بیٹھ کر ان نعروں کا جواب دیتے رہے۔ دوسرے لفظوں میں جس طرح حبشیوں نے رقص کیے، بچوں نے ترانے گائے، نوجوانوں اور بوڑھوں نے جلوس نکالے، یہ تمام یومِ میلاد النبی ﷺ کے معمولات کی اساس ہیں۔

ہجرتِ مدینہ کا موقع آیا تو ساری دنیا نے دیکھا کہ اہلِ مدینہ نے سرکار ﷺ کی آمد پر کیسے نہ صرف بھرپور خوشیاں منائیں بلکہ یہ حبشی صحابہ کرام ﷺ ہر سال مسجدِ نبوی میں تسلسل سے آ کر حضور ﷺ کی مدینہ آمد اور آپ ﷺ کی اس کرۂ ارضی پر آمد (یعنی ولادت) دونوں کی یاد میں رقص کرتے تھے۔ اس طرح آمدِ سرکار ﷺ پر خوشیاں منانا اہلِ مدینہ کی وہ سنت قرار پائی جس پر عمل کر کے امت ہر سال حضور نبی اکرم ﷺ کی اس دنیا میں آمد کی خوشیاں مناتی ہے۔ آمدِ مصطفیٰ ﷺ کی خوشی اور اس کی یاد منانے پر مبنی یہ وہ پس منظر ہے جس میں یہ حبشی صحابہ کرام ﷺ اپنے مخصوص میں مسجد نبوی کے صحن میں آ کر اجتماعی عسکری رقص کرتے تھے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ حبشی صحابہ کرام ﷺ یہ خوشی مسجدِ نبوی ہی کے صحن میں آ کر کیوں

(۱) مسلم، الصحیح، باب فی حدیث الهجرة، ۴: ۲۳۱۱، رقم: ۲۰۰۹

www.MinhajBooks.com

کیا کرتے تھے؟ کیا مسجدیں کھیل کود اور تماشے کی جگہیں ہوتی ہیں؟ ہرگز نہیں! تو پھر حضور نبی اکرم ﷺ انہیں فرما دیتے کہ تم نے اگر یہ سب کرنا بھی ہے تو مدینہ طیبہ کے کسی چوک، بازار یا کسی کھلے میدان میں کر لو، اگر میں نے بھی دیکھنا ہوا تو وہیں آ جاؤں گا مگر حضور نبی اکرم ﷺ نے ایسا نہیں فرمایا بلکہ اس کے برعکس آپ ﷺ انہیں یہ عسکری رقص مسجد نبوی ہی میں کرنے دیتے، خود بھی دیکھتے، ازواجِ مطہرات کو بھی دکھاتے اور صحابہ کرام ﷺ بھی اسے دیکھتے۔

اس لیے کہ یہ جشنِ آمدِ رسول ﷺ تھا جسے آپ ﷺ نے خود نظارہ فرما کر ایسے اجتماعات کے انعقاد کو اپنی سنت بنا دیا۔ یہ میلاد النبی ﷺ کے اہتمام اور جشن کا جواز ہے اور اس حدیثِ نبوی کے روشنی میں من وجہٍ حضور نبی اکرم ﷺ کی اپنی سنت ہے کیونکہ آپ ﷺ نے اسے نہ صرف خود ملاحظہ فرمایا بلکہ انہیں اس رقص کو مسجدِ نبوی میں منعقد کرنے سے روکا بھی نہیں۔

امام بخاری کے شیخ امام حمیدی اور امام احمد بن حنبل نے اپنی مسانید میں اس روایت کا اگلا حصہ بھی بیان کیا ہے کہ ایک موقع پر حبشی رقص کر رہے تھے تو سیدنا عمر فاروق ﷺ نے تنبیہ کرتے ہوئے سختی کی تو حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ دیکھ کر فاروقِ اعظم ﷺ کو روکتے ہوئے فرمایا:

دَعْهُمْ يَا عُمَرُ. (۱)

اے عمر! تم انہیں چھوڑ دو (یعنی ان کو کھیلنے دو)۔

امام حمیدی سے مروی حدیث کے الفاظ ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اِلْعَبُوْا يَا بَنِي أَرْفِدَةَ، يَعْلَمُ الْيَهُوْدُ وَالنَّصَارٰى أَنَّ فِي دِيْنِنَا فُسْحَةً. (۲)

اے بنو اَرفدہ! تم کھیلو تا کہ یہود و نصاریٰ (یعنی اہل کتاب) جان لیں کہ ہمارے دین میں (سختی نہیں ہے بلکہ اس کے برعکس نرمی، سہولت اور) وسعت ہے۔

---

(۱) أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۰۸، رقم: ۸۰۶۶

(۲) ۱۔ حمیدی، المسند، ۱: ۱۲۳، رقم: ۲۵۴

۲۔ ہیثمی، مسند الحارث، ۲: ۸۲۶، رقم: ۸۶۶

امام احمد بن حنبل نے ’المسند‘ میں یہ الفاظ درج کیے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

يَوْمَئِذٍ لَتَعْلَمُ يَهُودُ أَنَّ فِي دِينِنَا فُسْحَةً، إِنِّي أُرْسِلْتُ بِحَنِيفِيَّةٍ سَمْحَةٍ. (۱)

آج یہود کو یہ بات معلوم ہو جائے کہ ہمارے دین میں وسعت ہے اور بے شک مجھے منفرد اور آسان دین دے کر بھیجا گیا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ مبارکہ کی نرمی اور تلطف کا ایک اور اظہار ہمیں اس واقعہ میں بھی نظر آتا ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ ایک مرتبہ عید کے دن، قبیلہ انصار میں سے دو بچیاں، جو پیشہ ور گانا گانے والی نہ تھیں، میرے گھر پر یومِ بعاث (انصار مدینہ کے دو فریقوں یعنی اوس وخزرج کے درمیان ہونے والی سو سالہ طویل جنگوں کے فیصلے کن معرکہ کا دن) کے جنگی شجاعت و بہادری پر مشتمل نغمات مزامیر یعنی ساز کے ساتھ گا رہی تھیں کہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ گھر میں داخل ہوئے۔ جب انہوں نے یہ سارا کچھ دیکھا تو فرمایا:

أَمَزَامِيرُ الشَّيْطَانِ فِي بَيْتِ رَسُولِ اللهِ ﷺ؟

رسول اللہ ﷺ کے گھر میں یہ شیطانی راگ؟

جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے سختی کے ساتھ یہ کہا تو رسول اللہ ﷺ جو چادر اوڑھے دوسری طرف منہ کئے لیٹے ہوئے بچیوں کو گانے سے منع نہیں فرما رہے تھے، اس پر ارشاد فرمایا:

يَا أَبَا بَكْرٍ، إِنَّ لِكُلِّ قَوْمٍ عِيدًا وَهَذَا عِيدُنَا. (۲)

---

(۱) أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۱۱۶، ۲۳۳، رقم: ۲۴۸۹۹، ۲۶۰۰۴

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب العيدين، باب سنة العيدين لأهل الإسلام، ۱: ۳۲۴، رقم: ۹۰۹

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب صلاة العيدين، باب الرفعة في اللعب الذي لا معصية فيه في أيام العيد، ۲: ۶۰۷، رقم: ۸۹۲

۳۔ ابن ماجه، السنن، كتاب النكاح، باب الغناء والدف، ۱: ۶۱۲، ←

اے ابو بکر! ہر قوم کی عید ہوتی ہے اور یہ ہماری عید ہے۔

دوسری روایت میں یہ الفاظ بھی مروی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

دَعْهُمَا يَا أَبَا بَكْرٍ فَإِنَّهَا أَيَّامُ عِيدٍ. (1)

اے ابوبکر! انہیں مت روکو، یہ عید کے دن ہیں (چنانچہ خوشی کے ان دنوں میں رخصت اور اجازت ہے، انہیں خوشی منا لینے دو۔)

یہ اسلام کا وہ تصور ہے جو وہ اپنے ماننے والوں کو نرمی، سہولت، شفقت، رحمت، محبت اور وسعت کے پیغام کی صورت میں دیتا ہے اور یہ حضور نبی اکرم ﷺ کی اپنی سنت ہے۔

۱۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا اَزواجِ مطہرات کے ساتھ لطیف مزاح

حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرت کا ایک بڑا عجیب واقعہ جو ازدواجی زندگی پر روشنی ڈالتے ہوئے ہمیں رہنمائی فراہم کرتا ہے۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ کے درِ دولت پہ حاضر ہوئے۔ اس وقت حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ گفتگو کر رہی تھیں اور ان کا لہجہ ذرا اونچا تھا جیسا کہ قدرے ناراضگی کے وقت ہوتا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یہ آواز سن لی۔ آپ رضی اللہ عنہ اندر داخل ہوتے ہی اپنی صاحبزادی کی طرف انہیں جھڑکنے یا پکڑنے کے لیے لپکے اور فرمایا:

.... رقم: ۱۸۹۸

۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۳: ۱۸۰، ۱۸۷، رقم: ۵۸۷۱، ۵۸۷۷

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب العيدين، باب إذا فاته العيد يصلي ركعتين، ۱: ۳۳۵، رقم: ۹۴۴

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب صلاة العيدين، باب الرخصة في اللعب الذي لا معصية فيه في أيام العيد، ۲: ۶۰۸، رقم: ۸۹۲

يَا ابْنَةَ أُمِّ رُومَانَ، أَتَرْفَعِيْنَ صَوْتَكِ عَلَى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ؟

اے اُمّ رومان کی بیٹی! کیا تم رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں آواز کو بلند کر رہی ہو؟

یعنی تمہیں یہ جراٴت کیسے ہوئی کہ تم یہ کر رہی ہو۔ یہ کہہ کر جب صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ان کی طرف لپکے تو حدیث مبارک کے الفاظ ہیں:

فَحَالَ النَّبِيُّ ﷺ بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا.

حضور نبی اکرم ﷺ سیدنا ابوبکر رضی اللہ عنہ اور ام المومنین عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا دونوں کے درمیان حائل ہوگئے۔

جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ غصہ کی حالت میں باہر تشریف لے گئے تو حضور نبی اکرم ﷺ اپنی زوجہ مطہرہ کو منانے لگے اور فرمانے لگے:

أَلَا تَرَيْنَ أَنِّي قَدْ حُلْتُ بَيْنَ الرَّجُلِ وَبَيْنَكِ.

(اے عائشہ!) کیا تم نے نہیں دیکھا کہ میں تمہارے اور اس آدمی کے درمیان کس طرح دیوار بن گیا۔

یعنی اشارہ اس امر کا تھا کہ اگر میں درمیان میں نہ آتا تو تمہارے والدِ گرامی آج تمہاری پٹائی کر دیتے۔ کیسی شفقت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی ناراضگی پر خفا نہیں ہوئے بلکہ مزاحیہ انداز میں گویا ہوئے کہ آج میں نے تمہیں بچا لیا۔

تھوڑی دیر بعد پھر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ درِ اقدس پر آئے اور اندر آنے کی اجازت طلب کی، بعد از اجازت اندر داخل ہوئے تو دیکھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے شگفتہ مزاجی سے گفتگو فرما رہے ہیں ۔ یہ منظر دیکھ کر حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے بھی مزاح کا جملہ عرض کیا کہ یا رسول اللہ! جس طرح آپ دونوں نے مجھے اپنی لڑائی میں شامل کیا تھا، اسی طرح اب صلح میں بھی مجھے شامل کریں۔

امام ابو داود نقل کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

قَدْ فَعَلْنَا قَدْ فَعَلْنَا. (1)

(ابوبکر!) ہم نے تمہیں شریک کر لیا، ہم نے تمہیں شریک کر لیا۔

ازواجِ مطہرات کے ساتھ حسنِ سلوک، حسنِ محبت اور حقوقِ ازدواج کی ادائیگی پر مبنی یہ حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا وہ عظیم الشان پہلو ہے جس سے بہتر ازدواجی زندگی کا تصور عقلِ انسانی نہیں کر سکتی۔ اس حدیث کو امام احمد بن حنبل نے 'المسند' میں، امام ابو داؤد نے 'السنن' میں، امام نسائی نے 'السنن الکبریٰ' میں اور امام بزار نے 'المسند' میں رجال صحیح کے ساتھ روایت کیا۔

۱۲۔ خوش گوار گھریلو ماحول کیونکر ممکن ہے؟

حضور نبی اکرم ﷺ کے اِس طرزِ عمل میں ہمارے لیے درس ہے کہ خواتین کے اندر اگر کبھی کوئی ناراضگی کا عنصر پیدا ہو جائے اور وہ اونچی آواز سے بات کر بھی جائیں تو اسے برداشت کیا جائے۔ اس لیے کہ جب وہ سارا دن خاوند کے حقوق ادا کرتی ہیں، اس کے گھر بار اور بچوں کو سنبھالتی ہیں، صبح و شام گھر کی صفائی کرتی ہیں۔ دیگر تمام گھریلو فرائض اور گھر کی ضروریات (جو شرعاً ان کے فرائض میں شامل بھی نہیں) کا خیال رکھتی ہیں تو اِن کی معمولی باتوں پر حد سے زیادہ خفا نہیں ہونا چاہیے اور نہ ہی ان سے تشدد سے پیش آنا چاہیے۔

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۲۷۱، رقم: ۱۸۴۱۸
۲۔ أبو داود، السنن، کتاب الأدب، باب ما جاء في المزاح، ۴: ۳۰۰، رقم: ۴۹۹۹
۳۔ نسائي، السنن الکبری، ۵: ۱۳۹، ۳۵۶، رقم: ۸۴۹۵، ۹۱۵۵
۴۔ بزار، المسند، ۸: ۲۲۳، رقم: ۳۲۷۵
۵۔ هیثمي، مجمع الزوائد، ۹: ۱۲۶

ہمارے معاشرے میں جہاں لوگ ملازموں کے اخراجات برداشت نہیں کر سکتے، وہاں ہماری گھریلو خواتین گھر سے متعلقہ اپنی جملہ ذمہ داریاں انجام دیتی ہیں۔ اگر اتنی ساری بھلائیاں کرتے ہوئے وہ کبھی ناراض ہو کر کچھ اونچا بول بھی لیں تو یہ کہاں کی انسانیت ہے کہ اتنی سی بات پر انہیں سخت جواب دیتے ہوئے ان پر تشدد کیا جائے۔ ہمارے معاشرے میں مرد اپنی مردانگی صرف اپنی بیویوں پر ہی دکھاتا ہے، حالانکہ یہ سراسر اخلاق اور سنتِ نبوی کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ جہاں اتنی بھلائیاں ہوں وہاں سختی کی بات برداشت کرنا تو انتہائی معمولی بات ہونی چاہیے۔ یہی حسنِ سلوک ہے اور یہی اسلام کی رحمت اور شفقت پر مبنی تعلیم ہے۔

اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ نبی اکرم ﷺ نے مجھ سے فرمایا:

إِنِّي لَأَعْلَمُ إِذَا كُنْتِ عَنِّي رَاضِيَةً، وَإِذَا كُنْتِ عَلَيَّ غَضْبَى.

(اے عائشہ!) مجھے فوراً پتہ چل جاتا ہے کہ تم کب مجھ سے راضی (اور خوش) ہوتی ہو اور کب مجھ سے ناراض ہوتی ہو۔

میں نے عرض کیا:

مِنْ أَيْنَ تَعْرِفُ ذٰلِكَ؟

’(یا رسول اللہ!) آپ کو یہ پتہ کس طرح چلتا ہے؟

آپ ﷺ نے جواباً فرمایا:

أَمَّا إِذَا كُنْتِ عَنِّي رَاضِيَةً فَإِنَّكِ تَقُوْلِيْنَ: لَا، وَرَبِّ مُحَمَّدٍ ﷺ، وَإِذَا كُنْتِ غَضْبَي، قُلْتِ: لَا، وَرَبِّ إِبْرَاهِيمَ.

(اے عائشہ!) جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو کہتی ہو: نہیں، ربِ محمد کی قسم! اور جب تم خفا ہوتی ہو تو کہتی ہو: نہیں، ربِ ابراہیم کی قسم!

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان کرتی ہیں کہ میں نے عرض کیا:

وَاللهِ، يَا رَسُوْلَ اللهِ، مَا أَهْجُرُ إِلَّا اسْمَکَ.(۱)

اللہ کی قسم! یا رسول اللہ! اُس وقت میں صرف (ادباً) آپ کا نام لینا چھوڑتی ہوں (یعنی کہیں ناخوشی کی حالت میں آپ کا اسمِ مبارک لینے میں غیر ارادی طور پر معمولی سی بھی بے ادبی نہ ہو جائے)۔

حسنِ سلوک اور حسنِ ادا کا اندازہ کیجئے کہ حضور نبی اکرم ﷺ ان باتوں پر ناراض ہونے کے بجائے کس پر لطف انداز میں اسے نہ صرف بیان کر رہے ہیں بلکہ اسے پسند بھی فرما رہے ہیں۔ اس طرزِ عمل سے آپ ﷺ ازدواجی زندگی میں کوئی تناؤ پیدا نہیں ہونے دے رہے۔ اگر آج بھی سیرتِ محمدی سے اس مزاج کا فیض لیا جائے تو انسان کی زندگی سے ازدواجی معاملات کے اکثر الجھنیں دور ہو جائیں اور روز مرہ زندگی میں ایک دوسرے کے لیے قدرے نرمی اور پیار پر مبنی رویہ وجود میں آ جائے گا جو گھر کی تلخیوں کو خوش گواریوں میں بدل دے۔

۱۳۔ خواتین پر تشدد کی ممانعت

حضور نبی اکرم ﷺ کا طرزِ زندگی ہر لحاظ سے تمام ام المومنین کے ساتھ نرم مزاجی اور لطف و رحمت کا عکاس تھا۔ اسلام نے باہمی ازدواجی رویوں میں کس قدر نرمی اور لطف کی اجازت دی، اس کا اندازہ اس روایت سے ہوتا ہے۔

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب النکاح، باب غيرة النساء ووجدهن، ۵: ۲۰۰۴، رقم: ۴۹۳۰

۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب فضائل الصحابة، باب فضل عائشة رضي الله عنها، ۴: ۱۸۹۰، رقم: ۲۴۳۹

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۶۱، رقم: ۲۴۳۶۳

۴۔ نسائي، السنن الکبری، ۵: ۳۶۵، رقم: ۹۱۵۶

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں:

مَا ضَرَبَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ شَيْئًا قَطُّ بِيَدِهِ وَلَا امْرَأَةً وَلَا خَادِمًا.(1)

رسول اللہ ﷺ نے کبھی کسی کو اپنے ہاتھ سے نہیں مارا، نہ کسی عورت کو اور نہ ہی کسی خادم کو۔

یعنی رسول اللہ ﷺ نے ساری زندگی کسی کو ایک معمولی سا تھپڑ بھی نہیں مارا۔ آپ ﷺ کا پوری زندگی حسنِ اخلاق، نرمی، شفقت و محبت پر مبنی اس عمل کو برقرار رکھنا کہ نہ کبھی کسی خادم کو مارنا، نہ کسی زوجہ کو مارنا، اسلام کے محبت، امن، رحمت اور رعایت ہونے کا بیّن ثبوت ہے۔ یہی وہ انفرادیت ہے جو حقوق اللہ اور حقوق العباد میں توازن پیدا کرتی ہے اور انہی کے سبب ہی یہ دین دوسرے مذاہب سے زیادہ معتدل بن کر نگاہِ سلیم کے سامنے ظہور پذیر ہوتا ہے۔

۱۴۔ خواتین کی حق تلفی سے کلیتًا اجتناب کا حکم

۱۔ جلیل القدر تابعی حضرت عطاء بن ابی رباح رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں اور عبید بن عمیر رضی اللہ عنہ دونوں ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ (واضح ہو کہ صحابہ و تابعین سیدہ عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت میں پردے کے پیچھے رہ کر حاضر ہوتے تھے۔) عبید بن عمیر نے عرض کیا:

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الفضائل، باب مباعدته ﷺ للآثام واختياره من المباح أسهله وانتقامه لله عند انتهاك حرماته، ۴: ۱۸۱۴، رقم: ۲۳۲۸

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۳۱، رقم: ۲۴۰۸۰

۳۔ أبو داود، السنن، كتاب الأدب، باب في التجاوز في الأمر، ۴: ۲۵۰، رقم: ۴۷۸۶

۴۔ ابن ماجه، السنن، كتاب النكاح، باب ضرب النساء، ۱: ۶۳۸، رقم: ۱۹۸۴

أَخْبِرِيْنَا بِأَعْجَبِ شَيْءٍ رَأَيْتِهِ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ؟

آپ نے رسول اللہ ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں جو سب سے حیران کن بات دیکھی ہو اُس کے بارے میں ہمیں بتایئے۔

یہ بات سن کر ام المومنین رضی اللہ عنہا کچھ دیر خاموش رہیں اور پھر فرمانے لگیں کہ ایک رات حضور نبی اکرم ﷺ میرے پاس تشریف لائے۔ اس دن قیام کی باری میرے گھر میں تھی۔ اس رات آپ ﷺ کی طبیعتِ مبارکہ چاہتی تھی کہ آج رات زیادہ وقت اپنے رب کی عبادت میں گزاروں لیکن آپ ﷺ پہلے بستر پر آئے اور مجھ سے فرمانے لگے:

يَا عَائِشَةُ، ذَرِيْنِي أَتَعَبَّدُ اللَّيْلَةَ لِرَبِّي.

اے عائشہ رضی اللہ عنہا (چونکہ آج رات تمہارا حق ہے) کیا تم آج مجھے رخصت دیتی ہو کہ میں آج رات اللہ تعالیٰ کے حضور قیام کرلوں، عبادت کرلوں۔

یہ اسلام کا تصورِ حقوق ہے۔ یہ حقوق اللہ اور حقوق العباد کے درمیان اعتدال کا عملی مظاہرہ ہے کہ عبادت کے معاملہ میں بھی کسی کی حق تلفی نہیں کی جا رہی۔ ایک معمولی حق ہے مگر چونکہ ان کا حق ہے، وقت مقرر کر رکھا ہے لہٰذا ایسا نہیں کیا کہ داخل ہوکر خود فرمایا ہو کہ عائشہ! آج میری طبیعت ہے کہ میں ساری رات اللہ تعالیٰ کی عبادت کروں، لہٰذا میں ایسا کرنے لگا ہوں۔ تمام عالمِ ہست و بود کو آدابِ عبدیت و انسانیت سکھانے والے سراجِ منیر پر قربان کہ آپ ﷺ سردارِ دو جہاں ہوکر بھی اپنی زوجہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے اس لیے اجازت طلب کر رہے ہیں کیونکہ اے عائشہ! آج کی رات تمہارا حق ہے، کیا تم اپنا حق مجھے معاف کرتی ہو اور اجازت دیتی ہو کہ میں آج رات اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بسر کرلوں۔ اس واقعہ سے واضح طور پر سمجھا جا سکتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اسلام میں حقوقِ انسانی کی ادائیگی کا کتنا بلند معیار قائم فرمایا۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ یہ سن کر میں نے عرض کیا:

وَاللهِ، إِنِّي أُحِبُّ قُرْبَکَ، وَأُحِبُّ مَا يَسُرُّکَ. (1)

(یا رسول اللہ!) اللہ کی قسم! مجھے اس سے محبت ہے کہ میری زندگی کے لمحات آپ کے قرب میں گزریں اور مجھے اس عمل سے بھی محبت ہے جو آپ کو خوش کر دے۔

اشارہ اس امر کی طرف ہے کہ یہ بھی میری محبت کی بات ہے کہ اگر آپ ﷺ آج رات عبادت کرنے سے خوش ہیں تو آقا ﷺ میں بھی اس پر خوش ہوں اور میرے لیے یہ بھی میری ہی خوشی کی بات ہے۔ اس اجازت کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ قیام کے لیے کھڑے ہوئے اور آپ ﷺ نے اذانِ فجر تک وہ ساری رات عبادت اور اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں گریہ و زاری میں گزار دی۔ اس حدیث کو امام ابن حبان نے اپنی صحیح میں روایت کیا۔

۲۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ حضور نبی اکرم ﷺ کے درِ دولت پر حاضر ہوئے، باریابی کی اجازت طلب کی اور اجازت ملنے پر اندر تشریف لے گئے، اس وقت کچھ اور لوگ بھی دروازے پر بیٹھے تھے۔ کچھ دیر بعد حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ بھی تشریف لائے اور اجازت ملنے پر اندر حاضر ہو گئے۔ ان دونوں اصحاب کی صاحب زادیاں حضور نبی اکرم ﷺ کی ازواج تھیں، اس لیے انہیں گھر میں داخل ہونے کی اجازت مل گئی۔ یہ دونوں جلیل القدر اصحاب گھر میں داخل ہوئے تو انہوں نے دیکھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ تشریف فرما ہیں اور آپ ﷺ کے اردگرد آپ ﷺ کی ازواجِ مطہرات آپ ﷺ سے گھر کے اخراجات کے حوالے سے گفتگو کر رہی ہیں۔ جب سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ گھر میں داخل ہوئے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے ان سے بطور مزاح فرمایا کہ دیکھیں یہ

---

(۱) ۱۔ ابن حبان، الصحيح، باب التوبة، ذكر البيان بأن المرء عليه إذا تخلى لزوم البكاء، ۲: ۳۸۶، رقم: ۶۲۰

۲۔ منذری، الترغيب والترهيب، ۲: ۲۴۳، رقم: ۲۲۵۵

۳۔ هيثمي، موارد الظمآن، ۱: ۱۳۹، رقم: ۵۲۳

مجھ سے وہ کچھ مانگ رہی ہیں جو میرے پاس نہیں ہے۔ یہ سن کر سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی طرف اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ، حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی طرف اشتعال میں لپکے کہ انہیں ڈانٹیں یا سمجھائیں کہ تم آقا ﷺ کو کیوں پریشان کر رہی ہو اور آپ ﷺ سے تقاضا کیوں کرتی ہو جبکہ تمہیں تمام حالات معلوم بھی ہیں۔ امام احمد بن حنبل روایت کرتے ہیں:

فَنَهَاهُمَا رَسُوْلُ اللهِ ﷺ. (1)

(اس پر) رسول اللہ ﷺ نے ان دونوں کو روک دیا کہ خبردار دونوں کو کچھ نہ کہو۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے اس محبت بھرے عمل کو دیکھتے ہوئے اس وقت ان دونوں ازواج مطہرات نے عرض کیا:

وَاللهِ، لَا نَسْأَلُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ شَيْئًا أَبَدًا لَيْسَ عِنْدَهُ. (2)

اللہ کی قسم! آج کے بعد ہم رسول اللہ ﷺ سے ایسی کسی چیز کا تقاضا اور سوال نہیں کریں گی جو اس وقت آپ ﷺ کے پاس (ظاہراً) نہیں ہوگی۔

حضور نبی اکرم ﷺ بھی ان سے ناراض ہو سکتے تھے کہ خود فرما دیتے کہ کیا مانگتی ہو، تم دیکھتی نہیں کہ میرے پاس (ظاہراً) سامانِ معاش یا وسائل نہیں، میں تمہیں کیا دوں؟ آپ ﷺ نے ایسی کوئی بات نہیں فرمائی، خاموشی سے باتیں سنتے رہے اور مسکرا کر فرمایا بھی تو صرف اتنا

---

(۱) أحمد بن حنبل، المسند، ۳:۳۲۸، رقم: ۱۴۵۵۵

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الطلاق، باب بیان أن تخییر امرأته لا یکون طلاقا إلا بالنیه، ۲: ۱۱۰۴، رقم: ۱۴۷۸

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳:۳۲۸، رقم:۱۴۵۵۵

۳۔ نسائی، السنن الکبری، ۵: ۳۸۳، رقم: ۹۲۰۸

۴۔ أبو یعلی، المسند، ۴:۱۷۵، رقم: ۲۲۵۳

۵۔ أبو عوانة، المسند، ۳: ۱۷۴-۱۷۵، رقم: ۴۵۸۶

۶۔ بیهقی، السنن الکبری، ۷: ۳۸، رقم: ۱۳۰۴۷

ارشاد فرمایا کہ یہ وہ چیز مانگتی ہیں جو میرے پاس نہیں ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر شفقت کا اظہار اس طرح فرمایا کہ جب حضرت ابو بکر صدیق اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہما اپنی اپنی بیٹیوں حضرت عائشہ اور حضرت حفصہ رضی اللہ عنہما کو ڈانٹنے کے لیے آگے بڑھے تو آپ ﷺ نے انہیں بھی کسی قسم کی ڈانٹ ڈپٹ کرنے سے روک دیا۔ یہ اس امر کی طرف اشارہ تھا کہ یہ ناجائز مطالبہ نہیں کر رہیں، یہ ان کا حق ہے لہٰذا ان سے سختی نہ کرو۔ ازواجِ مطہرات اس شفقت پر خود بخود سمجھ گئیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی پوری حیاتِ مبارکہ میں ازواج کے ساتھ کہیں بھی سختی دکھائی نہیں دیتی بلکہ اس کے برعکس آپ ﷺ کی سیرت نے مجموعی طور پر عورت کو وہ بلند مقام عطا کیا ہے کہ مغربی دنیا بزعم خود اپنے تہذیب یافتہ اور ترقی یافتہ کلچر کی بلندیوں پر پہنچ کر بھی آپ ﷺ کے عطا کردہ حقوقِ نسواں اور عظمتِ نسواں کی گرد کو بھی نہیں پا سکی۔ یہاں تک کہ آپ ﷺ نے عورتوں کے ساتھ رویے، برتاؤ اور سلوک میں جس نرمی، شفقت، سہولت، آزادی، رحمت اور ملاطفت کا مظاہرہ فرمایا اس کا تصور بھی عقلِ انسان اور چشمِ فلک نہیں کر سکتی۔ یہ اسلام کا وہ مزاج ہے جو آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ سے تشکیل پاتا ہے۔ آج ہمیں اپنی زندگیوں کو آپ ﷺ کی تعلیماتِ محبت و رحمت سے منور کرنے کی ضرورت ہے۔

فصل نمبر 3

حضور نبی اکرم ﷺ کی بچوں پر رحمت و شفقت

اسلام کے رحمت، شفقت، امن اور سہولت پر مبنی دین ہونے کا ایک اظہار اطفال، اصغار، اولاد اور معاشرے کے تمام چھوٹے بچوں اور نوجوان نسلوں کے لیے رحمت، شفقت، نرمی، محبت، سہولت اور ملاطفت کے حوالے سے بھی سامنے آتا ہے۔ آیئے! اسلامی تعلیمات اور حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے عملی مظاہر کا مطالعہ کرتے ہیں کہ اسلام نے بچوں کے ساتھ کس قدر محبت، نرمی اور ملاطفت سے پیش آنے کا درس دیا ہے۔

۱۔ رحمتِ اِلٰہی کا حصول، اولاد پر رحمت سے مشروط ہے

رحمت کے حصول کے لیے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول نے ظاہری عبادات کی شرط نہیں لگائی بلکہ بچوں اور اولاد پر رحم کرنے سے رحمتِ خداوندی کے آنے کی ضمانت عطا کی ہے۔

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

قَبَّلَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ الْحَسَنَ بْنَ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہما وَعِنْدَهُ الْأَقْرَعُ بْنُ حَابِسٍ التَّمِيْمِيُّ جَالِسًا، فَقَالَ الْأَقْرَعُ: إِنَّ لِي عَشَرَةً مِنَ الْوَلَدِ مَا قَبَّلْتُ مِنْهُمْ أَحَدًا، فَنَظَرَ إِلَيْهِ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ، ثُمَّ قَالَ: مَنْ لَا يَرْحَمُ لَا يُرْحَمُ. (۱)

رسول اللہ ﷺ نے حضرت حسن بن علی رضی اللہ عنہما کو چوما تو آپ ﷺ کے پاس اس وقت اَقرع بن حابس تمیمی بھی بیٹھا تھا، اَقرع بولا: میرے دس بیٹے ہیں میں نے تو کبھی

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب رحمة الولد وتقبیله ومعانقته، ۵:۲۲۳۵، رقم: ۵۶۵۱

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب رحمته ﷺ الصبیان والعیال، ۴: ۱۸۰۷، رقم: ۲۳۱۸

اُن میں سے کسی کو نہیں چوما۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے اس کی طرف دیکھا، پھر فرمایا: جو رحم نہیں کرتا اُس پر رحم نہیں کیا جاتا۔

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے لوگوں کے ساتھ رحم کرنے کو اللہ تعالیٰ سے رحمت کی امید رکھنے کی شرط قرار دیتے ہوئے فرمایا:

لَا يَرْحَمُ اللهُ مَنْ لَا يَرْحَمُ النَّاسَ. (۱)

جو شخص لوگوں پر رحم نہیں کرتا اس پر اللہ ﷻ رحم نہیں کرے گا۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے ان ارشادات کے ذریعے تمام مخلوق اور خاص طور پر اپنی اولاد کے حق میں رحمت و شفقت کا ایک قاعدہ اور کلیہ بیان کر دیا۔ یعنی جس شخص کی طبیعت میں لوگوں کے لیے رحمت، شفقت اور محبت کا عنصر نہیں وہ یہ توقع نہ رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں بھی اس کے ساتھ رحمت اور شفقت کا سلوک کیا جائے گا۔

۳۔ ام المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں دیہاتی لوگوں کا وفد آیا، انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں موجود صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے پوچھا:

أَتُقَبِّلُوْنَ صِبْيَانَكُمْ؟

کیا آپ لوگ اپنے بچوں کو بوسہ دیتے ہیں؟

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب التوحيد، باب قول الله تبارك وتعالى: قل ادعوا الله أو ادعوا الرحمن، ۶: ۲۶۸۶، رقم: ۶۹۴۱

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الفضائل، باب رحمته الصبيان والعيال، ۴: ۱۸۰۹، رقم: ۲۳۱۹

۳۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۵: ۲۱۴، رقم: ۲۵۳۵۶،

۴۔ قضاعي، مسند الشهاب، ۲: ۶۶، رقم: ۸۹۴

۵۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۹: ۴۱، رقم: ۱۷۶۸۲

اس سوال پر صحابہ کرام ﷺ نے کہا: ہاں ہم تو چومتے ہیں۔ جواباً انہوں نے کہا:

وَاللهِ، مَا نُقَبِّلُ.

بخدا! ہم تو اپنے بچوں کو بوسہ نہیں دیتے۔

اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

وَأَمْلِکُ إِنْ کَانَ اللهُ نَزَعَ مِنْکُمُ الرَّحْمَةَ؟(۱)

اگر اللہ تعالیٰ نے تمہارے دل سے رحمت نکال لی ہے تو میں کیا کرسکتا ہوں؟

گویا اپنے بچوں سے محبت کا اظہار اللہ رب العزت کی عطا ہے اور بندے کے حسنِ اخلاق و کردار کی دلیل ہے۔

۴۔ حضرت عبداللہ بن عمرو ﷺ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

الرَّاحِمُوْنَ يَرْحَمُهُمُ الرَّحْمٰنُ. ارْحَمُوْا أَهْلَ الْأَرْضِ يَرْحَمْكُمْ مَنْ فِي السَّمَاءِ.(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب الأدب، باب رحمة الولد وتقبيله ومعانقته، ۵:۲۲۳۵، رقم: ۵۶۵۲

۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب الفضائل، باب رحمته ﷺ الصبيان والعيال وتواضعه وفضل ذلك، ۴:۱۸۰۸، رقم: ۲۳۱۷

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۵۶، رقم: ۲۴۳۳۶

۴۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الأدب، باب برّ الوالد والإحسان إلی البنات، ۲:۱۲۰۹، رقم:۳۶۶۵

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۶۰، رقم: ۶۴۹۴

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب الأدب، باب في الرحمة، ۴: ۲۸۵، رقم: ۴۹۴۱

www.MinhajBooks.com

رحم کرنے والوں پر رحمٰن بھی رحم فرماتا ہے، تم زمین والوں پر رحم کرو آسمان والا (یعنی اللہ تعالیٰ) تم پر رحم فرمائے گا۔

اس حدیث میں حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک قاعدہ بیان کر دیا کہ جو شخص اولاد سے شفقت اور محبت کے ساتھ پیش نہیں آتا وہ کبھی بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے اپنے ساتھ رحمت و شفقت کے معاملہ کی امید نہ رکھے۔ جو بچوں، انسانوں اور دیگر مخلوقات پر رحم نہیں کرتا وہ اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم رہے گا۔

۲۔ حضور ﷺ بچوں پر سب سے زیادہ شفیق تھے

حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے صاحبزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو پرورش کے لیے مدینہ طیبہ کی نواحی بستیوں میں سے ایک میں بھجوایا۔ یہ عرب دنیا کا رواج تھا کہ جب بچہ پیدا ہوتا تو وہ اسے شہروں سے دور بعض قبیلوں اور گھروں میں خواتین کے پاس پرورش پانے اور دودھ پینے کے لیے چھوڑ دیتے۔ یہی وجہ تھی کہ خود حضور نبی اکرم ﷺ کو بھی ولادت باسعادت کے بعد حضرت حلیمہ سعدیہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ قبیلہ بنو سعد میں بھجوایا گیا جہاں آپ ﷺ کی پرورش ہوئی۔ اسی طرح حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو بھی حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک 'مسترضعة' یعنی دودھ پلانے والی خاتون کے پاس بھجوایا۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو جہاں بھیجا ہوا تھا اُن لوگوں کا گھر چھوٹا تھا، جس میں بعض اوقات دھواں بھی بھر جاتا (جیسے کسی چھوٹے سے گھر میں لکڑیوں والا چولہا جلانے سے دھواں بھر جاتا ہے)۔ حضور نبی اکرم ﷺ اپنے شہزادے حضرت ابراہیم رضی اللہ عنہ کو دیکھنے ملنے، پیار کرنے اور چومنے کے لیے اکثر و بیشتر اُس

.... ۳۔ ترمذي، السنن، كتاب البر والصلة، باب ما جاء في رحمة الناس، ۴: ۳۲۳، رقم: ۱۹۲۴

۴۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۵: ۲۱۴، رقم: ۲۵۳۵۵

۵۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۹: ۴۱، رقم: ۱۷۶۸۳

خاتون کے چھوٹے سے گھر میں جاتے۔ ہم بھی حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ جاتے۔ کبھی یوں بھی ہوتا کہ آپ ﷺ آگ جلانے میں ان کی مدد کرتے۔ یعنی حضور نبی اکرم ﷺ اپنے صاحب زادے کی وجہ سے ان گھر والوں پر بھی اتنی شفقت فرماتے۔ آپ ﷺ اپنے شہزادے سے ملاقات کے دوران اُن کو اٹھاتے، پیار کرتے اور چومتے تھے اور اس کے بعد واپس تشریف لاتے۔ یہ عمل آپ ﷺ کے معمولات میں سے تھا۔ آپ ﷺ کے اسی طرح کے طرزِ عمل اور اولاد کے لیے حد درجہ محبت و شفقت کو دیکھتے ہوئے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ مِنْ أَرْحَمِ النَّاسِ بِالصِّبْيَانِ.(۱)

رسول اللہ ﷺ تمام لوگوں میں سب سے بڑھ کر بچوں کے ساتھ محبت کرنے والے تھے۔

۳۔ دورانِ عبادت بچوں کی دل جوئی

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے ایک اور پیار بھرے معمول سے آپ ﷺ کی بچوں کے ساتھ محبت و شفقت مزید نکھر کر سامنے آتی ہے۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي، وَهُوَ حَامِلٌ أُمَامَةَ بِنْتَ زَيْنَبَ بِنْتِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ وَلِأَبِي الْعَاصِ بْنِ الرَّبِيْعِ بْنِ عَبْدِ شَمْسٍ. فَإِذَا سَجَدَ وَضَعَهَا، وَإِذَا قَامَ حَمَلَهَا.(۲)

(۱) ۱۔ ابن عساکر، تاريخ مدينة الدمشق، ۴: ۸۸
۲۔ مناوی، فيض القدير، ۳: ۱۷
۳۔ ملا علی قاری، مرقاة المفاتيح، ۱۰: ۴۸۳، رقم: ۵۸۰۸
۴۔ ابن عساکر، تاريخ مدينة دمشق، ۴: ۸۸

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الصلاة، باب إذا حمل جارية صغيرة على عنقه في الصلاة، ۱: ۱۹۳، رقم: ۴۹۴

جب رسول اللہ ﷺ نماز پڑھتے تو اُمامہ بنتِ زینب بنتِ رسول اللہ ﷺ (یعنی اپنی نواسی) کو اٹھائے ہوتے تھے جو ابو العاص بن ربیع بن عبد شمس سے تھیں۔ جب آپ ﷺ سجدے میں جاتے تو اسے بٹھا دیتے اور جب قیام فرماتے تو اٹھا لیتے۔

بعض محدّثین نے بیان کیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ معمول بالعموم نفلی نمازوں میں تھا کہ جب آپ ﷺ تہجد پڑھ رہے ہوتے یا نوافل ادا کر رہے ہوتے تھے۔ اس دوران وہاں موجود بچی روتی تو اسے اٹھا لیتے۔

۲۔ مگر 'صحیح بخاری' اور 'صحیح مسلم' کی روایات سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ ﷺ نے بعض اوقات فرض نمازوں میں بھی یہی معمول اختیار فرمایا اور اس دوران اپنے صاحب زادوں اور صاحب زادیوں کو اٹھایا۔ حضرت ابو قتادہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ يَؤُمُّ النَّاسَ.(۱)

میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ با جماعت نماز پڑھا رہے ہیں (یعنی امامت کرا رہے ہیں اور اس حال میں بچوں کو اٹھایا ہوا ہے)۔

گویا امام مسلم کی روایت کے مطابق یہ فرض نماز کی ادائیگی کے دوران کا واقعہ ہے، چنانچہ فرض اور نفل نماز میں بچوں کو اٹھانے سے آقا ﷺ کی شفقت و رحمت اور اولاد کے لیے ان کی محبت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ آپ ﷺ ان کی کتنی دل جوئی، رعایت اور نگرانی فرماتے۔

۳۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے حجرۂ اقدس سے متصل سیدہ کائنات حضرت فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا اور سیدنا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کا حجرہ مبارک تھا۔ درمیان میں ایک کھڑکی بھی تھی تاکہ کبھی اگر حضور نبی اکرم ﷺ باتیں کرنا چاہیں تو وہاں سے بھی سیدہ سے باتیں کرسکیں۔ جس طرح آپ ﷺ کے

.... ۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب جواز حمل الصبيان في الصلاة، ۱:۳۸۵، رقم:۵۴۳

(۱) مسلم، الصحيح، كتاب المساجد، باب جواز حمل الصبيان في الصلاة، ۱:۳۸۵، رقم: ۵۴۳

حجرے کا دروازہ مسجدِ نبوی کے صحن میں کھلتا تھا اسی طرح سیدہ فاطمۃ الزہرہ اور سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہما کے حجرۂ مبارک کا دروازہ بھی مسجد نبوی کے صحن میں کھلتا تھا، حتیٰ کہ بعد میں جب دروازے بند کرائے گئے تو آپ ﷺ نے ان کے گھر کا دروازہ بند نہیں کروایا تھا بلکہ یہ مسجد نبوی کے صحن میں بدستور کھلا رکھا۔ دروازے سے جب کوئی بچہ نکلتا تو وہ خود بخود مسجد نبوی میں آ جاتا۔

حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

أَنَّ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ كَانَ يُصَلِّي فَإِذَا سَجَدَ وَثَبَ الْحَسَنُ عَلٰى ظَهْرِهٖ وَعَلٰى عُنُقِهٖ، فَيَرْفَعُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ رَفْعًا رَفِيْقًا لِئَـلَّا يُصْرَعَ، قَالَ: فَعَلَ ذَالِکَ غَيْرَ مَرَّةٍ.

ایک دفعہ رسول اللہ ﷺ نماز پڑھا رہے تھے۔ جب آپ ﷺ سجدہ فرماتے تو حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کی پُشت مبارک اور گردن پر سوار ہو جاتے۔ آپ ﷺ اِس خدشہ سے کہ کہیں وہ گر نہ جائیں آہستہ سے سجدے سے سر اُٹھاتے اور آپ ﷺ نے یہ عمل متعدد مرتبہ دہرایا۔

حضور نبی اکرم ﷺ جب دوبارہ سجدے میں جاتے تو حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ پھر آپ ﷺ کی پشت مبارک پر سوار ہو جاتے چنانچہ آپ جب بھی سجدے سے سر اٹھاتے تو آہستگی سے اٹھاتے تاکہ امام حسن رضی اللہ عنہ وہاں سے گر نہ پڑیں اور یہی عمل پوری نماز میں جاری رہا۔ جب آپ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا:

يَا رَسُوْلَ اللهِ، رَأَيْنَاکَ صَنَعْتَ بِالْحَسَنِ شَيْئًا مَا رَأَيْنَاکَ صَنَعْتَهٗ؟

یا رسول اللہ! ہم نے آپ کا حضرت حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ یہ اندازِ محبت اِس سے قبل نہیں دیکھا۔

یعنی ہر بار وہ آپ ﷺ کی پشت پر سوار ہوا اور آپ ﷺ نے ہر بار اس کا لحاظ کیا، رعایت کی اور اٹھتے ہوئے اس کو نہایت احتیاط سے اتارا، اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّهُ رَيْحَانَتِي مِنَ الدُّنْيَا وَإِنَّ ابْنِي هٰذَا سَيِّدٌ، وَعَسَى اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى أَنْ يُصْلِحَ بِهٖ بَيْنَ فِئَتَيْنِ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ.(۱)

یہ دنیا میں میرا پھول ہے۔ میرا یہ بیٹا سردار ہوگا اور اللہ تبارک و تعالیٰ میرے اِس بیٹے کی بدولت مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کروائے گا۔

یعنی حضور نبی اکرم ﷺ نے اس موقع پر مستقبل اور غیب کی خبر بھی بتا دی کہ اللہ تعالیٰ میرے اس بیٹے حسن کے ہاتھ پر مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کروائے گا اور میرا یہ بیٹا سید ہے۔

۴۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک موقع پر حضور نبی اکرم ﷺ نے دونوں شہزادگان کے لیے فرمایا:

الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّةِ.(۲)

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۵۱، ۴۹، ۴۴، رقم: ۲۰۵۳۵، ۲۰۵۱۷، ۲۰۴۶۶

۲۔ بزار، المسند، ۹: ۱۱۱، رقم: ۳۶۵۷

۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۵: ۴۱۸-۴۱۹، رقم: ۶۹۶۴

۴۔ طبراني، المعجم الکبیر، ۳: ۳۴، رقم: ۲۵۹۱

۵۔ هیثمي، مجمع الزوائد، ۹: ۱۷۵

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳، رقم: ۱۱۰۱۲

۲۔ ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب مناقب الحسن والحسین رضی اللہ عنہما، ۵: ۶۵۶، رقم: ۳۷۶۸

۳۔ ابن ماجه، السنن، المقدمة، باب فضائل أصحاب رسول الله ﷺ، فضل علی بن أبی طالب رضی اللہ عنہ، ۱: ۴۴، رقم: ۱۱۸،

۴۔ نسائی فی السنن الکبری، ۵: ۵۰، رقم: ۸۱۶۹

۵۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۵: ۴۱۲، رقم: ۶۹۵۹

۶۔ ابن أبی شیبة، المصنف، ۶: ۳۷۸، رقم: ۳۲۱۷۶

حسن اور حسین دونوں (شہزادے) جنت کے جوانوں کے سردار ہیں۔[1]

۴۔ حسنین کریمین رضی اللہ عنہما سے اظہارِ محبت

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُصَلِّي فَإِذَا سَجَدَ وَثَبَ الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ رضی اللہ عنہما عَلٰى ظَهْرِهٖ، فَإِذَا أَرَادُوْا أَنْ يَمْنَعُوْهُمَا أَشَارَ إِلَيْهِمْ أَنْ دَعُوْهُمَا، فَلَمَّا صَلّٰى وَضَعَهُمَا فِي حُجْرِهٖ.

حضور نبی اکرم ﷺ نماز ادا فرما رہے تھے، جب سجدہ میں تشریف لے گئے تو حسنین کریمین (امام حسن اور امام حسین رضی اللہ عنہما) آپ ﷺ کی پشت مبارک پر سوار ہو گئے، جب لوگوں نے اُنہیں روکنا چاہا تو آپ ﷺ نے لوگوں کو اشارے سے منع فرما دیا کہ انہیں چھوڑ دو (یعنی سوار ہونے دو)، پھر جب آپ ﷺ نماز ادا فرما چکے تو آپ نے دونوں کو اپنی گود میں لے لیا۔

حضور نبی اکرم ﷺ دورانِ نماز سجدہ لمبا کر دیتے کہ خود اتر جائیں یا اگر وہ نہیں اتر رہے تو آہستہ آہستہ سر اٹھاتے تاکہ وہ آرام سے نیچے اتر آئیں یا دستِ مبارک سے انہیں اتار دیتے۔ آپ ﷺ نے ہمیشہ اس عمل کو جاری رکھا بلکہ آپ ﷺ ان شہزادوں کی شان میں فرماتے:

بِأَبِيْ هُمَا وَأُمِّي، مَنْ أَحَبَّنِي فَلْيُحِبَّ هٰذَيْنِ.[2]

---

(۱) اِس حدیث مبارک کے بارے میں مزید تفصیلات کے لیے راقم کی تالیف - جَلَاءُ الْغُمَّة مِنْ طُرُقِ الْحَدِيْثِ ﴿الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ سَيِّدَا شَبَابِ أَهْلِ الْجَنَّة﴾ (حسن اور حسین تمام جنتی جوانوں کے سردار ہیں) - کا مطالعہ فرمائیں جس میں اِس حدیث مبارک کے 101 طُرُق بیان کیے گئے ہیں۔

(۲) ۱۔ نسائی، السنن الکبریٰ، کتاب المناقب، فضائل الحسن والحسین، ۵: ۵۰، رقم: ۸۱۷۰

www.MinhajBooks.com

میرے ماں باپ ان دونوں (حسن اور حسین) پر قربان ہوں جو شخص مجھ سے محبت کرتا ہے اس پر واجب ہے کہ ان دونوں سے محبت کرے۔

یعنی جو میرے ان شہزادوں، حسن اور حسین سے محبت نہیں کرتا، اس کا میرے ساتھ محبت کا دعویٰ ہرگز قبول نہ کیا جائے گا اور میرے ساتھ محبت اسی کی قبول ہوگی، جو میرے ان شہزادوں سے بھی محبت کرے گا۔

۲۔ ایک اور حدیث میں حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک رات کسی کام کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا، پس آپ ﷺ باہر تشریف لائے تو آپ کسی چیز کو اپنے جسم سے چمٹائے ہوئے تھے جسے میں نہ جان سکا۔ جب میں اپنے کام سے فارغ ہوا تو عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ نے کیا چیز چمٹا رکھی ہے؟ آپ ﷺ نے کپڑا اُٹھایا تو وہ حسن اور حسین رضی اللہ عنہما تھے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے دونوں شہزادوں کے بارے میں فرمایا:

اَللّٰهُمَّ، إِنِّي أُحِبُّهُمَا فَأَحِبَّهُمَا وَأَحِبَّ مَنْ يُّحِبُّهُمَا. (۱)

اے اللہ! میں ان دونوں سے محبت کرتا ہوں تو بھی ان دونوں سے محبت کر اور اِن سے محبت کرنے والے سے بھی محبت کر۔

.... ۲۔ بزار، المسند، ۵: ۲۲۶، رقم: ۱۸۳۴
۳۔ أبو يعلى، المسند، ۸: ۴۳۴، رقم: ۵۰۱۷
۴۔ ابن خزيمة، الصحيح، ۲: ۴۸، رقم: ۸۸۷،
۵۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۶: ۳۷۸، رقم: ۳۲۱۷۴
۶۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۵: ۴۲۶، رقم: ۶۹۷۰
۷۔ طبراني، المعجم الكبير، ۳: ۴۷، رقم: ۲۶۴۴

(۱) ۱۔ ترمذى، السنن، كتاب المناقب، باب مناقب الحسن والحسين رضی اللہ عنہما، ۵: ۶۵۶، رقم: ۳۷۶۹
۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۵: ۴۲۳، رقم: ۶۹۶۷
۳۔ طبراني، المعجم الكبير، ۳: ۳۹، رقم: ۲۶۱۸

۳۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک روز رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس تشریف لائے تو آپ ﷺ کے ایک کندھے پر امام حسن علیہ السلام اور دوسرے کندھے پر امام حسین علیہ السلام سوار تھے۔ آپ ﷺ دونوں کو باری باری چوم رہے تھے یہاں تک کہ آپ ہمارے پاس آ کر رک گئے ایک شخص نے عرض کیا:

يَا رُسُولَ اللهِ، إِنَّکَ تُحِبُّهُمَا؟

یا رسول اللہ! کیا آپ اِن دونوں سے محبت کرتے ہیں؟

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں تو ان سے محبت کرتا ہی ہوں اور تم بھی ان سے محبت کیا کرو کیونکہ:

مَنْ أَحَبَّهُمَا فَقَدْ أَحَبَّنِي وَمَنْ أَبْغَضَهُمَا فَقَدْ أَبْغَضَنِي. (1)

جس نے ان دونوں سے محبت رکھی اس نے مجھ سے محبت رکھی اور جس نے ان سے بغض رکھا اس نے مجھ سے بغض رکھا۔

۴۔ حضرت ابو بریدہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ ہمیں خطبہ دے رہے تھے، اتنے میں حسنین کریمین تشریف لائے، انہوں نے سرخ رنگ کی قمیصیں پہنی ہوئی تھی اور وہ کم عمر ہونے کی وجہ سے لڑکھڑا کر چل رہے تھے۔ رسول اللہ ﷺ انہیں دیکھ کر منبر سے نیچے تشریف لے آئے، دونوں (شہزادوں) کو اٹھایا اور اپنے سامنے بٹھا لیا، پھر فرمایا:

صَدَقَ اللهُ: ﴿إِنَّمَا أَمْوَالُکُمْ وَأَوْلَادُکُمْ فِتْنَةٌ﴾ (2)، فَنَظَرْتُ إِلَى هَذَيْنِ الصَّبِيَّيْنِ يَمْشِيَانِ وَيَعْثِرَانِ، فَلَمْ أَصْبِرْ حَتَّى قَطَعْتُ حَدِيْثِي وَرَفَعْتُهُمَا. (3)

---

(1) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۴۰، رقم: ۹۶۷۱

۲۔ حاکم، المستدرک فی الصحیحین، ۳: ۱۸۲، رقم: ۴۷۷۷

(2) التغابن، ۶۴: ۱۵

(3) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۳۵۴، رقم: ۲۳۰۴۵

اللہ تعالیٰ نے سچ فرمایا ہے: ’تمہارے مال اور تمہاری اولاد آزمائش ہی ہیں۔‘ [التغابن، ۶۴/۱۵] میں نے ان بچوں کو لڑکھڑا کر چلتے دیکھا تو مجھ سے رہا نہ گیا حتی کہ میں نے اپنی بات کاٹ کر انہیں اٹھا لیا۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے اس عمل میں جہاں آپ ﷺ کے دل میں حسن و حسین رضی اللہ عنہما کی عظمت، قدر و منزلت اور رفعت کا بیان ہے کہ کس طرح آپ ﷺ سے محبت کرنے والوں کے ایمان کی حفاظت کے لیے ان کی محبت واجب ہے، وہاں آپ ﷺ امت کو اپنی اولاد سے محبت کرنے کا طریقہ بھی سکھا رہے ہیں اور اولاد کے لیے محبت، رحمت اور شفقت کا ایک مظہر بھی مہیا فرما رہے ہیں کہ اس کا نمونہ، طریقہ اور اُسوہ کیا ہے؟[(۱)]

۵۔ مقامِ امام حسن اور حسین رضی اللہ عنہما بزبانِ مصطفیٰ ﷺ

۱۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں:

رَأَيْتُ النَّبِيَّ ﷺ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہما عَلٰى عَاتِقِهٖ يَقُوْلُ: اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهٗ فَأَحِبَّهٗ.[(۲)]

۲۔ ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب مناقب الحسن والحسین رضی اللہ عنہما، ۵: ۶۵۸، رقم: ۳۷۸۲

۳۔ نسائي، السنن، کتاب صلاة العيدين، باب نزول الإمام عن المنبر قبل فراغه من الخطبة، ۳: ۱۹۲، رقم: ۱۵۸۵

۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۳: ۴۰۳، رقم: ۶۰۳۹

۵۔ بیهقي، السنن الکبری، ۳: ۲۱۸، رقم: ۵۶۱۰

(۱) اِس موضوع پر مزید احادیث و آثار کے لیے راقم کی تالیف - مَرَجَ الْبَحْرَيْن فِي مَنَاقِبِ الْحَسَنَيْن (حسنین کریمین کے فضائل و مناقب) - کا مطالعہ فرمائیں۔

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المناقب، باب مناقب الحسن والحسین رضی اللہ عنہما، ۳: ۱۳۷۰، رقم: ۳۵۳۹

میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو دیکھا کہ آپ ﷺ نے حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ کو اپنے کندھے پر اُٹھایا ہوا تھا اور فرما رہے تھے: اے اللہ! میں اِس سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اِس سے محبت فرما۔

امام مسلم سے مروی ایک اور حدیث کے الفاظ کے یہ ہیں:

اللّٰهُمَّ إِنِّی أُحِبُّهُ فَأَحْبِبْ مَنْ يُحِبُّهُ. (1)

اے اللہ میں اس سے محبت کرتا ہوں، تو بھی اُس سے محبت کر جو اس سے محبت کرے۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ إِنِّي أُحِبُّهُ، فَأَحِبَّهُ وَأَحِبَّ مَنْ يُحِبُّهُ. (2)

اے اللہ میں اِس (حسن رضی اللہ عنہ) سے محبت کرتا ہوں تو بھی اس سے محبت فرما اور جو اس سے محبت کرے تو اس سے بھی محبت فرما۔

یہ حضور نبی اکرم ﷺ کی اپنی اولاد کے لیے محبت کی فراوانی کا عالم ہے کہ ان کے لیے

.... ۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب فضائل الصحابة، باب فضائل الحسن والحسین رضی اللہ عنہما، ۴: ۱۸۸۳، رقم: ۲۴۲۲

۳۔ ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب مناقب الحسن والحسین رضی اللہ عنہما، ۵: ۶۶۱، رقم: ۳۷۸۳

۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۵: ۴۱۶، رقم: ۶۹۶۲

۵۔ ابن أبي شیبة، المصنف، ۶: ۳۸۰، رقم: ۳۲۱۹۲

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب فضائل الحسن والحسین رضی اللہ عنہما، ۴: ۱۸۸۲، رقم: ۲۴۲۱

(۲) بخاری، الصحیح، کتاب فضائل الصحابة، باب مناقب الحسن والحسین رضی اللہ عنہما، ۳: ۱۳۶۹، رقم: ۳۵۳۷

بھی دعا فرما رہے ہیں جو آپ ﷺ کی اولاد سے محبت کرتا ہے۔

۲۔ صحابہ کرام ﷺ فرماتے ہیں کہ ہم حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ایک روز گلی میں نکلے:

فَإِذَا حُسَيْنٌ ﷺ يَلْعَبُ فِي السِّكَّةِ، قَالَ: فَتَقَدَّمَ النَّبِيُّ ﷺ أَمَامَ الْقَوْمِ وَبَسَطَ يَدَيْهِ، فَجَعَلَ الْغُلَامُ يَفِرُّ هَاهُنَا وَهَاهُنَا وَيُضَاحِكُهُ النَّبِيُّ ﷺ.

گلی میں حضرت امام حسین ﷺ کھیل رہے تھے۔ حضور نبی اکرم ﷺ لوگوں سے آگے بڑھ گئے اور اپنے ہاتھ آگے کی طرف پھیلا دیے، صاحبزادے اِدھر اُدھر بھاگنے لگے، اور حضور نبی اکرم ﷺ اُنہیں ہنساتے رہے۔

گویا شہزادہ حسین ﷺ گلی میں، مختلف سمتوں میں دوڑتے رہے اور حضور نبی اکرم ﷺ پیار بھرے انداز سے انہیں پکڑنے اور چومنے کے لیے ان کے پیچھے بھاگتے رہے۔ بالآخر آپ ﷺ نے شہزادے کو پکڑ لیا:

فَجَعَلَ إِحْدٰى يَدَيْهِ تَحْتَ ذَقْنِهٖ وَالْأُخْرٰى فِي فَأْسِ رَأْسِهٖ، فَقَبَّلَهٗ، وَقَالَ: حُسَيْنٌ مِنِّي وَأَنَا مِنْ حُسَيْنٍ، أَحَبَّ اللهُ مَنْ أَحَبَّ حُسَيْنًا، حُسَيْنٌ سِبْطٌ مِنَ الْأَسْبَاطِ.(۱)

آپ ﷺ نے اپنا ایک ہاتھ اُن کی ٹھوڑی کے نیچے اور دوسرا اُن کے سر کے اوپر رکھ

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۷۲، رقم: ۱۷۵۹۷
۲۔ ابن ماجه، السنن، المقدمة، باب فضل الحسن والحسين ابني علي بن أبي طالب ﷺ، ۱: ۵۱، رقم: ۱۴۴
۳۔ بخاری، الأدب المفرد: ۱۳۳، رقم: ۳۶۴
۴۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۶: ۳۸۰، رقم: ۳۲۱۹۶
۵۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۵: ۴۲۷، ۴۲۸، رقم: ۶۹۷۱
۶۔ حاکم، المستدرک فی الصحيحين، ۳: ۱۹۴، رقم: ۴۸۲۰
۷۔ طبراني، المعجم الكبير، ۳: ۳۳، رقم: ۲۵۸۹

لیا پھر اُنہیں چوم کر فرمایا: حسین مجھ سے ہے اور میں حسین سے ہوں۔ اللہ تعالیٰ اُس سے محبت فرمائے جس نے حسین سے محبت کی، حسین (اپنی ذات میں) اقوام میں سے ایک قوم ہے۔

۳۔ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ خطبہ ارشاد فرما رہے ہیں اس اثنا میں سیدنا حسن بن علی رضی اللہ عنہما جو چھوٹے بچے تھے، مسجد میں آپ ﷺ کے پاس آ گئے اور آپ ﷺ نے انہیں اٹھا کر منبر کے اوپر اپنے ساتھ بٹھا لیا۔ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں:

رَأَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ عَلَى الْمِنْبَرِ وَالْحَسَنُ بْنُ عَلِيٍّ رضی اللہ عنہما إِلٰى جَنْبِهِ.

میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو منبر پر دیکھا اور حضرت حسن رضی اللہ عنہ آپ کے پہلو میں بیٹھے تھے۔

حضور نبی اکرم ﷺ جب خطاب فرما رہے ہوتے تو معصوم حسن رضی اللہ عنہ اپنے نانا کے چہرے اقدس کو دیکھ رہے ہوتے کہ بابا جان کیا فرما رہے ہیں اور خود آپ ﷺ بھی ان کی طرف متوجہ ہوتے:

وَهُوَ يُقْبِلُ عَلَى النَّاسِ مَرَّةً وَعَلَيْهِ أُخْرَى.

’آپ ﷺ خطاب کرتے ہوئے ایک بار صحابہ کرام کو دیکھتے اور ایک بار (شفقت اور محبت بھری نگاہ سے) حسن کو دیکھتے۔

آپ ﷺ دیکھتے کہ حسن رضی اللہ عنہ بیٹا کیا سمجھ رہا ہے، کیا دیکھ رہا ہے، اس کا ردِّ عمل اور اس کا تاثر کیا ہے۔ چنانچہ آپ ﷺ پیار سے اسے دیکھتے اور مسکراتے۔ یہ دورانِ خطبہ حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ پر حضور نبی اکرم ﷺ کی شفقت و محبت کا منظر تھا جسے کثیر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے ملاحظہ کیا۔ آخر میں حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ ابْنِي هٰذَا سَيِّدٌ وَلَعَلَّ اللهَ أَنْ يُصْلِحَ بِهِ بَيْنَ فِئَتَيْنِ عَظِيْمَتَيْنِ مِنَ

الْمُسْلِمِيْنَ. (1)

میرا یہ بیٹا سردار ہے اور اللہ تعالیٰ اس کے ہاتھ سے مسلمانوں کے دو بڑے گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا۔

یعنی میں یقین سے بتا رہا ہوں کہ میرا یہ بیٹا سردار ہے اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ یہ مستقبل میں مسلمانوں کے دو عظیم گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا اور تفرقہ ختم کر کے امت کو مجتمع کرے گا۔

(ا) صحابہ کرام ﷺ کے باہمی اختلافات پر امت کا رویہ

درج بالا حدیثِ مبارک میں اشارہ سیدنا علی المرتضیٰ ﷺ کی خلافت راشدہ (جو بالاجماع اور بلا شک و شبہ خلافتِ حقہ تھی) کے اس واقعہ کی طرف ہے جب حضرت امیر معاویہ ﷺ نے اجتہادی خطا کا ارتکاب کرتے ہوئے آپ ﷺ کے دست اقدس پر خلافت کی بیعت کرنے کے بجائے شام میں اپنی خلافت کا اعلان کر دیا تھا۔ واضح رہے کہ اس بات پر پوری امت کا اتفاق اور اجماع ہے کہ مولیٰ علی المرتضیٰ ﷺ کی خلافت، خلافتِ راشدہ تھی، جسے حضور نبی اکرم ﷺ نے یوں بیان فرمایا تھا:

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الصلح، باب قول النبي ﷺ للحسن بن علي، ۲: ۹۶۲، رقم: ۲۵۵۷

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۳۷، رقم: ۲۰۴۰۸

۳۔ أبو داود، السنن، کتاب السنة، باب ما یدلّ علی ترک الکلام فی الفتنة، ۴: ۲۱۶، رقم: ۴۶۶۲

۴۔ نسائی، السنن، کتاب الجمعة، مخاطبة الإمام رعیته وهو علی المنبر، ۳: ۱۰۷، رقم: ۱۴۱۰

۵۔ طبراني، المعجم الکبیر، ۳: ۳۳، رقم: ۲۵۹۰

اَلْخِلَافَةُ بَعْدِي ثَلَاثُوْنَ سَنَةً. (۱)

میرے بعد خلافت یعنی خلافت راشدہ تیس سال تک ہوگی۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے مزید یہ بھی فرمایا تھا:

فَعَلَيْكُمْ بِسُنَّتِيْ وَسُنَّةِ الْخُلَفَاءِ الرَّاشِدِيْنَ الْمَهْدِيِّيْنَ. (۲)

تم پر میری سنت یعنی میرے طریق اور میرے خلفائے راشدین کے طریق پر عمل کرنا واجب ہے۔

چنانچہ حضرت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ انہی خلفائے راشدین ہی میں سے ایک ہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد چھ مہینے تک سیدنا حسن مجتبیٰ رضی اللہ عنہ اہلِ مدینہ اور اہلِ شوریٰ کے اجماع سے مسلمانوں کے خلیفہ رہے اور ان کا عرصۂ خلافت انہی تیس سالوں میں شامل ہے جنہیں حضور نبی اکرم ﷺ نے خلافتِ راشدہ کا زمانہ قرار دیا ہے۔ گو سیدنا علی شیر خدا رضی اللہ عنہ کے زمانے ہی سے حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے ملک شام میں الگ خلافت کا اعلان کر دیا اور امت میں دو متوازی حکومتیں رہیں مگر حدیث و سنت پر قائم اصل عقیدہ یہی ہے کہ حضرت سیدنا علی رضی اللہ عنہ کی خلافت حق ہے۔ ائمہ فقہ ہوں یا ائمہ عقیدہ، ان کا اجماع ہے کہ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام حق نہیں

(۱) ۱۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۵: ۳۹۲، رقم: ۶۹۴۳
۲۔ بزار، المسند، ۹: ۲۸۰، رقم: ۳۸۲۸
۳۔ طبرانی، المعجم الكبير، ۷: ۸۳، رقم: ۶۴۴۳

(۲) ۱۔ أبوداود، السنن، كتاب السنة، باب في لزوم السنة، ۴: ۲۰۰، رقم: ۴۶۰۷
۲۔ ترمذی، السنن، كتاب العلم، باب ما جاء في الأخذ بالسنة واجتناب البدع، ۵: ۴۴، رقم: ۲۶۷۶
۳۔ ابن ماجه، السنن، باب اتباع سنة الخلفاء الراشدين المهديين، ۱: ۱۵، رقم: ۴۲

www.MinhajBooks.com

بلکہ اجتہادی غلطی پر مبنی تھا۔ اہل سنت کی عقائد و فقہ کی تمام کتب میں یہی لکھا ہے۔ امام مرغینانی اور دیگر تمام ائمہ عقیدہ نے لکھا ہے:

وَالْحَقُّ كَانَ بِيَدِ عَلِيٍ ﷺ. (۱)

حق سیدنا علی شیر خدا ﷺ کے ہاتھ میں تھا (یعنی آپ کی طرف تھا)۔

بعض کتب میں یہاں تک بھی آیا ہے:

أَنَّ الْأَمِيْرَ معاوية ﷺ كَانَ بَغٰى عَلٰى عَلِيٍّ ﷺ. (۲)

حضرت امیر معاویہ ﷺ کا اقدام حضرت علی ﷺ کے خلاف خروج تھا۔

مگر صحابی رسول ﷺ ہونے کے ناتے ان پر ملامت، طعن یا تنقید حرام ہے اور ان کے معاملہ میں خاموشی اور سکوت واجب ہے۔ البتہ ان کے اس اقدام کو سیدنا علی المرتضٰی ﷺ کے مقابلے میں نہ درست قرار دے سکتے ہیں اور نہ ہی ان پر طعن و تشنیع کر سکتے ہیں۔ اس لیے کہ رسول اللہ ﷺ کے صحابی ہونے کے ناتے تمام ائمہ اہل سنت ان کا معاملہ اللہ تعالیٰ پر چھوڑتے اور ادباً وتعظیماً سکوت اختیار کرتے ہیں۔

بہر طور خلافت راشدہ کا دور جسے حضور نبی اکرم ﷺ نے '**الخلافة بعدي ثلاثون سنة**' سے تعبیر فرمایا اور اس عرصے کے خلفاء کو '**الخلفاء الراشدين المهديّين**' کہا، اس میں حضرت علی ﷺ کے بعد حضرت حسن مجتبیٰ ﷺ کے دور خلافت کے چھ ماہ بھی شامل ہیں۔ گویا خلافت راشدہ کی ترتیب یوں ہے:

۱۔ سیدنا صدیق اکبر ﷺ ...... اڑھائی سال تقریباً

۲۔ سیدنا عمر فاروق ﷺ ...... دس سال تقریباً

۳۔ سیدنا عثمان غنی ﷺ ...... بارہ سال تقریباً

---

(۱) مرغيناني، الهداية، ۳: ۱۰۲

(۲) أنور شاه كاشميری، فيض الباری شرح صحيح البخاری، ۲: ۱۷۲

۴۔ سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ ...... ساڑھے چار سال تقریباً

۵۔ سیدنا امام حسن المجتبیٰ رضی اللہ عنہ ...... چھ ماہ تقریباً

(۲) تاریخِ اسلام کے مصلحِ اَعظم

حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ نے حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کی خلافت کو تسلیم نہ کیا اور شام میں الگ خلافت کا اعلان کر دیا۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کی شہادت کے بعد ایک طرف امام حسن رضی اللہ عنہ کی خلافت راشدہ تھی اور دوسری طرف حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافتِ شام تھی۔ شام کے لوگ حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے جب کہ دیگر بلادِ اسلام کے مسلمان امام حسن رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ یہ اختلاف چھ ماہ تک جاری رہا اور امت مزید خلفشار کا شکار ہوتی اور بٹتی چلی گئی۔ اس کا حل سیدنا امام حسن رضی اللہ عنہ نے یہ کیا کہ انہوں نے اپنی خلافت راشدہ سے دست برداری اختیار کی اور حضرت امیر معاویہ رضی اللہ عنہ سے مصالحت کر لی تا کہ امت مجتمع ہو جائے۔ اس طرح آپ رضی اللہ عنہ امت کے سب سے عظیم اور سب سے پہلی صلح کے بانی بنے اور اس صلح کا اشارہ آقا علیہ السلام نے مذکورہ حدیث میں دے دیا تھا کہ میرے اس بیٹے کے ذریعے اللہ تعالیٰ مسلمانوں کے دو گروہوں کے درمیان صلح کرائے گا اور متفرق امت کو مجتمع کر دے گا۔

حضرت امام حسن رضی اللہ عنہ حق پر تھے لیکن اس امت کو مجتمع کرنے کی خاطر جو دو حصوں میں بٹ گئی تھی، وہ رضی اللہ عنہ دستبردار ہو کر تاریخ اسلام کے سب سے پہلے مصلحِ اعظم ثابت ہوئے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا اپنے شہزادوں سے محبت و شفقت کا سلوک کرنا ہمارے لیے رہنمائی فراہم کرتا ہے کہ ہم بھی اپنی اولاد سے شفقت اور محبت کا برتاؤ کریں۔

اس عنوان پر متعدد احادیث کے حوالہ جات ذکر کرنے کا مقصود یہ ہے کہ کوئی یہ نہ سمجھے کہ یہ کمزور، ضعیف یا معاذ اللہ موضوع احادیث ہیں یا کسی مکتب فکر کی گھڑی ہوئی ہیں۔ اس لیے کہ ہمارے ہاں یہ بڑی خرابی ہے کہ جو حدیث کسی کے عقیدے، سوچ اور فکر کے ساتھ مطابقت نہیں رکھتی اسے فوراً بغیر تحقیق کے ضعیف، موضوع اور گھڑی ہوئی کہہ دیا جاتا ہے۔ یہ

انتہا پسندی، تنگ نظری اور تعصب ہے حالانکہ ہمیں تنگ نظری کے پردوں کو اٹھا کر دین کی اصل روح کو دیکھنا چاہیے اور تعلیماتِ اسلام کی گہرائی تک پہنچنا چاہیے۔ لہٰذا ہمیں حضور نبی اکرم ﷺ کے اسوۂ مبارکہ کو اپنے اپنے گروہی اور مسلکی اختلافات کی عینک اتار کر سمجھنا چاہیے۔

٦۔ بچوں سے بے حد عفو و درگزر کا اظہار

۱۔ حضرت اُمّ قیس رضی اللہ عنہا اپنے شیرخوار بچے سمیت حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں حاضر ہونے کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرماتی ہیں:

أَنَّهَا أَتَتْ بِابْنٍ لَهَا صَغِيْرٍ، لَمْ يَأْكُلِ الطَّعَامَ إِلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ. فَأَجْلَسَهُ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ فِي حُجْرِهِ، فَبَالَ عَلٰى ثَوْبِهِ، فَدَعَا بِمَاءٍ فَنَضَحَهُ وَلَمْ يَغْسِلْهُ. (۱)

وہ اپنے ایک چھوٹے بچے کو لے کر رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئیں جو اَبھی کھانا نہیں کھاتا تھا (یعنی شِیر خوار تھا)۔ رسول اللہ ﷺ نے اُسے اپنی گود میں لیا تو اس نے آپ کے کپڑوں پر پیشاب کر دیا۔ آپ ﷺ نے پانی منگوا کر اس پر بہا دیا اور اُسے دھویا نہیں۔

۲۔ اُمّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں اکثر چھوٹے بچوں کو لایا جاتا تو آپ ﷺ ان کے لیے دعا فرماتے۔ یہ آپ ﷺ کا معمول تھا۔ ایک مرتبہ ایک چھوٹا بچہ آپ ﷺ کی خدمتِ اقدس میں لایا گیا تو

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الوضوء، باب البول قائما وقاعدا، ۱: ۹۰، رقم: ۲۲۱

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الطهارة، باب حکم المني، ۱: ۲۳۸، رقم: ۲۸۷

فَبَالَ عَلٰى ثَوْبِهِ فَدَعَا بِمَاءٍ فَأَتْبَعَهُ إِيَّاهُ وَلَمْ يَغْسِلْهُ. (۱)

اس (بچے) نے آپ ﷺ کے لباسِ مبارک پر پیشاب کر دیا، آپ ﷺ نے (بغیر چیں بجبیں ہوئے) پانی منگوا کر اس پر بہا دیا اور الگ سے اپنے کپڑوں کو دھویا نہیں۔

ان واقعات سے حضور نبی اکرم ﷺ کی شفقت کے اس پہلو کا اندازہ ہوتا ہے کہ کم سن بچوں کو آپ ﷺ نظر انداز نہ فرماتے بلکہ انہیں محبت سے گود میں بٹھا لیتے اور اگر کبھی ان بچوں سے ناسمجھی کے باعث کوئی ایسا عمل سرزد ہو جاتا تو آپ ﷺ کی طبع مبارک پر ناگواری کے اثرات ظاہر نہ ہوتے بلکہ آپ ﷺ اُن سے درگزر فرماتے۔

۷۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کا اسلوب

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ يَزُوْرُ الْأَنْصَارَ فَيُسَلِّمُ عَلٰى صِبْيَانِهِمْ، وَيَمْسَحُ بِرُؤُوْسِهِمْ، وَيَدْعُوْ لَهُمْ. (۲)

رسول اللہ ﷺ انصار کے پاس تشریف لے جاتے، اُن کے بچوں کو سلام کرتے، اُن کے سروں پر دستِ شفقت پھیرتے اور اُن کے لیے دعا فرماتے۔

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الوضوء، باب بول الصبیان، ۱: ۸۹، رقم: ۲۲۰

۲۔ مالك، الموطأ، كتاب الطهارة، باب ما جاء في بول الصبي، ۱: ۶۴، رقم: ۱۴۰

(۲) ۱۔ نسائي، السنن الكبرى، كتاب المناقب، باب أبناء الأنصار رضی اللہ عنہم، ۵: ۹۲، رقم: ۸۳۴۹

۲۔ ابن حبان، الصحيح، ۲: ۲۰۵-۲۰۶، رقم: ۴۵۹

۳۔ أبو نعيم، حلية الأولياء، ۶: ۲۹۱

یعنی حضور نبی اکرم ﷺ بچوں پر سلام کرنے میں پہل فرماتے پھر انہیں اپنی دعاؤں سے نوازتے۔ بچوں پر یہ رحمت و شفقت آپ ﷺ کا عام معمول تھا۔ آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا بھی یہی طرزِ عمل تھا۔

۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اپنے معمول کا ذکر فرماتے ہیں:

أَنَّهُ مَرَّ عَلٰی صِبْيَانٍ فَسَلَّمَ عَلَيْهِمْ. وَقَالَ: كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يَفْعَلُهُ. (۱)

وہ بچوں کے پاس سے گزرے تو اُنہیں سلام کیا اور فرمایا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا معمول مبارک بھی یہی تھا (کہ آپ ﷺ جب بچوں کے پاس سے گزرتے تو انہیں سلام کرنے میں پہل کرتے)۔

حالانکہ حکم اور شرعی آداب یہ ہیں کہ چھوٹا، بڑے کو سلام میں پہل کرے۔ اس اعتبار سے یہ بھی ہوسکتا تھا کہ حضور نبی اکرم ﷺ پہلے ان بچوں کو سلام کرنے دیتے مگر آپ ﷺ نے یہ نہیں کیا، کیونکہ ان کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ عمل شفقت بھی ہے اور تربیت کا انداز بھی۔

یہی عمل والدین کو کرنا چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کی اس طرح تربیت کریں کہ انہیں اخلاقی اقدار سکھانے کے لیے خود پہل کریں تاکہ بچوں کے سامنے اُن کے والدین ایک آئیڈیل کے طور پر موجود ہوں، جنہیں دیکھ کر وہ اپنی اصلاح بھی کرسکیں اور اعلیٰ اخلاقی اقدار کو بھی اپنے اندر سموسکیں۔ شروع سے بچوں کو تو سمجھ نہیں ہوتی کہ سلام کرنا ہے چنانچہ وہ والدین کے عمل ہی کو دیکھ کر بتدریج انہی کی نقل کرتے ہیں اور ان کے مختلف اعمال کی پیروی کرتے کرتے اپنی زندگی میں خود بخود اسے اپنا لیتے ہیں۔ اس لیے جب بڑا آدمی بچے کو سلام کرے گا اور سلام کرنا جاری رکھے گا تو بچے بھی اس عمل کو تسلسل سے دیکھ کر خود عملی طور پر سمجھ جائیں گے کہ سلام کرنا

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الاستئذان، باب التسلیم علی الصبیان، ۵: ۲۳۰۶، رقم: ۵۸۹۳

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب السلام، باب استحباب السلام علی الصبیان، ۴: ۱۷۰۸، رقم: ۲۱۶۸

لازمی امر ہے، اس طرح یوں وہ بھی سلام میں پہل کرنے لگیں گے۔

۸۔ بچوں کی نفسیات کے مطابق ان سے سلوک

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے، وہ فرماتے ہیں:

خَدَمْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَشْرَ سِنِيْنَ فَمَا قَالَ لِي أُفٍّ وَلَا لِمَ صَنَعْتَ وَلَا أَلَا صَنَعْتَ. (۱)

میں نے دس سال حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت کی، آپ ﷺ نے مجھے کبھی اُف تک نہیں کہا۔ (کسی کام کرنے پر) یہ نہیں فرمایا کہ کیوں کیا، اور (نہ کرنے پر) یہ نہیں فرمایا کہ کیوں نہیں کیا۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے یعنی اس پورے عرصے میں کوئی ایک بھی ایسا سخت جملہ یا سخت لفظ نہیں بولا جس سے آپ ﷺ کی ناراضگی اور مواخذہ مجھ پر ظاہر ہوتا ہو۔ گویا آپ ﷺ نے ہمیشہ درگزر فرمایا اور آپ ﷺ کا یہ عمل ایک دن، ایک مہینے یا چند سال کا نہیں بلکہ فرماتے ہیں کہ دس سال میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کے سفر و حضر کا یہی معمول دیکھا۔ یاد رہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ اپنے بچپن کے ایام کے حوالے سے یہ بیان کر رہے ہیں۔ حالانکہ وہ جب بچے تھے تو یقیناً سو بار غلطیاں اور کوتاہیاں بھی کرتے ہوں گے، لیکن وہ خود فرماتے ہیں کہ اس عرصے میں ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اگر میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کی منشا کے خلاف کوئی کام کیا

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب حسن الخلق والسخاء وما یکره من البخل، ۵: ۲۲۴۵، رقم: ۵۶۹۱
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب کان رسول الله ﷺ أحسن الناس خلقًا، ۴: ۱۸۰۴، رقم: ۲۳۰۹
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۲۶۵، رقم: ۱۳۱۸۲۳
۴۔ ترمذی، السنن، کتاب البر والصلة، باب ما جاء في خلق النبي ﷺ، ۴: ۳۶۸، رقم: ۲۰۱۵

اس پر بھی آپ ﷺ نے کبھی ناراضگی کا اظہار نہیں فرمایا اور نہ ہی مجھے صرف اتنا ہی فرمایا کہ تم نے یہ کام کیوں کیا ہے؟

حضور نبی اکرم ﷺ کے اس عظیم اسوہ کا آج اس جدید دور میں اطلاق کیا جا رہا ہے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت کے لیے ان کی نفسیات کے مطابق رویہ اپنایا جائے اور بچوں کو براہِ راست کسی چیز سے منع نہ کیا جائے یعنی انہیں یہ نہ کہا جائے کہ تم نے ایسا کیوں کیا ہے یا ایسا کیوں نہیں کیا ؟ بلکہ بالواسطہ انہیں سمجھایا جائے تا کہ بچے جھجک محسوس نہ کریں اور کسی بات سے یہ محسوس نہ ہونے دیں کہ ان پر غصہ کیا جا رہا ہے۔ اس لیے کہ بلاواسطہ سمجھانے، جھڑکنے اور غصہ ہونے کے نتیجے میں ان کا حوصلہ اور خود اعتمادی مجروح ہو جاتی ہے۔ چنانچہ ان سے بالواسطہ بات کی جانی چاہیے تا کہ وہ آسانی سے بغیر اپنے ذہن و دل پر کوئی بوجھ لیے سمجھ جائیں کہ انہوں نے جو کیا ہے اسے اس طرح آئندہ نہیں کرنا۔

یہ وہ چیزیں ہیں جو بچوں کے طویل نفسیاتی مطالعے سے پتہ چلتی ہیں اور پھر ان کی روشنی میں پتہ چلتا ہے کہ بچے کی تربیت براہِ راست طریقے سے نہیں کرنی چاہیے۔ یہ آج کے دور کی جدید دریافتیں ہیں مگر حضور نبی اکرم ﷺ آج سے پندرہ صدیاں قبل نہ صرف اس عمل کی نشاندہی فرما رہے ہیں بلکہ اپنی سنت سے بچوں کی اسی طریق سے تربیت بھی فرما رہے ہیں۔

۲۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے ایک اور مقام پر یہ بھی روایت کیا ہے:

خَدَمْتُ النَّبِيَّ ﷺ عَشْرَ سِنِيْنَ. فَمَا أَمَرَنِي بِأَمْرٍ فَتَوَانَيْتُ عَنْهُ أَوْ ضَيَّعْتُهُ فَلَامَنِي. فَإِنْ لَامَنِي أَحَدٌ مِنْ أَهْلِ بَيْتِهِ إِلَّا قَالَ: دَعُوْهُ فَلَوْ قُدِّرَ، أَوْ قَالَ: لَوْ قُضِيَ أَنْ يَكُوْنَ كَانَ.(۱)

میں نے دس سال حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت کی۔ آپ ﷺ جب مجھے کسی کام

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۲۳۱، رقم: ۱۳۴۴۲
۲۔ ابن أبي عاصم، السنة، ۱: ۱۵۷، رقم: ۳۵۵
۳۔ ابن عساکر، تاریخ مدینة دمشق، ۵۰: ۲۵

کرنے کا حکم دیتے اور میں وہ نہ کر سکتا یا کوئی کام خراب کر بیٹھتا تو کبھی مجھے ملامت نہ فرماتے اور اگر آپ ﷺ کے اہلِ خانہ میں سے کوئی مجھے ملامت کرتا تو آپ ﷺ فرماتے: اِسے چھوڑ دو۔ اسی طرح مقدر میں ہوگا۔ یا فرماتے: اگر وہ کام (ہمارے) نصیب میں ہوتا تو ضرور ہو جاتا۔

اس روایت سے یہ بات پتا چلتی ہے کہ بچوں سے اگر غلطی سرزد ہو جائے تو انہیں پیار اور شفقت سے سمجھایا جائے۔ یہ حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت مبارکہ ہے۔ یہی نہیں بلکہ آپ ﷺ کا تو یہ معمول تھا کہ اگر کوئی دوسرا بھی ملامت کرنے لگتا تو اسے بھی منع فرما دیتے۔

۹۔ بچوں کے سکون کے لیے عبادت کو مختصر کر دینا

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنِّي لَأَقُوْمُ فِي الصَّلَاةِ أُرِيْدُ أَنْ أُطَوِّلَ فِيْهَا. فَأَسْمَعُ بُكَاءَ الصَّبِيِّ فَأَتَجَوَّزُ فِي صَلَاتِي كَرَاهِيَةَ أَنْ أَشُقَّ عَلٰى أُمِّهِ.[1]

میں نماز پڑھانے کے لیے کھڑا ہوتا ہوں تو ارادہ کرتا ہوں کہ اُسے طوالت دوں لیکن کسی بچے کے رونے کی آواز سنتا ہوں تو اپنی نماز کو مختصر کر دیتا ہوں، یہ ناپسند کرتے ہوئے کہ (اس کے رونے سے) کہیں اُس کی ماں کے لیے تکلیف کا باعث نہ بن جاؤں۔

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الجماعة والإمامة، باب من أخف الصلاة عند بكاء الصبي، ۱: ۲۵۰، رقم: ۶۷۵

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۳۰۵، رقم: ۲۲۶۵۵

۳۔ أبو داود، السنن، كتاب الصلاة، باب تخفيف الصلاة للأمر يحدث، ۱: ۲۰۹، رقم: ۷۸۹

۴۔ نسائي، السنن، كتاب الإمامة، باب ما على الإمام من التخفيف، ۲: ۹۵، رقم: ۸۲۵

یعنی حضور نبی اکرم ﷺ یہ فرما رہے کہ بعض اوقات جب میں باجماعت نماز شروع کرتا ہوں تو دورانِ نماز ارادہ کرتا ہوں کہ میں اس رکعت میں طویل قرأت کروں لیکن اتفاقاً مسجد کے کسی کونے سے بچے کے رونے کی آواز آتی ہے (کیونکہ اس وقت عورتیں اپنے چھوٹے بچوں کو اپنے ساتھ ہی مسجدِ نبوی میں لاتیں چونکہ اس دور میں ہر کسی کے پاس ملازمائیں نہیں ہوتی تھیں لہٰذا وہ نماز کے وقت اپنے بچوں کو ایک طرف بیٹھا دیتیں) تو میں اس کے رونے کی وجہ سے اپنی نماز مختصر کر دیتا ہوں۔ یعنی میں طویل قرأت کے اپنے ارادے کو صرف اس خیال سے چھوڑ دیتا ہوں کہ بچے کے رونے سے ماں کو پریشانی لاحق ہو گی۔ میں نہیں چاہتا کہ بچہ بھی روتا رہے اور ماں کی بے چینی بھی قائم رہے، لہٰذا میں نماز کو مختصر کر کے ختم کر دیتا ہوں۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے اس عملِ مبارک سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ آپ ﷺ بچوں پر کس قدر شفقت فرماتے اور بچوں کی تکلیف کو کتنی اہمیت دیتے تھے۔ لمبا یا چھوٹا قیام فرائض میں سے نہیں بلکہ امام کی صوابدید پر ہے کیونکہ علی الاقل اگر سورہ فاتحہ کے بعد کسی نے تین آیتیں بھی پڑھ لیں تو اس کی نماز ہو جاتی ہے مگر لمبا قیام اور طویل قرأت افضل ہے۔ اگرچہ یہ ایک نفلی چیز ہے مگر دیکھنے کی بات یہ ہے کہ وہ نفلی عبادت جس کا ارادہ حضور نبی اکرم ﷺ خود فرما رہے ہیں، آپ اس افضل عمل کو صرف ایک بچے کے رونے اور اس کی ماں کی پریشانی کے باعث ترک کر رہے ہیں۔ یہ آپ ﷺ کی شفقت، رحمت اور محبت کے عملی مظاہر میں سے ایک عمل ہے۔

۲۔ اسی تناظر میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِذَا أَمَّ أَحَدُكُمُ النَّاسَ، فَلْيُخَفِّفْ، فَإِنَّ فِيهِمُ الصَّغِيرَ وَالْكَبِيرَ وَالضَّعِيفَ وَالْمَرِيضَ. فَإِذَا صَلَّى وَحْدَهُ فَلْيُصَلِّ كَيْفَ شَاءَ. (۱)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الجماعة والإمامة، باب إذا صلى لنفسه فليطول ما شاء، ۱: ۲۴۸، رقم: ۶۷۱

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الصلاة، باب أمر الأئمة بتخفيف الصلاة في تمام، ۱: ۳۴۱، رقم: ۴۶۷

جب تم نماز میں لوگوں کی امامت کرو تو نماز کو مختصر کرو کیونکہ تمہاری اِقتداء میں چھوٹے بچے بھی ہوں گے، ضعیف اور بوڑھے بھی ہوں گے اور کم زور اور مریض بھی ہوں گے (لہٰذا ان سب کا خیال رکھو)۔ البتہ جب تنہا نماز پڑھ رہے ہو تو پھر جتنی چاہو قراءت لمبی کرو۔

یہی اسلام کی حقیقی تصویر اور پیغمبر اسلام ﷺ کی سنتِ مطہرہ و سیرتِ طیبہ ہے جس میں اِنسانی اَقدار، دوسروں کے دکھ، درد اور انسان کی شخصی وطبعی اور ذاتی مجبوریوں کے ساتھ ساتھ اس کے جذبات ومحسوسات اور مسائل کا اس قدر خیال رکھا جاتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نہ صرف نماز میں طویل قیام کا ارادہ ترک کر کے اپنی نماز مختصر کر دیتے ہیں بلکہ اپنے اس عمل کو تعلیمِ اُمت کے لیے صراحتاً بیان بھی فرماتے ہیں۔ سو حضور نبی اکرم ﷺ نے عبادت میں بھی نرمی اختیار کرنے کا ایک بنیادی اُصول عطا کر دیا کہ امام کو اپنے مقتدیوں کا خیال رکھنا چاہیے۔ آقا ﷺ کے ان فرامین سے واضح ہوتا ہے کہ آپ ﷺ کے اندازِ فکر کی بنیاد ہمیشہ لوگوں کے لیے آسانی، نرمی، سہولت اور رحمت وشفقت پر مبنی رہی۔

۱۰۔ بچوں پر رحم نہ کرنے والے سے اظہارِ لاتعلقی

حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَيَعْرِفْ شَرَفَ كَبِيْرِنَا. (۱)

وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے جو ہمارے چھوٹوں پر رحم نہ کرے اور ہمارے بڑوں کی قدر ومنزلت نہ پہچانے۔

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۸۵، رقم: ۶۷۳۳

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الأدب، باب في الرحمة، ۴: ۲۸۶، رقم: ۴۹۴۳

۳۔ ترمذی، السنن، كتاب البر والصلة، باب ما جاء في رحمة الصبيان، ۴: ۳۲۲، رقم: ۱۹۲۰

۴۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۱: ۱۳۱، رقم: ۲۰۹

غور کریں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ’لَيْسَ مِنَّا‘ کے ذریعے کتنی سخت تنبیہ فرمائی ہے کہ بڑوں کی تعظیم و تکریم اور چھوٹوں پر رحمت و شفقت نہ کرنے والے شخص کا ہمارے ساتھ کوئی تعلق نہیں یعنی وہ ہماری امت میں سے نہیں۔ درحقیقت آپ ﷺ نے اس حدیث کے ذریعے امت کو نہایت اعلیٰ درجہ کے اخلاق کی تعلیم دی ہے جو تمام انسانی اقدار کی جامع ہے۔ اس سے بڑھ کر اور کون سا دین ہوگا جو انسانی حقوق کا اس قدر خیال کرے کہ ’حَقَّ كَبِيْرِنَا‘ کہہ کر ہر بڑی عمر والے شخص (خواہ وہ نیک ہو یا بد) کے ساتھ ادب و تکریم سے پیش آنے کو اس کا حق قرار دے کر دیگر افرادِ امت پر بزرگوں کی تعظیم کو واجب کر دے اور یوں ہی اپنے سے چھوٹی عمر والے افراد پر شفقت کو ان کا حق قرار دے اور بقیہ امت پر ان کے ساتھ رحمت و شفقت سے پیش آنے کو واجب کر دے خواہ وہ کم سِن شرارتی ہو یا نیک، یہ اس کا ذاتی عمل ہے۔

حدیث مبارک میں ’مَنْ لَمْ يَعْرِفْ حَقَّ كَبِيْرِنَا‘ کی صورت میں بزرگ شہریوں کا ذکر ہے، اس لیے یہ وضاحت ضروری ہے کہ آج کے دور میں بطورِ خاص بزرگ شہریوں کے لیے جن خصوصی مراعات اور اُن کے حقوق کا اہتمام کیا جاتا ہے، یہ تصور سب سے پہلے حضور نبی اکرم ﷺ ہی نے دنیا کو متعارف کرایا ہے جبکہ جدید دنیا آج اس تصور سے آشنا ہو رہی ہے۔

١١۔ بچیاں والدین کی بخشش کا باعث ہیں

١۔ اُم المؤمنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا بیان فرماتی ہیں:

جَاءَتْنِي امْرَأَةٌ وَمَعَهَا ابْنَتَانِ لَهَا. فَسَأَلَتْنِي فَلَمْ تَجِدْ عِنْدِي شَيْئًا غَيْرَ تَمْرَةٍ وَاحِدَةٍ، فَأَعْطَيْتُهَا إِيَّاهَا. فَأَخَذَتْهَا فَقَسَمَتْهَا بَيْنَ ابْنَتَيْهَا وَلَمْ تَأْكُلْ مِنْهَا شَيْئًا. ثُمَّ قَامَتْ فَخَرَجَتْ وَابْنَتَاهَا. فَدَخَلَ عَلَيَّ النَّبِيُّ ﷺ فَحَدَّثْتُهُ حَدِيْثَهَا.

میرے پاس ایک عورت آئی اور اس کے ساتھ اس کی دو بیٹیاں بھی تھیں۔ اس نے مجھ سے (کھانے کا) سوال کیا۔ میرے پاس ایک کھجور کے سوا اور کوئی چیز نہ تھی۔

میں نے وہ کھجور اُس کو دی تو اُس نے وہ کھجور لے کر (اس کے دو ٹکڑے کر کے) اُنہیں اپنی دونوں بیٹیوں میں تقسیم کر دیا اور خود اس میں سے کچھ نہ کھایا۔ پھر وہ کھڑی ہوئی اور وہ اور اس کی دونوں بیٹیاں چلی گئیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ میرے پاس تشریف لائے تو میں نے آپ کے سامنے اس عورت کا واقعہ بیان کیا۔

اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ

مَنِ ابْتُلِيَ مِنَ الْبَنَاتِ بِشَيءٍ فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ، كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ. (۱)

جس شخص کو ان بیٹیوں (کی پرورش اور تربیت) سے آزمایا جائے اور وہ ان کے ساتھ حسنِ سلوک کرے تو وہ بچیاں اس کے لیے جہنم سے رکاوٹ اور بچاؤ (کا سبب) بن جاتی ہیں۔

یعنی بچیوں پر شفقت کرنا اتنی بڑی نیکی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اس شفقت، محبت اور حسنِ سلوک کے عوض اللہ تعالیٰ ان بچیوں کو ان کی شفاعت کرنے والا بنائے گا اور وہ اس کے لیے باعثِ بخشش بن جائیں گی۔

۲۔ حضرت انس بن مالک ﷜ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا، جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ، وَضَمَّ أَصَابِعَهُ. (۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الزکاة، باب اتقوا النار ولو بشق تمرة، ۲: ۵۱۴، رقم: ۱۳۵۲

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة والآداب، باب فضل الإحسان إلی البنات، ۴: ۲۰۲۷، رقم: ۲۶۲۹-۲۶۳۰

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة والآداب، باب فضل الإحسان إلی البنات، ۴: ۲۰۲۷، رقم: ۲۶۳۱

۲۔ ترمذی، السنن، کتاب البر والصلة، باب ما جاء في النفقة علی البنات والأخوات، ۴: ۳۱۹، رقم: ۱۹۱۴

۳۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۵: ۲۲۲، رقم: ۲۵۴۳۹

جس شخص نے دو بچیوں کی بلوغت تک پرورش کی، قیامت کے دن میں اور وہ (اس طرح اکٹھے) آئیں گے۔ (یہ فرماتے ہوئے) آپ ﷺ نے اپنی دو انگلیوں کو ملا دیا۔

یعنی وہ اور میں قیامت کے دن اس طرح اکٹھے ہوں گے جس طرح یہ دو انگلیاں اکٹھی ہیں۔ گویا یومِ قیامت وہ میرا ساتھی ہوگا۔ صاف ظاہر ہے کہ جو محشر میں حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ جڑا ہوگا، اس پر ہونے والی رحمتوں کا کوئی کیا اندازہ کر سکتا ہے۔ گویا حضور نبی اکرم ﷺ نے بچیوں پر شفقت فرمانے والے کو بخشش کی ضمانت عطا فرما دی۔

۳۔ حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ سے مروی حدیث کا مفہوم اس طرح ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس نے اپنی تین بیٹیوں کی اچھی پرورش اور اچھی تربیت کے ذریعے انہیں نیک اور صالح بنایا تو وہ اس کی شفاعت کریں گی اور اس کے لیے جنت واجب ہو جائے گی۔ کسی نے پوچھا یا رسول اللہ! اگر کسی کی تین بیٹیاں نہ بلکہ دو ہوں! حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: اگر دو ہوں اور اس نے ان دو کی بھی اچھی پرورش اور نیک تربیت کی تو اس کے لیے بھی جنت ہوگی۔ پھر کسی شخص نے کہا: یا رسول اللہ! اگر کسی کی ایک ہی بیٹی ہو۔ اس پر بھی آپ ﷺ نے فرمایا کہ اگر ایک کے ساتھ بھی اس نے ایسا سلوک کیا تو بھی والدین کے لیے جنت واجب ہوگی۔(۱)

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۵۴، رقم: ۱۷۴۳۹
۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الأدب، باب بر الوالد والإحسان إلی البنات، ۲: ۱۲۱۰، رقم: ۳۶۶۹
۳۔ أبو یعلی، المسند، ۳: ۲۹۹، رقم: ۱۷۶۴
۴۔ طبراني، المعجم الکبیر، ۱۷: ۲۹۹، رقم: ۸۲۶
۵۔ بخاری، التاریخ الکبیر، ۸: ۴۴۰، رقم: ۳۶۲۹
۶۔ بیهقي، شعب الإیمان، ۶: ۴۰۷، رقم: ۸۶۸۸
۷۔ کناني، مصباح الزجاجة، ۴: ۱۰۱، رقم: ۱۲۷۸

۱۲۔ چھوٹے بچوں کی مجالسِ نبویہ میں باقاعدہ شرکت

بچوں پر حضور نبی اکرم ﷺ کی خصوصی شفقت و رحمت کا قابلِ غور اور لائقِ اتباع ایک اور مظہر یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے درجنوں صحابہ رضی اللہ عنہم ایسے ہیں جو آپ ﷺ کی حیات مبارک میں چھوٹے تھے مگر بڑے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی طرح باقاعدگی سے آپ ﷺ کی مجالس میں شریک ہوتے۔ ان میں سے چند نام درج ذیل ہیں:

۱۔ امام حسن و حسین رضی اللہ عنہما: جب حضور نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو امام حسن رضی اللہ عنہ کی عمر چھ برس تھی اور امام حسین رضی اللہ عنہ کی عمر پانچ برس تھی۔

۲۔ حضرت عبد اللہ ابن زبیر رضی اللہ عنہ: ہجرت کے پہلے سال پیدا ہوئے، انہیں پہلا مولود بعد الہجرۃ کہا جاتا ہے یعنی ہجرت کے بعد مسلمانوں کے گھر میں جو پہلا بچہ پیدا ہوا وہ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ تھے۔ جب حضور نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو ان کی عمر نو برس تھی۔

۳۔ حضرت عمرو بن ابی سلمۃ رضی اللہ عنہ

۴۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما

۵۔ حضرت محمود بن الربیع رضی اللہ عنہ

۶۔ حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ

۷۔ حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ

۸۔ حضرت سہل بن ابی حسمۃ رضی اللہ عنہ

۹۔ حضرت سائب بن یزید رضی اللہ عنہ

۱۰۔ حضرت عبد اللہ بن حنظلہ رضی اللہ عنہ

۱۱۔ حضرت ابو الطفیل الکنانی رضی اللہ عنہ

۱۲۔ حضرت نعمان بن بشیر رضی اللہ عنہ

۱۳۔ حضرت مسلمہ بن مخلد رضی اللہ عنہ

۱۴۔ حضرت قثم بن عباس بن عبدالمطلب رضی اللہ عنہ (حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے چچا کے بیٹے تھے اور ان کا مزار سمرقند میں ہے)

۱۵۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ

۱۶۔ حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ

۱۷۔ حضرت عبد اللہ بن عنز رضی اللہ عنہ

ان کے علاوہ اور بھی کئی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم چھوٹے تھے لیکن مذکورہ صحابہ سے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی کثیر احادیث براہِ راست مروی ہیں۔ ان سے بہت سی احادیث مروی ہونے کی وجہ یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان تمام بچوں کو اپنی مجلس میں آنے کی اجازت دیتے کہ وہ آپ کی مجلس میں آ کر بیٹھیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ان پر شفقت فرماتے، قریب ترین جگہ دیتے، بچے جہاں بیٹھنا چاہتے انہیں وہاں سے نہ اٹھاتے۔ کبھی بچوں کو یہ نہ کہا کہ آپ بچے ہو لہٰذا آپ پیچھے جا کر بیٹھو اور بڑوں کو آگے بیٹھنے دو یا یہاں قریب کیوں بیٹھے ہو ذرا دور کسی پچھلی صف میں جا کر بیٹھو۔ یعنی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بچوں کو خود سے دور نہ کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ ان صحابہ سے جو اس وقت کم سن تھے، نماز کی احادیث مروی ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نماز کس طرح پڑھتے، اقامت کس طرح کہی جاتی، اختتامِ صلوٰۃ کس طرح ہوتا، رکعتیں کتنی اور کس طرح پڑھتے۔ اس لیے کہ انہوں نے براہِ راست حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نماز پڑھتے دیکھ کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نماز کا طریقہ کثرت سے روایت کیا ہے۔

پھر یہی کم سن صحابہ کرام رضی اللہ عنہم حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے دروس میں بھی شریک ہو کر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی گفتگو اور نصائح سے با خبر ہوتے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ عیدگاہ میں حاضر ہوتے۔ چنانچہ ان سے نمازِ عیدین، نمازِ جنازہ اور نمازِ استسقاء اور سمیت کئی موضوعات پر احادیث ان سے مروی ہیں، جو انہوں نے کسی اور صحابی کے ذریعے نہیں بلکہ براہِ راست خود روایت کی ہیں۔

ایسا اس لیے ہے کہ یہ آپ ﷺ کی مجالس میں براہِ راست بیٹھتے۔ یوں آپ ﷺ چھوٹے بچوں کو اپنی مجالس میں بٹھا کر ان کی تربیت کا سامان مہیا فرماتے۔ آپ ﷺ لوگوں کو تلقین فرماتے کہ بچوں کو مجالس میں اپنے ساتھ بٹھاؤ تا کہ وہ تمہاری باتیں سنیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے اس طرزِ عمل میں ہمارے لیے راہ نمائی موجود ہے کہ ہم بھی اپنے بچوں کی تربیت اسی طریقہ سے کریں تا کہ جب وہ ہمارے قریب رہ کر ہمارے طرزِ عمل، گفتگو اور لوگوں کے ساتھ بھلائی پر مبنی رویہ اپنی آنکھوں سے دیکھیں گے تو ان کی تعلیم بھی ہوگی اور تربیت بھی ہوگی۔ وہ دیکھا دیکھی اپنی زندگی میں اسی اسوہ کو اپنائیں گے جس سے ان کی سیرت سنورے گی۔ اس کے برعکس اگر ہم اپنے بچوں کو خود سے دور رکھیں یا اپنی مجلس سے بھگا دیں گے اور اسے معاذ اللہ بے ادبی سمجھیں تو وہ تربیت سے بھی محروم رہیں گے اور ہمارا یہ عمل حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت کے بھی خلاف ہوگا۔

حضور نبی اکرم ﷺ اہل اسلام کو نماز کے اوقات کے آغاز و اختتام کو بتانے کے لیے مختلف اوقات میں نماز ادا فرماتے۔ اس طرح آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو نمازوں کے آخری وقت کی شناخت بھی کراتے، ان کا ابتدائی وقت بھی بتاتے اور کبھی درمیانی وقت میں بھی نماز پڑھاتے۔ حضرت فاروق اعظم رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک رات حضور نبی اکرم ﷺ نے ہمیں دیر سے نمازِ عشا پڑھائی اور آپ ﷺ گھر سے باہر تشریف نہیں لائے یہاں تک کہ

نَامَ النِّسَاءُ وَالصِّبْيَانُ.(۱)

(مسجد نبوی کی صفوں پر نماز کے انتظار میں بیٹھے ہوئے) کئی عورتیں اور بچے سو گئے۔

اس حدیث سے جہاں صلاۃ العشاء کے اوقات کی شناخت کے سلسلے میں حضور نبی

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب مواقیت الصلاۃ، باب فضل العشاء، ۱: ۲۰۷، رقم: ۵۴۱

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب المساجد ومواضع الصلاۃ، باب وقت العشاء وتأخیرھا، ۱: ۴۴۱، رقم: ۶۳۸

اکرم ﷺ کا عمل سامنے آتا ہے وہاں یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ عورتیں جب مسجدِ نبوی میں آپ ﷺ کی بارگاہ میں آتیں تو اپنے بچوں کو بھی ساتھ لاتیں۔ گویا صبح سے رات تک ہر نماز، ہر مجلس اور ہر موقع پر بچوں کو لانے کی اجازت تھی اور آپ ﷺ خود اس کی حوصلہ افزائی فرماتے۔

دوسری طرف ہمارا عمل یہ ہے کہ ہم بچوں کو اپنے پاس سے بھگا دیتے ہیں اور مجلس میں بچوں کو لانے پر پابندی لگا دیتے ہیں۔ دین کے حوالے سے ہمارا یہ طریقہ ہے جب کہ تاجدارِ کائنات ﷺ کا انداز اس سے یکسر مختلف ہے۔ بچے تو بچے ہوتے ہیں، بھاگیں گے بھی، روئیں گے بھی اور ہنسیں گے بھی۔ یہ ان کی عمر کے لوازمات ہیں مگر ہم بچوں کو ان عادات سمیت گوارہ نہیں کرتے بلکہ ان کے ماں باپ کو ڈانٹتے ہیں کہ انہیں مسجد میں مت لایا کرو۔ اس کے برعکس آقا ﷺ نے صحابہ اور صحابیات کو کبھی نہیں فرمایا کہ بچوں کو گھر چھوڑ کر آیا کرو۔ اس لیے کہ وہ جب مسجد میں آئیں گے، مجلس میں بیٹھ کر مجھے دیکھیں گے، لوگوں کو نماز پڑھتے ہوئے دیکھیں گے اور مسجد کے ماحول کی پاکیزگی کو دیکھیں گے تو یہ چیزیں خود بخود ان کے تصور میں نقش ہوتی چلی جائیں گی۔ اس سے بلا واسطہ یا بالواسطہ غیر شعوری طور ان کی تربیت ہو گی جو ان کے قلوب و اذہان کو متواتر ملتی رہے گی۔ ان کے دلوں میں بتدریج نماز کی اہمیت اور اس کا احترام قائم ہوگا۔

ہم روز مرہ زندگی میں اس بات کا مشاہدہ بھی کرتے ہیں کہ چھوٹے بچے صف پر کھڑے ہوکر اپنے طریقے سے نماز پڑھنے لگ جاتے ہیں، کبھی سجدہ کرتے ہیں، کبھی اٹھتے، کبھی بیٹھتے ہیں اور کبھی مصلے پر لیٹ جاتے ہیں۔ وہ سارا کچھ کرتے ہیں مگر یہ بھی سیکھنے کا ایک انداز ہے جو فطری عمل ہے اور چونکہ حضور نبی اکرم ﷺ کا طریقہ تربیت ہمیشہ فطری طریقے پر مبنی ہوتا تھا، اس لیے آپ ﷺ کسی کو اپنے پاس بیٹھنے سے منع نہ فرماتے تھے۔ یہ بچوں پر آپ ﷺ کی عظیم شفقت تھی جو آپ ﷺ نے ہمیشہ روا رکھی۔

۱۳۔ بچے فطرتِ اسلام پر ہوتے ہیں

مسلمانوں کے بچے تو ایک طرف رہے حضور نبی اکرم ﷺ نے کفار اور مشرکین کے میدان جنگ میں موجود بچوں کو بھی نقصان نہ پہنچانے اور انہیں قتل نہ کرنے کا صریح حکم فرمایا

ہے۔ یہ فرمان حضور نبی اکرم ﷺ کی رحمت کے عملی مظاہرِ رحمت و شفقت میں سے ایک ہے۔

حضرت اسود بن سریع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

وَغَزَوْتُ مَعَهُ فَأَصَبْتُ ظُهُرًا فَقَتَلَ النَّاسُ يَوْمَئِذٍ حَتَّى قَتَلُوا الْوِلْدَانَ، وَقَالَ مَرَّةً الذُّرِّيَّةَ، فَبَلَغَ ذَلِكَ رَسُولَ اللهِ ﷺ فَقَالَ: مَا بَالُ أَقْوَامٍ جَاوَزَهُمُ الْقَتْلُ الْيَوْمَ حَتَّى قَتَلُوا الذُّرِّيَّةَ. فَقَالَ رَجُلٌ: يَا رَسُولَ اللهِ ﷺ إِنَّمَا هُمْ أَوْلَادُ الْمُشْرِكِيْنَ. فَقَالَ: أَلَا إِنَّ خِيَارَكُمْ أَبْنَاءُ الْمُشْرِكِيْنَ، ثُمَّ قَالَ: أَلَا لَا تَقْتُلُوا ذُرِّيَّةً، أَلَا لَا تَقْتُلُوا ذُرِّيَّةً. قَالَ: كُلُّ نَسَمَةٍ تُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ حَتَّى يُعْرِبَ عَنْهَا لِسَانُهَا فَأَبَوَاهَا يُهَوِّدَانِهَا وَيُنَصِّرَانِهَا.(1)

میں حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ میں شریک ہوا اس غزوہ میں ہمیں فتح ہوئی لیکن اس غزوہ کے دوران بعض لوگوں نے کچھ بچوں کو قتل کر دیا۔ یہ خبر فتح کے بعد رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں پہنچائی گئی کہ کفار کے کچھ بچے قتل کر دیئے گئے ہیں۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس قوم کا کیا حال (اور کیا حشر) ہو گا جنہوں نے بچوں کے قتل سے بھی دریغ نہیں کیا۔ اس پر ایک صحابی بولے: یا رسول اللہ! یہ بچے مسلمان نہیں، مشرکین کے بچے تھے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا: میری بات دھیان سے سن لو کہ تمہارے اعلیٰ مقام پر فائز صحابہ بھی تو مشرکوں کے بچے ہی تھے۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا: خبردار! بچوں کو قتل مت کرو۔ خبردار! بچوں کو قتل مت کرو۔ آپ ﷺ نے مزید فرمایا: ہر جان فطرت پر پیدا ہوتی ہے، یہاں تک کہ وہ اپنا ما فی الضمیر بیان کرے، پس اس کے والدین اسے یا تو یہودی بنا دیتے ہیں یا عیسائی بنا دیتے ہیں۔

یعنی چونکہ وہ بچے معصوم ہیں اس لیے وہ کافر و مشرک نہیں اور واجب القتل نہیں۔

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۴۳۵، رقم: ۱۵۶۲۷

۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱: ۲۸۴، رقم: ۸۲۹

۳۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ۹: ۷۷، رقم: ۱۷۸۶۸

خبردار! آج کے بعد ہرگز بچوں کو قتل نہ کیا جائے۔ بچے ہمیشہ فطرتِ سلیمہ یعنی اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتے ہیں۔ البتہ یہ امر ان کے ماں باپ پر منحصر ہے کہ وہ انہیں کسی بھی مذہب پر لے جائیں۔ یعنی یہ ان بچوں کی تعلیم و تربیت پر منحصر ہے، اس سے پہلے تک ہر بچہ معصوم ہے کیوں کہ اس کی پیدائش فطرت اسلام پر ہوتی ہے لہٰذا کسی بچے کو قتل کرنے کی اجازت نہیں ہے۔

۱۴۔ بچوں کے حقوق کی ادائیگی کا باقاعدہ اہتمام

حضور نبی اکرم ﷺ نے مجلس میں کھانے پینے کی تقسیم کے جو آداب بیان فرمائے ہیں اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ صاحبِ مجلس اُس کی ابتدا دائیں جانب سے کرے اور یہ بھی ہے کہ بڑوں سے کرے۔

۱۔ حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

أُتِيَ النَّبِيُّ ﷺ بِقَدَحٍ، فَشَرِبَ مِنْهُ وَعَنْ يَمِيْنِهِ غُـلَامٌ أَصْغَرُ الْقَوْمِ وَالْأَشْيَاخُ عَنْ يَسَارِهِ.

حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک پیالہ پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے اُس میں سے کچھ نوش فرمایا اور (وہ پیالہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں تقسیم فرمانے لگے تو) آپ ﷺ کی دائیں جانب ایک نوعمر لڑکا (بیٹھا) تھا جو اُس وقت موجود لوگوں میں سب سے چھوٹا تھا اور عمر رسیدہ حضرات آپ ﷺ کی بائیں طرف تھے۔

۲۔ ایک روایت میں آتا ہے کہ اتفاق یہ تھا کہ سیدنا صدیق اکبر اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہما سمیت اکابر صحابہ بائیں جانب بیٹھے تھے اور دائیں جانب ایک بچہ بیٹھا تھا۔ چونکہ آدابِ مجلس کے مطابق سنت یہ ہے کہ دائیں طرف سے ہی شروع کرنا تھا تو آپ ﷺ نے اس بچے سے اکابر صحابہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے پوچھا:

يَا غُـلَامُ، أَتَأْذَنُ لِي أَنْ أُعْطِيَهُ الْأَشْيَاخَ؟

بیٹے! کیا آپ مجھے اجازت دیتے ہیں کہ میں (اس پانی کی) تقسیم کی ابتدا ان

بزرگوں سے کرلوں جو اس طرف بیٹھے ہیں۔

یعنی اصلاً یہ آپ کا حق ہے کیونکہ آپ دائیں جانب بیٹھے ہیں۔ یہ حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف سے بچوں کے حقوق کے حوالے سے عظیم درس ہے جو آپ ﷺ نے اپنی سنتِ مبارکہ کے ذریعے عطا فرمایا۔ جب اس بچے نے حضور نبی اکرم ﷺ کے کلمات سنے تو جواب دیا:

مَا كُنْتُ لِأُوْثِرَ بِفَضْلِي مِنْكَ أَحَدًا، يَا رَسُوْلَ اللهِ.

یا رسول اللہ! میں آپ کی بچی ہوئی (متبرک) چیز میں کسی دوسرے کو اپنے اوپر ترجیح نہیں دے سکتا۔

فَأَعْطَاهُ إِيَّاهُ. (1)

(اس بچے کا یہ جواب سن کر) آپ ﷺ نے وہ مشروب اُسے دے دیا۔

گویا رسول اللہ ﷺ نے اس بچے کا حق صرف تسلیم ہی نہ کیا بلکہ ادا بھی کیا۔ پہلے آپ ﷺ نے بزرگ صحابہ کے لیے اس سے اجازت لی جو اس بچے نے نہیں دی۔ یہ اُس کی محبت اور عشق تھا کہ آپ ﷺ کا تبرک براہِ راست حاصل کروں چنانچہ جب اس بچے نے اپنا حق نہ چھوڑا تو آپ ﷺ نے اُسی کو دے دیا۔

۳۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما اپنا واقعہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں دودھ پیش کیا گیا:

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المساقاة الشرب، باب في الشرب، ۲: ۸۲۹، رقم: ۲۲۲۴

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب المساقاة الشرب، باب من رأى أن صاحب الحوض والقربة أحق بمائة، ۲: ۸۳۴، رقم: ۲۲۳۷

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الأشربة، باب استحباب إدارة الماء واللبن ونحوهما عن يمين المبتدئ، ۳: ۱۶۰۴، رقم: ۲۰۳۰

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۳۳۳، ۳۳۸، رقم: ۲۲۸۷۵، ۲۲۹۱۸

شَرِبَ النَّبِيُّ ﷺ وَابْنُ عَبَّاسٍ عَنْ يَمِيْنِهِ وَخَالِدُ بْنُ الْوَلِيْدِ عَنْ شِمَالِهِ. فَقَالَ لَهُ النَّبِيُّ ﷺ: اَلشَّرْبَةُ لَکَ وَإِنْ شِئْتَ آثَرْتَ بِهَا خَالِدًا. قَالَ: مَا أُوْثِرُ عَلَى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ أَحَدًا. (١)

حضور نبی اکرم ﷺ نے اُس میں سے کچھ نوش فرمایا اور اُس کے بعد اہل مجلس کو عطا کرنا چاہا۔ آپ ﷺ کے دائیں جانب عبداللہ ابن عباس بیٹھے تھے (جو اس وقت چھوٹے بچے تھے کیونکہ جب حضور نبی اکرم ﷺ کا وصال ہوا تو اس وقت بھی ان کی عمر دس برس تھی) اور (سپہ سالارِ اعظم) حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے بائیں جانب بیٹھے تھے آپ ﷺ نے (کچھ دودھ نوش فرمانے کے بعد) حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے پوچھا: (اے بیٹے!) کیا آپ مجھے اس بات کی اجازت دیتے ہیں کہ میں اپنے پینے کے بعد خالد بن ولید کو دے دوں (اور ان کے بعد آپ لے لیں)۔ اس پر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: یارسول اللہ! آپ ﷺ کا بچا ہوا (تبرک، جس کو براہِ راست آپ ﷺ کے لب مبارک نے چھوا ہے) میں کسی کے لیے قربان نہیں کرسکتا، وہ میں ہی پیوں گا۔

یہ سن کر حضور نبی اکرم ﷺ نے وہ دودھ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما ہی کو دے دیا۔ اس طرح پہلے انہوں نے دودھ پیا اور ان کے بعد حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے پیا۔

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ:

١۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی مجالس کا یہ معمول تھا کہ اگر کوئی بچہ جسے حضور نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں بیٹھنے سے محبت ہوتی وہ بلا تکلف آپ ﷺ کے عین قریب بیٹھ جاتا اور اگر وہ پہلے آ کر اگلی نشستوں پر بیٹھ جاتا تو اُسے وہاں سے نہ اٹھایا جاتا اور نہ یہ ہی کہا جاتا

(١) ١۔ أحمد بن حنبل، المسند، ١: ٢٢٠، رقم: ١٩٠٤

٢۔ ترمذی، السنن، کتاب الدعوات، باب ما يقول إذا أکل طعاما، ٥: ٥٠٦، رقم: ٣٤٥٥

کہ چونکہ آپ چھوٹے ہیں، بچے ہیں لہٰذا بڑوں کے بیٹھنے کے لیے جگہ خالی کر دیں۔

۲۔ ان روایات سے نبی اکرم ﷺ کے بے مثال لطف، کرم اور تواضع کا پتہ چلتا ہے۔

۳۔ حضور نبی اکرم ﷺ کے اندازِ تربیت سے شناسائی حاصل ہوتی ہے۔ حالانکہ آپ ﷺ چاہتے تو بغیر پوچھے حضرت صدیق اکبر، سیدنا عمر فاروق، حضرت خالد بن ولید یا دیگر اکابر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو عطا فرما دیتے مگر آپ ﷺ نے اپنے آداب کو نہیں توڑا۔

۴۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے بچے سے اجازت مانگی، یعنی بچوں کا حق سلب نہیں کیا بلکہ اسے تسلیم کرتے ہوئے انہیں عطا کیا۔ گو یا آپ ﷺ امت کے مالک و مختار ہیں مگر آپ ﷺ اپنے منصب کی بنیاد پر اُس کا حق ختم نہیں کر رہے بلکہ امت کو نمونہ دے رہے ہیں کہ جس کا حق ہو اُس سے پوچھا جائے، اگر وہ خود خوشی سے چھوڑ دے تو پھر دوسرے کو دے سکتے ہیں لیکن اگر وہ اپنا حق نہ دینا چاہے تو ان کی مرضی ہے جیسے ان بچوں نے کیا۔ اگرچہ آپ ﷺ کی خواہش تھی کہ تبرک کی ابتداء بڑوں سے ہو مگر جب بچے نے اجازت نہیں دی تو آپ ﷺ نے اصرار نہیں فرمایا۔

۵۔ یہ حدیث مبارکہ اس طرح کے اندازِ تربیت کے حوالے سے بچوں میں موجود ذہانت، معاملہ فہمی اور شعور کی گہرائی کی بھی مظہر ہے۔ وہ کہہ دیتے کہ بے شک یارسول اللہ! باقی کو دے دیں مگر انہوں نے دیکھا کہ جب دودھ آیا تو سب سے پہلے آپ ﷺ نے مبارک لب لگائے۔ چنانچہ انہوں نے بلاواسطہ تبرک کی اس کیفیت کو محسوس کیا۔ تبھی عرض کیا کہ یارسول اللہ! یہ شرف ہم کسی اور کو نہیں دے سکتے، خود ہی لیں گے۔

۱۵۔ بچوں کی حوصلہ افزائی

حضور نبی اکرم ﷺ کی مجالس میں یہ بھی ہوتا کہ آپ ﷺ بچوں کی مختلف انداز سے حوصلہ افزائی فرماتے۔ اُن کو اپنی رائے کے اظہار کا بھرپور موقع دیا جاتا اور بعد اُس کا احترام بھی کیا جاتا۔ اس طرح حضور نبی اکرم ﷺ بچوں کی تربیت کے لیے رحمت و شفقت اور حکمت

بھرا انداز اختیار فرماتے۔

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے:

أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ وَضَعَ يَدَهُ عَلَى كَتِفِي أَوْ عَلَى مَنْكَبِي ثُمَّ قَالَ ﷺ: اَللّٰهُمَّ فَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَعَلِّمْهُ التَّأْوِيْلَ.(۱)

رسول اللہ ﷺ نے میرے کندھوں پر ہاتھ رکھا، فرمایا: باری تعالیٰ اس (حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما) کو دین میں تفقہ عطا فرما اور اسے قرآن مجید کی تفسیر کا علم عطا فرما۔

حضرت عبد اللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما اوائل عمری میں حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت بجا لاتے تھے۔ ایک دفعہ آپ ﷺ ان کی خدمت سے خوش ہوئے اور دُعا دیتے ہوئے فرمایا: اے اللہ! اِسے دین میں مہارت تامہ، گہرائی، گیرائی اور تخصص عطا فرما، اسے دین اسلام کا فقیہ بنا اور آیاتِ قرانی کے حقیقی معانی اور معارف پر آ گاہی عطا فرما۔

۲۔ دوسری روایت میں ہے کہ:

ضَمَّنِي النَّبِيُّ ﷺ إِلٰى صَدْرِهٖ وَقَالَ: اَللّٰهُمَّ عَلِّمْهُ الْحِكْمَةَ (وَفِي رِوَايَةٍ:) وَتَأْوِيْلَ الْكِتَابِ.(۲)

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۲۶۶، ۳۱۴، رقم: ۲۳۹۷، ۲۸۸۱
۲۔ وابن أبی عاصم، الآحاد والمثانی، ۱: ۲۸۷، رقم: ۳۸۰
۳۔ مقدسی، الأحاديث المختارة، ۱۰: ۲۲۲، رقم: ۲۳۴

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، کتاب فضائل الصحابة، باب ذكر عبد الله ابن عباس رضی اللہ عنہما، ۳: ۱۳۷۱، رقم: ۳۵۴۶
۲۔ ترمذی، السنن، کتاب المناقب، باب مناقب عبد الله ابن عباس رضی اللہ عنہما، ۵: ۶۸۰، رقم: ۳۹۲۴
۳۔ ابن ماجه، السنن، المقدمة، باب في أصحاب رسول الله ﷺ، فضل بن عباس رضی اللہ عنہما، ۱: ۵۸، رقم: ۱۶۶

رسول اللہ ﷺ نے مجھے اپنے سینہ مبارک سے لگایا اور فرمایا: اے باری تعالیٰ! اس (عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما) کو حکمت عطا کر اور اسے اپنی کتاب قرآن مجید کی آیات کی تفسیر و تاویل کا علم عطا فرما۔

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر، اپنے سینہ کے ساتھ لگانا کر دعا کرنا، یہ عمل بے پناہ محبت، انسیت اور شفقت کا اظہار بھی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ آج امت کی تربیت ان خطوط پر کرنا درکار ہے کہ کس طرح وہ اپنے بچوں کی شفقت مشفق انداز سے کریں۔

اس کے ساتھ ساتھ اس حدیث میں حضور نبی اکرم ﷺ نے دعا مانگنے کا جو طریقہ سکھایا وہ بھی نکھر کر سامنے آ گیا کہ بندہ جب بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا کرے تو اس سے حکمتِ الوہی مانگے، قرآن مجید کا علم اور معرفت مانگے، تَفَقُّه فِي الدِّين مانگے۔ یعنی اس طرح آپ ﷺ یہ سکھا رہے ہیں کہ اللہ رب العزت سے کیا طلب کیا جائے؟

۱۶۔ بچوں کی تعلیم و تربیت کا اِہتمام، عذابِ اِلٰہی سے نجات کا ذریعہ ہے

حضرت ثابت بن عجلان الانصاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

إِنَّ اللّٰهَ لَيُرِيْدُ الْعَذَابَ بِأَهْلِ الْأَرْضِ، فَإِذَا سَمِعَ تَعْلِيْمَ الصِّبْيَانِ الْحِكْمَةَ صَرَفَ ذٰلِكَ عَنْهُمْ. (1)

اللہ تعالیٰ زمین پر بسنے والے (بعض طبقات اور بعض معاشروں کی بداعمالیوں کی وجہ سے) ان پر عذاب نازل کرنے کا ارادہ فرماتا ہے یہاں تک کہ (کسی بستی) سے بچوں کی آواز کو سنتا ہے کہ وہ قرآن مجید اور حدیث رسول ﷺ پڑھ رہے ہوتے ہیں

(۱) ۱۔ دارمي، السنن، كتاب فضائل القرآن، باب في تعاهد القرآن، ۲: ۵۳۰، رقم: ۳۳۴۵

۲۔ مناوی، فتح السماوی، ۱: ۱۲۰، رقم: ۵

چنانچہ اس آواز کو سن کر اللہ تعالیٰ اُس بستی کے لوگوں پر عذاب بھیجنے کا ارادہ ترک فرما دیتا ہے (اور عذاب اُن سے پلٹا دیا جاتا ہے)۔

اس حدیث مبارک سے بچوں کو تعلیم و تربیت دینے کی اہمیت واضح ہوتی ہے کہ اُن کی تعلیم کے لیے با قاعدہ اہتمام کیا جائے۔ یہ بھی پتا چلتا ہے کہ جس معاشرے میں بچوں کو کتاب و سنت کی تعلیم فراہم کی جاتی ہے تو اللہ تعالیٰ وہاں سے کئی قسم کے عذاب اور مصیبتیں ٹال دیتا ہے۔

١٧۔ اچھی خاتون کی علامات

حضرت ابو ہریرہ ﷛ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

خَيْرُ نِسَاءٍ رَكِبْنَ الْإِبِلَ صَالِحُ نِسَاءِ قُرَيْشٍ، أَحْنَاهُ عَلٰى وَلَدٍ فِي صِغَرِهٖ وَأَرْعَاهُ عَلٰى زَوْجٍ فِي ذَاتِ يَدِهٖ.[1]

اونٹوں پر سوار ہونے والی عورتوں میں سے قریش کی پاک باز عورتیں بہتر ہیں (ان میں دو اضافی خوبیاں ہیں:) وہ بچوں پر کم سنی میں بہت نرم مزاج ہوتی ہیں (یعنی شفقت سے بچوں کی تربیت کرتی ہیں) اور خاوند کے مال کی خوب نگرانی کرتی ہیں۔

یعنی قریش کی عورتوں کے بہتر ہونے کی بنیادی وجہ بچوں کی پرورش میں اُن کی شفقت ہے۔ وہ بچوں سے پیار ہی نہیں کرتیں بلکہ دورانِ پرورش ان پر ایثار کرتی ہیں۔

اس حدیث میں ایک اہم چیز جو آج کے معاشرے کے لیے بڑی دل چسپ ہے وہ یہ کہ قبیلہ قریش کی خواتین اونٹوں کی سواری جانتی ہیں۔ گویا وہ محتاج نہیں خود کفیل ہیں، وہ سارا بوجھ اپنے مردوں پر نہیں ڈالتیں۔ ظاہر ہے کہ اُس دور میں آج کی جدید سواریاں نہیں تھیں بلکہ

(١) ١۔ بخاری، الصحيح، كتاب النفقات، باب حفظ المرأة زوجها في ذات يده والنفقة، ٥: ٢٠٥٢، رقم: ٥٠٥٠

٢۔ مسلم، الصحيح، كتاب فضائل، باب من فضائل نساء قريش، ٤: ١٩٥٩، رقم: ٢٥٢٧

اونٹ، خچر یا گھوڑے تھے۔ اس لیے یہاں اونٹوں کی سواری کرنے کے بیان میں اس امر کی طرف اشارہ ہے کہ انہیں سواری چلانا یعنی ڈرائیونگ کرنا آتی ہے اور چونکہ جب خواتین ڈرائیونگ (driving) سیکھ لیتی ہیں تو اپنے شوہر پر بوجھ ڈالے بغیر گھر کے کئی کام خود کر لیتی ہیں۔ یعنی آج کی ضروریات کے حوالے سے بچوں کو اسکول لے جا اور واپس لا سکتی ہیں اور اگر کوئی بیمار ہو جائے تو اسے ہسپتال لے جا سکتی ہیں۔

معلوم ہوا اسلام نے عورتوں کو ڈرائیونگ کی نہ صرف اجازت دی ہے بلکہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اسے پسند فرماتے ہوئے خوبیوں میں شامل کیا ہے۔ حالانکہ آج ہم اس معاملے میں بھی متردد رہتے ہیں اور کتنے ہی لوگ ایسے ہیں جن کی سوچ کے مطابق یہ چیزیں خارج از اسلام ہیں۔ وہ سوچتے ہیں کہ عورت ڈرائیونگ نہیں کر سکتی لیکن کوئی بتا سکتا ہے کہ انہوں نے کس اصول اور کس ضابطے کے تحت ایسے خلافِ شریعت قوانین اور حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت اور تعلیم سے یکسر مختلف احکامات اور تصورات گھڑ رکھے ہیں؟

۱۸۔ بچوں کے لیے دعا

حضرت انس بن مالک ﷺ فرماتے ہیں:

دَخَلَ النَّبِيُّ ﷺ عَلَيْنَا وَمَا هُوَ إِلَّا أَنَا وَأُمِّي وَأُمُّ حَرَامٍ خَالَتِيُ فَقَالَ: قُوْمُوْا فَلِأُصَلِّيَ بِكُمْ فِيُ غَيْرِ وَقْتِ صَلَاةٍ فَصَلَّى بِنَا، فَقَالَ رَجُلٌ لِثَابِتٍ: أَيْنَ جَعَلَ أَنَسًا مِنْهُ؟ قَالَ: جَعَلَهُ عَلٰى يَمِيْنِهِ ثُمَّ دَعَا لَنَا أَهْلَ الْبَيْتِ بِكُلِّ خَيْرٍ مِنْ خَيْرِ الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ. فَقَالَتْ أُمِّي: يَا رَسُوْلَ اللهِ، خُوَيْدِمُكَ. ادْعُ اللهَ لَهُ. قَالَ: فَدَعَا لِي بِكُلِّ خَيْرٍ وَكَانَ فِيُ آخِرِ مَا دَعَا لِيُ بِهِ.

رسول اللہ ﷺ ہمارے گھر تشریف لائے۔ اس وقت گھر میں، میری والدہ، میں اور میری خالہ ام حرام (ہم تین لوگ) موجود تھے۔ آپ ﷺ نے ہمیں فرمایا: کہ اٹھو میں تمہیں نماز پڑھاتا ہوں۔ یہ فرض نماز نہ تھی بلکہ نفلی تھی سو آپ ﷺ نے امامت کرائی۔

ایک شخص نے حضرت ثابت رضی اللہ عنہ سے پوچھا کہ دورانِ نماز حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ کو کہاں کھڑا کیا تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ آپ ﷺ نے انہیں اپنی دائیں جانب پہلو میں کھڑا کیا تھا۔ پھر نماز کے بعد آپ ﷺ نے تمام اہل خانہ کے لیے دنیا و آخرت میں خیر کی دعا کی۔ جب دعا فرما چکے تو حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میری والدہ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ آپ ﷺ کا چھوٹا خادم ہے، سو اس کے لیے دعا فرمایئے۔

حضرت انس کی والدہ نے حضرت انس کے لیے لفظ خادم کی جگہ 'خویدمک' کہا۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے دنیا کی ہر زبان میں کسی لفظ کی تصغیر کرتے ہوئے معناً چھوٹا کر کے استعمال کیا جاتا ہے۔ جس طرح پنجابی میں چھوٹے بچے کو 'نکڑا' یا 'بچڑا'، 'کاکا' کہتے ہیں۔ چنانچہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ محترمہ کا حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں انکسار اور ادب و احترام کا یہ عالم تھا کہ انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ آپ کا حقیر سا نوکر، جو شاید خادم کہلانے کا بھی حق دار نہیں ہے۔ اس کے لیے خاص دعا فرما دیجئے۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے میرے حق میں ہر خیر کی دعا کی اور آپ ﷺ کی دعا کے آخری کلمات یہ تھے:

اَللّٰهُمَّ أَكْثِرْ مَالَهُ وَوَلَدَهُ وَبَارِكْ لَهُ فِيْهِ. (1)

باری تعالیٰ! اس کے مال اور اولاد میں اضافہ فرما اور انہیں بڑھا دے۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ کی والدہ نے **هٰذا أُنَيْسٌ** کے الفاظ کے ذریعے دعا کی درخواست کی یعنی ان کی والدہ اس کی تصغیر (چھوٹا) کر کے حضور نبی اکرم ﷺ کی

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساجد ومواضع الصلاة، باب جواز الجماعة في النافلة، ۱: ۴۵۷، رقم: ۶۶۰

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۹۳، رقم: ۱۳۰۳۶

۳۔ أبو يعلي، المسند، ۶: ۷۳، رقم: ۳۳۲۸

بارگاہ میں ادباً، تعظیماً اور تکریماً انہیں انس نہیں بلکہ انیس کہہ رہی ہیں کہ یا رسول اللہ! یہ انیس (چھوٹا سا، کم زور انس) آپ کا خادم ہے جسے میں نے آپ ﷺ کی بارگاہ میں پیش کیا ہوا ہے، اس کے لیے دعا فرما دیں۔

حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ جب بوڑھے تھے تو آخری عمر میں فرماتے تھے:

فَوَاللّٰهِ، إِنَّ مَالِي لَكَثِيرٌ، وَإِنَّ وَلَدِي وَوَلَدَ وَلَدِي لَيَتَعَادُّوْنَ عَلٰى نَحْوِ الْمِائَةِ الْيَوْمَ. (1)

اللہ کی قسم! (حضور نبی اکرم ﷺ کی دعا کے نتیجے میں) آج میرا مال بھی بہت زیادہ ہے اور (اسی دعا کی برکت سے) میری اولاد اور اولاد کی اولاد (پوتے، نواسے سمیت) سو کے لگ بھگ ہیں۔

یہ روایت امام احمد بن حنبل نے 'المسند' میں ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہیں:

وَاللّٰهِ! وَمَا أَصْبَحَ فِي الْأَنْصَارِ رَجُلٌ أَكْثَرَ مِنِّي مَالًا. (2)

اللہ کی قسم! پورے انصار (کے تمام قبائل) میں سے اس وقت کوئی ایک شخص ایسا نہیں جو مال و دولت میں مجھ سے زیادہ ہو۔

ان احادیث مبارکہ سے معلوم ہوا کہ بچوں سے پیار محبت کرنا، ان کی تربیت کرنا اور ان کے لیے دین و دنیا میں برکت کی دعا کرنا حضور نبی اکرم ﷺ کا مبارک عمل اور سنت ہے۔

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الدعوات، باب دعوة النبي ﷺ لخادمه بطول العمر وبكثرة ماله، ۵: ۲۳۳۶، رقم: ۵۹۸۴
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل أنس بن مالك رضی اللہ عنہ، ۴: ۱۹۲۹، رقم: ۲۴۸۱
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۴۳۰، رقم: ۲۷۴۶۶
۴۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۶: ۱۴۲، رقم: ۷۱۷۷
(۲) أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۲۴۸، رقم: ۱۳۶۱۹

۱۹۔ غیر مسلم بچوں پر اظہارِ شفقت

حضور نبی اکرم ﷺ کا غیر مسلم بچوں سے بھی محبت بھرا استوار تھا۔ حضرت انس بن مالک ﷺ روایت کرتے ہیں کہ ایک یہودی بچہ رسول اللہ ﷺ کا خدمت گار تھا۔ وہ روز آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوتا۔ امام احمد بن حنبل اس کی خدمت کو یوں نقل کرتے ہیں:

كَانَ يَضَعُ لِلنَّبِي ﷺ وَضُوءَهُ وَيُنَاوِلُهُ نَعْلَيْهِ.(۱)

وہ حضور نبی اکرم ﷺ کو وضو کراتا اور آپ ﷺ کے نعلین یعنی مبارک اٹھاتا تھا۔

ایک دفعہ وہ بیمار ہو گیا اور کئی روز تک حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں حاضر نہ ہو سکا۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ سے اس بچے کے متعلق دریافت کیا۔ عرض کیا گیا: یا رسول اللہ! وہ بیمار ہو گیا ہے۔ اس پر آپ ﷺ اُس بچے کی عیادت کرنے اُس کے گھر تشریف لائے۔

اندازہ کیجیے کہ رسولِ مکرم ﷺ کی شفقت اور رحمت کا دل نشیں اسلوب تھا۔ کیا آج ہمارا طرزِ عمل ایسا ہے؟ کوئی یہودی، عیسائی یا کسی بھی مذہب، مسلک، نسل، قوم سے تعلق رکھنے والا کوئی بچہ بیمار ہو، اگرچہ وہ ہماری خدمت کرتا ہو یا ہمارے پاس آتا جاتا ہو یا ہمارا پڑوسی ہو، کیا ہم کسی کے ہاں یوں عیادت کے لیے جاتے ہیں؟ نہیں، ہمارا طرزِ عمل ایسا ہرگز نہیں ہے۔ ہم نے آج جو دین کا تصور گھڑ رکھا ہے، اس کے سبب عیادت کے لیے جانا تو دور کی بات ہم ایسا تصور بھی نہیں کر سکتے۔ جب کہ ہمیں اسلام عطا کرنے والے والے ہادیِ برحق ﷺ کی سیرت اور تعلیم یہ ہے کہ آپ ﷺ صحابہ کرام کے ہمراہ اُس یہودی بچے کے گھر عیادت کے لیے گئے:

فَقَعَدَ عِنْدَ رَأْسِهِ.

آپ ﷺ اُس کی چار پائی پر اُس کے سرہانے بیٹھ گئے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی غیروں کے بچوں پر شفقت کا یہ عملی مظاہرہ ہے حالانکہ آپ ﷺ کھڑے ہوئے بھی پوچھ سکتے تھے یا کسی دوسری جگہ بیٹھ کر بھی اس کی عیادت کر سکتے تھے مگر

(۱) أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۷۵، رقم: ۱۲۸۱۵

آپ ﷺ اپنی محبت اور شفقت کے اظہار کے لیے اس کی چارپائی پر اس کے سرہانے بیٹھ گئے، اس کے پاس بیٹھنے کے بعد آپ ﷺ نے اسے مخاطب کر کے فرمایا:

أَسْلِمْ.

(بچے! لا الہ الا اللہ پڑھ کر) اسلام قبول کر لو۔

یہاں ایک بات توجہ طلب ہے کہ یہ بچہ وہ ہے جو ہر روز حضور نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں آ کر بیٹھتا تھا اور آپ ﷺ کے جوڑے مبارک اُٹھاتا اور آپ ﷺ کو وضو کرو کر آپ ﷺ کی خدمت کرتا تھا، لیکن آپ ﷺ نے ان مواقع پر اسلام کی دعوت نہیں دی۔ یہ امر آپ ﷺ کی حکمت پر مبنی دعوت و تبلیغ کے انداز کا مظہر بھی ہے اور آپ ﷺ کی غایت درجہ امانت داری کا آئینہ دار بھی ہے۔ اپنی مجلس میں روزانہ آنے کے باوجود اسے کلمہ نہ پڑھانا اس وجہ سے تھا کہ اُس بچے کے والدین کا اعتماد نہ ٹوٹ جائے کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ ہمارا بچہ آپ ﷺ کی خدمت کے لیے ان کی بارگاہ میں حاضر ہوتا ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ وہ یہ تو نہیں چاہتے تھے کہ یہ ہمارا مذہب چھوڑ کر مسلمان ہو جائے کیونکہ اگر وہ اس بات کو پسند کرتے تو خود ہی کلمہ پڑھ لیتے، لہٰذا انہوں نے بچے کو اپنا مذہب چھوڑنے کے لیے نہیں بلکہ صرف خدمت کے لیے بھیجا تھا۔

مسلمان ہونا اس کی بھلائی کی بات تھی مگر رسول اللہ ﷺ نے اس کے باوجود اُن کے اعتماد کو مجروح نہیں فرمایا، اس لیے کہ وہ آپ ﷺ کی مجلس میں امانت کے طور پر آتا تھا۔ جب وہ بیمار ہوا تو تب آپ ﷺ نے اس کی عیادت کے وقت اُس کے باپ کے سامنے اسے اسلام لانے کی دعوت دی کہ بیٹے کلمہ پڑھ لے۔ جب حضور نبی اکرم ﷺ نے اسے دعوتِ اسلام دی تو اس نے باپ سے جھجک محسوس کی اور اس کی طرف دیکھا تو اس کے باپ نے کہا:

أَطِعْ أَبَا الْقَاسِمِ ﷺ.

(بچے! مجھے کیا دیکھتا ہے) ابو القاسم (ﷺ) کے حکم کی تعمیل کر۔

یعنی اس کائنات میں تو کتنا خوش نصیب ہے کہ تیرے گھر تیری چارپائی پر بیٹھ کر

حضور نبی اکرم ﷺ تجھے دعوت اسلام دے رہے ہیں۔ لہٰذا ’حضور کی اطاعت کر لے۔‘ مجھے نہ دیکھ، میں تو جس مذہب پر ہوں سو ہوں، تو اطاعت کر لے، انکار نہ کر بلکہ کلمہ پڑھ لے۔ اُس (بچے) نے کلمہ پڑھ لیا، کہا: ’میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور یارسول اللہ ﷺ آپ اللہ کے رسول ہیں‘۔ ایک اور روایت میں ہے کہ اس کے بعد اُس کی موت واقع ہوگئی۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے اس طرزِ عمل میں یہ حکمت بھی موجود تھی کہ اسے کلمہ پڑھانے کے لیے آپ ﷺ نے عجلت نہیں کی حالانکہ وہ آپ ﷺ کی مجالس میں روز آتا تھا۔ جب وہ بیمار ہوا اور آپ ﷺ اس کی عیادت کے لیے آئے تو اس وقت آپ ﷺ نے اس کی صحت یابی کا انتظار نہیں کیا کہ چلو صحت یاب ہو جائے تو کلمہ پڑھا لیں گے۔ اس کی وجہ کیا ہے؟ اس کا سبب یہ تھا کہ نگاہِ نبوت ﷺ غیب میں ہونے والے کو بھی ملاحظہ فرما رہی تھی۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے نگاہِ نبوت سے دیکھ لیا تھا کہ بچہ اب زندہ نہیں رہے گا لہٰذا آپ ﷺ کی رحمت و شفقت، لطف و احسان اور غیرتِ شفقت نے گوارا نہ کیا کہ میری خدمت کرنے والا یہودی بچہ موت کے وقت بھی اسلام سے دور رہے۔ چنانچہ آپ ﷺ اس کی عیادت کے لیے آئے اور اسے دائرہ اسلام میں داخل فرما کر جنتی بنا دیا۔ پھر حضور نبی اکرم ﷺ اس کے گھر سے نکلے تو یہ فرما رہے تھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَنْقَذَهُ مِنَ النَّارِ.(۱)

ساری تعریفیں اُس اللہ کے لیے ہیں جس نے اس بچے کو دوزخ سے نجات دے دی۔

ایک روایت میں ہے کہ آپ ﷺ یہ فرما رہے تھے:

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي أَنْقَذَهُ بِيْ مِنَ النَّارِ.(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الجنائز، باب إذا أسلم الصبي فمات هل يصلى عليه، ۱: ۴۵۵، رقم: ۱۲۹۰

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۷۵، رقم: ۱۲۸۱۵

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۲۲۷، رقم: ۱۳۳۹۹

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الجنائز، باب فی عيادة الذمي، ۲: ۲۰۱، رقم: ۳۰۹۵

www.MinhajBooks.com

ساری تعریفیں اُس اللہ کے لیے ہیں جس نے اس بچے کو میرے وسیلہ و سبب سے دوزخ سے نجات دے دی۔

اس حدیث میں جہاں ہمیں دین کی تبلیغ کے لیے نرمی کرنے کا درس ملتا ہے وہیں بچوں پر شفقت کرنے اور بیمار ہونے کی صورت میں عیادت کرنے کی ترغیب بھی ملتی ہے۔

۲۰۔ بچوں کو اثراتِ بد سے حفاظت کے لیے دَم

حضور نبی اکرم ﷺ بچوں کے بارے میں فکر مند رہتے تھے۔ حسنین کریمین علیہما السلام پر ہر روز نظرِ بد سے بچاؤ کے لیے دم کرنا اِس فکر مندی ہی کی وجہ سے تھا۔ معلوم ہوا کہ دم کرنا سنت ہے۔ یہ حدیث صحیح ہے اور صحیح بخاری **کتاب أحادیث الأنبیاء** میں آئی ہے۔

حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

كَانَ النَّبِيُّ ﷺ يُعَوِّذُ الْحَسَنَ وَالْحُسَيْنَ علیہما السلام.

حضور نبی اکرم ﷺ امام حسن اور امام حسین علیہما السلام دونوں پر دم فرماتے۔

تعویذ اور **استعاذہ** اسی یعوّذ کے **مشتقات** ہیں، یعنی حضور نبی اکرم ﷺ اُن کو شیطان اور نظرِ بد کے اثرات سے محفوظ کرنے کے لیے دَم فرماتے اور یہ کلمات ارشاد فرماتے:

أَعُوْذُ بِكَلِمَاتِ اللهِ التَّامَّةِ مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ وَهَامَّةٍ وَمِنْ كُلِّ عَيْنٍ لَامَّةٍ .

میں اللہ تعالیٰ کے کامل کلمات کے ذریعے ہر (وسوسہ اندازی کرنے والے) شیطان اور بلا سے اور ہر نظرِ بد سے پناہ مانگتا ہوں۔

حضور نبی اکرم ﷺ یہ بھی فرماتے:

إِنَّ أَبَاكُمَا كَانَ يُعَوِّذُ بِهَا إِسْمَاعِيْلَ وَإِسْحَاقَ.(1)

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الأنبیاء، باب یزفون النسلان في المشی، ۳: ۱۲۳۳، رقم: ۳۱۹۱

تمہارے جدِّ امجد (حضرت ابراہیم علیہ السلام بھی) اپنے دونوں صاحبزادوں حضرت اسماعیل اور حضرت اسحاق علیہما السلام کو ان ہی کلماتِ تعوذ کے ساتھ دم کیا کرتے تھے۔

چنانچہ دم کرنا سنتِ انبیاء ہے۔ یہاں معصوم بچوں کی صحت یابی اور انہیں اثراتِ بد سے محفوظ رکھنے کی فکر حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بچوں کے ساتھ شفقت کی خوب صورت مثال ہے۔

۲۱۔ بچوں پر ظلم و زیادتی کی مخالفت

۱۔ حضرت ابو مسعود البدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میرا ایک غلام بچہ تھا، ایک دن میں اُس کو چھڑی سے مار رہا تھا کہ اچانک میں نے اپنے عقب سے ایک آواز سنی:

اعْلَمْ، أَبَا مَسْعُوْدٍ.

اے ابو مسعود! جان لو۔

میں غصے میں تھا، اُسے مار رہا تھا تو میں سمجھ نہ سکا کہ کیا کہا جا رہا ہے:

فَلَمَّا دَنَا مِنِّي إِذَا هُوَ رَسُوْلُ اللهِ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم.

جب آواز دینے والا قریب آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہیں۔

فَإِذَا هُوَ يَقُوْلُ: اعْلَمْ، أَبَا مَسْعُوْدٍ. اعْلَمْ، أَبَا مَسْعُوْدٍ.

اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرما رہے ہیں: اے ابو مسعود! جان لو! اے ابو مسعود! جان لو!

حضرت ابو مسعود بدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیکھا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ہیبت اور ادب کے باعث میرے ہاتھ سے چھڑی گر پڑی۔

فَأَلْقَيْتُ السَّوْطَ مِنْ يَدِي.

میں نے اپنے ہاتھ سے چابک پھینک دیا۔

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

اعْلَمْ، أَبَا مَسْعُوْدٍ، أَنَّ اللهَ أَقْدَرُ عَلَيْکَ مِنْکَ عَلٰى هٰذَا الْغُـلَامِ.

اے ابومسعود! جان لو کہ جتنا تم اِس غلام پر قادر ہو اللہ تعالیٰ تم پر اُس سے کہیں زیادہ قادر ہے۔

یعنی اگر تم قدرت رکھتے ہو اور اس بچے کو چھڑی سے مار رہے ہو، اس وجہ سے کہ تم طاقت ور ہو اور یہ تمہارا مملوک اور غلام ہے تو جان لو کہ اللہ اس سے زیادہ طاقت ور ہے اور اگر اس نے عذاب دینا چاہا تو تمہیں کون چھڑائے گا۔ جب حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ فرمایا تو ابو مسعود کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا:

لَا أَضْرِبُ مَمْلُوْكًا بَعْدَهٗ أَبَدًا.

اس کے بعد کبھی میں کسی غلام کو نہیں ماروں گا۔

دوسری روایت میں آتا ہے کہ انہوں نے عرض کیا:

يَا رَسُوْلَ اللهِ، هُوَ حُرٌّ لِوَجْهِ اللهِ تَعَالٰى.

یا رسول اللہ! یہ اللہ تعالیٰ کی رضا کے لیے آزاد ہے۔

یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا مقامِ تعمیل اور اطاعت و اتباع کا درجہ تھا۔ ان کے اندر ایک جذبہ تھا کہ کس طرح حضور نبی اکرم ﷺ کے فرمان کی زیادہ سے زیادہ بڑھ کر تعمیل کی جائے۔ اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَمَا إِنَّکَ لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلَفَحَتْکَ النَّارُ أَوْ لَمَسَّتْکَ النَّارُ.[1]

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأيمان، باب صحبة المماليك وكفارة من لطم عبده، ۳: ۱۲۸۱، رقم: ۱۶۵۹

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الأدب، باب في حق المملوك، ۴: ۳۴۰، رقم: ۵۱۵۹

۳۔ ترمذي، السنن، كتاب البر والصلة، باب النهي عن ضرب الخدم ←

اگر تم ایسا نہ کرتے تو آگ تمہیں چمٹ جاتی یا فرمایا: آگ تم سے لپٹ جاتی۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے ہمیشہ بچوں اور خاص طور پر غلاموں کو مارنے کے عمل کی سخت ممانعت فرمائی۔ آج چونکہ غلامی کا دور نہیں مگر ہمارے گھروں میں کام کرج کرنے والے ملازم بچے اور بچیاں ہوتے ہیں، ہمارے لیے ان میں سے کسی کو مارنا یا ڈانٹنا جائز نہیں کیونکہ اس سلسلے میں حضور نبی اکرم ﷺ کا اسوۂ یہ ہے کہ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے دس سال تک آپ ﷺ کی خدمت کی مگر آپ ﷺ نے ان دس سالوں میں مارنا تو کجا ایک مرتبہ بھی انہیں ڈانٹا تک نہیں۔ جب کہ دوسری طرف کسی معاملے میں جب آپ ﷺ نے حضرت ابو مسعود کو مارتے ہوئے دیکھا تو فرمایا: خبردار! اگر یہ کام نہیں چھوڑا تو دوزخ کے شعلے تمہیں اپنی لپیٹ میں لے لیں گے۔ جس پر حضرت ابو مسعود رضی اللہ عنہ نے اس غلام بچے کو آزاد کر دیا۔

یہ حضور نبی اکرم ﷺ کی شفقت و محبت کے وہ عظیم مظاہر ہیں جو تمام امت کے لیے نہ صرف مشعلِ راہ ہیں بلکہ انسانی حقوق اور خاص طور پر بچوں کے حقوق کے بارے میں اسلامی تعلیمات کا عملی نمونہ بھی ہیں۔

۲۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

جَاءَ تْنِي مِسْكِيْنَةٌ تَحْمِلُ ابْنَتَيْنِ لَهَا فَأَطْعَمْتُهَا ثَلَاثَ تَمَرَاتٍ. فَأَعْطَتْ كُلَّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا تَمْرَةً. وَرَفَعَتْ إِلَى فِيْهَا تَمْرَةً لِتَأْكُلَهَا.

ایک غریب خاتون میرے پاس اپنی دو بیٹیوں کو لیے ہوئے آئی، میں نے اسے تین کھجوریں دیں۔ ان میں سے ایک ایک کھجور اس ماں نے اپنی دونوں بیٹیوں کو دے دی۔ اور تیسری کھجور اٹھا کر اپنے منہ کے قریب لے گئی (کیونکہ وہ خود بھی فاقے سے تھی)۔

.... وشتمهم، ۴: ۳۳۵، رقم: ۱۹۴۸

۴۔ عبد الرزاق، المصنف، ۹: ۴۳۹، ۴۴۶، رقم: ۱۷۹۳۳، ۱۷۹۵۹

۵۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۷: ۲۴۵، رقم: ۶۸۴

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

فَاسْتَطْعَمَتْهَا ابْنَتَاهَا. فَشَقَّتِ التَّمْرَةَ الَّتِي كَانَتْ تُرِيْدُ أَنْ تَأْكُلَهَا بَيْنَهُمَا.

اتنے میں (وہ بچیاں جو فاقے سے تھیں) ان بچیوں نے پھر اپنی ماں سے کھجور مانگ لی۔ اس عورت نے وہ کھجور بھی ٹکڑے کر کے ان بچیوں کو کھلا دی۔

حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں:

فَأَعْجَبَنِیْ شَأْنُهَا، فَذَكَرْتُ الَّذِیْ صَنَعَتْ لِرَسُوْلِ اللهِ ﷺ.

مجھے اس عمل نے حیران کر دیا۔ پس میں نے اس خاتون کا عمل رسول اللہ ﷺ کو سنایا۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے مجھے فرمایا:

إِنَّ اللهَ قَدْ أَوْجَبَ لَهَا بِهَا الْجَنَّةَ أَوْ أَعْتَقَهَا مِنَ النَّارِ.

اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت واجب کر دی یا اسے دوزخ سے آزاد کر لیا۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے مزید فرمایا:

مَنِ ابْتُلِيَ مِنَ الْبَنَاتِ بِشَيْءٍ فَأَحْسَنَ إِلَيْهِنَّ كُنَّ لَهُ سِتْرًا مِنَ النَّارِ. (١)

جس شخص کو بیٹیوں (کے اس طرح کے حالات) سے آزمایا جائے (یا وہ بیٹیوں کو پائیں)، اور اس طرح ان سے حسنِ سلوک کریں تو وہ بیٹیاں ان کے لیے دوزخ سے ڈھال بن جائیں گی۔

---

(١) ١۔ بخاری، الصحیح، کتاب الزکاة، باب اتقوا النار ولو بشق تمرة، ٢: ٥١٤، رقم: ١٣٥٢

٢۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة والآداب، باب فضل الإحسان إلی البنات، ٤: ٢٠٢٧، رقم: ٢٦٢٩-٢٦٣٠

یہ حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت مبارکہ اور سیرت طیبہ سے بچوں پر شفقت و رحمت کے وہ مظاہر ہیں جو بچوں کے حقوق کے حوالے سے سامنے آتے ہیں۔ ان سے بڑھ کر دنیا کا کوئی مذہب، معاشرہ یا کوئی فلاسفی بچوں کو اور کیا حقوق دے سکتے ہیں جو حضور نبی اکرم ﷺ نے پندرہ سو سال قبل اپنے عمل سے انسانیت کو عطا فرمائے۔ یاد رہے کہ رہتی دنیا تک انسانیت جتنی بھی ترقی کر جائے، مگر نرمی، رحم اور اخلاقیات کے اس مقام تک نہیں پہنچ سکتی جس مقام تک اسے حضور نبی اکرم ﷺ نے پہنچا دیا ہے۔

فصل نمبر 4

حضور نبی اکرم ﷺ کی
فقراء و مساکین پر رحمت و شفقت

اسلام کی رحمت و شفقت کا دائرہ معاشرے کے ہر مفلس، کم زور، اور استحصال زدہ طبقات پر بھی محیط ہے۔ اسلام نے ان طبقات کے ساتھ نہ صرف نرمی، شفقت، محبت، رحمت، ملاطفت اور انعام و احسان کے سلوک کی ترغیب دی ہے بلکہ ان کے ساتھ کسی بھی قسم کی سختی اور درشتی کے برتاؤ سے منع بھی کیا ہے۔ اس ضمن میں ہمارے معاشرے میں فقراء اور مساکین کا طبقہ عموماً ہماری نظر اندازی یا استہزاء کا شکار ہو جاتا ہے جبکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی رحمت کا عالم یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اِس طبقہ کو بھی بالخصوص اپنے دامن کرم میں سمویا ہے۔ آیئے اِس حوالے سے آپ ﷺ کی رحمت و شفقت کے چند مظاہر کا مطالعہ کرتے ہیں:

۱۔ جذبۂ رحمت سے محروم بد بخت ہے

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے ابو القاسم، صادق و مصدوق اور اس حجرہ (یعنی گنبد خضریٰ) کے مکین رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

لَا تُنْزَعُ الرَّحْمَةُ إِلَّا مِنْ شَقِيٍّ. (۱)

رحمت کسی دل سے نہیں چھینی جاتی سوائے اس شخص کے جو شقی (بد بخت) ہو۔

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الأدب، باب في الرحمة، ۴: ۲۸۶، رقم: ۴۹۴۲

۲۔ ترمذی، السنن، کتاب البر والصلة، باب ما جاء في رحمة المسلمین، ۴: ۳۲۳، رقم: ۱۹۲۳

۳۔ بیهقي، السنن الکبریٰ، ۸: ۱۶۱، رقم: ۱۶۴۲۰

۴۔ ابن أبي شیبة، المصنف، ۵: ۲۱۴، رقم: ۲۵۳۶۰

www.MinhajBooks.com

جس طرح آج کے دور میں ہم حضور نبی اکرم ﷺ کو صاحبِ گنبدِ خضریٰ یا گنبدِ خضریٰ کے مکین کے محبت بھرے القاب سے یاد کرتے ہیں، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی حضور نبی اکرم ﷺ کو ان کے حجرہ کی مناسبت سے **صاحب الحجرة** یعنی اس حجرۂ مبارک کے مکین کہتے تھے۔ اس حدیث مبارک سے واضح ہوتا ہے کہ سعادت سے محروم ہونے کی علامت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ انسان کے دل سے رحمت اور محبت کو نکال لیتا ہے۔ گویا جس دل میں رحمت، شفقت اور نرمی ہو وہ قلب، قلبِ سعید ہے لیکن جو دل رحمت، شفقت اور نرمی سے خالی ہو وہ شقی اور بدبخت ہے۔

۲۔ حصولِ رحمت دوسروں پر رحمت کرنے سے مشروط ہے

یاد رہے کہ رحمت کی جزا رحمت، شفقت کا صلہ شفقت اور نرمی کا بدلہ نرمی ہے۔ جو لوگ اللہ کے بندوں کے ساتھ نرمی سے پیش آئیں گے اللہ تعالیٰ بھی قیامت کے دن حساب و کتاب کے وقت ان سے نرمی کے ساتھ پیش آئے گا۔

بنی اسرائیل کا ایک مال دار شخص تھا، جس سے اکثر لوگ قرض لیتے تھے۔ اس شخص کا معمول یہ تھا کہ جب وہ اپنے ملازم کو قرضے کی وصولی کے لیے بھیجتا تو اسے ہدایت کرتا کہ اگر قرض داروں کے پاس حسب وعدہ رقم نہ بھی ہو تو ان پر سختی نہ کرنا۔ ایک دن اس کا انتقال ہوگیا۔

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

كَانَ تَاجِرٌ يُدَاينُ النَّاسَ، فَإِذَا رَأَى مُعْسِرًا، قَالَ لِفِتْيَانِهِ: تَجَاوَزُوا عَنْهُ لَعَلَّ اللهَ أَنْ يَتَجَاوَزَ عَنَّا فَتَجَاوَزَ اللهُ عَنْهُ. (۱)

ایک تاجر لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا۔ جب کسی کو تنگ دست دیکھتا تو اپنے خادموں

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب البيوع، باب من أنظر معسراً، ۲: ۷۳۱، رقم: ۱۹۷۲

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب المساقاة، باب فضل إنظار المعسر، ۳: ۱۱۹۶، رقم: ۱۵۶۲

سے کہتا: اس سے درگزر کرو، شاید اللہ تعالیٰ ہم سے درگزر فرمائے۔ پس اللہ تعالیٰ نے اُسے معاف کر دیا۔

۲۔ سنن نسائی میں یہی حدیث کچھ تفصیل کے ساتھ یوں بیان ہوئی ہے:

عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ ﷺ، عَنْ رَسُولِ اللهِ ﷺ قَالَ: إِنَّ رَجُلًا لَمْ يَعْمَلْ خَيْرًا قَطُّ وَكَانَ يُدَايِنُ النَّاسَ. فَيَقُولُ لِرَسُولِهِ: خُذْ مَا تَيَسَّرَ وَاتْرُكْ مَا عَسُرَ، وَتَجَاوَزْ لَعَلَّ اللهَ تَعَالَى أَنْ يَتَجَاوَزَ عَنَّا. فَلَمَّا هَلَكَ، قَالَ اللهُ ﷻ لَهُ: هَلْ عَمِلْتَ خَيْرًا قَطُّ؟ قَالَ: لَا، إِلَّا أَنَّهُ كَانَ لِي غُلَامٌ، وَكُنْتُ أُدَايِنُ النَّاسَ، فَإِذَا بَعَثْتُهُ لِيَتَقَاضَى، قُلْتُ لَهُ: خُذْ مَا تَيَسَّرَ وَاتْرُكْ مَا عَسُرَ، وَتَجَاوَزْ لَعَلَّ اللهَ يَتَجَاوَزُ عَنَّا. قَالَ اللهُ تَعَالَى: قَدْ تَجَاوَزْتُ عَنْكَ. (۱)

حضرت ابو ہریرہ ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک شخص نے اس کے سوا بھلائی کا کوئی کام نہیں کیا تھا مگر یہ کہ وہ لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا۔ (جب قرض واپس لینا مقصود ہوتا تو) وہ اپنے ایلچی سے کہتا: جہاں سے آسانی سے موصول ہو وہاں سے وصول کرو لیکن جہاں مقروض مفلس اور تنگ دست ہو تو چھوڑ دو اور اُس سے درگزر کرو، شاید اللہ تعالیٰ ہماری خطاؤں اور لغزشوں سے درگزر فرمائے۔ جب وہ فوت ہوگیا تو اللہ تعالیٰ نے دریافت فرمایا: کیا تو نے کوئی نیکی کی تھی؟ اس شخص نے عرض کیا: نہیں، مگر میرا ایک خادم تھا اور میں لوگوں کو قرض دیا کرتا تھا۔ جب میں اس خادم کو قرض کی وصولی کے لیے بھیجتا تو اُسے ہدایت کرتا کہ آسانی سے

(۱) ۱۔ نسائی، السنن، كتاب البيوع، باب حسن المعاملة والرفق في المطالبة، ۷: ۳۸۱، رقم: ۴۶۹۴

۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۶۱، رقم: ۸۷۱۵

۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۱: ۴۲۲، رقم: ۵۰۴۳

۴۔ حاكم، المستدرك على الصحيحين، ۲: ۳۳، رقم: ۲۲۲۳

ملے تو لے لینا اور جہاں دشواری ہو چھوڑ دینا اور معاف کرنا، شاید اللہ تعالیٰ بھی ہمیں معاف فرما دے۔ اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: میں نے تجھے معاف کر دیا۔

یہ روایات ثابت کرتی ہیں کہ جب بندہ انسان ہوکر لوگوں کے ساتھ اپنا معاملہ اور حساب کتاب کرنے میں نرمی برتتا ہے تو وہ رب ہو کر اس کے معاملے میں نرمی کیوں نہ کرے! حضور نبی اکرم ﷺ نے اللہ رب العزت کی طرف سے اس شخص کو ملنے والی اخروی سعادت اور اجرِ عظیم کو بیان فرما کر لوگوں کے ساتھ شفقت اور نرمی سے پیش آنے، عفو و درگزر کرنے، سختی کا رویہ اختیار نہ کرنے اور رحمت وشفقت کے برتاؤ کا درس دیا ہے۔

۳۔ حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا یَرْحَمُ اللهُ مَنْ لَا یَرْحَمُ النَّاسَ.(۱)

اللہ تعالیٰ اُس شخص پر رحم نہیں فرماتا جو لوگوں پر رحم نہیں کرتا۔

۴۔ ایک اور روایت میں بیان کیا جاتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ لَا یَرْحَمُ لَا یُرْحَمُ.(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب التوحید، باب قول الله تعالٰی: قل ادعو الله، ۶:۲۶۸۶، رقم:۶۹۴۱

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب رحمته الصبیان والغیال وتواضعه وفضل ذلك، ۴:۱۸۰۹، رقم:۲۳۱۹

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴:۳۵۸، رقم:۱۹۱۸۹

۴۔ ترمذی، السنن، کتاب البر والصلة، باب ما جاء في رحمة المسلمین، ۴:۳۲۳، رقم:۱۹۲۲

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب رحمة الناس، والبہائم، ۵:۲۲۳۹، رقم:۵۶۶۷

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب کثرة حیائه ﷺ، ۴:۱۸۰۹، ←

جو شخص رحم نہیں کرتا اس پر رحم نہیں کیا جائے گا۔

یہ احادیث مبارکہ بڑے صاف الفاظ میں یہ حقیقت آشکار کرتی ہیں کہ رحمت کے حصول کے لیے رحمت بانٹنی چاہیے۔ جو شخص دوسروں پر ظلم و زیادتی روا رکھے وہ کسی طور بھی رحمتِ اِلٰہی کا مستحق نہیں ہوسکتا۔ مخلوق پر رحمت ہی رحمتِ اِلٰہیہ کا باعث بنتی ہے۔ اللہ تعالیٰ کی رحمت حاصل کرنے کا اس سے بہترین نسخہ اور کوئی نہیں ہے۔

۳۔ اَعمال کی قدر و قیمت کا انحصار نرمی پر ہے

۱۔ اُم المومنین سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ يُحِبُّ الرِّفْقَ فِي الْأَمْرِ كُلِّهِ. (۱)

یقیناً اللہ تعالیٰ ہر معاملہ میں نرمی برتنے کو پسند فرماتا ہے۔

۲۔ حضرت جریر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

.... رقم: ۲۳۱۸

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۲۶۵، رقم: ۱۹۲۶۴

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، کتاب الأدب، باب الرفق في الأمر کله، ۵: ۲۲۴۲، رقم: ۵۶۷۸

۲۔ مسلم، الصحيح، کتاب السلام، باب النهي عن ابتداء أهل الکتاب بالسلام وکيف يرد عليهم، ۴: ۱۷۰۶، رقم: ۲۱۶۵

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۶: ۳۷، رقم: ۲۴۱۳۶

۴۔ ترمذی، السنن، کتاب الاستئذان، باب ما جاء في التسليم علی أهل الذّمة، ۵: ۶۰، رقم: ۲۷۰۱

۵۔ نسائي، السنن الکبری، ۶: ۱۰۲، رقم: ۱۰۲۱۳

مَنْ يُحْرَمُ الرِّفْقَ يُحْرَمُ الْخَيْرَ.(۱)

جو نرمی سے محروم ہوا وہ خیر سے محروم ہو گیا۔

گویا ساری خیر اور بھلائی کسی بھی کام کو نرمی کے ساتھ انجام دینے میں مضمر ہے۔ لیکن جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے نرمی کی توفیق نہیں دی تو سمجھو کہ اس کے پاس اللہ نے کوئی نیکی نہیں چھوڑی، وہ ہر بھلائی اور خیر سے محروم ہے۔

۳۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ بھی فرمایا ہے:

إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُوْنُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ.(۲)

رفق ایک ایسی (قدر و قیمت والی) نعمت ہے کہ جس معاملے (یا عمل) میں رفق (نرمی) ہو گی اللہ تعالیٰ اسی شے کا (وزن، اہمیت، قدر و قیمت، اجر) بڑھا دے گا۔ اور جس چیز سے بھی ملاطفت اور نرمی نکل جائے گی وہ چیز اپنی قدر و منزلت میں گر کر ذلیل اور گھٹیا ہو جائے گی۔

یعنی ایک طرف نرمی کی وجہ سے اس عمل کا اجر ابڑھ جائے گا لیکن دوسری طرف وہ عمل خواہ جس قدر نیک ہو، اس میں سختی آنے کی وجہ سے وہ اپنے مقام سے گر جائے گا۔ پس حضور نبی اکرم ﷺ نے اعمال کی قدر و قیمت کا یہ قاعدہ بیان کیا کہ اگر ہم اپنے اعمال کو اجر و ثواب اور

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب فضل الرفق، ۴: ۲۰۰۳، رقم: ۲۵۹۲

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۶۲، رقم: ۱۹۲۲۹

۳۔ أبو داود، السنن، كتاب الأدب، باب في الرفق، ۴: ۲۵۵، رقم: ۴۸۰۹

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب فضل الرفق، ۴: ۲۰۰۴، رقم: ۲۵۹۴

۲۔ أبوداود، السنن، كتاب الجهاد، باب ما جاء في الهجرة وسكنى البدو، ۳: ۳، رقم: ۲۴۷۸

قدر و منزلت کی بلندیوں سے ہم کنار کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں نرمی و شفقت کو حرزِ جاں بنانا ہوگا۔

۴۔ امّ المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ رَفِيْقٌ وَيُحِبُّ الرِّفْقَ. (۱)

اللہ تعالیٰ خود بھی نرمی فرمانے والا ہے اور نرمی کرنے والوں سے محبت کرنے والا ہے۔

یعنی اللہ رب العزت کا لوگوں سے رَحْمٰن و رَحِیْم اور غَفُوْرٌ رَّحِیْم ہو کر پیش آنا نرمی ہے، اس کا صاحبِ رَحْمَتِ وَاسِعَة، رَّبُ الْعَالَمِیْن اور رَازِق ہونا نرمی ہے۔ اس کا جَوَّادٌ وَّ کَرِیْمٌ اور تَوَّابٌ وَّ رَؤُوْفٌ ہونا نرمی ہے۔ لہٰذا وہ ہر معاملے میں نرمی کو پسند کرتا ہے اور نرمی کرنے والوں سے محبت رکھتا ہے۔

۴۔ کم زور طبقات، رحمتِ الٰہیہ کا وسیلہ ہیں

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے معاشرے کے مالی طور پر پس ماندہ، محروم، پسے ہوئے اور کم زور لوگوں کے حوالے سے فرمایا:

رُبَّ أَشْعَثَ مَدْفُوْعٍ بِالْأَبْوَابِ. لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ. (۲)

(۱) بخاری، الصحيح، كتاب استتابة المرتدين والمعاندين وقتالهم، باب إذا عرض الذمي وغيره بسب النبي ﷺ، ۶: ۲۵۳۸، رقم: ۶۵۲۸
۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب فضل الرفق، ۴: ۲۰۰۳، رقم: ۲۵۹۳
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۱۱۲، رقم: ۹۰۲
۴۔ أبو داود، السنن، كتاب الأدب، باب في الرفق، ۴: ۲۵۴، رقم: ۴۸۰۷
(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والأداب، باب فضل الضعفاء والخاملين، ۴: ۲۰۲۴، رقم: ۲۶۲۲

کتنے ایسے لوگ ہوتے ہیں جو (دیکھنے میں تو) پراگندہ حال ہوتے ہیں جنہیں دروازوں سے دھتکار دیا جاتا ہے (مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا یہ مقام ہوتا ہے کہ) اگر وہ کسی معاملے میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھا لیں تو وہ اسے ضرور پورا فرما دیتا ہے۔

گویا اللہ رب العزت کے حضور اِن مستضعفین اور کمزور لوگوں کی اس قدر قبولیت اور محبوبیت ہے کہ جو کام وہ اپنی زبان سے قسم کھا کر کہہ دیں اللہ تعالیٰ اسے تقدیر بنا دیتا ہے۔

۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ نے بھی روایت کیا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

كَمْ مِنْ أَشْعَثَ أَغْبَرَ ذِيْ طِمْرَيْنِ لَا يُؤْبَهُ لَهُ لَوْ أَقْسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ. مِنْهُمْ: الْبَرَاءُ بْنُ مَالِكٍ. (۱)

تم میں کتنے افراد گرد آلود بالوں والے، پھٹے پرانے کپڑوں والے ہیں کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کے نام پر (اس کے بھروسے پر) قسم کھا لیں تو اللہ تعالیٰ ان کی قسم کو پورا کرتا ہے (وہی تقدیر بن جاتی ہے۔ آپ ﷺ نے مزید فرمایا کہ) براء ابن مالک انہی لوگوں میں سے ایک ہے۔

یہی مضمون متعدد صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے دعاؤں کی قبولیت کا ذکر کرتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ غریب، محتاج، اور مالی طور پر پس ماندہ لوگوں کے وسیلے سے اللہ تعالیٰ تمام لوگوں پر رحمت فرماتا ہے۔ اللہ رب العزت کئی محتاجوں کی حاجت روائی

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الجنة وصفة نعيمها وأهلها، باب النار يدخلها الجبارون والجنة يدخلها الضعفاء، ۴: ۲۱۹۱، رقم: ۲۸۵۴

۳۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۷: ۳۳۱، رقم: ۱۰۴۸۲

(۱) ۱۔ ترمذي، السنن، كتاب المناقب، باب مناقب البراء بن مالك رضی اللہ عنہ، ۵: ۶۹۲، رقم: ۳۸۵۴

۲۔ حاكم، المستدرك، ۴: ۴۲۰، رقم: ۵۲۴۷

۳۔ أبو يعلى، المسند، ۷: ۲۶، رقم: ۳۹۸۷

کرتا ہے، کئی بیماروں کو شفا عطا فرماتا اور انہی کے وسیلے سے رزق عطا فرماتا ہے۔ یہ اللہ تعالیٰ کے حضور نعمتوں کی عطا کے لیے تمہارا وسیلہ ہیں جن کا تمہیں علم ہی نہیں۔ غور طلب بات ہے کہ اللہ رب العزت کا کسی بے روزگار کو رزق عطا کرنا، بیمار کو شفا یاب کرنا، پریشان حال کی پریشانی دور کرنا، یہ سب نوازشات بھلا کس ذریعے سے ہوئیں؟ کیا جس کی مدد کی گئی یہ اس کا استحقاق تھا؟ نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کم زوروں کے وسیلے سے ان کی مدد فرمائی۔

۳۔ حضرت سعد بن ابی وقاص ﷛ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

تُنْصَرُونَ وَتُرْزَقُونَ إِلَّا بِضُعَفَائِكُمْ. (۱)

اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے صرف اور صرف (ان) کم زوروں کے وسیلے سے تمہاری مدد کی جاتی ہے اور تمہیں رزق دیا جاتا ہے۔

اس حدیث مبارک سے وسیلے کا مسئلہ بھی واضح طور پر ثابت ہوگیا کہ جب تم میدان جنگ میں جنگ لڑ رہے ہو، دشمن طاقت ور ہے اور تمہیں شکست کا خطرہ ہے تو اس صورت میں اللہ تعالیٰ کی مدد کے لیے اللہ تعالیٰ سے کم زوروں اور مسکینوں کے وسیلے سے دعا کرو۔

گویا جن لوگوں کو ہم نظر انداز کر دیتے ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے حضور اتنے معزز اور محترم ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے وسیلے سے بلائیں ٹالتا، حاجتیں پوری کرتا اور رزق سے نوازتا ہے۔

۵۔ اہلِ جنت و دوزخ کی نشانیاں

۱۔ حضرت حارثہ بن وہب ﷛ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجهاد، باب من استعان بالضعفاء والصالحين في الحرب، ۳: ۱۰۶۱، رقم: ۲۷۳۹
۲۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۳: ۳۰، رقم: ۴۳۸۸
۳۔ حاکم، المستدرک، ۲: ۱۵۷، رقم: ۲۶۴۱

أَ لَا أُخۡبِرُكُمۡ بِأَهۡلِ الۡجَنَّةِ؟

کیا میں تمہیں اہلِ جنت کی پہچان نہ بتاؤں؟

صحابہ کرام ﷺ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بتا دیجئے کہ جنت والے خوش نصیب کون ہیں جن کا جنتی ہونا آپ ﷺ کی زبان مبارک سے پایہ ثبوت کو پہنچ رہا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

كُلُّ ضَعِيۡفٍ مُتَضَعَّفٍ لَوۡ أَقۡسَمَ عَلَى اللهِ لَأَبَرَّهُ.

ہر (وہ ظاہراً) کم زور اور حقیر سمجھا جانے والا شخص (جس کا مقام اللہ تعالیٰ کے ہاں یہ ہوتا ہے کہ) اگر وہ اللہ تعالیٰ کے بھروسے پر قسم کھا بیٹھے تو وہ اسے ضرور پورا کر دیتا ہے۔

یعنی وہ لوگ جن سے معاشرے نے مہنگائی اور ظلم و جبر کے ذریعے جینے کا حق تک چھین لیا ہے، مگر اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کا یہ حال ہے کہ اگر وہ اس کے بھروسے پر قسم کھا لیں تو اللہ ان کی قسم کو تقدیر بنا دیتا ہے۔ بالتحقیق یہ لوگ جنتی ہیں۔ پھر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَ لَا أُخۡبِرُكُمۡ بِأَهۡلِ النَّارِ؟

کیا میں تمہیں دوزخیوں کی پہچان نہ بتا دوں؟

صحابہ کرام ﷺ نے پھر عرض کیا کہ یا رسول اللہ! ضرور بتائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسۡتَكۡبِرٍ. (1)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب عتل بعد ذلك زنیم، ۴:۱۸۷۰، رقم:۴۶۳۴

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب الکبر، ۵:۲۲۵۵، رقم:۵۷۲۳

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجنة وصفة نعیمها وأهلها، باب النار یدخلها الجبارون والجنة یدخلها الضعفاء، ۴:۲۱۹۰، رقم:۲۸۵۳

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴:۳۰۶، رقم: ۱۸۷۵۰

www.MinhajBooks.com

ہر سخت مزاج، جھگڑالو اور مغرور شخص (دوزخی ہوگا)۔

۲۔ حضرت اسامہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

قُمْتُ عَلَى بَابِ الْجَنَّةِ فَكَانَ عَامَّةَ مَنْ دَخَلَهَا الْمَسَاكِيْنُ. (1)

میں جنت کے دروازے پر کھڑا ہوگیا (کہ دیکھوں، میری امت کے کون لوگ سب سے پہلے جنت میں جانے کے حق دار بنائے گئے ہیں)۔ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے جن لوگوں کو جنت میں داخل فرمایا وہ میری امت کے (غریب، محتاج، پسماندہ، پسے ہوئے)، مساکین (اور حاجت مند لوگ) تھے۔

گویا وہ لوگ جو اس جہاں میں معاشرتی ظلم و جبر اور استحصال کی وجہ سے اپنا حق حاصل نہیں کر سکے تو اس کا ازالہ اللہ تعالیٰ قیامت کے دن ان کے جنت میں سب سے پہلے داخلے کی صورت میں کرے گا۔

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

تَحَاجَّتِ النَّارُ وَالْجَنَّةُ.

جنت اور دوزخ کے درمیان ایک (مناظرہ، بحث یا) مکالمہ ہوا۔

.... ۵۔ ترمذی، السنن، كتاب صفة جهنم، باب ۱۳، ۴: ۷۱۷، رقم: ۲۶۰۵

۶۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الزهد، باب من لا يؤبه له، ۲: ۱۳۷۸، رقم: ۴۱۱۶

۷۔ نسائي، السنن الكبرى، ۶: ۴۹۷، رقم: ۱۱۶۱۵

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب النكاح، باب لا تأذن المرأة في بيت زوجها لأحد إلا بإذنه، ۵: ۱۹۹۴، رقم: ۴۹۰۰

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الذكر والدعاء، باب أكثر أهل الجنة الفقراء، ۴: ۲۰۹۶، رقم: ۲۷۳۶

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۰۵، رقم: ۲۱۸۳۰

دوزخ نے کہا:

أُوثِرْتُ بِالْمُتَكَبِّرِيْنَ وَالْمُتَجَبِّرِيْنَ.

متکبر اور جابر لوگ میرے اندر موجود ہیں۔

یعنی میرا درجہ اونچا ہے کیوں کہ دنیا میں جتنے بڑے بڑے بادشاہ، آمر، اکڑی گردنوں والے متکبر، بڑے بڑے محلات والے جن سے دنیا تھرتھر کانپتی تھی، جن کی تجوریاں بھری رہتی تھیں، جنہیں اپنی حکومت اور سلطنت کا سورج غروب ہوتا دکھائی نہیں دیتا تھا، جو سمجھتے تھے کہ وہ پیدا ہی حکمرانی کے لیے ہوئے ہیں، جو ہر شخص کو اپنا غلام، محکوم اور سمجھتے تھے۔ جو کل تک عاجزی و انکساری سے محروم تھے، آج وہ سارے کے سارے میرے اندر آگ میں پڑے ہیں۔ یہ سن کر جنت نے کہا کہ درست ہے کہ میرے پاس ان میں سے کوئی نہیں لیکن:

فَمَا لِي لَا يَدْخُلُنِي إِلَّا ضُعَفَاءُ النَّاسِ وَسَقَطُهُمْ وَعَجَزُهُمْ. وَفِي رِوَايَةٍ: يَدْخُلُنِي الضُّعَفَاءُ وَالْمَسَاكِيْنُ.

میرے پاس تو سارے کے سارے ضعفاء و کمزور، غریب و مسکین، گرے ہوئے اور عاجزی والے لوگ ہیں جنہیں لوگوں نے اپنی نگاہوں سے گرا دیا تھا۔

دوزخ اور جنت کی یہ تمام گفتگو سن کر اللہ رب العزت نے فیصلہ فرماتے ہوئے پہلے جنت سے کہا:

أَنْتِ رَحْمَتِيْ أَرْحَمُ بِكِ مَنْ أَشَاءُ مِنْ عِبَادِيْ.

(اے جنت!) تو میری رحمت ہے اور میں اپنے بندوں میں سے جن پر رحمت فرمانا چاہتا ہوں اسے تیرے سپرد کر دیتا ہوں۔

یعنی میں اپنے بندوں میں سے جس سے محبت کرتا ہوں اور چاہتا ہوں کہ اسے اپنی رحمتِ فراواں اور رحمتِ بے حساب کے ساتھ نوازوں تو اُسے تجھ میں داخل کر دیتا ہوں۔ چونکہ تو

میری جوارِ رحمت، دائرہ رحمت اور تو ہی میرا دامنِ رحمت ہے۔ لیکن اے دوزخ:

إِنَّمَا أَنْتِ عَذَابِي أُعَذِّبُ بِکِ مَنْ أَشَاءُ مِنْ عِبَادِيْ، وَلِکُلِّ وَاحِدَةٍ مِنْهُمَا مِلْؤُهَا. (۱)

تو میرا عذاب ہے پس تیرے ذریعے میں اپنے بندوں میں سے جس کو چاہوں گا عذاب دوں گا۔ اور ان دونوں میں سے ہر ایک کے لیے ایک تعداد مقرر ہے۔

اس طرح عذاب کے حق دار دوزخ کے پاس ہیں اور لطف و کرم، ثواب اور عنایت کے حق دار جنت کے پاس ہیں۔

۶۔ دخولِ جنت کے سب سے پہلے حق دار

۱۔ ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس ایک یہودی وفد نے آپ ﷺ سے سوال کیا کہ جنت کی اجازت سب سے پہلے کن لوگوں کو ملے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا:

فُقَرَاءُ الْمُهَاجِرِيْنَ. (۲)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب التفسیر، سورة ق، باب قول اللہ تعالی وتقول: هل من مزید، ۴: ۱۸۳۶، رقم: ۴۵۶۹
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجنة وصفة نعیمها، باب النار یدخلها الجبارون والجنة یدخلها الضعفاء، ۴: ۲۱۸۷، رقم: ۲۸۴۶
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۱۴، رقم: ۸۱۴۹
۴۔ ترمذی، السنن، باب ما جاء فی احتجاج الجنة والنار، ۴: ۶۹۴، رقم: ۲۵۶۱
۵۔ أبو یعلي، المسند، ۱۱: ۱۷۹، رقم: ۶۲۹۰

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحیض، باب بیان صفة مني الرجل والمرأة وأن الولد مخلوق من مائهما، ۱: ۲۵۲، رقم: ۳۱۵
۲۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۶: ۴۴۰، رقم: ۷۴۲۲

www.MinhajBooks.com

ہجرت کرنے والوں میں سے فقیروں، غریبوں اور مسکینوں کو۔

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

یَدْخُلُ فُقَرَاءُ الْمُسْلِمِيْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَائِهِمْ بِنِصْفِ يَوْمٍ وَهُوَ خَمْسُ مِائَةِ عَامٍ.(۱)

جنت میں میری امت کے مسلمانوں میں سے فقراء، غریب اور مسکین لوگ امیروں سے پانچ سو سال پہلے داخل کیے جائیں گے۔ یہ قیامت کے دن کا آدھا وقت ہے۔

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یہی روایت کچھ مختلف الفاظ میں امام طبرانی نے روایت کی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یَدْخُلُ فُقَرَاءُ الْمُسْلِمِيْنَ الْجَنَّةَ قَبْلَ أَغْنِيَائِهِمْ بِنِصْفِ يَوْمٍ.

جنت میں مسلمانوں میں سے فقراء امیروں سے آدھا دن پہلے داخل ہوں گے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نے نے پوچھا کہ یا رسول اللہ! یہ آدھا دن کتنا بڑا ہوگا؟

اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ يَوْمًا عِنْدَ رَبِّکَ کَأَلْفِ سَنَةٍ.(۲)

بے شک تمہارے رب کے پاس قیامت کا دن ایک ہزار سال کی طرح ہوگا۔

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۴۳، رقم: ۸۵۰۲

۲۔ ترمذی، السنن، کتاب الزهد، باب ما جاء أن فقراء المهاجرين يدخلون الجنة قبل أغنيائهم، ۴: ۵۷۸، رقم: ۲۳۵۴

۳۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الزهد، باب منزلة الفقراء، ۲: ۱۳۸۱، رقم: ۴۱۲۳

۴۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۶: ۴۱۲، رقم: ۱۱۳۴۸

(۲) طبرانی، المعجم الأوسط، ۸: ۳۵۷، رقم: ۸۸۶۵

۴۔ حضرت عبداللہ بن عمرو بن العاص ﷺ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ فُقَرَاءَ الْمُهَاجِرِيْنَ يَسْبِقُوْنَ الْأَغْنِيَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ إِلَى الْجَنَّةِ بِأَرْبَعِيْنَ خَرِيْفًا.(۱)

میری امت کے مہاجرین میں سے جو فقراء اور غریب ہیں وہ امیروں سے چالیس سال پہلے جنت میں بھیج دیئے جائیں گے۔

امیر کبیر لوگ اپنے اپنے مال کا حساب دے رہے ہوں گے۔ غریب اور فقراء کے پاس چونکہ دنیاوی مال تو تھا نہیں اس لیے ان سے ان کے مال کے مطابق ہی حساب کیا جائے گا، جو جلد ختم ہو جائے گا۔ غریبوں اور مسکینوں کو حساب و کتاب سے بری کر دیا جائے گا جب کہ امراء کو پائی پائی کا حساب دینا پڑے گا۔ اسی لیے وہ جنت میں تاخیر سے جائیں گے۔

۷۔ فقراء و مساکین کی خدمت کا اجر

فقراء کی یہ عظیم فضیلتیں بیان کرنے کے ساتھ ساتھ حضور نبی اکرم ﷺ نے کم زوروں اور حاجت مندوں کی مدد کرنے کو اس قدر فضیلت والا عمل قرار دیا ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ نَفَّسَ عَنْ مُؤْمِنٍ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ الدُّنْيَا، نَفَّسَ اللهُ عَنْهُ كُرْبَةً مِنْ كُرَبِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ، وَمَنْ يَسَّرَ عَلٰى مُعْسِرٍ يَسَّرَ اللهُ عَلَيْهِ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ، وَاللهُ فِي عَوْنِ

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزهد والرقائق، ۴: ۲۲۸۵، رقم: ۲۹۷۹
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۶۹، رقم: ۶۵۷۸
۳۔ ترمذی، السنن، كتاب الزهد، باب ما جاء أن فقراء المهاجرين يدخلون الجنة قبل أغنيائهم، ۴: ۵۷۸، رقم: ۲۳۵۵
۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۲: ۴۵۳، رقم: ۶۷۸

الْعَبْدِ مَا كَانَ الْعَبْدُ فِي عَوْنِ أَخِيهِ.[1]

جو شخص کسی مسلمان کی کوئی دنیاوی تکلیف دور کرے گا، اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کے دن کی مشکلات میں سے کوئی مشکل حل کرے گا۔ جو شخص دنیا میں کسی تنگ دست کے لیے آسانی پیدا کرے گا، اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کے لیے آسانی پیدا فرمائے گا، اور جو شخص دنیا میں کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرے گا، اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی پردہ پوشی فرمائے گا۔ اللہ تعالیٰ (اس وقت تک) اپنے بندے کی مدد کرتا رہتا ہے جب تک بندہ اپنے بھائی کی مدد میں لگا رہتا ہے۔

۸۔ غریب اور مسکین کی مثل کوئی نہیں

حضرت سہل بن سعد الساعدی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

مَرَّ رَجُلٌ عَلٰى رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَقَالَ: لِرَجُلٍ عِنْدَهٗ جَالِسٍ مَا رَأْيُكَ فِيْ هٰذَا؟ فَقَالَ: رَجُلٌ مِنْ أَشْرَافِ النَّاسِ هٰذَا، وَاللهِ حَرِيٌّ إِنْ خَطَبَ أَنْ يُنْكَحَ وَإِنْ شَفَعَ أَنْ يُشَفَّعَ.

ایک شخص رسول اللہ ﷺ کے سامنے سے گزرا اس وقت آپ ﷺ کے ساتھ ایک صحابی

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الذکر والدعاء والاستغفار، باب فضل الاجتماع علی تلاوۃ القرآن، ۴: ۲۰۷۴، رقم: ۲۶۹۹
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۵۲، رقم: ۷۴۲۱
۳۔ أبو داود، السنن، کتاب الأدب، باب في المعونة للمسلم، ۴: ۲۸۷، رقم: ۴۹۴۶
۴۔ ترمذی، السنن، کتاب الحدود، باب ما جاء في الستر علی المسلم، ۴: ۳۴، رقم: ۱۴۲۵، ۱۹۳۰، ۲۹۴۵
۵۔ ابن ماجه، السنن، المقدمة، باب فضل العلماء والحث علی طلب العلم، ۱: ۸۲، رقم: ۲۲۵۔

www.MinhajBooks.com

ﷺ بھی بیٹھے تھا۔ آپ ﷺ نے اُس سے پوچھا کہ اس شخص کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ صحابی ﷺ نے کہا: یا رسول اللہ! یہ آدمی اس معاشرے کا سب سے معزز شخص ہے اور خدا کی قسم! یہ (ایسا شخص ہے کہ) اگر کسی شخص سے اُس کی بیٹی کا رشتہ مانگ لے تو اس کا نکاح ہو جائے گا، اور کسی کی سفارش کر دے تو اس کی سفارش قبول کی جائے گی۔

اس کی یہ رائے سن کر حضور نبی اکرم ﷺ خاموش ہو گئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک اور شخص سامنے سے گزرا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے پھر اپنے پاس بیٹھے ہوئے صحابی ﷺ سے پوچھا کہ اس کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے؟ اُس نے کہا:

هٰذَا رَجُلٌ مِنْ فُقَرَاءِ الْمُسْلِمِيْنَ، هٰذَا حَرِيٌّ إِنْ خَطَبَ أَنْ لَا يُنْكَحَ وَإِنْ شَفَعَ أَنْ لَا يُشَفَّعَ وَإِنْ قَالَ أَنْ لَا يُسْمَعَ لِقَوْلِهٖ.

(یا رسول اللہ!) یہ مسلمانوں میں غریب شخص ہے اور ایسا غریب کہ اگر یہ کسی کے پاس رشتہ مانگنے جائے تو اسے رشتہ نہیں ملے گا، کسی کی سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول نہیں ہوگی، کہیں کوئی بات کرے تو اس کی بات کو توجہ سے نہیں سنا جائے گا۔

اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

هَذَا خَيْرٌ مِنْ مِلْءِ الْأَرْضِ مِثْلَ هَذَا. (1)

اگر دنیا پہلی قسم کے لوگوں سے بھری ہو تب بھی یہ فقیر ان سب سے افضل ہے۔

یعنی دنیا کے تمام امیر مل کر بھی اللہ رب العزت کی نگاہ میں اس غریب آدمی کی مثل

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الرقاق، باب فضل الفقر، ۵: ۲۳۶۹، رقم: ۶۰۸۲

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الزهد، باب فضل الفقراء، ۲: ۱۳۷۹، رقم: ۴۱۲۰

نہیں ہو سکتے۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فضیلت کے حوالے سے اس غریب کے برابر کوئی نہیں۔

۹۔ تعلیماتِ نبوی کا مرکزی نکتہ مساکین سے محبت ہے

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

أَحِبُّوا الْفُقَرَاءَ وَجَالِسُوهُمْ. (۱)

فقراء سے محبت کرو اور اُن کے پاس بیٹھا کرو۔

۲۔ حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے مجھے درج ذیل نیک خصلتوں اور عادات کی تلقین فرمائی:

(۱) بِأَنْ لَا أَنْظُرَ إِلٰى مَنْ هُوَ فَوْقِي وَأَنْ أَنْظُرَ إِلٰى مَنْ هُوَ دُوْنِي.

یہ کہ میں کبھی اُس شخص کی طرف نگاہ نہ اٹھاؤں جو (ظاہری) مال و دولت اور عزت و منصب میں مجھ سے بلند ہو بلکہ اپنی نگاہ ہمیشہ اُس شخص کی طرف رکھوں جو ظاہری مال اسباب میں مجھ سے کمزور ہو، (اس سے تمہارے اندر شکر پیدا ہو گا)۔

یعنی اگر معاشرتی اعتبار سے اپنے سے بڑے کو دیکھو گے تو تمہارے اندر ناشکری اور حرص پیدا ہوگی، لیکن اگر ظاہری مال و اسباب میں اپنے سے کمزور کو دیکھو گے تو تمہارے دل میں اللہ تعالیٰ کا شکر پیدا ہو گا۔

(۲) بِحُبِّ الْمَسَاكِيْنِ وَالدُّنُوِّ مِنْهُمْ.

ہمیشہ غریبوں، محتاجوں، مسکینوں اور فقیروں سے محبت کروں اور انہیں ہمیشہ اپنے قریب رکھوں۔

حدیث مبارک کے اس حصہ کی وضاحت حضور سیدنا غوث الاعظم شیخ عبد القادر جیلانی

(۱) ۱۔ حاکم، المستدرک، ۴:۳۶۸، رقم:۷۹۴۷
۲۔ منذری، الترغیب والترہیب، ۴:۶۷، رقم:۴۸۲۷

قدس سرہ العزیز کے اس قول سے بھی ہوتی ہے جو آپ کے مکاشفات میں سے ہے۔ آپ فرماتے ہیں: ’میں نے ایک مرتبہ باری تعالیٰ سے پوچھا: باری تعالیٰ! اگر تمہیں پانا ہو، تیرے قریب ہونا ہو، تیری دعوت کرنی ہو تو کیا کریں؟ اللہ رب العزت نے میرے دل میں یہ بات القا فرمائی کہ محتاجوں، فقیروں اور غربت وفقر کی آگ میں جلنے والوں کی دعوت کیا کر، میں اکثر اُن کا مہمان ہوتا ہوں۔‘ یعنی جو لوگ فقر و فاقہ کی آگ میں جل رہے ہیں، غربت کی چکی میں پس رہے ہیں، اُن کی دعوت کر کے انہیں دسترخوان پر عزت کے ساتھ بلایا کرو، چونکہ میں اُن کا مہمان ہوتا ہوں لہٰذا اُن کے ساتھ میں بھی اپنی شان کے لائق تیرے دستر خوان پر موجود ہوں گا۔ یعنی میری بارگاہ میں تیرا یہ نیک عمل براہِ راست پہنچ گیا۔

ایک اور مقام پر سیدنا غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی فرماتے ہیں: ’میں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سوال کیا کہ باری تعالیٰ اگر تیرا قرب درکار ہو تو کیا کیا جائے؟ اللہ تعالیٰ نے میرے قلب میں یہ بات القاء کی کہ میرے بندے عبدالقادر! وہ فقیر اور غریب لوگ جن کے دِل معاشرے کی ناانصافی کے باعث ٹوٹ چکے ہیں، اُن کا قرب اختیار کر، کیوں کہ میں اکثر شکستہ دلوں میں رہتا ہوں۔ اگر تو ٹوٹے ہوئے دلوں سے پیار کرے گا تو تیرا وہ پیار مجھ سے ہو گا۔ تو ایسے دلوں کو قریب کرے گا تو تجھے میرا قرب نصیب ہوگا۔‘

علامہ محمد اقبال اسی کیفیت پر کہتے ہیں:

تو بچا بچا کے نہ رکھ اسے ترا آئینہ ہے وہ آئینہ
کہ شکستہ ہو تو عزیز تر ہے نگاہِ آئینہ ساز میں

زیر بحث حدیث شریف میں بھی حضور نبی اکرم ﷺ یہی تلقین فرما رہے ہیں کہ اے ابوذر! غریبوں، محتاجوں، فقیروں اور پریشان حالوں سے محبت کر اور اُن کو اپنے قریب رکھ، اس سے تجھے میرا قرب نصیب ہو گا۔

حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کو حضور نبی اکرم ﷺ نے تیسری تلقین یہ کی:

(۳) أَنْ أَصِلَ رَحِمِي.

یہ کہ میں اپنے خونی رشتے باہم جوڑے رکھوں۔

(۴) وَأَمَرَنِیْ أَنْ لَا أَسْئَلَ أَحَدًا شَيْئًا.

اور آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ میں کسی سے کوئی سوال نہ کروں۔

(۵) أَنْ لَا أَخَافَ فِي اللهِ لَوْمَةَ لَائِمٍ.

یہ کہ میں اللہ کا وفادار بندہ بن کر رہوں خواہ لوگ ملامت کریں۔

یعنی ملامت کرنے والے کی ملامت کا قطعاً خوف نہ کیا جائے بلکہ اللہ کے دین کا کام ہر کسی سے بے نیاز ہو کر کیا جائے۔

(٦) أَنْ أَقُوْلَ الْحَقَّ وَإِنْ كَانَ مُرًّا.

یہ کہ میں ہمیشہ حق کہوں خواہ وہ کتنا ہی کڑوا کیوں نہ ہو۔

(۷) أَنْ أُكْثِرَ مِنْ قَوْلٍ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ فَإِنَّهَا كَنْزٌ مِنْ كُنُوْزِ الْجَنَّةِ.(۱)

اور میں کثرت کے ساتھ 'لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللهِ' کا ورد کروں کیونکہ یہ جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ ہے۔

الفاظ کی تھوڑی سی تبدیلی کے ساتھ یہی حدیث امام احمد بن حنبل نے بھی 'المسند' (۵: ۱۵۹، رقم: ۲۱۴۵۳) میں روایت کی ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت ابو ذر غفاری رضی اللہ عنہ کو جن امور کی نصیحت و تلقین فرمائی

---

(۱) ۱۔ ابن حبان، الصحيح، ۲: ۱۹۴، رقم: ۴۴۹
۲۔ بيهقی، السنن الكبری، ۱۰: ۹۱، رقم: ۱۹۹۷۳
۳۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۷: ۳۶۴، رقم: ۷۷۸۹

www.MinhajBooks.com

اُن میں حسنِ سلوک کا تذکرہ ہے۔ یہ اسلام کے انسان دوست دین ہونے کا ثبوت ہے۔

١٠۔ فقراء و مساکین کو نظر انداز کرنے کی ممانعت

١۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

بِئْسَ الطَّعَامُ طَعَامُ الْوَلِيْمَةِ يُدْعَى إِلَيْهِ الْأَغْنِيَاءُ وَيُتْرَكُ الْمَسَاكِيْنُ.(١)

اُس دعوت ولیمہ کا کھانا بہت برا ہے جس میں امیروں کو بلایا جائے مگر غریبوں کو چھوڑ دیا جائے۔

آج لوگ شادیاں پر لاکھوں کروڑوں خرچ کرتے ہیں مگر غریبوں مسکینوں، یتیموں اور معاشرے کے ٹھکرائے ہوئے لوگوں کو کچھ نہیں دیا جاتا۔ سب کے ہاں یہی اہتمام ہوتا ہے کہ بڑے لوگ آئیں جب کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ جس دعوتِ ولیمہ پر غریبوں اور مسکینوں کو نہ بلایا جائے صرف امیروں کو بلایا جائے اُس سے بڑھ کر بُرا کھانا اور کوئی نہیں ہے۔ گویا حضور نبی اکرم ﷺ نے ایسی دعوت کو رد کر دیا جس میں صرف بڑے لوگوں کو بلایا جائے۔

٢۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

---

(١) ١۔ بخاری، الصحيح، كتاب النكاح، باب من ترك الدعوة فقد عصى الله ورسوله ﷺ، ٥: ١٩٨٥، رقم: ٤٨٨٢

٢۔ مسلم، الصحيح، كتاب النكاح، باب الأمر بإجابة الداعي إلى دعوة، ٢: ١٠٥٤، رقم: ١٤٣٢

٣۔ أحمد بن حنبل، المسند، ٢: ٤٠٥، رقم: ٩٢٥٠

٤۔ أبو داود، السنن، كتاب الأطعمة، باب ما جاء في إجابة الدعوة، ٣: ٣٤١، رقم: ٣٧٤٢

٥۔ ابن ماجه، السنن، كتاب النكاح، باب إجابة الداعي، ١: ٦١٦، رقم: ١٩١٣

لِلْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ بِالْمَعْرُوفِ؛ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِذَا لَقِيَهُ، وَيُجِيبُهُ إِذَا دَعَاهُ، وَيُشَمِّتُهُ إِذَا عَطَسَ، وَيَعُودُهُ إِذَا مَرِضَ، وَيَتْبَعُ جَنَازَتَهُ إِذَا مَاتَ، وَيُحِبُّ لَهُ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ.[1]

مسلمان کے مسلمان پر نیکی کرنے میں چھ حقوق ہیں: جب اُس سے ملاقات کرے تو اسے سلام کرے، جب اُسے بلایا جائے تو اُس کی دعوت کو قبول کرے، جب اسے چھینک آئے تو اس کا جواب دے، جب مریض ہو تو اس کی عیادت کو جائے، جب وہ وفات پا جائے تو اس کے جنازے کے ساتھ جائے اور اس کے لیے بھی وہی پسند کرے جو وہ اپنے لیے پسند کرتا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ تمام احکامات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تلقین فرمائے۔

۲۔ حضرت ابو مریم الازدی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ وہ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے پاس گئے تو انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان سنایا:

مَنْ وَلَّاهُ اللهُ عزوجل شَيْئًا مِنْ أَمْرِ الْمُسْلِمِيْنَ فَاحْتَجَبَ دُوْنَ حَاجَتِهِمْ وَخَلَّتِهِمْ وَفَقْرِهِمْ، اِحْتَجَبَ اللهُ عَنْهُ دُوْنَ حَاجَتِهِ وَخَلَّتِهِ وَفَقْرِهِ.[2]

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، باب ما جاء فی تشمیت العاطس، ۵: ۸۰، رقم: ۲۷۳۶

۲۔ ابن ماجه، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی عیادة المریض، ۱: ۴۶۱، رقم: ۱۴۳۴

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۸۸، رقم: ۶۷۳

۴۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۹: ۳۵۱، رقم: ۹۷۴۸

۵۔ دارمی، السنن، ۲: ۳۵۷، رقم: ۲۶۳۳

(۲) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الخراج والإمارة والفيء، باب فیما یلزم الإمام من أمر الرعیة والحجة عنه، ۳: ۱۳۵، رقم: ۲۹۴۸

۲۔ حاکم، المستدرک، ۴: ۱۰۵، رقم: ۷۰۲۷

اگر کسی شخص کو اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر حکومت عطا کی اور اُس شخص نے لوگوں کی حاجتوں، اُن کے فقر و غربت اور محتاجی کو نظر انداز کیا تو اللہ تعالیٰ بھی روزِ قیامت اس شخص کو نظر انداز کر دے گا اور اُسے اسی طرح محتاج، بے سہارا اور فقیر چھوڑ دے گا۔

گویا جو شخص حاکم یا آفیسر بنا اور اس نے اپنے دائرہ اختیار میں آنے والے محتاج کی مدد نہیں کی، بلکہ اُن کو نظر انداز کر دیا تو فرمانِ رسول ﷺ کے مطابق قیامت کے دن اللہ تعالیٰ بھی ایسے شخص کو نظر انداز فرما دیں گے۔ یہ اسلام کا نقطۂ نظر معاشرے کے تمام مسکینوں، محتاجوں اور پس ماندہ افراد کے لیے ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ان پر رحمت، شفقت، محبت و انعام اور احسان پر مبنی رویے کے ساتھ توجہ دینے کا حکم فرمایا ہے۔ آپ ﷺ نے ان کے مسائل کو حل کرنے، اُن سے محبت کرنے، ان کو ہم نشین بنانے، انہیں کھانا کھلانے اور ان کی الجھنوں کو دور کرنے کے لیے وسائل خرچ کرنے کا تاکید کے ساتھ حکم دیا ہے بلکہ آپ ﷺ نے یہاں تک فرمایا کہ جو انہیں نظر انداز کرے گا اسے آخرت کے دن اللہ تعالیٰ بھی نظر انداز فرما دے گا۔ ہمیں اللہ تعالیٰ اور حضور نبی اکرم ﷺ کے ان ارشاداتِ عالیہ کے مطابق اپنے معمولاتِ زندگی طے کرنا ہوں گے، اس صورت میں ہم دونوں جہانوں میں رحمت الٰہی کے حق دار قرار پائیں گے۔

فصل نمبر 5

حضور نبی اکرم ﷺ کی
یتیموں اور خادموں پر رحمت و شفقت

www.MinhajBooks.com

www.MinhajBooks.com

حضور نبی اکرم ﷺ کی طبیعتِ مبارکہ اور شخصیتِ مقدسہ میں تمام انسانی طبقات پر نرمی، شفقت، لطف و کرم، اور رحمت و ملاطفت کے لاتعداد پہلو موجود ہیں۔ انہی پہلوؤں میں سے ایک پہلو حضور نبی اکرم ﷺ کا یتیموں اور خادموں پر شفقت و رحمت پر مبنی تعلیمات بھی ہیں۔ آپ ﷺ نے اس طبقہ کے ساتھ برتاؤ کو خصوصی طور پر انتہائی درجے کے اجر، فضیلت اور ثواب کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلسَّاعِي عَلَى الْأَرْمَلَةِ وَالْمِسْكِيْنِ كَالْمُجَاهِدِ فِي سَبِيْلِ اللهِ أَوْ الْقَائِمِ اللَّيْلَ الصَّائِمِ النَّهَارَ.[۱]

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، كتاب النفقات، باب فضل النفقة على الأهل، ۵: ۲۰۴۷، الرقم: ۵۰۳۸

۲۔ بخاری، الصحیح، كتاب الأدب، باب الساعي على الأرملة، ۵: ۲۲۳۷، رقم: ۵۶۶۰

۳۔ مسلم، الصحیح، كتاب الزهد والرقائق، باب الإحسان إلى الأرملة والمسكين واليتيم، ۴: ۲۲۸۶، رقم: ۲۹۸۲

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۶۱، رقم: ۸۷۱۷

۵۔ ترمذی، السنن، كتاب البر والصلة، باب ما جاء في السعي على الأرملة واليتيم، ۴: ۳۴۶، رقم: ۱۹۶۹

۶۔ نسائي، السنن، كتاب الزكاة، باب فضل الساعي على الأرملة، ۵: ۸۶، رقم: ۲۵۷۷

www.MinhajBooks.com

بیوہ عورت اور مسکین (کے کاموں) کے لیے کوشش کرنے والا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والے کی طرح ہے یا فرمایا: راتوں کو قیام کرنے اور دنوں کو روزے رکھنے والے کی طرح ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ اُن لوگوں کو مجاہد، راتوں کو قیام کرنے اور دن میں روزہ رکھنے والوں جیسا درجہ عطا فرماتا ہے جو بیواؤں، یتیموں اور مسکینوں کی کفالت اور نگہداشت کا اہتمام کرتے ہیں۔

۲۔ یتیموں کی کفالت کی ترغیب سے متعلق درج ذیل حدیث حضرت عائشہ صدیقہ، حضرت ابو ہریرہ اور حضرت سہل بن سعد سمیت مختلف صحابہ کرام ﷺ نے روایت کی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَنَا وَكَافِلُ الْيَتِيمِ فِي الْجَنَّةِ هٰكَذَا. وَأَشَارَ بِالسَّبَّابَةِ وَالْوُسْطٰى، وَفَرَّجَ بَيْنَهُمَا شَيْئًا. (۱)

میں اور یتیم کی کفالت کرنے والا شخص جنت میں اِس طرح ہوں گے۔ آپ ﷺ نے اپنی شہادت کی انگلی اور درمیانی انگلی سے اشارہ کیا اور دونوں کے درمیان کچھ فاصلہ رکھا۔

گویا یتیموں، غریبوں، مسکینوں، محتاج بچوں اور بیواؤں کی نگہداشت، کفالت اور دیکھ

(۱) بخاری، الصحيح، كتاب الطلاق، باب اللّعان، ۵: ۲۰۳۲، رقم: ۴۹۹۸
۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزهد والرقائق، باب الإحسان إلى الأرملة والمسكين واليتيم، ۴: ۲۲۸۷، رقم: ۲۹۸۳
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۳۳۳، رقم: ۲۲۸۷۱
۴۔ أبو داود، السنن، كتاب النوم، باب في من ضم اليتيم، ۴: ۳۳۸، رقم: ۵۱۵۰
۵۔ ترمذی، السنن، كتاب البر والصلة، باب ما جاء في رحمة اليتيم وكفالته، ۴: ۳۲۱، رقم: ۱۹۱۸

بھال کرنے والا اللہ رب العزت اور اس کے رسول ﷺ کے ہاں نہایت اعلیٰ مرتبہ کا حامل ہے۔

۱۔ یتیم کی پرورش کرنے والی ماں کا اجر

حضور نبی اکرم ﷺ نے اُس عورت کی بے حد فضیلت بیان فرمائی جو اپنے یتیم بچوں کی پرورش و کفالت کے لیے مشکلات برداشت کرتی ہے۔

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَنَا أَوَّلُ مَنْ يُفْتَحُ لَهُ بَابُ الْجَنَّةِ إِلَّا أَنَّهُ تَأْتِي امْرَأَةٌ تُبَادِرُنِي، فَأَقُوْلُ لَهَا: مَا لَكِ؟ مَنْ أَنْتِ؟ فَتَقُوْلُ: أَنَا امْرَأَةٌ قَعَدْتُ عَلٰى أَيْتَامٍ لِي. (۱)

میں وہ پہلا شخص ہوں گا جس کے لیے جنت کا دروازہ کھولا جائے گا مگر یہ کہ ایک عورت مجھ سے پہلے گزرنے لگے گی، میں اُس سے پوچھوں گا: تمہارا کیا معاملہ ہے؟ تم کون ہو؟ وہ عرض کرے گی: میں وہ عورت ہوں جو اپنے یتیم بچوں کی پرورش کے لیے بیٹھی رہی (دوسرا نکاح نہیں کیا، تو آپ ﷺ اسے جنت میں داخل فرما دیں گے)۔

یعنی میں وہ عورت ہوں جس کا شوہر فوت ہو گیا تھا لیکن میں نے اپنے یتیم بچوں کی رحمت، شفقت اور پوری توجہ سے پرورش، نگہداشت اور کفالت کے کرنے کے لیے دوسری شادی نہیں کی اور اُن کے ساتھ ہی رہی۔ حضور نبی اکرم ﷺ اُس خاتون کا عظیم درجہ بیان فرما رہے ہیں کہ یتیم کی پرورش میں زندگی گزار دینے والی عورتیں جنت میں میرے ساتھ داخل ہوں گی۔

۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ أبو يعلى، المسند، ۱۲: ۷، رقم: ٦٦٥١
۲۔ ديلمي، مسند الفردوس، ۱: ۳۴، رقم: ۵۸
۳۔ منذری، الترغيب والترهيب، ۳: ۲۳٦، رقم: ۳۸۴۲
۴۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۱٦۲

مَنْ عَالَ جَارِيَتَيْنِ حَتّٰى تَبْلُغَا، جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ أَنَا وَهُوَ، وَضَمَّ أَصَابِعَهُ.(۱)

جس شخص نے دو بچیوں کی بلوغت تک پرورش کی، قیامت کے دن میں اور وہ (اس طرح اکٹھے) آئیں گے۔ (یہ فرماتے ہوئے) آپ ﷺ نے اپنی انگلیوں کو ملا دیا۔

۲۔ دل کی سختی دور کرنے کا نبوی نسخہ

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں آ کر عرض کیا کہ یارسول اللہ ﷺ میرا دل بڑا سخت ہے (یعنی میرے دل میں نرمی، رقت اور گریہ وزاری نہیں ہے، کیا کروں؟) جواباً حضور نبی اکرم ﷺ نے اُسے دل کی سختی کو نرمی میں بدلنے کا ایک نسخہ ان الفاظ میں تلقین فرمایا:

فَأَطْعِمِ الْمِسْكِيْنَ وَامْسَحْ رَأْسَ الْيَتِيْمِ.(۲)

(قساوتِ قلب کو دور کرنے والا عمل یہ ہے کہ) مسکین کو کھانا کھلاؤ اور یتیم کے سر پر ہاتھ پھیرا کرو۔

یعنی یہ اتنا عظیم الشان روحانی عمل ہے کہ اس عمل سے اللہ رب العزت دل کی قساوت کو نرمی میں تبدیل فرما دیتا ہے۔

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب فضل الإحسان إلى البنات، ۴: ۲۰۲۷، رقم: ۲۶۳۱

۲۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۵: ۲۲۲، رقم: ۲۵۴۳۹

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۶۳، ۳۸۷، رقم: ۷۵۶۶، ۹۰۰۶

۲۔ عبد بن حميد، المسند، ۱: ۴۱۷، رقم: ۱۴۲۶

۳۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ۴: ۶۰، رقم: ۶۸۸۶

۴۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۷: ۴۷۲، رقم: ۱۱۰۳۴

۳۔ یتیموں سے حسنِ سلوک کی ترغیب

۱۔ حضرت ابو اُمامہ ﷺ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ مَسَحَ رَأْسَ يَتِيمٍ لَمْ يَمْسَحْهُ إِلَّا لِلّٰهِ كَانَ لَهُ بِكُلِّ شَعْرَةٍ مَرَّتْ عَلَيْهَا يَدُهُ حَسَنَاتٌ.(۱)

جس نے یتیم کے سر پر (شفقت سے) ہاتھ پھیرا اور اُس کا مقصد صرف اللہ تعالیٰ کی رضا حاصل کرنا تھا تو اُس کے لیے ہر اُس بال کے بدلے نیکیاں ہیں جس جس بال پر اُس کا ہاتھ پھرا تھا۔

ان تمام احادیث کے مطالعہ سے عیاں ہوتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ان تمام لوگوں کو جنت کی ضمانت دی ہے جن کے گھروں میں یتیم بچوں اور بچیوں کی محبت اور شفقت کے ساتھ نگہداشت و پرورش کی جائے۔ خواہ وہ بچے ان کے اپنے ہوں یا کسی اور کے ہوں۔ نیز ان لوگوں کو نہ صرف دوزخ سے نجات کا پروانہ مل گیا بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے جنت بھی واجب کر دی ہے۔

۲۔ حضرت ابو ہریرہ ﷺ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

خَيْرُ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِينَ بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ يُحْسَنُ إِلَيْهِ وَشَرُّ بَيْتٍ فِي الْمُسْلِمِينَ بَيْتٌ فِيهِ يَتِيمٌ يُسَاءُ إِلَيْهِ.(۲)

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۵۰، ۲۶۵، رقم: ۲۲۲۰۷، ۲۲۳۳۸
۲۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۸: ۲۰۲، رقم: ۷۸۲۱

(۲) ۱۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الأدب، باب حق الیتیم، ۲: ۱۲۱۳، رقم: ۳۶۷۹
۲۔ بخاری، الأدب المفرد: ۶۱، رقم: ۱۳۷،
۳۔ عبد بن حمید، المسند، ۱: ۴۲۷، رقم: ۱۴۶۷
۴۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۵: ۹۹، رقم: ۴۷۸۵

مسلمانوں میں بہترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اُس کے ساتھ نیک سلوک کیا جاتا ہو اور مسلمانوں میں سب سے بدترین گھر وہ ہے جس میں کوئی یتیم ہو اور اُس کے ساتھ برا سلوک کیا جاتا ہو۔

۴۔ غلاموں اور خادموں پر شفقت و رحمت

حضور نبی اکرم ﷺ نے یتیم، مسکین اورمحتاج بچوں کی محبت اور شفقت کے ساتھ پرورش کو اسلام کا افضل عمل قرار دیا ہے، حالانکہ اس سے پہلے انسانوں کو غلام بنانے کا رواج عام تھا۔ غلام بنائے جانے والے افراد میں زیادہ تر معاشرے کے غریب، مسکین، یتیم اورمحتاج بچے ہوتے تھے، نیز جنگی قیدی بھی غلام اور باندیاں بن کر آتے تھے۔ بعض لوگوں کو کم علمی یا بے خبری کے باعث یہ مغالطہ لاحق ہے کہ شاید معاذ اللہ غلامی کا تصور اسلام نے متعارف کروایا ہے۔ یہ بات سرے سے غلط اور بے بنیاد ہے۔ اس لیے کہ اسلام کی آمد آج سے صرف پندرہ سو سال پہلے ہوئی، جبکہ اسلام کی آمد سے ہزار ہا سال قبل دنیا بھر میں غلامی کا تصور رائج تھا۔

افریقہ میں اسلام پہنچنے سے قبل وہاں غلاموں کی منڈیاں لگتی تھیں ۔ چین، روم اور فارس کی سلطنتوں میں بھی غلامی کا تصور عام تھا جو بالترتیب عیسائی اور زرتشتی سلطنتیں تھیں۔ یونان کے دورِ عروج و زوال میں، مصر کی قدیم و جدید بادشاہتوں میں، بابلی اور ہندوستان کی تہذیب میں بھی غلامی کا تصور موجود تھا۔ گویا اسلام کی آمد سے قبل روئے زمین کی ساری تہذیبوں، تمام ممالک اور سبھی خطوں میں ۵ سے ۷ ہزار سال سے غلامی کا تصور موجود تھا۔ اسلام کے ساتھ اس کا کوئی تعلق و واسطہ نہیں ہے بلکہ اسلام ہی وہ پہلا نظامِ حیات ہے جس نے اس بدترین تہذیبی مظہر میں اصلاحات کیں۔

دنیا میں جنگی قیدیوں کے لیے سوائے ایک دو قوانین کے کوئی اور قانون نہیں تھا:

۱۔ انہیں نہایت اذیت ناک طریقوں سے سزائے موت دے دی جاتی۔

۲۔ کارآمد جنگی قیدیوں میں سے مردوں کو غلام اور عورتیں کو باندیاں بنا لیا جاتا تھا۔

بعد ازاں ان غلاموں اور باندیوں سے وہ شرم ناک اور اذیت ناک سلوک کیا جاتا جس کو سننا بھی اسلام گوارہ نہیں کرتا۔ غلامی اس وقت بھی دنیا کی تمام تہذیبوں میں رائج تھی اور اُس نظام وحکومت میں جنگی قیدیوں کے تبادلے، تاوان یا انہیں آزاد کرنے کا کوئی تصور نہیں تھا۔ اسلام نے تاریخِ انسانیت میں پہلی بار جنگی قیدیوں کی رہائی کی صورتیں متعین فرمائیں۔ چنانچہ غزوہ بدر کے موقع پر جب کفار کے ۷۰ جنگ جو قیدی بن کر آئے تو حضور نبی اکرم ﷺ نے انہیں صرف مدینہ طیبہ کے دس دس بچوں کو تعلیم دینے کے عوض آزاد کر دیا۔(۱)

اسلام نے نہ انسانوں کو غلام بنانے کی ترغیب دی ہے اور نہ ہی اس بات کو ترجیح دی کہ لوگوں کو غلام رکھا جائے بلکہ اس کے برعکس اسلام نے ہمیشہ غلاموں کو آزاد کرنے کا حکم دیا۔ اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں غلام آزاد کرنے کو عظیم اجر وفضیلت کا باعث عمل قرار دیا۔

(۱) اسلام میں غلامی کی ہر سطح پر حوصلہ شکنی

اسلام نے تاریخِ انسانی میں پہلی مرتبہ غلام بنانے کے بجائے غلاموں کو آزاد کرنے کی ترغیب دی۔ غلامی کو مزید رواج دینے کے بجائے غلاموں کو بندگانِ حر بنانا سکھایا۔ جن لوگوں کو متحارب ریاست سے مسلسل حالتِ جنگ کی وجہ سے یا کسی اور سبب سے آزاد نہیں کیا جا سکتا تھا، انہیں بھی بطور غلام غلاموں کی کسی منڈی میں نہ بیچا جاتا۔ قید خانے نہ ہونے کی بناء پر حکومت کی سر پرستی میں ان لوگوں کو پرائیویٹ نگرانی میں اس ہدایت کے ساتھ دیا جاتا کہ جو خود کھاؤ وہی انہیں بھی کھانے کے لیے دیں۔ یعنی ان سے حسنِ سلوک کو ہر صورت اختیار کیا جائے۔ الغرض اسلام نے غلامی کا پورا تصور ہی بدل دیا۔

تاریخ انسانیت میں کسی تہذیب و ثقافت، کسی ریاست اور کسی دور میں بھی جنگی قیدیوں اور غلاموں کے ساتھ اِس طرح کے سلوک کی نظیر نہیں ملتی کہ انہیں جن کی نگرانی میں دیا جائے ان پر بطور نگران یہ فریضہ بھی لاگو کیا جائے کہ

---

(۱) ابن سعد، الطبقات الکبری، ۲:۲۲

۱۔ جو کھانا تم خود کھاتے ہو، وہی اپنے غلاموں کو بھی کھلاؤ۔

۲۔ جو لباس تم پہنتے ہو، وہی ان کو بھی پہناؤ۔

۳۔ ان پر کوئی ظلم نہ کرو اور نہ ہی ان کو معمولی سی بھی تکلیف دو۔

۴۔ انسانی تاریخ میں پہلی مرتبہ انہیں شادی کا بھی حق دیا گیا۔

۵۔ یہ حق بھی دیا گیا کہ اگر وہ اپنے مالک کے ساتھ ایک قیمت مقرر کر لیں اور اس مقررہ رقم کی ادائیگی کر دیں تو انہیں آزاد ہونے کا حق خود بخود حاصل ہو جائے گا۔

۶۔ جو یہ نہ کر سکیں ان کو بھی آزادی عطا کرنے کے لیے اسلام نے مختلف کفارے اور اخروی انعامات مقرر کر دیئے کہ

(۱) اگر کوئی روزہ توڑ بیٹھے تو غلام آزاد کرے۔

(۲) قسم توڑ دے تو غلام آزاد کرے۔

(۳) اعلیٰ ترین عبادت کا خواہش مند ہے تو غلام آزاد کرے۔

(۴) اللہ رب العزت کا قرب چاہتا ہے تو غلام آزاد کرے۔

(۵) خود کو دوزخ سے نجات دلانا چاہتا ہے تو غلام آزاد کرے۔

الغرض اسلام نے ایسے بے شمار احکام دیے جو معاشرے میں اس سوچ کا باعث بنے کہ غلام کو آزاد کرنا بذات خود بہت بڑی نیکی اور باعثِ اجر عمل ہے۔ چنانچہ حضور نبی اکرم ﷺ جب صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے کسی سے خوش ہو کر اسے دعا دیتے تو وہ آپ ﷺ کی بارگاہ سے واپسی پر غلام آزاد کرتے حتیٰ کہ سیدنا عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ جیسے متمول صحابہ اسلام لانے کے بعد ہر جمعہ کو ایک غلام آزاد فرماتے۔ اس طرح حضور نبی اکرم ﷺ نے غلاموں کو آزاد کرنے پر مبنی ایک نئی تہذیب، منفرد اندازِ زندگی اور انسانی حرمت و آزادی کا وہ روایت شکن رجحان پیدا فرمایا جس سے غلامی کی صورت میں موجود انسانیت سوز رائج نظام بالآخر محدود سے محدود تر ہوتا چلا گیا۔

مزید یہ کہ اسلام نے ہی غلاموں کو معاشرتی، اخلاقی اور قانونی حقوق دیئے۔ اپنے ہی مالک کے خلاف عدالت میں جا کر اپنا کیس لڑنے کا حق دینا بلا مبالغہ اسلام اور پیغمبرِ اسلام a کا ایسا تاریخ ساز اور انقلابی کارنامہ ہے جس کا اس سے پہلے دنیا کی کسی سلطنت اور کسی تہذیب و ثقافت میں نام و نشان تک نہیں ملتا۔ تاریخِ عالم کے کسی دور یا کسی بھی تمدن میں غلاموں کو اپنے مالکوں کے خلاف عدالتوں میں جا کر کیس لڑنے کا حق نہیں تھا۔ اسلام نے غلاموں کو وہ سارے حقوق عطا کئے جو اس سے پہلے دورِ غلامی میں موجود ہی نہیں تھے اور پھر ان کے تحفظ کو عدالتوں کے ذریعے یقینی بھی بنایا۔ اسلام نے قرآن و سنت کے ذریعے نہ صرف غلاموں کے حقوق کو متعین کیا بلکہ ان کی حفاظت کا سامان بھی مہیا کیا۔

(۲) غلامی کے خاتمہ کے لیے تدریجی عمل

ابتدائے اسلام میں غلامی کے ادارے کو کلیتًا جڑ سے اکھاڑنے کی کوئی صورت اس لیے اختیار نہیں کی جاسکتی تھی، کیونکہ غلامی کا یہ تصور پوری دنیا میں بیک وقت رائج تھا۔ اگر اسلام اس وقت پوری دنیا پر غالب آ چکا ہوتا تو اسے مکمل طور پر ختم کیا جا سکتا تھا مگر چونکہ اسلام کی اپنی حدود تھیں اور ان سے باہر غلامی کا باقاعدہ رواج تھا، چنانچہ جب جنگیں ہوتیں تو اطراف کے لوگ جنگی قیدی بنتے جنہیں مخالفین غلام بنا لیتے جبکہ اسلامی سلطنت میں قید خانے نہ ہونے کے باعث انہیں حکومت کی نگرانی میں مساوات کی ہدایات دے کر مختلف افراد کے سپرد کر دیا جاتا۔

اس طرح اسلام نے مذکورہ مختلف تدریجی اعمال، ترغیب کے ساتھ ساتھ قانون سازی کے ذریعے عالمی سطح پر غلامی کے خلاف وہ ماحول پیدا کیا جو انسانیت پر اسلام کے احسانات میں سے ہے۔ اسلام کے اسی تدریجی عمل کے سبب آخر کار غلامی دنیا سے ہمیشہ کے لیے ختم ہوگئی۔

آیئے! اب حضور نبی اکرم ﷺ کے ان فرامین کا مطالعہ کریں جو آپ ﷺ نے تصورِ غلامی کی بیخ کنی اور غلاموں کے حقوق بارے ارشاد فرمائے ہیں۔

۵۔ خادموں سے حسنِ سلوک کی تلقین

آج کے دور میں غلاموں کی جگہ ان ملازموں نے لے لی ہے جنہیں اجرت پر معاونت کے لیے رکھا جاتا ہے۔

۱۔ چنانچہ ملازموں کے حوالے سے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا ہے:

أَرِقَّاؤُكُمْ إِخْوَانُكُمْ، فَأَحْسِنُوْا إِلَيْهِمْ، (وفي رواية: أَوْ فَأَصْلِحُوْا إِلَيْهِمْ) وَاسْتَعِيْنُوْهُمْ عَلٰى مَا غَلَبَكُمْ، وَأَعِيْنُوْهُمْ عَلٰى مَا غُلِبُوْا. (۱)

تمہارے غلام (خادم) تمہارے بھائی ہیں، اُن کے ساتھ حسنِ سلوک کیا کرو۔ (ایک روایت میں ہے: اُن کے ساتھ بہتر سلوک کرو۔) جو کام تمہارے لیے مشکل ہوں اُس میں اُن کی مدد لو اور جو کام اُن کے لیے مشکل ہوں اُن میں اُن کی مدد کیا کرو۔

۲۔ حضرت ابوموسیٰ اشعری ﷺ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ثَلَاثَةٌ لَهُمْ أَجْرَانِ: رَجُلٌ مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ آمَنَ بِنَبِيِّهٖ وَآمَنَ بِمُحَمَّدٍ ﷺ، وَالْعَبْدُ الْمَمْلُوْكُ إِذَا أَدّٰى حَقَّ اللهِ وَحَقَّ مَوَالِيْهِ، وَرَجُلٌ كَانَتْ عِنْدَهٗ أَمَةٌ، فَأَدَّبَهَا فَأَحْسَنَ تَأْدِيْبَهَا، وَعَلَّمَهَا فَأَحْسَنَ تَعْلِيْمَهَا، ثُمَّ أَعْتَقَهَا فَتَزَوَّجَهَا، فَلَهٗ أَجْرَانِ. (۲)

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵:۵۸، ۱۷۳، رقم:۲۰۶۰۰، ۲۳۱۹۶

۲۔ بخاری، الأدب المفرد:۷۶، رقم:۱۹۰

۳۔ أبویعلی، المسند، ۲:۲۲۱، رقم:۹۲۰

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب العلم، باب تعلیم الرجل أمته وأهله، ۱:۴۸، رقم:۹۷

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الإیمان، باب وجوب الإیمان برسالة نبینا محمد ﷺ إلی جمیع الناس ونسخ الملل بملته، ۱:۱۳۴، رقم:۱۵۴ ←

تین آدمیوں کے لیے دو اجر ہیں: ایک وہ اہلِ کتاب جو اپنے نبی پر بھی ایمان لایا اور محمد مصطفیٰ ﷺ پر بھی ایمان لایا۔ دوسرا وہ غلام (خادم) جو اللہ تعالیٰ کا حق بھی بجا لائے اور اپنے آقا کے حقوق بھی پورے کرے۔ تیسرا وہ شخص جس کے پاس لونڈی ہو، وہ اُسے بہترین ادب سکھائے اور اُسے بہترین تعلیم دے، پھر آزاد کر کے اُس سے نکاح کر لے تو اُس کے لیے بھی دوہرا اجر ہے۔

اسلام سے قبل دنیا کی کسی تہذیب، سلطنت یا کسی بھی نظامِ حیات نے غلاموں کو بھائی قرار دیتے ہوئے آزاد انسانوں جیسا رتبہ قطعاً نہیں دیا تھا۔ یہ شرف صرف اسلام ہی کو حاصل ہے کہ اس نے غلاموں کے ساتھ حسنِ سلوک کی اس حد تک تلقین کی۔

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

لِلْمَمْلُوْکِ طَعَامُهُ وَكِسْوَتُهُ، وَلَا يُكَلَّفُ مِنَ الْعَمَلِ إِلَّا مَا يُطِيْقُ.(۱)

.... ۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴:۳۹۵، رقم:۱۹۵۵۰

۴۔ ترمذی، السنن، کتاب النكاح، باب ما جاء في الفضل في ذلك، ۳:۴۲۴، رقم:۱۱۱٦

۵۔ نسائي، السنن، کتاب النكاح، باب عتق الرجل جاريته ثم يتزوجها، ٦:۱۱۵، رقم:۳۳۴۴

٦۔ ابن ماجه، السنن، کتاب النكاح، باب الرجل يعتق أمته ثم يتزوجها، ۱:٦۲۹، رقم:۱۹۵٦

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، کتاب الأيمان، باب إطعام المملوك مما يأكل وإلباسه مما يلبس ولا يكلفه ما يغلبه، ۳:۱۲۸۴، رقم: ۱٦٦۲

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲:۲۴۷، رقم:۷۳۵۸

۳۔ مالك، الموطأ، ۲:۹۸۰، رقم:۱۷٦۹

۴۔ شافعي، المسند، ۱:۳۰۵

۵۔ عبد الرزاق، المصنف، ۹:۴۴۸، رقم:۱۷۹٦۷

خادم کا کھانا اور کپڑا (اس کے مالک کے ذمہ) ہے اور اُس کو ایسے کام پر مجبور نہ کیا جائے جس کی وہ طاقت نہ رکھتا ہو۔

۴۔ حضرت ابو الیسر ﷺ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

أَطْعِمُوْهُمْ مِمَّا تَأْكُلُوْنَ، وَأَلْبِسُوْهُمْ مِمَّا تَلْبَسُوْنَ، وَكَانَ أَنْ أَعْطَيْتُهُ مِنْ مَتَاعِ الدُّنْيَا أَهْوَنُ عَلَيَّ مِنْ أَنْ يَأْخُذَ مِنْ حَسَنَاتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (۱)

اپنے غلاموں کو وہی چیز کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور اُنہیں وہی کپڑا پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو۔ میں اُسے دنیا کا سامان دے دوں یہ میرے لیے اس سے زیادہ آسان ہے کہ وہ قیامت کے دن میری نیکیاں لے لے۔

۵۔ حضرت ابو ذر ﷺ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ، جَعَلَهُمُ اللهُ تَحْتَ أَيْدِيْكُمْ. فَمَنْ كَانَ أَخُوْهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ، وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ، وَلَا تُكَلِّفُوْهُمْ مَا يَغْلِبُهُمْ، فَإِنْ كَلَّفْتُمُوْهُمْ فَأَعِيْنُوْهُمْ. (۲)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزهد، باب حديث جابر الطويل وقصة أبي اليسر، ۴: ۲۳۰۳، رقم: ۳۰۰۷

۲۔ بخاری، الأدب المفرد: ۷۵، رقم: ۱۸۷

۳۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱۹: ۱۶۹، رقم: ۳۷۹

۴۔ قضاعي، مسند الشهاب، ۱: ۲۸۳، رقم: ۴۶۲

۵۔ طحاوی، شرح معاني الآثار، ۴: ۳۵۶

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الإيمان، باب المعاصي من أمر الجاهلية، ۱: ۲۰، رقم: ۳۰

۲۔ بخاری، الصحيح، كتاب العتق، باب قول النبي ﷺ: العبيد إخوانكم فأطعموهم مما تأكلون، ۲: ۸۹۹، رقم: ۲۴۰۷

www.MinhajBooks.com

تمہارے غلام (خادم) بھی تمہارے بھائی ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے تمہارے ماتحت کیا ہے لہٰذا جس کا بھائی اُس کے ماتحت ہے اُسے چاہیے کہ جو وہ خود کھاتا ہے اُس میں سے اُسے بھی کھلائے، اور جو خود پہنتا ہے اُس میں سے اُسے بھی پہنائے۔ اُنہیں اُن کی طاقت سے بڑھ کر کسی کام کا مکلّف نہ ٹھہراؤ اور اگر ایسا کوئی کام اُن کے ذمہ لگاؤ تو اُس کام میں خود بھی اُن کی مدد کرو۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے غلاموں کے ساتھ کریمانہ محبت کا حکم اِس لیے دیا ہے کہ اُن کی عزتِ نفس مجروح نہ ہو اور انہیں بھی آزاد لوگوں کی طرح باعزت مقام ملے۔ یہی وجہ ہے کہ بے شمار صحابہ، تابعین، اتباع التابعین، جلیل القدر محدّثین، فقہاء اور رواۃ ایسے ہیں جو آزاد کردہ غلام یا ان کی اولاد تھے اور وہ علمِ دین میں امت کے لیے مرجع کی حیثیت رکھتے تھے۔ مدینہ طیبہ، مکہ معظّمہ، بصرہ، کوفہ اور دمشق میں بھی یہ لوگ مرجع خلائق تھے۔ لیکن اگر انہیں غلامی کی زنجیروں سے آزاد نہ کرایا تو وہ کبھی امت کے اتنے بڑے عالم اور امام نہ ہو سکتے تھے۔

۶۔ خادمین پر تشدّد کی ممانعت

سیرتِ طیبہ میں ایسے واقعات بھی ملتے ہیں کہ جن میں خادمین اور ملازمین پر تشدد کرنے کی شدید مذمت کی گئی ہے۔

۱۔ حضرت سوید بن مقرن رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ کی معیت میں ہم سات بھائی تھے۔ ہمارے پاس صرف ایک ہی خادم تھا۔ ہم میں سے ایک بھائی نے اُس خادم کو غصے میں تھپڑ مار دیا۔ اس امر کی خبر رسول اللہ ﷺ کو ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ اس کو آزاد کر

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الأیمان، باب إطعام المملوک مما یأکل وإلباسه مما یلبس ولا یکلفه ما یغلبه، ۳:۱۲۸۳، رقم:۱۶۶۱

۴۔ بزار، المسند، ۹:۴۰۲، رقم:۳۹۹۶

۵۔ أبو عوانة، المسند، ۴:۷۳، رقم:۶۰۷۲

دیں۔ سو انہوں نے اسے آزاد کر دیا۔ [1]

اللہ جانے کہ وہ صحابہ اس غلام کو کتنے پیسوں سے خرید کر لائے ہوں گے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ان کے اِس عذر کو قبول نہ کیا اور انہیں اس غلام کو آزاد کرنے کا حکم دے دیا۔

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اَلْمَمْلُوْکُ أَخُوْکَ، فَإِذَا صَنَعَ لَکَ طَعَامًا فَأَجْلِسْهُ مَعَکَ، فَإِنْ أَبٰی فَأَطْعِمْهُ، وَلَا تَضْرِبُوْا وُجُوْهَهُمْ. [2]

غلام (خادم) بھی تمہارا بھائی ہے، جب وہ تمہارے لیے کھانا تیار کرے تو اُسے اپنے ساتھ بٹھاؤ اگر وہ پاس بیٹھنے سے انکار کرے تو پھر بھی اُسے کھانا (ضرور) کھلاؤ اور (اگر اُن سے کوئی خطا بھی ہو جائے تو) اُن کے چہروں پر نہ مارو۔

۳۔ حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ ضَرَبَ سَوْطًا ظُلْمًا اقْتُصَّ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. [3]

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأيمان، باب صحبة المماليك وكفارة من لطم عبده، ۳: ۱۲۷۹، رقم: ۱۶۵۸

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۴۴۴، رقم: ۲۳۷۹۳

۳۔ أبو داود، السنن، كتاب الأدب، باب في حق المملوك، ۴: ۳۴۲، رقم: ۵۱۶۶

۴۔ ترمذی، السنن، كتاب النذور والأيمان، باب ما جاء في الرجل يلطم خادمه، ۴: ۱۱۴، رقم: ۱۵۴۲

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۵۰۵، رقم: ۱۰۵۷۴

۲۔ طيالسي، المسند، ۱: ۳۱۲، رقم: ۲۳۶۹

۳۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۶: ۳۷۳، رقم: ۸۵۶۷

(۳) ۱۔ طبرانی، المعجم الأوسط، ۲: ۱۲۰، رقم: ۱۴۴۵

۲۔ بيهقی، السنن الكبری، ۸: ۴۵، رقم: ۱۵۷۸۳

جس نے اپنے غلام (یا خادم) کو ظلماً کوڑا مارا تو قیامت کے دن اُس غلام کا اُس سے قصاص (بدلہ) لیا جائے گا۔

یعنی میں قیامت کے دن اس کا وکیل، اس کے حق کا محافظ بن کر اُس کا بدلہ لوں گا۔

۴۔ ایک اور روایت میں حضرت عمار بن یاسر رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَا مِنْ رَجُلٍ يَضْرِبُ عَبْدًا لَهُ إِلَّا أُقِيْدَ مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (۱)

جس شخص نے بھی اپنے غلام (خادم) کو مارا تو روزِ قیامت اُس سے اِس کا حساب لیا جائے گا۔

۵۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا:

مَنْ لَطَمَ مَمْلُوْكَهُ أَوْ ضَرَبَهُ، فَكَفَّارَتُهُ أَنْ يُعْتِقَهُ. (۲)

جو شخص اپنے غلام (خادم) کو تھپڑ مارے یا اُس کو پیٹے تو اُس کا کفارہ یہ ہے کہ اُسے آزاد کر دے۔

۶۔ غلاموں سے شفقت و محبت کے حوالے سے بھی حضور نبی اکرم ﷺ نے بہت تاکید

---

(۱) ۱۔ بزار، المسند، ۴: ۲۳۷، رقم: ۱۳۹۹
۲۔ أبو نعيم، حلية الأولياء، ۴: ۳۷۸
۳۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۳: ۱۴۸، رقم: ۳۴۴۱
۴۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۱۰: ۳۵۳

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الأيمان، باب صحبة المماليك وكفارة من لطم عبده، ۳: ۱۲۹۸، رقم: ۱۶۵۷
۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الأدب، باب في حق المملوك، ۴: ۳۴۲، رقم: ۵۱۶۸
۳۔ أبو عوانة، المسند، ۴: ۶۸، رقم: ۶۰۵۵

فرمائی۔ سیدنا عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ نبی اکرم ﷺ سے ایک شخص عرض کناں ہوا:

كَمْ أَعْفُوْ عَنِ الْخَادِمِ؟ فَصَمَتَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ، ثُمَّ قَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، كَمْ أَعْفُوْ عَنِ الْخَادِمِ؟ فَقَالَ: كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً. (1)

(یا رسول اللہ!) میں اپنے خادم کو کتنی بار معاف کروں؟ رسول اللہ ﷺ خاموش رہے، اُس نے پھر عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اپنے خادم کو کتنی بار معاف کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہر روز ستر مرتبہ۔

۷۔ حضور ﷺ کا مدینہ کے غلاموں اور باندیوں کے ساتھ

محبت و رحمت پر مبنی رویہ

مدینہ طیبہ کے تمام غلاموں، باندیوں اور خدام کے ساتھ حضور نبی اکرم ﷺ کا حُسنِ سلوک انتہا درجہ کا مثالی تھا۔

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

كَانَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ إِذَا صَلَّى الْغَدَاةَ، جَاءَ خَدَمُ الْمَدِيْنَةِ بِآنِيَتِهِمْ فِيْهَا الْمَاءُ، فَمَا يُؤْتٰى بِإِنَاءٍ إِلَّا غَمَسَ يَدَهُ فِيْهَا، فَرُبَّمَا جَاؤُوْهُ فِي الْغَدَاةِ

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۱۱، رقم: ۵۸۹۹
۲۔ أبوداود، السنن، کتاب الأدب، باب في حق المملوك، ۴: ۳۴۱، رقم: ۵۱۶۴
۳۔ ترمذی، السنن، کتاب البر والصلة، باب ما جاء في العفو عن الخادم، ۴: ۳۳۶، رقم: ۱۹۴۹
۴۔ أبو يعلی، المسند، ۱۰: ۱۳۳، رقم: ۵۷۶۰
۵۔ منذری، الترغيب والترهيب، ۳: ۱۵۱، رقم: ۳۴۵۸

الْبَارِدَةِ، فَيَغْمِسُ يَدَهُ فِيهَا.[1]

رسول اللہ ﷺ جب صبح کی نماز سے فارغ ہوتے تو مدینہ منورہ کے خدام پانی سے بھرے اپنے برتن لے آتے، جو برتن بھی آپ ﷺ کے پاس لایا جاتا، آپ ﷺ (اُنہیں برکت عطا کرنے کے لیے) اُس میں اپنا ہاتھ ڈبو دیتے، بسا اوقات وہ (سخت) سردیوں کی صبح پانی لاتے، آپ ﷺ پھر بھی اُس میں بھی اپنا ہاتھ ڈبو دیتے۔

یہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا حصولِ برکت اور توسل کا عقیدہ تھا۔ حضور نبی اکرم ﷺ ہر ایک کے برتن میں دست اقدس ڈبودیتے جسے وہ بیماروں کو شفاء اور حصولِ برکت کے لیے پلاتے۔

۲۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ بن مالک روایت کرتے ہیں:

إِنْ كَانَتِ الْأَمَةُ مِنْ إِمَاءِ أَهْلِ الْمَدِيْنَةِ لَتَأْخُذُ بِيَدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَتَنْطَلِقُ بِهِ حَيْثُ شَاءَتْ.[2]

مدینہ طیبہ کی (بے سہارا) لونڈیوں میں سے اگر کوئی لونڈی (اپنے کسی کام کے سلسلے میں) رسول اللہ ﷺ کا ہاتھ پکڑ کر آپ کو کہیں لے جانا چاہتی تو لے جاتی (اور آپ اُس پر شفقت فرما کر اس کے کام کاج کے سلسلے میں اس کا سہارا بنتے تھے)۔

یہ حدیث، غلاموں اور باندیوں کے ساتھ حضور نبی اکرم ﷺ کے طرزِ عمل اور اسوۂ

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الفضائل، باب قرب النبي ﷺ من الناس وتبركهم به، ۴:۱۸۱۲، رقم:۲۳۲۴
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳:۱۳۷، رقم:۱۲۴۲۴
۳۔ عبد بن حميد، المسند، ۱:۳۸۰، رقم:۱۲۷۴
۴۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۲:۱۵۴، رقم:۱۴۲۹

(۲) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب الأدب، باب الكبر، ۵:۲۲۵۵، رقم:۵۷۲۴
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳:۹۸، رقم:۱۱۹۶۰
۳۔ أبو نعيم، حلية الأولياء، ۷:۲۰۲

مبارک کی منہ بولتی تصویر ہے۔ آپ ﷺ کا یہ مبارک عمل مبارک عاجزی، انکساری اور ملاطفت کو اختیار کرنے اور تکبر سے اجتناب کرنے کی ترغیب دیتا ہے۔

۸۔ غلام آزاد کرنے کا اجر

حضور نبی اکرم ﷺ نے غلاموں کو آزاد کرنے کی متعدد مواقع پر ترغیب و تلقین فرمائی۔

۱۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ أَعْتَقَ رَقَبَةً مُسْلِمَةً أَعْتَقَ اللهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنَ النَّارِ حَتّٰى فَرْجَهُ بِفَرْجِهٖ.(۱)

جو شخص کسی ایک مومن کی گردن (غلام کو) آزاد کرے تو اللہ تعالیٰ اس کے ایک ایک عضو کے بدلے آزاد کرنے والے کے ایک ایک عضو کو دوزخ سے آزاد کرتا جائے گا یہاں تک کہ اُس کی شرم گاہ کے بدلے میں اُس کی شرم گاہ کو آزاد کیا جائے گا۔

گویا غلام کو آزاد کرنا اُس بندے کو دوزخ سے آزادی اور جنت ملنے کا پروانہ ہے۔

۲۔ حضرت ابو نجیح سلمی رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَيُّمَا رَجُلٍ مُسْلِمٍ أَعْتَقَ رَجُلًا مُسْلِمًا فَإِنَّ اللهَ عزوجل جَاعِلٌ وِقَاءَ كُلِّ عَظْمٍ مِنْ عِظَامِهٖ عَظْمًا مِنْ عِظَامِ مُحَرَّرِهٖ مِنَ النَّارِ، وَأَيُّمَا امْرَأَةٍ أَعْتَقَتْ امْرَأَةً مُسْلِمَةً فَإِنَّ اللهَ جَاعِلٌ وِقَاءَ كُلِّ عَظْمٍ مِنْ عِظَامِهَا عَظْمًا مِنْ عِظَامِ

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب کفارات الأیمان، باب قول اللہ تعالی أو تحریر رقبة وأي الرقاب أزكی، ۶: ۲۴۶۹، رقم: ۶۳۳۷
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب العتق، فضل العتق، ۲: ۱۱۴۷، رقم: ۱۵۰۹
۳۔ ترمذی، السنن، کتاب النذور والأیمان، باب ما جاء فی ثواب من أعتق رقبة، ۴: ۱۱۴، رقم: ۱۵۴۱

www.MinhajBooks.com

مُحَرَّرِهَا مِنَ النَّارِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ.(۱)

اگر کوئی شخص کسی مسلمان (غلام) مرد کو آزاد کرے تو اللہ تعالیٰ (قیامت کے روز) اُس غلام کی ہر ہڈی کے بدلے میں آزاد کرنے والے کی ہر ہڈی کو جہنم سے بچائے گا اور اگر عورت کسی مسلمان (غلام) عورت کو آزاد کرے تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اس لونڈی کی ہر ہڈی کے بدلے آزاد کرنے والی کی ہر ہڈی کو جہنم سے بچائے گا۔

اس حدیث میں بھی آزادی کا بدلہ نارِ جہنم سے دائمی آزادی کے طور پر عطا کیا گیا ہے۔ گویا اسلام نے یہ قانون جاری کر کے قیامت تک کے لیے اسوہ مقرر کر دیا ہے کہ غلام کی آزادی کا بدلہ دوزخ سے آزادی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی اس طرح کی ترغیبات کے سبب اہلِ ایمان میں دوزخ سے آزادی پانے کی رغبت، طلب اور تڑپ بڑھتی چلی گئی جس نے ایک رجحان کی صورت اختیار کر لی اور یوں بتدریج غلامی ختم ہوتی چلی گئی۔

۹۔ غلام کا مقام و مرتبہ

۱۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے جب غلاموں کے حقوق اور ان کے لیے قیامت کے دن اپنی محافظت فراہم کرنے کا بیان فرمایا تو حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مجھے خواہش ہوئی:

وَالَّذِی نَفْسِی بِيَدِهِ؛ لَوْلَا الْجِهَادُ فِي سَبِيْلِ اللهِ، وَالْحَجُّ، وَبِرُّ أُمِّيْ، لَأَحْبَبْتُ أَنْ أَمُوْتَ وَأَنَا مَمْلُوْکٌ.(۲)

---

(۱) ۱۔ أبوداود، السنن، کتاب العتق، باب في عتق ولد الزنی، ۴: ۲۹، رقم: ۳۹۶۵

۲۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۳: ۱۶۹، رقم: ۴۸۷۹

۲۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۹: ۱۶۱، رقم: ۱۸۲۹۰

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب العتق، باب العبد إذا أحسن عبادة ربه ونصح سیده، ۲: ۹۰۰، رقم: ۲۴۱۰

اس ذات کی قسم جس کے قبضہ قدرت میں میری (یعنی ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی) جان ہے! اگر اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد، حج اور اپنی والدہ سے نیک سلوک کرنا فرض نہ ہوتا (یہ واجبات اگر میرے ذمے نہ ہوتے) تو میں چاہتا کہ میں اس حال میں مروں کہ میں مملوک یعنی غلام ہو کر مروں۔

اس لیے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک مومن عبد کی اتنی فضیلت اور اپنی اس قدر قربت بیان فرما دی ہے کہ اگر میرے یہ واجبات مجھ پر نہ ہوتے تو میں غلامی کی خواہش کرتا۔

۲۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

عُرِضَ عَلَيَّ أَوَّلُ ثَلَاثَةٍ يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ؛ فَالشَّهِيْدُ، وَعَبْدٌ مَمْلُوْكٌ أَحْسَنَ عِبَادَةَ رَبِّهِ وَنَصَحَ لِسَيِّدِهِ، وَعَفِيْفٌ مُتَعَفِّفٌ ذُوْ عِيَالٍ. (۱)

مجھ پر تین (قسم کے) افراد پیش کئے گئے جو سب سے پہلے جنت میں داخل ہوں گے۔ ان میں سے ایک شہید ہے، دوسرا غلام (عبد مملوک) ہے جو اپنے رب کے حق کی ادائیگی بھی کرتا ہے اور اپنے مالک کے حق کی ادائیگی بھی اور تیسرا وہ شخص ہے جو 'ذو عیال' بھی ہے مگر کسی سے بھیک نہیں مانگتا۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان سے واضح ہوتا ہے کہ جو غلام اپنے رب کے حقوق ادا کرتا ہے اور ساتھ ہی اپنے مالک کا حق بھی ادا کرتا ہے تو اس کے لیے جنت کی بشارت ہے۔

.... ۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الأیمان، باب ثواب العبد وأجره إذا نصح لسیده وأحسن عبادة الله، ۳: ۱۲۸۴، رقم: ۱۶۶۵

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۳۳۰، رقم: ۸۳۵۴

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۴۲۵، رقم: ۹۴۸۸

۲۔ ترمذی، السنن، کتاب فضائل الجهاد، باب ما جاء في ثواب الشهداء، ۴: ۱۷۶، رقم: ۱۶۴۲

۳۔ ابن أبی شیبة، المصنف، ۴: ۲۰۵، رقم: ۱۹۳۳۵

۱۰۔ حسنِ سلوک کرنے والوں کی اولاد سے بھی حسنِ سلوک کا حکم

غلاموں پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی شفقت، رحمت اور محبت کا عالم یہ ہے کہ آپ ﷺ نے اپنے کردار کے ذریعے معاشرے میں ان کا درجہ بلند کیا۔

۱۔ حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک موقع پر جنگی قیدی آئے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کو اطلاع دی گئی کہ یا رسول اللہ! ان قیدیوں میں حاتم طائی کی بیٹی بھی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اس خاتون کو بلایا اور فرمایا کہ چونکہ تو سخی باپ کی بیٹی ہے لہٰذا تجھے آزاد کیا جاتا ہے۔ اس نے کہا: یا رسول اللہ! میں سخی حاتم کی بیٹی ہوں اس لیے میں اکیلی تو آزادی نہیں لوں گی جو میرے ساتھ آئے ہیں ان کو بھی آزاد فرمائیں۔ چنانچہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کی خاطر سب کو آزاد کرتے ہوئے فرمایا: یہ اس لیے کہ تمہارا باپ بھوکوں کو کھانا کھلاتا تھا، بے لباسوں کو لباس پہناتا تھا، مہمان نوازی کرتا تھا اور جو کوئی اس سے حاجت طلب کرتا، اس کی حاجت پوری کرتا تھا۔[1]

غلاموں کو آزاد کرنے، سلامتی اور امن کو عام کرنے، بھوکے کو کھانا کھلانے، بے لباس کو کپڑے پہنانے، لوگوں کی مہمان نوازی اور ان کی حاجت روائی کرنے جیسی خوبیوں کو حضور نبی اکرم ﷺ نے کس قدر سراہا کہ ایسا کرنے والے شخص کی بیٹی اور اس کے تمام قبیلے والوں کو آزاد کر دیا اور ساتھ ہی اپنے عمل سے یہ سبق بھی دیا کہ طلب گاروں کی طلب کو پورا کیا جائے، جن کے پاس ضروریاتِ زندگی میسر نہیں ہیں، انہیں وہ مہیا کی جائیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے ان شائستہ اطوار اور اخلاقی اقدار کو جو اپنی نوعیت میں سیکولر، ہیومن اور سوشل ہیں، ان اقدار کے حامل شخص کی نسل کے لوگوں کو عزت اور آزادی عطا فرمائی۔

۲۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا ایسا ہی ایک اور ایمان افروز اظہارِ محبت و شفقت اپنے خادم

(۱) ابن عساکر، تاریخ مدینة دمشق، ۶۹:۲۰۴

حضرت ربیعہ بن کعب الاسلمی ﷺ کے ساتھ بھی ہے جو رات کو آپ ﷺ کی خدمت کے لیے آپ کے پاس رہتے۔ وہ فرماتے ہیں:

كُنْتُ أَبِيْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَأَتَيْتُهُ بِوَضُوْئِهِ وَحَاجَتِهِ، فَقَالَ لِي: سَلْ. فَقُلْتُ: أَسْأَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ. قَالَ: أَوْ غَيْرَ ذَالِكَ؟ قُلْتُ: هُوَ ذَاكَ. قَالَ: فَأَعِنِّي عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ. (1)

میں رات رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں گزارتا اور آپ ﷺ کے وضو کے لیے پانی اور ضرورت کی چیزیں لاتا تھا۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ نے مجھے فرمایا: (اے ربیعہ) مانگو! میں نے عرض کیا: (یا رسول اللہ!) جنت میں آپ کی رفاقت کا طلب گار ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: اس کے علاوہ اور کچھ؟ میں نے عرض کیا: مجھے یہی کافی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: پھر کثرتِ سجود کے ذریعے اپنے اس معاملے میں میری مدد کرو۔

یعنی یا رسول اللہ! جب آپ ﷺ کو مانگ رہا ہوں اور جنت میں آپ ﷺ کی رفاقت، اور سنگت مانگ رہا ہوں تو اس سے بڑھ کر بھلا اور کیا ہے جو مانگوں؟

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الصلاة، باب فضل السجود والحثّ عليه، ۱: ۳۵۳، رقم: ۴۸۹

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الصلاة، باب وقت قيام النبي ﷺ من الليل، ۲: ۳۵، رقم: ۱۳۲۰

۳۔ نسائي، السنن، كتاب التطبيق، باب فضل السجود، ۲: ۲۲۷، رقم: ۱۱۳۸

۴۔ نسائی، السنن الكبرى، ۱: ۲۴۲، رقم: ۷۲۴

۵۔ طبراني، المعجم الكبير، ۵: ۵۶، رقم: ۴۵۷۰

۶۔ أبو عوانة، المسند، ۱: ۴۹۹، رقم: ۱۸۶۱

۷۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۲: ۴۸۶، رقم: ۴۳۴۴

سب کچھ خدا سے مانگ لیا تجھ کو مانگ کر
اٹھتے نہیں ہیں ہاتھ مرے اس دعا کے بعد

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: ٹھیک ہے یہ سب مل گیا، اب تم میری بھی مدد کرو کہ زندگی میں کثرتِ سجود کو اپنا معمول بنا لو، اس سے اللہ تعالیٰ تمہیں اپنا اور میرا قرب عطا کرے گا۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے یتیم بچوں، بیواؤں، باندیوں اور غلاموں (جو اِس دور کے لحاظ سے خادم ہیں) کے ساتھ حسنِ سلوک کی تعلیم دی ہے اور اسلام نے ان کے ساتھ احسان، لطف و کرم، شفقت اور رحمت کا جو معیار مقرر کیا ہے، اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انسانی معاشرے کا کوئی طبقہ ایسا نہیں جس کے لیے اسلام کی تعلیمات احسان پر مبنی نہ ہوں۔ اللہ تعالیٰ ہم سب کو اپنی زندگیاں اسلام کی تعلیمات کے عین مطابق گزارنے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین!

فصل نمبر 6

حضور نبی اکرم ﷺ کی
سادہ اَن پڑھ لوگوں پر شفقت و رحمت

www.MinhajBooks.com

www.MinhajBooks.com

اسلام کے رحمت، شفقت اور امن مبنی دین کا کھلم کھلا اظہار سامنے آتا ہے کہ سادہ اور ان پڑھ لوگوں پر بھی حضور نبی اکرم ﷺ کی رحمت و شفقت، لطف و احسان اور فضل و عنایت کے مظاہر کا صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے مشاہدہ کیا اور اسے روایت کرتے ہوئے امت تک پہنچایا۔

'بدو' جنہیں أعراب کہا جاتا ہے، غیر مہذب، جاہل، درشت گو اور سخت طبیعت کے دیہاتی لوگ تھے۔ وہ دوسروں سے نہایت سختی کے ساتھ پیش آتے۔ فطری مزاج اور آپ ﷺ کی عظمت کی صحیح معرفت نہ ہونے کے سبب حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہِ اقدس کے کما حقہٗ آدابِ بجا نہ لا سکتے تھے۔ بعض اوقات اسی بے خبری کی وجہ سے وہ آپ ﷺ کے ساتھ ایسا معاملہ کر بیٹھتے یا آپ ﷺ کو اس انداز میں مخاطب کر بیٹھتے تھے کہ جو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم گوارہ نہ کر پاتے اور ان کے دلوں میں ان لوگوں کے خلاف ایک فطری غصہ ظاہر ہوتا کہ وہ لوگ بارگاہِ رسالت کے بنیادی آداب کو بھی ملحوظ نہیں رکھ پا رہے۔ وہ کبھی حضور نبی اکرم ﷺ کو اونچی آواز سے پکارتے اور کبھی آپ ﷺ کی پوشاک مبارک کھینچ کر اپنی جانب متوجہ کرتے نظر آئے۔

ایسی صورتِ حال میں بھی حضور نبی اکرم ﷺ کی شفقت و رحمت، لطف و محبت بھرے رویے میں کوئی فرق نہ آتا۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ کے چہرۂ اقدس پر ہلکی سی ناگواری کا تاثر بھی پیدا نہ ہوتا بلکہ رحمتِ عالم ﷺ بدستور اَعراب پر اپنی شفقت نچھاور فرماتے رہتے۔ مجموعی طور پر یہ طرزِ عمل جہاں حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کے شفقت پر مبنی ہونے کے پہلو کو اجاگر کرتا ہے وہاں اسلام کے مزاج، تعلیمات اور اس کی روح پر بھی روشنی ڈالتا ہے۔ آیئے اس سلسلے میں سنتِ مصطفیٰ ﷺ کی روشنی میں اسلام کے پیغامِ امن و محبت کا مطالعہ کریں۔

www.MinhajBooks.com

ا۔ محبت و شفقت پر مبنی اسلوبِ تربیت

دیہات کا رہنے والا ایک شخص (اعرابی) مسجد نبوی میں حضور نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں آیا۔ آپ ﷺ صحابہ کرام ﷺ کے جھرمٹ میں تشریف فرما تھے۔ آداب سے آگاہ نہ ہونے اور جہالت کی بنا پر اس نے مسجدِ نبوی کے اندر پیشاب کر دیا۔ صحابہ کرام ﷺ اسے یہ عمل کرتا دیکھ کر روکنے کے لیے اس کی طرف دوڑے لیکن حضور نبی اکرم ﷺ نے انہیں فوراً سختی سے منع فرما دیا کہ اسے کچھ نہ کہو۔ کیونکہ اگر تم اسے آواز دو گے یا اس کی طرف دوڑو گے تو وہ دورانِ پیشاب خوف کی کیفیت میں آ کر پیشاب روکے گا تو اسے تکلیف ہوسکتی ہے۔ جب وہ پیشاب کر کے فارغ ہو چکا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ سے فرمایا کہ اسے آدابِ مسجد معلوم نہیں اس لیے اسے جھڑکنے کے بجائے جہاں اس نے پیشاب کیا ہے وہاں خاموشی سے دو تین ڈول پانی اس کی نظروں کے سامنے بہا دو اور اس جگہ کو دھو دو۔ تمہارے اس عمل سے یہ سمجھ جائے گا کہ اس جگہ پیشاب کرنا مناسب نہیں تھا۔ بعد ازاں رسول اللہ ﷺ نے اسے اپنے پاس بلا کر بڑی شفقت و محبت اور حکمت کے ساتھ مسجد کے آداب سکھائے۔ آپ ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ کو اس اعرابی کو روکنے سے منع کرتے ہوئے فرمایا:

فَإِنَّمَا بُعِثْتُمْ مُيَسِّرِيْنَ وَلَمْ تُبْعَثُوْا مُعَسِّرِيْنَ. (1)

تمہیں آسانی مہیا کرنے کے لیے پیدا کیا گیا ہے، سختی کرنے کے لیے نہیں۔

یعنی تم لوگوں کو اپنی نرمی کے سبب دین کی طرف دعوت دینے والے اور دین کی طرف رغبت

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الأدب، باب الرفق في الأمر کله، ۵: ۲۲۴۲، رقم: ۵۶۷۹

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الوضوء، باب صبّ الماء علی البول في المسجد، ۱: ۸۹، رقم: ۲۱۷

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الطھارۃ، باب وجوب غسل البول وغیرہ، ۱: ۲۳۶، رقم: ۵۔۲۸۴

دلانے والے بنایا گیا ہے، سخت رویے سے لوگوں کو دین سے بھگانے والا نہیں بنایا گیا۔

اندازہ کیجئے کہ ایک شخص مسجدِ نبوی میں حضور نبی اکرم ﷺ کے سامنے ایک ایسے فعل کا مرتکب ہوتا ہے جسے آج بھی کوئی بڑے سے بڑا لادینی اور مادہ پرست انسان پرست بھی برداشت نہیں کر سکتا کہ کوئی اس کے سامنے ایسے عمل کا مرتکب ہو لیکن یہاں بالغ شخص اللہ تعالیٰ کے مقدس گھر میں، اللہ تعالیٰ کے محبوب نبی ﷺ کی موجودگی میں ایسے عمل کا ارتکاب کرتا ہے مگر آپ ﷺ نے اُسے تکلیف سے بچانے کے لیے رحمت پر مبنی تربیت کا انداز اختیار فرمایا۔

۲۔ غیر تعلیم یافتہ اور سادہ لوگوں پر حضور ﷺ کی شفقت

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

قَامَ رَسُولُ اللهِ ﷺ فِي صَلَاةٍ وَقُمْنَا مَعَهُ فَقَالَ أَعْرَابِيٌّ وَهُوَ فِي الصَّلَاةِ: اللَّهُمَّ ارْحَمْنِي وَمُحَمَّدًا وَلَا تَرْحَمْ مَعَنَا أَحَدًا، فَلَمَّا سَلَّمَ النَّبِيُّ ﷺ قَالَ لِلْأَعْرَابِيِّ: لَقَدْ حَجَّرْتَ وَاسِعًا يُرِيْدُ رَحْمَةَ اللهِ. (۱)

رسول اللہ ﷺ نماز پڑھانے کے لیے کھڑے ہوئے اور ہم بھی آپ کے ساتھ کھڑے ہو گئے۔ دورانِ نماز ایک اعرابی نے کہا: اے اللہ! مجھ پر اور محمد ﷺ پر رحم فرما اور ہمارے ساتھ اور کسی پر رحم نہ کر۔ جب حضور نبی اکرم ﷺ نے سلام پھیرا تو اعرابی سے فرمایا: تم نے ایک وسیع چیز کو تنگ کر دیا۔

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، کتاب الأدب، بَاب رَحْمَةِ النَّاسِ وَالْبَهائِمِ، ۵: ۲۲۳۸، رقم: ۵۶۶۴

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۸۳، رقم: ۷۷۸۹

۳۔ أبو داود، السنن، کتاب الصلاة، باب الدعاء فی الصلاة، ۱: ۲۳۳، رقم: ۸۸۲

۴۔ نسائی، السنن، کتاب السهو، باب الکلام فی الصلاة، ۳: ۱۴، رقم: ۱۲۱۶-۱۲۱۷

حضور نبی اکرم ﷺ کا تعلیم و تربیت کا انداز یہ تھا کہ مخاطب کسی کے سامنے شرم مسار بھی نہ ہو اور اسے بات بھی سمجھا دی جائے۔ یہ طرزِ عمل سراسر شفقت پر مبنی ہے۔ یہی وہ عناصر ہیں جو لوگوں کے ساتھ طرزِ عمل میں ہر سطح اور ہر موقع پر اتنی فراوانی کے ساتھ آپ ﷺ اختیار فرماتے ہیں کہ عام حالات میں انسانی عقل جس کا تصور بھی نہیں کر سکتی۔

۳۔ آدابِ نبوت سے بے خبروں پر بھی شفقت و عطا

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

كُنْتُ أَمْشِي مَعَ النَّبِيِّ ﷺ، وَعَلَيْهِ بُرْدٌ نَجْرَانِيٌّ غَلِيْظُ الْحَاشِيَةِ، فَأَدْرَكَهُ أَعْرَابِيٌّ فَجَذَبَهُ جَذْبَةً شَدِيْدَةً، حَتّٰى نَظَرْتُ إِلٰى صَفْحَةِ عَاتِقِ النَّبِيِّ ﷺ قَدْ أَثَّرَتْ بِهٖ حَاشِيَةُ الرِّدَاءِ مِنْ شِدَّةِ جَذْبَتِهٖ.

میں حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ چل رہا تھا۔ آپ ﷺ موٹے کنارے والی ایک نجرانی چادر اوڑھے ہوئے تھے۔ ایک اعرابی (راستے میں) ملا تو اس نے بڑے زور سے آپ ﷺ کی چادر کو پکڑ کر کھینچا۔ یہاں تک کہ میں نے زور سے کھینچنے کے باعث چادر کے کنارے کی رگڑ کا نشان آپ ﷺ کی گردن مبارک پر دیکھا۔

چادر کے زور سے کھینچے جانے کی وجہ سے زخمی ہو جانے کے باوجود حضور نبی اکرم ﷺ اس کی طرف دیکھ کر خفا نہیں ہوئے اور آپ ﷺ کے چہرۂ اقدس پر ناخوش گواری کے اثرات بھی دکھائی نہیں دیے۔ آپ ﷺ نے جواب میں اسے یہ بھی نہیں فرمایا کہ کیا کر رہے ہو بلکہ اپنے معمول کے مطابق اسی طرح تحمل، بردباری اور محبت کے ساتھ اس کی طرف دیکھا۔ اس نے کہا:

مُرْ لِي مِنْ مَالِ اللهِ الَّذِي عِنْدَكَ. (۱)

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب اللباس، باب البرود والحبرة والشملة، ۵: ۲۱۸۸، رقم: ۵۴۷۲

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزکاة، باب إعطاء من سأل بفحش وغلظة، ۲: ←

آپ کے پاس جو اللہ تعالیٰ کا مال ہے مجھے اُس میں سے عطا فرمایے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کی طرف دیکھا اور مسکرا پڑے۔ اس کی بے ادبی پر مبنی تکلیف دہ، انتہائی نامناسب، ناگوار اور ناقابلِ برداشت سخت روش کے باوجود آپ ﷺ نے اس پر شفقت فرمائی۔ اس کی بات کو سنا اور جو اس نے مانگا اسے عطا کر دیا۔

رسول اللہ ﷺ کی یہ نرمی اور رحمت تمام انسانیت کے لیے پیغامِ محبت ہے کہ ہر شخص جو اپنے عمل کی وجہ سے عنایت و نرمی کا حق دار ہو یا نہ ہو اسلامی تعلیمات کا مجموعی مزاج اور عمومی طرزِ عمل اس کے لیے بھی ہمیشہ لطف و کرم اور رحمت و عطا پر مشتمل رہے گا۔

۲۔ بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ کے آداب سے نا آشنا ایسے ہی ایک شخص کے طرزِ تخاطب پر آپ ﷺ ناگواری کا اظہار نہیں فرماتے بلکہ اس کی پوری بات کو نہایت توجہ سے سن کر جواب مرحمت فرماتے ہیں۔ حضرت صفوان بن عسّال رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ہم حضور نبی اکرم ﷺ کے ہمراہ مجلس میں بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک اعرابی (بدو) آیا اوراس نے اونچی آواز کے ساتھ آپ ﷺ کو پکارا۔ ہم نے تیزی سے اس شخص کو کہا کہ آواز آہستہ کرو کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں آواز کو اونچا کرنا اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا اشارہ لَا تَرْفَعُوْٓا اَصْوَاتَكُمْ فَوْقَ صَوْتِ النَّبِيِّ[(1)] 'تم اپنی آوازوں کو نبی مکرّم (ﷺ) کی آواز سے بلند مت کیا کرو۔' کی طرف تھا لیکن اس دیہاتی نے شاید یہ سوچا کہ یہ اپنی طرف سے کہہ رہے ہیں۔

اس نے کہا: خدا کی قسم! میں اپنی آواز کو آہستہ نہ کروں گا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس پر بھی اس کے لیے کوئی ناگواری ظاہر نہ کی۔ اس اعرابی صحابی کے اس انداز پر بھی آپ ﷺ کا ناگواری کا اظہار نہ فرمانا آپ ﷺ کی رحمت کی عملی شفقت کا اظہار ہے کہ اس شخص کی درشت گوئی اور سخت روی کے باوجود آپ ﷺ نہ صرف اس کی طرف متوجہ ہو کر اور اس کی بات غور

.... ۷۳۰، رقم: ۱۰۵۷

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۵۳، رقم: ۱۲۵۷۰

(۱) الحجرات، ۴۹: ۲

سے سن کر اس کو جواب دیتے بلکہ آپ ﷺ ایک لمحہ کے لیے بھی، معمولی سا اظہارِ ناگواری بھی نہیں فرماتے، بلکہ جیسے دوسروں پر شفقت فرماتے تھے، اس پر بھی شفقت کا اسی طرح مظاہرہ کیا۔

اس اعرابی صحابی نے حضور نبی اکرم ﷺ سے سوال کیا:

اَلْمَرْءُ يُحِبُّ الْقَوْمَ وَلَمَّا يَلْحَقْ بِهِمْ.

ایک آدمی کسی قوم سے محبت کرتا ہے اور ابھی تک وہ ان سے نہیں مل سکا۔

حدیث مبارک کے اس ٹکڑے **وَلَمَّا يَلْحَقْ بِهِمْ** (ابھی تک وہ ان سے نہیں مل سکا) کے دو معنیٰ ہیں:

(۱) ایک یہ کہ کوئی شخص کسی اللہ والے سے محبت تو کرے مگر بُعدِ زمانی یعنی زمانے کے مختلف ہونے کی وجہ سے یا درمیانی فاصلے کے زیادہ ہونے کی وجہ سے اسے جسمانی طور پر اس اہل اللہ کی صحبت اور ملاقات نصیب نہ ہو سکے۔ جیسے آج لوگ حضور داتا گنج بخش علیؒ ہجویری، حضرت بابا فرید الدینؒ گنج شکر، حضور غوث الاعظمؒ، حضرت خواجہ معین الدینؒ چشتی اجمیری، حضرت پیر مہر علیؒ شاہ یا کسی بھی بزرگ سے محبت کرتے ہیں جن کا زمانے کے لحاظ سے ہمارے زمانے سے صدیوں کا فاصلہ ہے یا زمانہ تو ایک ہی ہے مگر وہ اتنی دور رہتے ہیں کہ ان تک پہنچنے کے وسائل اور اخراجات دستیاب نہیں۔

(۲) دوسرا معنیٰ یہ ہے کہ اعمال میں ان کی برابری نہیں کر سکا یعنی اعمالِ صالحہ، تقویٰ، پرہیزگاری، عبادت گزاری وغیرہ اس قدر اختیار نہیں کر سکا جس قدر وہ اللہ والے شب و روز کرتے ہیں یا کرتے تھے۔

محدّثین اور شارحینِ حدیث نے **وَلَمَّا يَلْحَقْ بِهِمْ** کے یہ دونوں معنیٰ بیان کئے ہیں کہ محبت تھی مگر ملاقات نہیں کر سکا یا محبت تھی مگر ان جیسے اعمال نہیں کر سکا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کے اس سوال کے جواب میں فرمایا:

اَلْمَرْءُ مَعَ مَنْ أَحَبَّ.(۱)

ہر شخص اس کے ساتھ ہوگا جس سے وہ محبت کرتا ہوگا۔

یعنی محبت کرنے والے کا حساب و کتاب اور اس کا حشر و نشر اسی کے ساتھ کیا جائے گا جس کے ساتھ اسے محبت ہوگی۔ گو وہ زندگی میں اپنی محبوب شخصیت سے ملاقات نہ کر سکے یا اعمال اور درجات کے اعتبار سے ان میں فرق موجود ہو۔ دونوں صورتوں میں اللہ رب العزت اس بندے کو اس کی محبت کا یہ صلہ دے گا کہ نہ ملنے کی کمی اور اعمال کے فرق کو نظر انداز فرماتے ہوئے اپنی رحمت اور اپنی بخشش کے پیشِ نظر اس شخص کو اللہ والوں کے ساتھ ملا دے گا اور جہاں وہ ہوں گے وہیں ان کو کھڑا کر دیا جائے گا۔

۳۔　اسی بات کو حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک اور مقام پر یوں واضح فرمایا:

لَوْ أَنَّ عَبْدَيْنِ تَحَابَّا فِي اللهِ ﷻ، وَاحِدٌ فِي الْمَشْرِقِ وَآخَرُ فِي الْمَغْرِبِ لَجَمَعَ اللهُ بَيْنَهُمَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ، يَقُوْلُ: هٰذَا الَّذِي كُنْتَ تُحِبُّهُ فِيَّ.(۲)

اگر دو بندے اللہ تعالیٰ کے لیے ایک دوسرے سے محبت کریں۔ (ان میں سے) ایک مشرق میں اور دوسرا مغرب میں (بھی) ہو تو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز انہیں ضرور ملا دے گا اور فرمائے گا: یہ ہے وہ (شخص) جس سے تو میری خاطر محبت کیا کرتا تھا۔

یعنی اللہ کے ولی سے محبت کے سبب محبت کرنے والے کو اس ولی اللہ کی سنگت، رفاقت اور معیّت عطا کر دی جاتی ہے۔

---

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، كتاب الدعوات، باب في فضل التوبة والاستغفار وما ذكر من رحمة الله لعباده، ۵: ۵۴۵، رقم: ۳۵۳۵
۲۔ نسائي، السنن الكبرى، ۶: ۳۴۴، رقم: ۱۱۱۷۸
۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۲: ۳۲۲، رقم: ۵۶۲

(۲) ۱۔ بيهقی، شعب الإيمان، ۶: ۴۹۲، رقم: ۹۰۲۲
۲۔ مناوی، فيض القدير، ۵: ۳۰۹

حدیث مبارک کے اس حصہ میں بھی اللہ اور رسول ﷺ کی رحمت کا اظہار ہے کہ ایک شخص جس کا درجہ اہل اللہ جتنا نہ تھا مگر ان سے سچی محبت کرنے کے سبب خامیوں اور کم زوریوں کے باوجود اللہ رب العزت اسے ان کی سنگت و معیت عطا فرمائے گا۔ ایسے ہی کئی واقعات ہیں جنہیں امام بخاری، امام احمد بن حنبل، امام ابوداؤد، امام ترمذی، امام نسائی، امام عبد الرزاق، امام حمیدی اور امام ابن حبان نے اپنی اپنی کتب میں کئی صحابہ کرام ﷺ سے روایت کیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کہیں تشریف لے جا رہے ہوتے تو کوئی بدو آتا اور آپ ﷺ کو درشتگی کے ساتھ مخاطب کرتا، ہر موقع پر آپ ﷺ اس کی بات سنتے اور بغیر کسی ناگواری کا اظہار کیے اس کی مدد فرماتے اور اس کا مسئلہ حل کرتے۔

۴۔ آدابِ دین سے ناواقف لوگوں پر رحمت

اسلام کے تمام مسائل، احکام اور آداب بتدریج نازل ہوئے ہیں۔ جوں جوں مختلف حالات پیش آتے اسی کے مطابق حضور نبی اکرم ﷺ احکام واضح فرماتے یا آیاتِ قرآنی کے ذریعے وہ مسئلہ بیان کر دیا جاتا۔ اس طرح بالآخر مختلف واقعات پیش آنے کے ساتھ ساتھ آداب اور مسائل واضح ہوتے چلے گئے۔ یہ غیر مہذب اور تربیت سے عاری معاشرے کو مہذب بنانے اور جہالت کی عادات نکالنے اور اسلام کی تعلیمات راسخ کرنے کا ایک فطری عمل تھا۔

۱۔ حضرت ابو رفاعہ اپنے اسلام قبول کرنے سے پہلے کا واقعہ روایت کرتے ہیں کہ ایک دفعہ میں مسجد نبوی میں حاضر ہوا۔ حضور نبی اکرم ﷺ اس وقت منبر پر بیٹھے جمعہ کا خطبہ دے رہے تھے۔ میں نے دورانِ خطبہ ہی آپ ﷺ کی خدمت میں عرض کیا:

يَا رَسُوْلَ اللهِ، رَجُلٌ غَرِيْبٌ جَاءَ يَسْأَلُ عَنْ دِيْنِهٖ.

یا رسول اللہ! ایک مسافر دین کے بارے میں سوال کرنے آیا ہے، (اُسے نہیں معلوم کہ دین کیا ہے؟)

حضرت ابو رفاعہ بتاتے ہیں کہ جب میں نے دورانِ خطبہ ہی رسول اللہ ﷺ کو

مخاطب کر کے یہ بات کہی تو:

فَأَقْبَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ وَتَرَکَ خُطْبَتَهُ حَتَّى انْتَهَى إِلَيَّ فَأُتِيَ بِكُرْسِيٍّ فَقَعَدَ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ، وَجَعَلَ يُعَلِّمُنِي مِمَّا عَلَّمَهُ اللهُ، ثُمَّ أَتَى خُطْبَتَهُ فَأَتَمَّ آخِرَهَا. (۱)

رسول اللہ ﷺ میری طرف متوجہ ہوئے اور اپنا خطبہ وہیں چھوڑ دیا حتیٰ کہ آپ ﷺ میری طرف آئے، پھر ایک کرسی لائی گئی، آپ ﷺ اُس پر تشریف فرما ہوئے اور جو کچھ آپ ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے دین کا علم دیا تھا اُس میں سے مجھے تعلیم دینے لگے۔ پھر آپ ﷺ اپنے خطبہ کی طرف آئے اور اُسے آخر تک پورا کیا۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے جب اس اجنبی شخص کے اندر دین جاننے کے لیے ایک اضطراب کو دیکھا تو آپ ﷺ منبر سے اتر کر اس کے پاس آ گئے۔ یاد رہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے کسی عمل سے حکمِ شریعت نہیں ٹوٹتا کیونکہ آپ ﷺ جو عمل بھی کرتے، اس لمحے وہی حکمِ شریعت بن جاتا ہے۔ اس لیے کہ وجودِ رسول، حیاتِ رسول، عملِ رسول، فعلِ رسول، قولِ رسول ﷺ بذاتِ خود دین اور شریعت کی بنیاد ہے اور دین و شریعت کا وجود قول و فعلِ رسول ﷺ کے سوا کچھ بھی نہیں ہے۔ چنانچہ جس لمحے حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ سے جو کچھ صادر ہوتا، وہی شریعت ہوتا، بعد میں کچھ اور حکم فرماتے تو وہ شریعت بن جاتا۔

۲۔ شفقتِ رسول ﷺ کے موضوع پر حضرت جبیر بن مطعم رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں وہ فرماتے ہیں کہ جب ہم حضور نبی اکرم ﷺ کے ہم راہ غزوۂ حنین سے واپس آ رہے تھے کہ

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الجمعة، باب حديث التعليم في الخطبة، ۲: ۵۹۷، رقم: ۸۷۶

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۸۰، رقم: ۲۰۷۷۲

۳۔ نسائي، السنن، كتاب الزينة، باب الجلوس على الكرسي، ۸: ۲۲۰، رقم: ۵۳۷۷

عَلِقَتْ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ الْأَعْرَابُ يَسْأَلُوْنَهُ حَتَّى اضْطَرُّوهُ إِلَى سَمُرَةٍ فَخَطِفَتْ رِدَاءَهُ، فَوَقَفَ رَسُوْلُ اللهِ ﷺ، فَقَالَ أَعْطُوْنِي رِدَائِي.[1]

چند اعرابی رسول اللہ ﷺ سے آ کر لپٹ گئے، وہ آپ ﷺ سے مال طلب کرنے لگے یہاں تک کہ وہ آپ ﷺ کو مجبور کرتے ہوئے کیکر کے درخت تک لے گئے اور آپ ﷺ کی چادر مبارک اُچک لی۔ رسول اللہ ﷺ وہیں رُکے اور فرمایا: میری چادر دو۔

یعنی انہوں نے مدینہ پہنچ کر مالِ غنیمت تقسیم ہونے کا انتظار تک نہیں کیا، اس لیے کہ یہ لوگ ابھی اسلام میں نئے تھے اور دین کی تعلیم و تربیت اور حضور نبی اکرم ﷺ کے فیضِ صحبت سے کم آشنا تھے۔ انہوں نے کلمہ طیبہ پڑھ کر اپنے مسلمان ہونے کا اعلان کر دیا تھا۔ آدابِ دین اور آدابِ نبوی سے ناواقف ہونے کے سبب، وقت سے پہلے ہی انہوں نے مالِ غنیمت کا مطالبہ کیا اور اتنا ہی نہیں بلکہ ان میں سے کسی نے دورانِ مطالبہ جب آپ ﷺ کی چادر کھینچی تو وہ اتر کر اس کے ہاتھ میں آ گئی۔ اس دوران مطالبہ جاری رہا کہ یا رسول اللہ! ہمیں مال غنیمت دیں۔ اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تمہیں مال غنیمت میں سے تمہارا حصہ پورا پورا ملے گا اور کبھی بھی کوئی وعدہ خلافی نہیں ہوگی۔ مگر جب آپ ﷺ کی چادر کھینچی گئی تو آپ ﷺ مسکرا پڑے اور فرمایا کہ میری چادر تو مجھے واپس دے دو، یہ تو مالِ غنیمت نہیں ہے۔

اللہ کا نبی ﷺ اور فاتحِ عرب ہونے کے باوجود، ناپسندیدہ روش پر درگزر اور شفقت فرمانا، برداشت ہی نہیں بلکہ سراسر رحمت و عنایت اور انسانیت کے لیے لطف و کرم بھی ہے۔

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الخمس، باب ما كان النبي ﷺ يعطي المؤلفة قلوبهم وغيرهم من الخمس ونحوه رواه عبد الله بن زيد عن النبي ﷺ، ۳: ۱۱۴۷، رقم: ۲۹۷۹

۲۔ احمد بن حنبل، المسند، ۴: ۸۲، رقم: ۱۶۸۰۲

۳۔ ابو یعلی، المسند، ۱۳: ۴۰۱، رقم: ۷۴۰۴

۵۔ عَزِيْزٌ عَلَيْه مَا عَنِتُّمْ

اعرابی جس وقت بھی حضور نبی اکرم ﷺ سے کوئی مطالبہ کرتے یا کوئی چیز مانگتے تو آپ ﷺ اپنا جاری کام روک کر ان کی بات کو پورا کرتے۔ خواہ آپ ﷺ جمعہ کا خطبہ ارشاد فرما رہے ہوتے یا کسی سے بات چیت میں مصروف ہوتے مگر جونہی اعرابی کوئی بات کرتے آپ ﷺ از راہِ شفقت ان کی حاجات اسی وقت پورا فرما دیتے۔ حضرت انس بن مالک ﷺ فرماتے ہیں:

أَصَابَ أَهْلَ الْمَدِيْنَةِ قَحْطٌ عَلَى عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَبَيْنَا هُوَ يَخْطُبُ يَوْمَ جُمُعَةٍ، إِذْ قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، هَلَكَتِ الْكُرَاعُ هَلَكَتِ الشَّاءُ فَادْعُ اللهَ يَسْقِيْنَا، فَمَدَّ يَدَيْهِ وَدَعَا، قَالَ أَنَسٌ: وَإِنَّ السَّمَاءَ لَمِثْلُ الزُّجَاجَةِ فَهَاجَتْ رِيحٌ أَنْشَأَتْ سَحَابًا، ثُمَّ اجْتَمَعَ ثُمَّ أَرْسَلَتِ السَّمَاءُ عَزَالِيَهَا فَخَرَجْنَا نَخُوْضُ الْمَاءَ، حَتَّى أَتَيْنَا مَنَازِلَنَا فَلَمْ نَزَلْ نُمْطَرُ إِلَى الْجُمُعَةِ الْأُخْرَى، فَقَامَ إِلَيْهِ ذَلِكَ الرَّجُلُ أَوْ غَيْرُهُ فَقَالَ: يَا رَسُوْلَ اللهِ، تَهَدَّمَتِ الْبُيُوْتُ فَادْعُ اللهَ يَحْبِسْهُ، فَتَبَسَّمَ، ثُمَّ قَالَ: حَوَالَيْنَا وَلَا عَلَيْنَا، فَنَظَرْتُ إِلَى السَّحَابِ تَصَدَّعَ حَوْلَ الْمَدِيْنَةِ كَأَنَّهُ إِكْلِيْلٌ. (۱)

حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانۂ مبارک میں ایک دفعہ اہلِ مدینہ (شدید) قحط سے دوچار

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب المناقب، باب علامات النبوة فی الإسلام، ۳:۱۳۱۳، رقم: ۳۳۸۹

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الاستسقاء، باب الدعاء فی الاستسقاء، ۲:۶۱۴، رقم: ۸۹۷

۳۔ ابو داود، السنن، كتاب صلاة الاستسقاء، باب رفع اليدين فی الاستسقاء، ۱:۳۰۴، رقم: ۱۱۷۴

۴۔ طبراني، المعجم الأوسط، ۳:۹۵، رقم: ۲۶۰۱

۵۔ ابن عبد البر، الاستذكار، ۲:۴۳۴

www.MinhajBooks.com

ہو گئے۔ ایک مرتبہ آپ ﷺ خطبہ جمعہ ارشاد فرما رہے تھے کہ ایک شخص نے کھڑے ہوکر عرض کیا: یا رسول اللہ! گھوڑے ہلاک ہوگئے، بکریاں مر گئیں، اللہ تعالیٰ سے دعا کیجئے کہ ہمیں پانی مرحمت فرمائے۔ آپ ﷺ نے دعا کے لیے ہاتھ اٹھا دیئے۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ اس وقت آسمان شیشے کی طرح صاف تھا لیکن ہوا چلنے لگی، بادل گھر کر جمع ہو گئے اور آسمان نے ایسا اپنا منہ کھولا کہ ہم برستی ہوئی بارش میں اپنے گھروں کو گئے اور متواتر اگلے جمعہ تک بارش ہوتی رہی۔ پھر (آئندہ جمعہ) وہی شخص یا کوئی دوسرا آدمی کھڑا ہوکر عرض گزار ہوا: یا رسول اللہ! گھر تباہ ہو رہے ہیں، لہٰذا اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیں کہ اب اس (بارش) کو روک لے۔ تو آپ ﷺ (اس شخص کی بات سن کر) مسکرا پڑے اور (اپنے سرِ اقدس کے اوپر بارش کی طرف انگلی مبارک سے اشارہ کرتے ہوئے) فرمایا: ہمیں چھوڑ کر ہمارے اردگرد برسو۔ تو ہم نے دیکھا کہ اسی وقت بادل مدینہ منورہ کے اوپر سے ہٹ کر یوں چاروں طرف چھٹ گیا گویا وہ تاج ہے (یعنی تاج کی طرح دائرہ کی شکل میں پھیل گیا)۔

یعنی حضور نبی اکرم ﷺ کے حکم پر بارش برسی اور آپ ﷺ ہی کے حکم سے برستے بادل مدینہ منورہ سے ہٹ گئے اور بارش رُک گئی۔ بادلوں کا ایسا نظارہ ہونے لگا کہ جیسے سر پر رکھا جانے والا تاج کہ مدینہ منورہ کے اردگرد بارش برس رہی تھی اور وہاں بارش نہیں ہو رہی تھی۔

اس حدیث مبارک سے دیگر مضامین بھی اخذ ہوتے ہیں مگر زیر مطالعہ موضوع کی مناسبت سے اس سے شفقت و رحمتِ مصطفیٰ ﷺ کا اظہار ہو رہا ہے۔ دورانِ خطبہ جب حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں بارش کے حوالے سے عرض کی گئی تو آپ ﷺ نے ایک دفعہ بھی یہ نہیں کہا کہ کچھ دیر صبر کرو، بلکہ آپ ﷺ نے لوگوں کی پریشان حالی کو دیکھ کر دونوں مرتبہ اپنا خطبۂ جمعہ روک دیا۔

٦۔ حضور ﷺ کا حاجت روائی کے لیے نماز مؤخر فرمانا

حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ معمول تھا کہ آپ ﷺ یہ نہ دیکھتے تھے کہ مخاطب ادب کے دائرے میں رہ کر بات کر رہا ہے یا بے خبری میں خلاف ورزی کر رہا ہے۔ آپ ﷺ اس کی بے

خبری کو نظرانداز فرماتے اور اس کی روش سے صرفِ نظر کرتے ہوئے اس کے لیے اپنی شفقت ہمیشہ کی طرح قائم رکھتے یعنی کسی کے غلط عمل سے آپ ﷺ کی طبیعتِ مقدسہ میں تلخی نہ ہوتی۔

حضرت انس رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ حضور نبی اکرم ﷺ نماز پڑھنے کے لیے مصلّے پر کھڑے تھے، اقامت ہو گئی اور آپ ﷺ تکبیرِ تحریمہ کہہ کر نماز شروع ہی کرنے والے تھے کہ عین اس وقت مسجدِ نبوی کے دروازے پر کسی سائل نے آ کر آواز دی کہ یا رسول اللہ! میرا ایک مسئلہ ہے جس کے حل کے لئے میں آپ ﷺ کے پاس آیا ہوں، میری حاجت روائی فرمائیے۔ یہ آواز جیسے ہی حضور نبی اکرم ﷺ نے سنی، آپ ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی نماز کے لیے بنی ہوئی صفوں کو چھوڑ کر باہر تشریف لے گئے اور نماز مؤخر کر کے سائل کی حاجت روائی فرمائی۔ (1)

سائلوں، محتاجوں اور آدابِ نبوی نہ جاننے والوں کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ کی شفقت و محبت کا یہ سلسلہ ہر وقت جاری رہتا۔ آپ ﷺ کی رحمت و شفقت ک دائمی اسلوب کے مظاہر ہمیں کتبِ حدیث میں جگہ جگہ ملتے ہیں۔ کثرت کے ساتھ حضور نبی اکرم ﷺ کے یہ معمولات آپ ﷺ اور اسلام کے دینِ امن و رحمت ہونے کے ایسے مظاہر ہیں کہ اگر بالعموم انسانیت اور بالخصوص اہلِ اسلام انفرادی و اجتماعی سطح پر امن، رحمت اور محبت کو فروغ دینا چاہتے ہیں تو انہیں بھی سیرتِ مصطفیٰ ﷺ کے اس گوشہ سے رہنمائی لے کر آگے بڑھنا ہوگا۔

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الآذان، باب الإمام تعرض له الحاجة بعد الإقامة، ۱: ۲۲۹، رقم: ۶۱۶

۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب استئذان، باب طول النجوی، ۵: ۲۳۱۹، رقم: ۵۹۳۴

۳۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحیض، باب الدلیل علی أن نوم الجالس لا ینقض الوضوء، ۱: ۲۸۴، رقم: ۳۷۶

۴۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۲۹، رقم: ۱۲۳۳۶

www.MinhajBooks.com

فصل نمبر 7

حضور نبی اکرم ﷺ کی
گنہگاروں اور نافرمانوں پر شفقت و رحمت

حضور نبی اکرم ﷺ نے خطا کاروں، گناہ گاروں اور اپنی نادانی یا غفلت کے سبب شریعت کی خلاف ورزی کر بیٹھنے والے مسلمانوں کے ساتھ بھی رحمت و شفقت کا طرزِ عمل اختیار فرمایا۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی سیرتِ طیبہ کا مطالعہ کریں تو ایک بات طے ہے کہ آپ ﷺ نے گناہ گاروں، خطا کاروں اور غلطی کرنے والوں پر کبھی اور کسی بھی حال میں لعنت نہیں فرمائی۔ آپ ﷺ نے انہیں نہ ہی اللہ اور اپنی رحمت سے محروم کیا۔ اس طرح کا رویہ اختیار فرما کر آپ ﷺ نے انہیں ایمان سے بھی دور نہیں کیا کہ کہیں ان کے بارے میں آپ ﷺ کے سخت کلمات شیطان کو اس قابل نہ بنا دیں کہ وہ ان پر مزید غلبہ اور دائمی تسلط پا لے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے ان کی غلطی، کوتاہی اور گناہ دیکھنے کے باوجود بھی ان پر اپنا طرزِ عمل شفقت پر مبنی رکھا تاکہ آپ ﷺ کی شفقت کے سبب وہ توبہ و اصلاح کی طرف مائل ہو جائیں۔

۱۔ گناہِ کبیرہ کے مرتکب کے لیے بھی دعاءِ رحمت کی تلقین

اِسلام سے قبل شراب عرب معاشرے کا عام مشروب تھا اور جب تک قرآنی آیات نے اس کو حرام قرار نہیں دیا تھا، لوگ اسے پینے کے عادی اور رسیا تھے۔ جیسے آج کے غیر مسلم معاشروں میں اس کے حرام ہونے کا تصور ہی نہیں ہے اور وہ لوگ اسے محض مشروب سمجھتے ہیں۔ جب شراب حرام قرار دی گئی تو صحابہ کرام ﷺ کی اکثریت نے اس سے کلیتًا توبہ کر لی۔ نہ صرف یہ کہ شراب پینا چھوڑ دیا بلکہ اس کے برتن بھی توڑ دیے۔ یہاں تک کہ جو لوگ اس کی تجارت کرتے تھے اور ان کے سامانِ تجارت میں شراب آ رہی تھی، انہوں نے خبر پاتے ہی شراب کے بھرے ہوئے برتن وہیں توڑ دیے۔ البتہ کچھ ایسے لوگ بھی تھے جنہیں حضور نبی اکرم ﷺ کی مجالس میں کبھی کبھار آنے کا موقع ملتا (اس لیے انہیں تربیت اور صحبت کا زیادہ فیض پانے کا

www.MinhajBooks.com

موقع نہ ملا تھا)، انہوں نے بھی شراب چھوڑ دی مگر شروع میں کبھی کبھی ان سے کوتاہی کے باعث یہ عمل سرزد ہوا لیکن بعد ازاں وہ تائب ہوگئے۔

الغرض اس وقت کے مسلمانوں میں کوئی ایسا شخص نہ بچا جس نے کلیتًا اسے خود پر حرام کرتے ہوئے اسے ٹھکرا نہ دیا۔ نتیجتاً اس معاشرے میں شراب کا نام و نشان بھی باقی نہ رہا۔ حرمتِ شراب کے حکم کے فوراً بعد شراب پینے کے چند واقعات بھی رونما ہوئے کیونکہ بعض لوگوں کو اپنی اس پرانی عادت کو ختم کرنے میں تھوڑا وقت لگا جب کہ اکثریت نے فوراً ہی اپنی طبیعتوں پر قابو پا کر اسے اپنی زندگیوں سے خارج کر دیا۔ صاف ظاہر ہے کہ ایک ایسا معاشرہ جہاں حرام و حلال کا تصور ہی نہ تھا وہاں لوگ اسلام کا انقلاب آفریں پیغام سن کر، حضور نبی اکرم ﷺ کے چہرۂ انور کی زیارت کر کے کلمہ پڑھ کر اسلامی معاشرے کا حصہ بن رہے تھے۔ اسلام میں ان کی پختگی بقدرِ فیضِ صحبت تھی۔ دوسرے لفظوں میں جسے جس قدر حضور نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں بیٹھنے، تربیت پانے اور دین سیکھنے کا موقع ملا، اسی قدر وہ ایمان اور اسلام میں پختہ ہوتا چلا گیا اور جسے یہ مواقع نہیں ملے یا کم ملے اس میں یہ پختگی آہستہ آہستہ پیدا ہوئی۔

اسی عبوری دور کا ایک واقعہ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ جب شراب کے حرام ہونے کا حکم نازل ہوا اور ابھی اس کی معین سزا مقرر نہیں ہوئی تھی کہ کسی دیہات کے رہنے والے شخص کو اس حالت میں حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس لایا گیا کہ وہ شراب کے نشہ میں تھا۔ (یاد رہے کہ ایسے تمام واقعات کسی معروف صحابی سے منسوب نہیں ہیں۔) اس وقت چونکہ ابھی حضور نبی اکرم ﷺ نے اَسی (80) کوڑوں کی حد کا اجراء نہیں فرمایا تھا (جو آپ ﷺ نے بعد میں جاری کی اور جس کا ذکر 'صحیح بخاری'، 'صحیح مسلم' اور دیگر کتبِ حدیث میں بطور حد کے آیا ہے اور جس پر خلفائے راشدین نے بھی تسلسل سے عمل جاری رکھا)۔ لہٰذا اگر کوئی اس وقت شراب پیتا تو اسے علامتی سزا کے طور پر جوتوں، مُکّوں یا چھَڑیوں سے ضرب دی جاتی۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب اسے اس حالت میں لایا گیا تو ہم نے اسے (متفرق طور پر) تھپڑ، جوتے، لپٹے ہوئے کپڑے اور چھڑی سے مار کر سزا دی۔ سزا دیتے وقت ہم میں سے ایک شخص نے کہا:

مَا لَهُ أَخْزَاهُ اللهُ.

اسے کیا ہوا! اسے اللہ تعالیٰ نے ذلیل کیا۔

یہ جملہ اس امر کی طرف اشارہ تھا کہ حرمت کا حکم آ جانے کے باوجود اسے یہ کام کرتے ہوئے شرم نہ آئی۔ یہ کلمات حضور نبی اکرم ﷺ نے سنے تو فی الفور اُسے روکتے ہوئے فرمایا:

لَا تَكُوْنُوْا عَوْنَ الشَّيْطَانِ عَلٰى أَخِيْكُمْ. (۱)

اپنے بھائی کے خلاف شیطان کے مددگار نہ بنو۔

یعنی اپنے بھائی کے خلاف اور شیطان کے حق میں دعا نہ کرو کہ وہ ہمیشہ دائماً اس پر تسلط پا لے اور یہ اس گناہ کو دہراتا رہے۔ اسی واقعہ کی دیگر تفصیلات پر مبنی سنن ابی داؤد کی روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں:

لَا تَقُوْلُوْا هٰكَذَا. لَا تُعِيْنُوْا عَلَيْهِ الشَّيْطَانَ.

ایسا نہ کہو اور اس کے خلاف شیطان کی مدد نہ کرو۔

اسی روایت میں مزید آیا ہے کہ حضور ﷺ نے یہاں تک فرمایا کہ تم ان کلمات کے برعکس یوں کہو:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لَهُ، اللّٰهُمَّ ارْحَمْهُ. (۲)

اے اللہ! اسے بخش دے۔ اے اللہ! اس پر رحم فرما۔

---

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الحدود، باب ما یکرہ من لعن شارب الخمر وإنہ لیس بخارج من الملۃ، ۶: ۲۴۸۹، رقم: ۶۳۹۹

(۲) أبو داود، السنن، کتاب الحدود، باب الحد في الخمر، ۴: ۱۶۲، رقم: ۴۴۷۷-۴۴۷۸

یعنی اس کے حق میں دعا کرو۔ اس حدیث کا غور طلب پہلو یہ ہے کہ آپ ﷺ ایک فعلِ حرام کا ارتکاب کرنے والے شخص کے معاملے پر بھی خاموش نہیں رہے اور اسے کہی گئی سخت بات یا بد دعا پر باقاعدہ رحمت و محبت پر مبنی سنت اور طرزِ عمل اختیار فرما کر پوری امت کو یہ پیغام دیا کہ اگر تمہارا کوئی بھائی غلطی یا گناہ کر بیٹھے تو اسے بد دعا نہ دو اور نہ ہی اس پر لعنت بھیجو۔

لعنت بھیجنے کا مطلب یہ ہوتا ہے کہ اللہ کسی شخص کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے اپنی رحمت سے محروم کر دے اور اگر کسی کو یہ بد دعا دی جائے کہ اے اللہ اسے اپنی رحمت سے محروم کر دے تو اس کا مطلب یہی ہے کہ وہ دائماً شیطان کے تسلط، غلبہ اور کنٹرول میں چلا جائے۔ اس لیے حضور ﷺ نے فرمایا کہ اسے ایسی بد دعا نہ دو کیوں کہ غالب امکان ہے کہ ایک بار کی غلطی کے بعد یہ توبہ کر لے گا اور آئندہ اس سے باز رہے گا مگر تمہاری بد دعائیں گویا اس بات کا اشارہ ہیں کہ یہ پھر بار بار یہی گناہ کرتا رہے اور اس پر شیطان کا اثر پلٹ پلٹ کر ہوتا رہے۔ لہٰذا یوں نہ کہو بلکہ یہ دعا کرو کہ اے اللہ! اس کی پہلی غلطی بھی معاف فرما اور آئندہ بھی اس پر رحمت فرما۔

۲۔ گناہ گار مسلمانوں پر لعنت کرنے کی ممانعت

گناہ گاروں پر حضور نبی اکرم ﷺ کی رحمت و شفقت، لطف و کرم اور شفقت و محبت کا آئینہ دار ایک اور واقعہ سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ بیان فرماتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے مبارک زمانہ میں ایک آدمی کا نام عبداللہ اور لقب حمار تھا۔

وَكَانَ يُضْحِکُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ.

اور وہ رسول اللہ ﷺ کو ہنسایا کرتا تھا۔

یعنی کوئی مزاح کی بات کر دیتا جسے سن کر حضور نبی اکرم ﷺ مسکرا دیتے۔ لطف کی بات یہ ہے کہ کتبِ حدیث و اسماء الرجال میں اس عمل کے سوا ان صحابی کے کسی کارِ نمایاں کا تذکرہ نظر سے نہیں گزرا کہ یہ بڑے عبادت گزار تھے یا صاحبِ علم و فقہ، صاحبِ جہاد، صاحبِ صدقہ و خیرات یا صاحبِ اعمالِ صالحہ تھے۔ اگر حضور نبی اکرم ﷺ کی طبیعت مبارکہ کو خوش کرنے

کے علاوہ اِن صحابی کا کچھ اور تخصص ہوتا تو سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اس کی وضاحت فرما دیتے۔ چنانچہ ان کلمات سے واضح ہوتا ہے کہ ان صحابی کے پاس سوائے حضور نبی اکرم ﷺ کو ہنسانے کے عمل کے اور کوئی نمایاں عمل نہ تھا۔ اس حدیث کے اگلے کلمات کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو ہنسانے اور آپ ﷺ کی طبیعت مبارکہ کو مزاح سے خوش کرنے کے لطیف پس منظر کو جانا جائے۔ حضرت عبداللہ سوچتے تھے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں صبح سے شام تک مختلف صحابہ کرام رضی اللہ عنہم آتے ہیں اور اس طرح آپ ﷺ کا سارا دن تعلیم و تبلیغ میں گزرتا ہے۔ آپ ﷺ کے پاس آنے والے اپنی پریشانیاں اور غم بھی بیان کرتے ہیں۔ آپ ﷺ کا یہ معمول ہے کہ آپ ﷺ ان کی دکھ بھری داستان سنتے اور ان کا ازالہ فرماتے۔ یہ لوگ حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس اپنے طرح طرح کے لاتے ہیں، ان کی نوعیت بھی نہایت سنجیدہ ہوتی ہے۔ علاوہ ازیں حضور نبی اکرم ﷺ تبلیغ کا کٹھن فریضہ بھی سرانجام دیتے ہیں، مخالفین کی سازشوں کا مقابلہ بھی فرماتے ہیں، ان کی لشکر کشی کی صورتِ حال بھی درپیش رہتی ہے، غزوات اور سرایا کی ذمہ داری بھی حضور نبی اکرم ﷺ کے دوشِ مبارک پر ہے اور امت کا غم اس پر مستزاد ہے۔ یوں آپ ﷺ کا سارا دن تھکا دینے والی سرگرمیوں میں گزرتا ہے۔

دوسری طرف حضور نبی اکرم ﷺ کی تھکن اتارنے، نہایت سنجیدگی کے ماحول میں خوش گواریت یا ہلکے پھلکے مزاح کا رنگ بھرنے والا کوئی بھی نہیں تھا، تاکہ آپ ﷺ کو اس کیفیت سے کچھ تخفیف حاصل ہو۔ یہ سب سوچ کر حضرت عبد اللہ حضور نبی اکرم ﷺ کو تھوڑے تھوڑے وقفے کے بعد کوئی لطیف اور پُرمزاح بات سنا دیتے جس سے حضور نبی اکرم ﷺ ہلکا سا تبسم فرماتے اور آپ ﷺ کے مسکرانے سے وہ سمجھتے کہ اس سے حضور نبی اکرم ﷺ کو خوشی ہوئی ہوگی اور آپ ﷺ کا بوجھ اتر گیا ہوگا۔ اس طرح گویا وہ حضور نبی اکرم ﷺ کو قدرے مسرور کرتے۔

اس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ انہیں حضور نبی اکرم ﷺ سے کتنی محبت تھی کیوں کہ کسی کے لیے ہر وقت صرف اسی خیال میں لگے رہنا کہ اس کا دل بہلے، ذہنی تناؤ دور ہو اور سکون ملے، یہ سب عوامل محبت کے بغیر ممکن نہیں۔ اس لیے کہ اگر دل میں کسی کے لیے محبت بھرا لگاؤ ہو، تب ہی کوئی کسی کے بارے میں سوچتا ہے کہ اُس کے اعصابی تناؤ کو کم کر کے سکون فراہم

کیا جائے۔ ان صحابی کو بھی حضور نبی اکرم ﷺ کی ذاتِ اقدس سے یہی قلبی تعلق اور محبت تھی۔

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اِسی صحابی کے متعلق ایک واقعہ بیان کیا ہے کہ عبد اللہ الحمار نے حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں شراب پی اور سزا کے طور پر ان پر حد جاری کی گئی۔ یعنی کوڑے مارے گئے اور یہ واقعہ ایک سے زائد بار ہوا کہ اسے اسی عمل پر کوڑوں کی سزا دی گئی۔ ایک مرتبہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس میں اس کا تذکرہ چل نکلا تو ایک شخص نے کہا:

اَللّٰھُمَّ الْعَنْهُ.

اے اللہ! اس پر لعنت فرما۔

یعنی اے اللہ! اس شخص کو اپنی رحمت سے مایوس کر دے کیونکہ یہ شخص جرم کے سبب حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ سے سزا پانے کے باوجود باز نہیں آتا اور بار بار وہی گناہ کرتا ہے۔ یہ بات حضور نبی اکرم ﷺ نے بھی سن لی کہ بعض صحابہ یہ کہہ رہے ہیں، چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

لَا تَلْعَنُوْهُ.

اس پر لعنت نہ کرو۔

یعنی اس کے حق میں رحمتِ حق سے محرومی کی بد دعا مت کرو۔ کیونکہ

فَوَاللهِ، مَا عَلِمْتُ إِنَّهٗ يُحِبُّ اللهَ وَرَسُوْلَهٗ.(1)

اللہ کی قسم! میں تو یہ جانتا ہوں کہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت رکھتا ہے۔

مَا عَلِمْتُ ایک طرزِ تکلم اور اسلوبِ بیان ہے جس کے معنیٰ ہیں کہ میں سوائے اس کے اور کچھ نہیں جانتا کہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے۔ اس کے گناہ اپنی جگہ اور ان کی سزا اپنی جگہ مگر چونکہ یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے، اس لیے گناہوں

(۱) بخاری، الصحیح، کتاب الحدود، باب ما یکره من لعن شارب الخمر وإنه ليس بخارج من الملة، ٦: ٢٤٨٩، رقم: ٦٣٩٨

کے باوجود بھی اس پر لعنت کرنے کی اجازت نہیں۔ یہ کتنا بڑا اعزاز ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے خود ان کے لیے قسم کھا کر یہ شہادت دی کہ یہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہے۔

تعظیمِ مصطفیٰ ﷺ، تعظیمِ ذاتِ کبریا ہے

ان صحابی کا حضور نبی اکرم ﷺ سے محبت کرنا تو سمجھ میں آ گیا لیکن اللہ تعالیٰ سے محبت کی بات سمجھ نہیں آئی کیونکہ وہ صحابی تو بظاہر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے مرتکب ہو رہے تھے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات میں جہاں بھی حضور نبی اکرم ﷺ کے موافق یا مخالف کوئی معاملہ آ جائے جیسے حضور ﷺ پر ایمان لانا، محبت کرنا، ادب و تعظیم بجالانا یا مخالفوں کی طرف سے تکلیف دینے یا حضور ﷺ سے عداوت کرنے کا ذکر آئے تو اس میں حضور نبی اکرم ﷺ کے ذکر کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی خود قرآن مجید نے کیا ہے اور یہ سنتِ الٰہی ہے۔ اس لیے کہ رسول ﷺ کا ادب صرف رسول ﷺ ہی کا نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا بھی ادب ہے۔ رسول ﷺ کی محبت رسول ﷺ ہی کی محبت نہیں بلکہ اللہ کی محبت بھی ہے۔ رسول ﷺ کی عزت و حرمت صرف رسول ﷺ ہی کی عزت و حرمت نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی بھی عزت و حرمت ہے۔ اسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ کے خلاف سازش، آپ ﷺ کو اذیت دینا آپ ﷺ کی گستاخی کرنا صرف آپ ﷺ کی گستاخی ہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کے خلاف سازش کرنے، اذیت دینے اور گستاخی کے مترادف ہے۔

چنانچہ حضور نبی اکرم ﷺ کے مقام اور قدر و منزلت کو لوگوں کے دلوں میں بلند تر کرنے کے لیے اللہ رب العزت کا اسمِ گرامی ہر معاملے میں حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ جوڑا گیا۔ یہ عمل ﴿وَرَفَعْنَا لَکَ ذِکْرَکَ﴾ (1) کی تشریح بھی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کی خاطر آپ کا ذکر بلند فرما دیا۔ گویا جب آپ ﷺ کا ذکر ہوتا ہے تو اللہ تعالیٰ کا ذکر بھی ساتھ ہوتا ہے اور جب اللہ تعالیٰ کا ذکر ہوتا ہے تو رسول اللہ ﷺ کا ذکر بھی ساتھ ہوتا ہے۔ جب اللہ اور رسول کا ذکر ہر جگہ ساتھ ساتھ ہے تو جو بلندی ذکرِ کبریا کو حاصل ہے، وہی رفعت ذکرِ مصطفیٰ ﷺ کو بھی حاصل ہوگی۔ اسی لیے قرآن مجید میں بھی اور احادیث میں بھی اسی طریقے کو اختیار فرمایا گیا۔

---

(۱) الانشراح، ۹۴:۴

حضور نبی اکرم ﷺ کا اپنے صحابی حضرت عبد اللہ الحمار کے لیے یہ فرمان کہ ’یہ اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے محبت کرتا ہے‘ اس امر کا اظہار ہے کہ میں اللہ کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ یہ یقیناً اللہ کے رسول سے محبت کرتا ہے اور اللہ کے رسول ﷺ سے محبت کرنا درحقیقت اللہ ہی سے محبت کرنا ہے۔ قسم کھا کر گویا حضور نبی اکرم ﷺ نے ان صحابی کے ایمان کی شہادت دی، اندازہ کریں کہ جس کے ایمان کی گواہی خود رسول اللہ ﷺ قسم کھا کر دے رہے ہوں، کائنات میں اس کے لیے اس سے بڑی گواہی بھلا اور کیا ہوسکتی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی یہ بے انتہا شفقت ایک گناہ گار بندے پر ہے۔ آپ ﷺ اگر صرف اس کے گناہ کو دیکھتے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے اس کے متعلق بات پر خاموش رہتے مگر حضور نبی اکرم ﷺ نہ خاموش رہے اور نہ ناراضگی کا اظہار فرمایا بلکہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو اسے برا بھلا کہنے سے روکتے ہوئے اس کے مومن ہونے کی شہادت بھی دی۔ حاصلِ کلام یہ ہے کہ گناہ گاروں اور خطا کاروں کے ساتھ حضور نبی اکرم ﷺ کے طرزِ عمل کی یہ ایسی مثال ہے جو تمام امت کے لیے رحمت اور لطف کا پیغام ہے۔

۳۔ این درگہِ لطف و عطا است

گناہ گاروں پر حضور نبی اکرم ﷺ کی بے پناہ رحمت و شفقت کا ایک اور مظہر حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی اس ایمان افروز حدیث میں بیان ہوا ہے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے آ کر عرض کیا: یا رسول اللہ! میں ہلاک ہوگیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے پوچھا: تجھے کس چیز نے ہلاک کیا؟ کہنے لگا: میں رمضان میں اپنی بیوی کے پاس چلا گیا ہوں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ بات سن کر فرمایا:

هَلْ تَجِدُ مَا تُعْتِقُ رَقَبَةً؟

کیا تو ایک غلام آزاد کرسکتا ہے؟

اس نے عرض کیا: نہیں۔ یعنی میں غریب آدمی ہوں اور میرے پاس کوئی غلام نہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے پوچھا:

فَهَلْ تَسْتَطِيعُ أَنْ تَصُومَ شَهْرَيْنِ مُتَتَابِعَيْنِ؟

کیا تو متواتر دو ماہ روزے رکھ سکتا ہے؟

چونکہ روزہ توڑنے کا دوسرا کفارہ یہ ہے کہ اگر کوئی جان بوجھ کر ایسی غلطی کا ارتکاب کرے جس سے روزہ ٹوٹ جائے تو وہ مسلسل دو مہینوں یعنی ساٹھ (60) روزے رکھے۔

اس نے پھر عرض کیا کہ ایک روزہ تو پورا نہیں کر سکا، وہ بھی توڑ بیٹھا ہوں تو ساٹھ روزے پے در پے کیسے رکھوں گا! یہ سن کر حضور نبی اکرم ﷺ نے پوچھا:

فَهَلْ تَجِدُ مَا تُطْعِمُ سِتِّينَ مِسْكِينًا؟

کیا تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہے؟

اس مرتبہ بھی اس نے یہی کہا کہ میں تو ایک نہایت غریب آدمی ہوں۔ حضور نبی اکرم ﷺ اس کی ہر بات پر 'لا' سن کر ناراض نہیں ہوئے۔ آپ ﷺ خاموش ہو گئے اور اسے بیٹھنے کا اشارہ فرمایا۔ رسول اللہ ﷺ کی اپنی امت کے گناہگاروں پر بے پایاں شفقت کا اندازہ کیجئے کہ اس خطا کے تینوں ممکنہ کفارہ جات کی ادائیگی سے انکار کے باوجود آپ ﷺ نے یہ نہیں کہا کہ اگر ایسی بات ہے تو پھر میرے پاس کیا لینے آئے ہو؟ ٹھیک ہے تم غریب آدمی ہو اور پہلا کفارہ ادا نہیں کر سکتے تو اللہ تعالیٰ کا حکم توڑنے کے سبب ساٹھ روزے رکھو۔ اگر یہ بھی نہیں کر سکتے تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ کہ یہ کفارہ بھی ہے اور سزا بھی۔ مگر حضور نبی اکرم ﷺ نے ایسا نہیں فرمایا۔ آپ ﷺ نے یہ بھی نہیں فرمایا کہ چلو اگر تم کچھ نہیں کر سکتے تو اللہ تعالیٰ کی حد توڑنے کی سزا بھگتو۔ حتیٰ کہ آپ ﷺ اپنے ہر سوال کے جواب میں نہ کرنے پر ناراض بھی نہ ہوئے۔

اتنے میں حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں ایک شخص نے کھجوروں کا ایک بھرا ہوا ٹوکرا پیش کیا۔ آپ ﷺ نے وہ ٹوکرا لے کر اُس شخص کو فرمایا کہ اگر تمہارے پاس کفارے کی ادائیگی کے لیے کوئی چیز نہیں تو کھجوروں کا یہ ٹوکرا لے جاؤ اور کفارے کے طور پر مدینہ منورہ کے ساٹھ غریبوں اور مسکینوں میں تقسیم کر دو۔ یہ ارشاد سُن کر اس نے عرض کیا:

أَفْقَرَ مِنَّا؟ فَمَا بَيْنَ لَابَتَيْهَا أَهْلُ بَيْتٍ أَحْوَجُ إِلَيْهِ مِنَّا.

مجھ سے زیادہ کوئی ضرورت مند ہے؟ مدینہ منورہ کے دونوں کناروں کے درمیان کوئی گھر مجھ سے زیادہ محتاج نہیں ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی شفقت و رحمت کی انتہا کا اندازہ لگائیں کہ روزہ اُس نے توڑا، کفارہ اُس کا ہے، مگر آپ ﷺ اسے کھجوروں کا بھرا ہوا ٹوکرا دے کر کہہ رہے ہیں کہ اسے غریبوں میں بانٹ دو لیکن وہ جواب میں کہہ رہا ہے کہ یارسول اللہ! ہمارے گھرانے سے زیادہ غریب تو اور کوئی ہے ہی نہیں، باہر کس کو بانٹوں؟ یہ سن کر حضور نبی اکرم ﷺ اتنا تبسم ریز ہوئے:

بَدَتْ أَنْيَابُهُ.

آپ کی مبارک داڑھیں ظاہر ہو گئیں۔

پھر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اذْهَبْ فَأَطْعِمْهُ أَهْلَكَ. (1)

جاؤ جا کر اپنے گھر والوں کو کھلاؤ۔

دوسری روایت میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اسے دعا سے نوازتے ہوئے فرمایا:

وَمَا حَمَلَكَ عَلٰى ذٰلِكَ يَرْحَمُكَ اللهُ. (2)

اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے، تو نے ایسا کیوں کیا؟

---

(1) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الصوم، باب إذا جامع في رمضان ولم يكن له شيء فتصدق عليه فليكفر، ۲: ۶۸۴، رقم: ۱۸۳۴
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الصيام، باب تغليظ تحريم الجماع في نهار رمضان، ۲: ۷۸۱، رقم: ۱۱۱۱

(2) ترمذی، السنن، کتاب الطلاق واللعان، باب ما جاء في المظاهرِ يواقع قبل أن يكفر، ۳: ۵۰۳، رقم: ۱۱۹۹

حضور نبی اکرم ﷺ کی رحمتِ بے پایاں کا اس سے بڑھ کر اور مظہر کیا ہو گا کہ آپ ﷺ اس سے پوچھتے ہیں: اللہ تعالیٰ تم پر رحمت فرمائے یہ بتاؤ کہ تم نے مجھے اتنی جرأت سے جواب دیئے اور آخر میں یہ تک کہہ دیا کہ مجھ سے بڑھ کر غریب اور محتاج اور کوئی ہے ہی نہیں۔ اس جرأت پر تمہیں کس چیز نے آمادہ کیا اور کس خیال نے تمہارے منہ سے یہ بات کہلوائی؟

حضور نبی اکرم ﷺ کی رحمت و شفقت کا یہ عجیب واقعہ ہے جس کا ایک ایک کلمہ اور پورا طرزِ عمل آپ ﷺ کے بے پایاں لطف کا اظہر من الشّمس ثبوت ہے جبکہ اس حدیث کا دوسرا گوشہ حضور نبی اکرم ﷺ کی تشریعی حاکمیت واختیارات کا کھلا ثبوت ہے۔ یعنی آپ ﷺ صرف شارح، قانون اسلامی کی تشریح کرنے والے ہی نہیں بلکہ احکامِ شریعت وضع فرمانے والے بھی ہیں۔ یعنی آپ ﷺ فقط شارح (interpreter) ہی نہیں بلکہ دستور ساز (legislator) بھی ہیں، قانون بخش ہستی (law giver) بھی ہیں کیونکہ شریعت کی تشکیل ہی حضور نبی اکرم ﷺ کے ارشادِ گرامی اور آپ ﷺ کے طرزِ عمل سے وجود پذیر ہوتی ہے۔

جب کفارہ کی تینوں صورتوں میں سے کسی ایک پر بھی عمل درآمد نہیں ہوا تو عملاً حد ختم ہوگئی اور شریعت میں کسی کو اجازت نہیں کہ وہ روزہ توڑنے کا کفارہ اسی طرح کسی کو ادا کرنے کی اجازت دے جس طرح حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ حکم فرمایا کہ کھجوریں خود اور گھر والوں کو کھلاؤ، یہی تمہارا کفارہ ہے۔ یہ اختیار روئے زمین پر سوائے حضور نبی اکرم ﷺ کے کسی شخص کو حاصل نہیں اور نہ ہی ہوسکتا ہے کیونکہ یہ اختیار بطور خلیفۂ مطلق صرف آپ ﷺ ہی کو حاصل ہے کہ جو چاہیں شریعت میں کسی کے لیے وضع فرما دیں، جس کے لیے جو حکم چاہیں معطل فرما دیں اور جس کے لیے جو چاہیں متبادل حکم دے دیں۔ الغرض گناہِ کبیرہ کے مرتکب لوگوں کے ساتھ بھی آپ ﷺ کا طرزِ عمل رحمت، شفقت اور عنایت سے مزین ہوتا تھا۔

۴۔ گناہ گاروں کی پردہ پوشی کا حکم

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی شخص تمہارے درمیان ایسے گناہِ کبیرہ کا ارتکاب کرے، جس کی سزا شریعت میں

حد مقرر کی گئی ہے تو اس پر پردہ ڈال دیا کرو، اس لیے کہ

فَمَا بَلَغَنِي مِنْ حَدٍّ فَقَدْ وَجَبَ. (۱)

جس حد کا قصہ میرے پاس آیا اس پر حد لازم ہو گئی۔

اس لیے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ کوشش کیا کرو کہ تم درگزر کرو اور واجب الحد جرم اور گناہ کو میری عدالت اور میری بارگاہ تک نہ پہنچنے دو۔

۲۔ اس ضمن میں ایک اور حدیث حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

اَلْمُسْلِمُ أَخُو الْمُسْلِمِ لَا يَظْلِمُهُ وَلَا يُسْلِمُهُ. مَنْ كَانَ فِي حَاجَةِ أَخِيهِ كَانَ اللهُ فِي حَاجَتِهِ. وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ كُرْبَةً فَرَّجَ اللهُ عَنْهُ بِهَا كُرْبَةً مِنْ كُرُبَاتِ يَوْمِ الْقِيَامَةِ. وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (۲)

---

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الحدود، باب العفو عن الحدود ما لم تبلغ السلطان، ۴: ۱۳۳، رقم: ۴۳۷۶

۲۔ نسائی، السنن، كتاب قطع السارق، ما يكون حرزا وما لا يكون، ۸: ۷۰، رقم: ۴۸۸۶

(۲) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب المظالم، باب لا يظلم المسلم المسلم ولا يسلمه، ۲: ۸۶۲، رقم: ۲۳۱۰

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب تحريم الظلم، ۴: ۱۹۹۶، رقم: ۲۵۸۰

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۹۱، رقم: ۴۶

۴۔ أبوداود، السنن، كتاب الأدب، باب المؤاخاة، ۴: ۲۷۳، رقم: ۴۸۹۳

۵۔ ترمذی، السنن، كتاب الحدود، باب ما جاء في الستر على المسلم، ۴: ۳۴، رقم: ۱۴۲۶

۶۔ نسائي، السنن الكبرى، ۴: ۳۰۸، رقم: ۷۲۸۶

۷۔ ابن حبان، الصحيح، ۲: ۲۹۱، رقم: ۵۳۳

www.MinhajBooks.com

ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہے، نہ وہ اس پر ظلم کرتا ہے اور نہ اسے ظالم کے حوالے کرتا ہے (یعنی بے یار و مددگار نہیں چھوڑتا)۔ جو شخص اپنے کسی (مسلمان) بھائی کی حاجت روائی کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی فرماتا ہے۔ جو شخص کسی مسلمان کی دنیاوی مشکل حل کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی قیامت کی مشکلات میں سے کوئی مشکل حل فرمائے گا اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اس کی ستر پوشی فرمائے گا۔

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَهُ اللهُ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ. (۱)

جو کوئی شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کرتا ہے اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت میں اس کی ستر پوشی فرمائے گا۔

ان احادیث کے ذریعے حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک عام اصول وضع فرمایا اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو تعلیم دی کہ اگر کسی سے کوئی گناہ صادر ہوجائے تو اس کے گناہ کو اچھالنے کے

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المظالم، باب لا یظلم المسلم المسلم ولا یسلمه، ۲:۸۶۲، رقم:۲۳۱۰

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة والآداب، باب تحریم الظلم، ۴:۱۹۹۶، رقم:۲۵۸۰

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲:۹۱، رقم:۴۶

۴۔ أبوداود، السنن، کتاب الأدب، باب المؤاخاة، ۴:۲۷۳، رقم:۴۸۹۳

۵۔ ترمذی، السنن، کتاب الحدود، باب ما جاء في الستر علی المسلم، ۴:۳۴، رقم:۱۴۲۶

۶۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الحدود، باب الستر علی المؤمن ودفع الحدود بالشبہات، ۲: ۸۵۰، رقم: ۲۵۴۴

۷۔ نسائي، السنن الکبری، ۴:۳۰۸، رقم:۷۲۸۶

بجائے اس پر پردہ ڈالیں تا کہ کسی کو خبر نہ ہو۔ بلکہ اس گناہ گار کے لیے دعا کرنے کی تلقین کی گئی ہے کہ اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ سے رحمت طلب کرو۔ رحمت فرمانے کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ! اسے توبہ کی توفیق عطا فرما، تا کہ یہ اپنے احوال کی اصلاح کرے اور دوبارہ ہمیشہ اس گناہ سے محفوظ رہے۔ چنانچہ حضور نبی اکرم ﷺ نے شفقت، نرمی، محبت اور سہولت پر مبنی طرزِ عمل نہ صرف خود اختیار فرمایا بلکہ اپنی امت کو بھی اسی کو اختیار کرنے کی تلقین فرمائی۔

۵۔ مشکلات پیدا کرنے والا سب سے بڑا مجرم ہے

حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ أَعْظَمَ الْمُسْلِمِينَ جُرْمًا مَنْ سَأَلَ عَنْ شَيْءٍ لَمْ يُحَرَّمْ فَحُرِّمَ مِنْ أَجْلِ مَسْأَلَتِهِ. (1)

مسلمانوں میں سب سے بڑا مجرم وہ ہے جس نے ایسی چیز کے بارے میں سوال کیا جو حرام نہیں کی گئی تھی لیکن اس کے سوال کرنے کے باعث حرام کر دی گئی۔

یعنی جس کے حرام ہونے کے حوالے سے اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ﷺ خاموش تھے۔ خاموشی کا مطلب یہ ہے کہ امت کو اس امر میں اسے اختیار کرنے یا چھوڑنے کی اجازت تھی کیوں کہ اسے ابھی اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے شرعاً منع یا حرام نہیں کیا تھا اور اسے امت کی صوابدید پر چھوڑا گیا کہ وہ اسے اپنی آسانی کے پیش نظر چاہیں تو اختیار کریں، نہ چاہیں تو نہ کریں۔ چنانچہ فرمایا کہ جس نے اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کی خاموشی کی صورت میں اس شے کے بارے میں سوال کیا یعنی اس کی وضاحت چاہی اور اس کے نتیجے میں اس شے کو حرام قرار

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الاعتصام، باب ما یکرہ من کثرۃ السؤال وتکلف ما لا یعنیه، ۶: ۲۶۵۸، رقم: ۶۸۵۹
۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الفضائل، باب توقیره ﷺ و ترک إکثارہ، ۴: ۱۸۳۱، رقم: ۲۳۵۸

دے دیا گیا جو اس سے پہلے حرام نہ تھی تو وہ سب سے بڑا مجرم ہے۔ کیونکہ اس طرح اس چیز کے کرنے یا نہ کرنے کی آزادی سلب اور آسانی ختم ہوگئی۔ گویا حضور نبی اکرم ﷺ کی رحمت و شفقت کو یہ گوارا نہیں ہے کہ خاموشی کے سبب میری امت کو ملنے والی آزادی کسی مخصوص سوال کے نتیجہ میں سلب ہو جائے اور امت کے لیے وہ چیز ممنوع ہو جائے۔

٦۔ واجب الحد جرائم پر حتی الوسع درگزر کا حکم

حضور نبی اکرم ﷺ نے واجب الحد گناہوں اور جرائم کے معاملات میں نرمی اور عیب پوشی سے کام لینے کی ہدایت فرماتے کہا کہ حتی الوسع یہ کوشش کرو کہ حد کا اجراء نہ ہو، کم درجہ کی سزا (جو تعزیر میں آتی ہے) سے کام چل جائے، صلح کا معاملہ اگر کسی صورت میں ہوسکتا ہو تو وہ ہو جائے یا دیگر طرزِ عمل اپنایا جائے بہرصورت اس کی بنیاد سختی پر نہیں بلکہ رحمت اور سہولت پر ہونی چاہیے۔ اسی تعلیمِ نبوی ﷺ کا ایک عظیم عملی مظاہرہ حضرت ابنِ ہزّال رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ اس معروف حدیث میں ہے جو مسند امام احمد، مصنف ابن ابی شیبہ، سنن ابی داؤد، سنن نسائی، سنن کبریٰ بیہقی اور معجم طبرانی میں ہے اور اسے امام حاکم اور امام ذہبی نے صحیح قرار دیا ہے۔

ابن ہزّال رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم میں سے ماعز ابن مالک نامی ایک شخص بدکاری کے مرتکب ہوئے۔ وہ از خود حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں آئے اور اقرارِ جرم کر کے خود پر سزا جاری کرنے کا مطالبہ کیا اور عرض کیا: یا رسول اللہ!

إِنِّي زَنَيْتُ، فَأَقِمْ عَلَيَّ كِتَابَ اللهِ.

میں بدکاری کر بیٹھا ہوں۔ پس اللہ کی کتاب کا حکم مجھ پر نافذ فرمایئے۔

ان کے اس اقرار پر آپ ﷺ نے ان سے منہ پھیر لیا۔ یعنی حضور نبی اکرم ﷺ نے ان کی اس بات پر توجہ نہیں فرمائی، لیکن حضرت ماعز نے اقرارِ جرم پھر دہرایا، اس مرتبہ بھی حضور نبی اکرم ﷺ صرفِ نظر فرما گئے۔ انہوں نے تیسری بار اپنی بات کو دہرایا کہ یا رسول اللہ! میں نے بدکاری کی ہے مجھ پر اللہ تعالیٰ کی حد جاری کیجئے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے تیسری بار بھی اس

کی بات کو نظر انداز فرمایا۔ یہاں تک کہ اس نے چوتھی بار اقرار کیا کہ یا رسول اللہ! میں بدکاری کر کے آیا ہوں (مجھ سے غلطی ہوگئی ہے) میں اقرار کر رہا ہوں، لہٰذا مجھ پر اللہ کی حد جاری فرما دیں۔ چنانچہ جب اس شخص نے چار مرتبہ صراحت کے ساتھ اقرارِ جرم کیا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے جواباً جو فرمایا اس کا ایک ایک لفظ قابلِ توجہ ہے، اس سے اسلامی تعلیمات اور احکامِ شریعت کے جملہ مزاج اور روح کی معرفت نصیب ہوتی ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

إِنَّکَ قَدْ قُلْتَهَا أَرْبَعَ مَرَّاتٍ، فَبِمَنْ.

تم نے یہ بات چار دفعہ کہہ دی۔ یہ کام کس سے کیا ہے؟

انہوں نے جواب دیا: 'فلاں عورت سے'۔ آپ ﷺ نے اس سے دوسرا سوال کیا:

هَلْ ضَاجَعْتَهَا؟

کیا تم اس کے ساتھ لیٹے تھے؟

اس نے جواب دیا: جی ہاں۔ پھر مزید وضاحت کے لیے پوچھا:

هَلْ بَاشَرْتَهَا؟

کیا تو نے اس سے مباشرت کی تھی؟

انہوں نے جواب دیا: 'جی ہاں'۔ اس طرح وہ اپنے اقرارِ جرم کی مزید وضاحت کرتا چلا گیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے جرح کے دوران ہر چند کہ اس کے بیان میں تضاد ڈھونڈنے کے لیے الفاظ بدل بدل کر سوالات کئے مگر وہ اپنے بیان کو مزید واضح کرتا چلا گیا۔ حتیٰ کہ ایک روایت کے مطابق آپ ﷺ نے اس سے آخری سوال کیا:

هَلْ جَامَعْتَهَا؟

کیا تو نے اس سے جماع کیا؟

تو انہوں نے عرض کیا: 'جی ہاں'۔

(ا) مجرم کی ذہنی حالت کی تحقیق

جب اس نے پہلے اپنے اقرارِ جرم اور پھر جرح میں بھی شبہ اور شک کی کوئی گنجائش نہ چھوڑی جس کا اسے فائدہ دیا جاتا تو اس کے بعد بھی حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کے گھر والوں اور قبیلے کی طرف اس سوال کے جواب کے لیے ایک شخص کو بھیجا:

أَبِهِ جُنُونٌ؟

کیا یہ شخص ذہنی مریض تو نہیں (کہ یہ اس طرح غلط یا الٹی سیدھی باتیں کرتا ہو)؟

تاکہ اگر اس کے ذہنی مریض ہونے کی کوئی قابلِ قبول شہادت آ جائے تو تب بھی اس سے بڑی سزا کو روکا جا سکے لیکن اس کے قبیلے کی طرف سے جواب آیا:

لَا، يَا رَسُوْلَ اللهِ.

یا رسول اللہ!

یعنی یہ ذہنی طور پر بالکل صحت مند ہے اور اسے کوئی دماغی فتور نہیں۔ پھر رسول اللہ ﷺ نے اس سے پوچھا:

أَثَيِّبٌ أَمْ بِكْرٌ؟

کیا شادی شدہ ہے یا غیر شادی شدہ؟

ان سب نے کہا:

ثَيِّبٌ.

یہ شادی شدہ ہے۔

پھر حضور نبی اکرم ﷺ نے حکمِ شریعت کے مطابق اس پر حدِ رجم جاری فرمائی۔

اس حدیث سے حضور نبی اکرم ﷺ کی رحمت، شفقت، لطف و محبت اور سہولت کا جو

طرزِ عمل ظاہر ہوتا ہے، اس کی مزید وضاحت کی ضرورت نہیں۔ خود حضور نبی اکرم ﷺ کا ایک ایک لفظ، ایک ایک سوال، جرح کے دوران آپ ﷺ کا طرزِ عمل، اس کی برادری سے دماغی حالت کی تحقیق اور یہ سارے مراحل واضح ہیں۔ اس صورتِ حال میں رسول اللہ ﷺ کا طرزِ عمل کس قدر شفقت پر مبنی تھا اور آپ ﷺ سزا دینے میں کتنی تاخیر کرتے اور کتنی گہرائی تک جاتے رہے کہ اگر کسی ایک معمولی سا شک کا فائدہ بھی دیا جا سکتا تو اسے اچھی طرح کھنگال لیا جائے۔

(۲) اِجرائے حد پر حضور ﷺ کی دل گرفتگی

حضرت ماعز نے اپنے بیان پر اصرار، خود اپنی گواہی پر خود کو سزا کے لیے پیش کیا تھا اس لیے عملاً حضور نبی اکرم ﷺ کے پاس سزا دینے کے علاوہ اور کوئی شرعی راستہ نہیں تھا لیکن اسے جب سزا ہو چکی تو آپ ﷺ اس سزا پر غم زدہ اور دل گرفتہ تھے۔ گویا اسلام کا مزاج یہ ہے کہ شارعِ اسلام ﷺ سزا دینے پر خوش نہیں ہوتے تھے بلکہ آپ ﷺ کو سزا کے ترک ہو جانے اور معاف ہو جانے پر خوشی ہوتی تھی۔ اجرائے حد کے دوران حضرت ماعز لاشعوری طور پر تکلیف کے باعث باہر کی طرف بھاگنے لگے مگر صحابہ کرام ﷺ نے انہیں پکڑ کر حد جاری کی۔ جب یہ بات حضور نبی اکرم ﷺ کے علم میں لائی گئی تو آپ ﷺ نے صحابہ کرام ﷺ سے فرمایا:

هَلَّا تَرَكْتُمُوْهُ، لَعَلَّهُ أَنْ يَتُوْبَ فَيَتُوْبَ اللهُ عَلَيْهِ.

تم نے اُسے چھوڑ کیوں نہ دیا، شاید وہ توبہ کر لیتا اور اللہ تعالیٰ اس کی توبہ قبول فرما لیتا۔

یعنی اس کی اصلاح ہو جاتی اور قبولیتِ توبہ کے بعد وہ ایک نیک اور صالح شخص ہو جاتا، یہ حضور نبی اکرم ﷺ کے دل کی آواز تھی۔ یاد رکھیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا ہر جملہ محض جذبات پر مشتمل نہیں ہوتا بلکہ آپ ﷺ کا ایک ایک کلمہ جو زبانِ مبارک سے ادا ہوا، دراصل ان احساسات کی عکاسی کرتا ہے جو آپ ﷺ اپنی امت کے ہر ہر فرد کے سینے میں منتقل فرمانا چاہتے ہیں اور اپنی امت کے ہر ایک شخص کے مزاج اور طرزِ عمل میں انہی کا پرتو دیکھنا چاہتے ہیں۔ اسی

لیے آپ ﷺ نے اپنے لائے ہوئے مکمل دین اور پورے نظام کی اطلاقی تدبیر اور پورے تکمیلیاتی تنفیذی منصوبے میں اسی مزاج کو اختیار فرمایا۔

اسی حدیث کی دوسری روایت کے الفاظ یہ ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اقامتِ حد کے بعد فرمایا:

يَا هَزَّالُ! لَوْ كُنْتَ سَتَرْتَهُ بِثَوْبِكَ كَانَ خيرًا مِمَّا صَنَعْتَ بِهِ.(۱)

اے ہزّال! اگر تم ماعز بن مالک کے گناہ کو پردے میں چھپا لیتے (کہ اس کا کسی کو پتہ نہ چلتا) تو یہ عمل اس سے بہتر ہوتا جو تم نے کیا (یعنی اسے میرے پاس اپنے گناہ کے اقرار کے لیے لے آئے یا اسے آنے دیا)۔

(۳) اسلامی سزاؤں میں کارفرما حکمت

ان سوالات و جوابات کا مطالعہ کرنے سے اسلامی قوانینِ سزا، ان میں کارفرما حکمتیں اور ان میں موجود امن وشفقت کے درج ذیل پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں:

قانون کی اصطلاح میں سوال و جواب کے اس انداز کو جرح کے ذریعے حقیقت تک رسائی کا عمل کہتے ہیں۔ اس کا مقصد یہ طے کرنا ہوتا ہے کہ مدعی یا ملزم کے جوابی بیان میں تضاد یا ٹکراؤ تو نہیں جس سے پورے معاملے میں شک پیدا ہو جائے اور شک کا فائدہ دیتے ہوئے

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الحدود، باب من اعترف نفسه بالزنی، ۳:۱۳۲۲-۱۳۲۳، رقم:۱۶۹۵

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۲۱۶، رقم: ۲۱۹۴۰

۳۔ أبو داود، السنن، کتاب الحدود، باب رجم ماعز بن مالك، ۴: ۱۴۵، رقم: ۴۴۱۹

۴۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۴: ۳۰۶، رقم: ۷۲۷۸

۵۔ ابن أبی شیبة، المصنف، ۵: ۵۳۸، رقم: ۲۸۷۶۷

۶۔ ابن حجر العسقلانی، فتح الباری، ۱۲: ۱۲۳-۱۲۵

ملزم کو بڑی سزا یا حد کے اجراء سے بچا لیا جائے۔ جدید قانونِ جرم و سزا اور مغربی علمِ تعزیرات میں سماعت کا یہی طریقہ رائج ہے اور پاک و ہند میں قانونِ فوجداری اور قانونِ ضابطہ جاتی کی صورت میں بھی یہی قوانین رائج ہیں۔ دنیا بھر میں فوجداری اور ضابطہ جاتی قوانین کے قانونِ شہادت میں بھی یہی ضابطہ کارفرما ہے کہ ملزم کو شک کا فائدہ دیا جاتا ہے۔

اس تناظر میں دیکھیے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے اس شخص کے پہلے اقرار پر بھی مقدمہ سماعت کے لیے اختیار نہیں کیا بلکہ صرفِ نظر کرنے کا رویہ اپنایا۔ اس نے دوبارہ اقرارِ جرم کیا اور خود حد جاری کرنے کا مطالبہ کیا، آپ ﷺ نے دوبارہ سن کر بھی اعراض (صرف نظر) فرمایا اور کیس کی اب بھی سماعت شروع نہیں کی۔ اس نے تیسری بار پھر آپ ﷺ کی بارگاہ میں اپنے جرم کا اقرار کیا اور حد جاری کرنے کی درخواست کی، آپ ﷺ نے پھر بھی صرفِ نظر فرما دیا لیکن جب چوتھی بار اس نے یہی عمل دہرایا اور با اصرار اقرارِ جرم کر کے حد جاری کرنے کی درخواست کی تو کہیں جا کر آپ ﷺ نے کیس کی سماعت شروع کرتے ہوئے اس سے سوالات کئے۔

تین مرتبہ اقرارِ جرم کے باوجود صرفِ نظر اور اعراض کرنے سے اسلام کے مزاج اور طرزِ عمل کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ اسلام رحمت و شفقت پر مبنی ہے یا جبر و تشدد اور سختی پر؟ اس کا طریقِ کار لوگوں کو سہولت، بچاؤ اور آسانی کی تدابیر پر منحصر ہے یا سخت گرفت، مواخذہ، پکڑ دھکڑ اور بچاؤ کے سارے راستے بند کرنے کے طریق پر قائم ہے؟

یہ حقیقت ہے کہ اسلام مؤاخذے پر اتنا زور نہیں دیتا جتنا معافی اور درگزر پر دیتا ہے کیونکہ اس کی ساری توجہ اس بات پر ہے کہ انسان توبہ کرتے ہوئے آئندہ کے لیے اپنی اصلاح کر لے۔ یہ امر ہماری نوجوان نسل اور جدید تعلیم یافتہ لادینی رجحانات رکھنے والے مسلمانوں کے لیے خاص طور پر قابل توجہ ہے جو ذرائع ابلاغ اور یونیورسٹیز سمیت دیگر جدید تحقیقی، علمی یا ابلاغی شعبہ جات کے فورمز پر بیٹھ کر اسلام پر بحث کرتے ہیں۔ اس لیے کہ ان کے ہاں اسلامی تعلیمات کی روح کی تفہیم کے فقدان لے ساتھ ساتھ اسلامی معلومات کی کمی بھی موجود ہے۔ چنانچہ ان میں سے زیادہ تر اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ معاذ اللہ اسلام سخت سزاؤں کا دین ہے۔

پھر وہ اسی پر اکتفا نہیں کرتے بلکہ اپنے اس غلط تصور کو منفی پراپیگنڈہ کے ذریعے مشتہر کرتے ہوئے اسلام کا منفی تاثر پیش کرتے ہیں۔ انہیں غور کرنا چاہیے کہ اسلام نے سزائیں اس لیے مقرر کی ہیں تاکہ معاشرے سے جرائم، مظالم، بے حیائی اور حق تلفیوں کا خاتمہ ہو۔ معاشرے میں روحانی اور انسانی اقدار کو تباہ کر دینے والے عناصر کا سدِ باب کیا جائے جو نہ بنے اور ان پہلوؤں کی حوصلہ افزائی کی جو انسانی حقوق کے پاس دار، اخلاقیات سے بہرہ مند، شرم و حیا سے لبریز اور طہارت سے مُعطر ہوں۔ چنانچہ اسلام نے حتی الوسع سزاؤں کا اعلان تو کیا مگر ان کے اجراء میں جلدی کرنے کی حوصلہ شکنی کی اور سزا کے فوری نفاذ کی اجازت نہیں دی۔

(۴) اقرارِ جرم کرنے والے پر حضور ﷺ کی جرح

اسی لیے حضور نبی اکرم ﷺ نے چار مرتبہ اقرارِ جرم سن کر بھی سزا مؤخر رکھی کہ وہ شخص خاموش ہو کر واپس چلا جائے۔ آپ ﷺ نے مسلسل اصرار پر اس سے کئی سوال پوچھے تاکہ اگر تضاد پایا جائے تو اسے شبہ کا فائدہ دے کر کم سزا پر اس کا مسئلہ حل ہو جائے۔

یا رسول اللہ! یا رحمۃً للعالمین! تمام عالم انسانیت میں آپ ﷺ سے بڑھ کر کون سا پیکرِ انسانی ہو گا جس کی ذات میں اپنی امت کے گناہ گاروں کے لیے بھی اس قدر رحمت اور شفقت پائی جائے۔ بے شک کائناتِ ہست و بود میں ایسی ہستی صرف محمد مصطفیٰ ﷺ کی ہے اور ایسا نظام صرف اسی نبیٔ رؤف ﷺ کا ہے جنہوں نے انسانیت کو عفو و درگزر اور محبت کا درس دیا۔

(۵) گناہ گاروں کے لیے دعائے مغفرت کی تعلیم

رحمت اور عنایت پر مبنی یہی رویہ اور طرزِ عمل ہے جس کا دل کش عکس حضور نبی اکرم ﷺ کی ساری حیاتِ طیبہ کے ہر پہلو میں نظر آتا ہے۔ حضرت ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کے اس واقعہ کو امام مسلم نے بھی اپنے طرق سے کتاب الحدود میں روایت کیا ہے۔ اس کے آخر میں ایک نہایت ایمان افروز بات کا اضافہ ہے۔ اس حدیث کے راوی حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ماعز بن مالک رضی اللہ عنہ کو رجم کی سزا دی جا چکی تو حضور نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی مجلس

میں تشریف لائے اور تھوڑی دیر کے بعد ہمیں حکم فرمایا:

اسْتَغْفِرُوا لِمَاعِزِ بْنِ مَالِکٍ.

ماعز بن مالک کے لیے استغفار کرو۔

چنانچہ سارے صحابہ کرام ﷡ نے حضرت ماعز بن مالک ﷛ کی بخشش و مغفرت کے لیے حکمِ رسول ﷺ پر بخشش کی دعا کی۔ اس کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

لَقَدْ تَابَ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ أُمَّةٍ لَوَسِعَتْهُمْ.[1]

اس (ماعز بن مالک ﷛) نے ایسی (عظیم) توبہ کی ہے کہ اگر اسے ایک امت (یعنی سیکڑوں، ہزاروں لوگوں پر مشتمل ایک بہت بڑی جماعت اور بہت بڑی قوم) پر بھی تقسیم کر دیا جائے تو یہ ان سب کی بخشش کے لیے بھی کافی ہوگی۔

۷۔ گناہ گاروں کو برے الفاظ سے یاد کرنے کی ممانعت

۱۔ حضرت لَجْلاج کہتے ہیں کہ ایک نوجوان پر حدِ رجم جاری ہونے کے بعد ہم حضور نبی اکرم ﷺ کی مجلس میں بیٹھے تھے کہ کسی شخص نے آ کر اس جوان کے بارے میں کچھ پوچھا۔ اس پر صحابہ کرام ﷡ میں سے کسی ایک نے کہا:

هَذَا جَاءَ يَسْأَلُ عَنِ الْخَبِيْثِ.

یہ آدمی اس خبیث کے متعلق پوچھنے آیا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ بات سنی تو فرمایا کہ خبردار اس کو خبیث مت کہو، کیوں کہ ایک تو اسے گناہِ کبیرہ کی سزا دی جا چکی ہے اور دوسرے

لَهُوَ أَطْيَبُ عِنْدَ اللهِ مِنْ رِيْحِ الْمِسْکِ.

(۱) مسلم، الصحیح، کتاب الحدود، باب من اعترف علی نفسه بالزنی، ۳:۱۳۲۲، رقم:۱۶۹۵

www.MinhajBooks.com

وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مشک سے بھی زیادہ خوشبودار ہے۔

حضرت لَجلاج فرماتے ہیں:

فَإِذَا هُوَ أَبُوْهُ فَأَعَنَّاهُ عَلٰى غُسْلِهٖ وَتَكْفِيْنِهٖ وَدَفْنِهٖ.(۱)

پھر ہم نے حضور نبی اکرم ﷺ کے حکم پر اس کے والد کے ساتھ مل کر اس نوجوان کی میت کو غسل دیا، کفن پہنایا، اس کی نمازِ جنازہ پڑھی اور اسے دفن کیا۔

۲۔ اسی طرح کے ایک اور واقعہ کو حضرت عمران رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ قبیلہ جُہینہ کی ایک خاتون سے گناہِ کبیرہ کا ارتکاب ہوا اور ان پر بھی حد جاری کی گئی۔ جب ان کی نمازِ جنازہ کا وقت آیا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کی نمازِ جنازہ پڑھائی۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

تُصَلِّي عَلَيْهَا يَا نَبِيَّ اللهِ، وَقَدْ زَنَتْ؟

یا رسول اللہ! آپ ﷺ اس کی نماز جنازہ پڑھا رہے ہیں حالانکہ یہ بدکار ہے؟

اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَقَدْ تَابَتْ تَوْبَةً لَوْ قُسِمَتْ بَيْنَ سَبْعِينَ مِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ لَوَسِعَتْهُمْ.(۲)

اس نے ایسی توبہ کی ہے کہ اگر اس کو مدینہ منورہ کے ستر آدمیوں پر تقسیم کیا جائے تو انہیں کافی ہوگی۔

یہ جملہ احادیث، گناہ گاروں اور خطا کاروں کے ساتھ حضور نبی اکرم ﷺ کے طرزِ عمل اور ان کے بارے میں آپ ﷺ کے نقطہ نظر کی عکاس ہیں کہ کس طرح شریعتِ اسلامیہ کی کھلی خلاف ورزی کرنے والوں کے ساتھ بھی آپ ﷺ عنایت و کرم اور لطف و عطا سے پیش آتے۔

---

(۱) أبو داود، السنن، كتاب الحدود، باب رجم ماعز بن مالك، ۴: ۱۵۰، رقم: ۴۴۳۵

(۲) مسلم، الصحيح، كتاب الحدود، باب من اعترف على نفسه بالزنى، ۳: ۱۳۲۴، رقم: ۱۶۹۶

چنانچہ ایسے معاملات میں جو طرزِ عمل حضور نبی اکرم ﷺ کا تھا وہی طرزِ عمل اسلام کا ہے، ہمارا طرزِ عمل بھی یہی ہونا چاہیے۔ ہمیں قیامت تک حضور نبی اکرم ﷺ اور اسلام کے اس حقیقی مزاج کو اسی طرح سمجھنا چاہیے جس طرح آپ ﷺ ہمیں اپنے کردار، مزاج اور طرزِ عمل سے سمجھانا چاہتے ہیں۔ اسلام کے مزاج کا لب لباب یہی ہے کہ اسلام نہ سزاؤں کے اجراء کو پسند کرتا ہے اور نہ ہی سزاؤں کا اجراء اسلام کا مقصود ہے۔ بلکہ ان سزاؤں کا مقصد جرائم میں رکاوٹ اور ان کی تسدید ہے تاکہ لوگ انفرادی اور اجتماعی دونوں سطحوں پر ظلم، برائی اور قانون شکنی سے دور رہیں۔ اس طرح ان کی اصلاح قائم رہے۔ یہ امر ذہن نشین رہے کہ احکامِ شریعت میں سزائیں حکمِ تکلیفی نہیں بلکہ حکمِ وضعی کی حیثیت رکھتی ہیں۔

۸۔ اَحکام کی اَقسام

قانونِ اِسلام میں احکام کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ احکامِ تکلیفیہ

۲۔ احکامِ وضعیہ

(۱) اَحکامِ تکلیفیہ

احکامِ تکلیفیہ سے مراد وہ احکام ہیں جو مقصود بالذات ہیں یعنی جن کا نفاذِ عمل مسلم معاشرے میں زیادہ سے زیادہ پایا جانا اسلام کا مقصود ہے۔ اسلامی سوسائٹی کا پورا وجود انہی احکام سے تشکیل پاتا ہے جیسے نماز، روزہ، حج، زکوٰۃ اور حلال و حرام کے تمام احکام ہیں۔ گویا احکامِ تکلیفیہ وہ احکام ہیں جو بدیہی طور پر اسلام کے آئینی، معاشرتی، معاشی، اخلاقی اور مذہبی نظام کی تشکیل کرتے ہیں۔

(۲) اَحکامِ وضعیہ

احکامِ وضعیہ مقصود بالذات نہیں ہوتے یعنی ان کا نافذ کرنا، اجرا کرنا اور انہیں برقرار

رکھنا یہ اسلام کا مقصود نہیں بلکہ مقصود یہ ہے کہ ان کے ذریعے بعض سنگین اور بڑی نوعیت کے جرائم کو روکنے میں مدد لی جائے تا کہ معاشرے میں امن بحال رہے اور لوگوں کی جان، مال اور آبرو کا تحفظ ہو سکے۔ اس لیے ان کا اجراء صرف اسی وقت لازم اور واجب ہوتا ہے جب کوئی کڑا جرم اور بڑا گناہ عمل میں آئے۔ اس صورت میں بھی سزا کے واجب ہو جانے کے باوجود تفتیش اور سماعتِ مقدمہ میں اسلام نے احکام کی ایسی صورتوں کو بہتر جانا اور مقدم رکھا ہے کہ جن سے 'حد' مؤخر ہو جائے اور کم سے کم تر سزا سے کام چل جائے یا وہ سزا شک کے فائدہ لے ذریعے معاف ہو جائے۔ اس لیے کہ اسلام میں سزاؤں کی اہمیت غایتی نہیں انسدادی ہے۔

بدقسمتی یہ ہے کہ ہم نے مطالعہ میں کمی کے سبب احکامِ اسلام اور احکامِ شریعت کو اپنی طبیعتوں کے مطابق انتہائی سخت، درشت اور (معاذ اللہ) جبر اور تشدد پر مبنی بنا کر دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ ہم شاید یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام سزاؤں ہی کا دین ہے جبکہ اسلام سزاؤں کا نہیں بلکہ معافی کا دین ہے۔ سزاؤں کو مؤخر اور ملتوی کرنے اور مجرم کو شک کا فائدہ دے کر معافی کی ترغیب دلانے والا دین ہے۔

فصل نمبر 8

حضور نبی اکرم ﷺ کی
کفار و مشرکین پر رحمت و شفقت

☆ اِس موضوع پر مزید مطالعے کے لیے ہماری کتب 'فتویٰ: دہشت گردی اور فتنہ خوارِج' اور 'مسلمانوں اور غیر مسلموں کے باہمی تعلقات' ملاحظہ فرمائیں۔

www.MinhajBooks.com

وہ لوگ جو اسلام دشمنی میں پیش پیش تھے، اسلامی ریاست مدینہ پر حملہ آور ہوتے تھے، حضور نبی اکرم ﷺ کی مقدس جان کے در پے تھے، آپ ﷺ کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو قتل کرنے والے تھے، شہر مکہ سے آپ اور آپ ﷺ کے ساتھیوں کو نکالنے والے تھے، جملہ مخالفین و معاندین اور پے در پے غزوہ بدر سے لے کر فتح مکّہ (اس پورے عرصے کے دوران) تک مدینہ طیبہ کی سرزمین پر جنگیں مسلط کرنے والے تھے، ان تمام حقائق کے باوجود حضور نبی اکرم ﷺ کا ان کے ساتھ رویۂ رحمت و شفقت پر مبنی تھا۔ اسلام نے ایسے لوگوں کے ساتھ بھی شفقت، نرمی، لطف و عنایت اور امن و سلامتی کا درس دیا ہے۔ کفار و مشرکین اور ان اعدائے اسلام پر رحمتِ مصطفیٰ ﷺ کے مختلف مظاہر اسلام کے امن و رحمت سے زمین دین ہونے کے واضح لائل ہیں۔

یہ بات اظہر من الشّمس ہے کہ قرآن مجید نے حضور نبی اکرم ﷺ کو پوری کائنات، تمام مخلوقات اور جمیع عوالم کے لیے سراپا رحمت قرار دیا ہے۔ آپ ﷺ کی رحمت کو صرف مؤمنین یا مسلمین ہی کے لیے مختص نہیں کیا، بلکہ آپ ﷺ کی یہ نعمتِ عظمیٰ تو ہر کس و ناکس، مومن و کافر، نیک و بد اور ہر اپنے پرائے الغرض تمام مخلوقات کے لیے عام بنائی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ کفار و مشرکین بھی اپنے اپنے نصیب اور ظرف کے مطابق رحمتِ مصطفیٰ ﷺ سے حصہ پاتے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ کے اس رحمت پر مبنی کردار سے نہ صرف آپ ﷺ کی پاک سیرت کا خوب صورت نقشہ ہمارے سامنے آتا ہے بلکہ اس طرزِ عمل اور فرمودات سے اسلام کے موقف اور نقطۂ نظر کا بھی اظہار ہوتا ہے کہ یہی وہ دین ہے جو تمام عالمِ انسانیت کے لیے سراپائے رحمت بھی ہے اور سب کے لیے امن و رحمت کا باعث بھی ہے۔ اسلام کی رحمت و شفقت کا فیض صرف اس کی پیروی کرنے والوں اور وفاداروں ہی کے لیے نہیں بلکہ اسے نہ ماننے والوں، اس کی مخالفت کرنے والے تمام دشمنوں کے لیے بھی ہے۔ اسلام کا پیغامِ رحمت تمام انسانیت کے لیے امن و

www.MinhajBooks.com

محبت اور رحمت و شفقت پر مبنی پیغام ہے جیسے رسول اللہ ﷺ خود تمام جہانوں کے لیے رحمت ہیں اسی طرح آپ ﷺ کی سیرتِ طیبہ اور تعلیماتِ مطہرہ سے بھی رحمت و امن ہی عیاں ہے۔

ا۔ ستم لوگوں کے، آقا ﷺ کی عطائیں یاد آتی ہیں

ا۔ طائف کے سردار اور اوباش نوجوان حضور نبی اکرم ﷺ پر دعوتِ اسلام دینے کی پاداش میں مظام کی انتہا کر دیتے ہیں، حتیٰ کہ پتھروں کی بارش سے آپ ﷺ کا جسدِ اقدس لہولہان ہو جاتا ہے۔ ایک وقت ایسا آیا کہ آپ ﷺ نے ایک پہاڑ کے دامن میں پناہ لی۔ اس بے پناہ تکلیف کے سبب اللہ رب العزت نے ملک الجبال (پہاڑوں کا فرشتہ) کو بھیجا جس نے آ کر آپ ﷺ کی بارگاہ میں عرض کیا کہ آقا (ﷺ)! اگر آپ حکم فرمائیں تو میں اللہ رب العزت کے اذن سے ان دونوں پہاڑوں کے درمیان آپ ﷺ کے ان تمام دشمنوں کو پیس کر رکھ دوں یا پھر اس پورے خطۂ ارضی کو آسمانوں کی طرف اوپر لے جا کر نیچے اُلٹا دوں تا کہ اس کے تمام باسی تباہ و برباد ہو جائیں اور قیامت کے دن تک یہ زمین مردہ ہو جائے یعنی اس کے اندر ایسے تغیرات آ جائیں کہ یہاں زندگی کی بقا ہی ممکن نہ رہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ملک الجبال کو جواباً فرمایا کہ میں اللہ تعالیٰ سے اس بات کی امید رکھتا ہوں کہ اگر یہ لوگ ایمان نہ لائے تو ان کی اولاد میں سے کچھ لوگ ضرور ایمان لے آئیں گے۔ (۱)

۲۔ کفار و مشرکین کے ظلم و ستم کی انتہا کی وجہ سے صحابہ کرام ﷺ حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کرتے:

أُدْعُ عَلَى الْمُشْرِكِيْنَ.

(یا رسول اللہ!) ان مشرکین کے لیے بد دعا فرمادیں۔

یعنی جنہوں نے آپ ﷺ کو انتہا کی اذیتیں دیں حالانکہ آپ ﷺ انہیں دوزخ سے بچا کر جنت کے نفع اور بھلائی کی طرف بلاتے ہیں مگر حضور نبی اکرم ﷺ پھر بھی ان کے لیے

(۱) ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ، ۲: ۲۶۸

بددعا نہ فرماتے بلکہ اُن کی ہدایت کے لیے دُعا گو رہتے۔

۳۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ جب حضور نبی اکرم ﷺ سے کہا گیا کہ مشرکین کے لیے بددعا فرمائیں تو آپ ﷺ نے فرمایا:

إِنِّي لَمْ أُبْعَثْ لَعَّانًا وَإِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً. (۱)

مجھے لعنت کرنے والا بنا کر نہیں بھیجا گیا، مجھے تو صرف رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے۔

۴۔ اسی طرح ایک اور روایت میں ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

إِنَّمَا بُعِثْتُ رَحْمَةً وَلَمْ أُبْعَثْ عَذَابًا. (۲)

مجھے رحمت بنا کر بھیجا گیا ہے نہ کہ عذاب بنا کر۔

یعنی اگرچہ یہ کفار ہیں اور میرے دشمن ہیں لیکن میں ان کے اس اذیت دہ عمل کے ردِعمل کے طور پر بھی اپنی رحمت اور شفقت کا طرزِ عمل ترک نہیں کر سکتا۔

۲۔ انتہائے ظلم پر بھی انتہائے رحمت کا اظہار

۱۔ غزوہ اُحد کے موقع پر مسلمانوں کی جرأت و بہادری کے نتیجے میں کفار کی شکست کی یقینی تھی کہ خالد بن ولید (جو اس وقت لشکرِ کفار کے سپہ سالار تھے اور ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) نے پلٹ کر پہاڑ کی ایک گھاٹی سے مسلمانوں پر اچانک حملہ کر دیا۔ چونکہ یہ حملہ مسلمانوں پر

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب النهي عن لعن الدواب وغيرها، ۴: ۲۰۰۶، رقم: ۲۵۹۹

۲۔ بخاری، الأدب المفرد: ۱۱۹، رقم: ۳۲۱

۳۔ أبو يعلى، المسند، ۱۱: ۳۵، رقم: ۶۱۷۴

(۲) ۱۔ أبو نعيم، دلائل النبوة، ۱: ۴۰، رقم: ۲

۲۔ بيهقى، شعب الإيمان، ۲: ۱۴۴، رقم: ۱۴۰۳

۳۔ ابن عساكر، تاريخ مدينة دمشق، ۴: ۹۲۔

بے خبری میں کیا گیا تھا اس لیے بہت نقصان دہ ثابت ہوا اور مسلمانوں کے لشکر میں بھگدڑ مچ گئی۔ جس کے سبب مجاہدین اپنی مقررہ جگہوں سے وقتی طور ہٹ جانے پر مجبور ہوئے۔ اسی دوران آپ ﷺ کا چہرۂ انور زخمی ہوا، آپ ﷺ کے دندانِ مبارک بھی شہید بھی ہوے، چہرۂ اقدس سے خون بھی رواں ہوا حتیٰ کہ ایک لمحہ کے لیے آپ ﷺ پر غشی کی کیفیت طاری ہوگئی۔

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ اس واقعہ کے فوراً بعد میں حضور نبی اکرم ﷺ کو دیکھ رہا تھا کہ آپ ﷺ انبیاء کرام علیہم السلام میں سے کسی نبی کی حکایت سنا رہے تھے جنہیں ان کی قوم نے سخت اذیت ناک زخم اور تکلیفیں دی تھیں۔ اس بیان کے ساتھ ساتھ آپ ﷺ زخموں کے سبب اپنے چہرۂ مبارک سے نکلنے والے مقدس خون کو بھی صاف کر رہے تھے۔

کفار کے اس قدر ظلم سے خود زخمی ہونے اور ستر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے شہید ہونے کے باوجود حضور نبی اکرم ﷺ نے کفار و مشرکین کے لیے بد دعا نہ کی بلکہ دعا دیتے ہوئے فرمایا:

اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِقَوْمِيْ فَإِنَّهُمْ لَا يَعْلَمُوْنَ. (۱)

یا اللہ! میری قوم (جس نے مجھے زخمی اور لہولہان کر دیا ہے اس) کو معاف کر دے (ان سے انتقام نہ لے) کہ یہ (میرے مقام و مرتبہ اور) حق کو نہیں پہچانتے۔

ایسی شدید تکلیف اور اذیت کے عالم میں بد دعا کرنا تو دور کی بات، حضور نبی اکرم ﷺ نے ایسے دشمنوں کے لیے بھی اللہ رب العزت سے درخواست فرمائی کہ یا اللہ! ان کی طرف سے مجھے دی گئی اس اذیت کے باوجود بھی ان پر عذاب نازل نہ کر بلکہ انہیں معاف کر دے

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الأنبياء، حديث الغار، ۳: ۱۲۸۲، رقم: ۳۲۹۰

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الجهاد، باب غزوة أحد، ۳: ۱۴۱۷، رقم: ۱۷۹۲

۳۔ ابن ماجه، السنن، كتاب الفتن، باب الصبر على البلاء، ۲: ۱۳۳۵، رقم: ۴۰۲۵

www.MinhajBooks.com

کیونکہ یہ بے خبری اور جہالت کے عالم میں ہیں۔

۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ مکہ معظّمہ سے تھوڑا باہر جبل تنعیم کے مقام پر (جہاں آج مسجد عائشہ بنی ہوئی ہے)، اہل مکہ کے اَسّی جوانوں نے قتل کرنے کی نیت سے عقب سے حضور نبی اکرم ﷺ پر حملہ کر دیا۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے آپ ﷺ کا دفاع کیا اور آپ ﷺ کی حفاظت کی۔ ان تمام مسلح افراد کو شکست ہوئی اور وہ تمام قیدی بنا لیے گئے۔ اِن افراد کے اس انتہا پسندانہ اقدام کے باوجود حضور نبی اکرم ﷺ نے ان سے نہ انتقام لیا اور نہ ہی ان کے لیے بددعا کی۔ حدیثِ مبارک میں ہے:

فَأَخَذَهُمْ سِلْمًا فَاسْتَحْيَاهُمْ فَأَنْزَلَ اللهُ عزوجل: ﴿وَهُوَ الَّذِىْ كَفَّ اَيْدِيَهُمْ عَنْكُمْ وَاَيْدِيَكُمْ عَنْهُمْ بِبَطْنِ مَكَّةَ مِنْۢ بَعْدِ اَنْ اَظْفَرَكُمْ عَلَيْهِمْ﴾[1].[2]

رسول اللہ ﷺ نے اُنہیں پکڑنے کے باوجود قتل نہیں کیا، زندہ رکھا اور پھر چھوڑ دیا۔ اسی موقع پر اللہ تعالیٰ نے آیت نازل فرمائی: ﴿اور وہی ہے جس نے سرحدِ مکّہ پر (حدیبیہ کے قریب) ان (کافروں) کے ہاتھ تم سے اور تمہارے ہاتھ ان سے روک دیے اس کے بعد کہ اس نے تمہیں ان (کے گروہ) پر غلبہ بخش دیا تھا۔﴾

یعنی اِس فتح یابی کے باوجود حضور نبی اکرم ﷺ نے اُنہیں قتل نہیں کیا اور معاہدۂ حدیبیہ کا حیا کرتے ہوئے اُنہیں معاف کرتے ہوئے آزد کر دیا۔

---

(۱) الفتح، ۴۸:۲۴

(۲) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب الجهاد، باب قول الله تعالیٰ وهو الذی کف أیدیهم عنکم، ۳: ۱۴۴۲، رقم: ۱۸۰۸

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۲۴، رقم: ۱۲۲۷۶

۳۔ ترمذی، السنن، کتاب تفسیر القرآن، باب ومن سورة الفتح، ۵: ۳۸۶، رقم: ۳۲۶۴

۳۔ یومِ فتح مکہ رحمت اور عام معافی کا دِن ہے

۸ ہجری میں فتح مکہ کا عظیم واقعہ پیش آیا اور حضور نبی اکرم ﷺ کا عظیم لشکر فاتحانہ انداز میں اسی مکہ مکرمہ میں داخل ہوا جہاں وہی کفار و مشرکین موجود تھے جنہوں نے نہ صرف آپ ﷺ کو اسی شہرِ اماں سے ہجرت پر مجبور کیا تھا بلکہ مدینہ طیبہ میں بھی پورے آٹھ برس تک سکھ کا ایک سانس تک نہیں لینے دیا تھا۔ اس دن حضرت سعد بن عبادہ انصاری رضی اللہ عنہ نے ابوسفیان (جو اس وقت ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے) سے کہا:

اَلْيَوْمَ، يَوْمُ الْمَلْحَمَةِ.

آج انتقام لینے کا دن ہے۔

یعنی آج کے دن ہم اپنے اوپر ہونے والے ظلم وستم کا حساب لیں گے۔ ابوسفیان نے یہ بات حضور نبی اکرم ﷺ تک پہنچا دی، جس کے جواب میں نبی رحمت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

اَلْيَوْمَ يَوْمُ الْمَرْحَمَةِ. هٰذَا يَوْمٌ يُعَظِّمُ اللهُ فِيْهِ الْكَعْبَةَ وَيَوْمٌ تُكْسٰى فِيْهِ الْكَعْبَةُ. (۱)

(نہیں بلکہ) آج کا دن رحمت کا دن ہے۔ آج کا دن وہ دن ہے جس میں اللہ تعالیٰ اس کعبہ کو عظمت عطا فرمائے گا اور کعبہ کو (عزت و حرمت کا) غلاف پہنایا جائے گا۔

تیرہ برس تک اذیتیں دینے اور آٹھ برس تک جنگیں مسلط کرنے جیسے ان تمام جرائم کے باوجود بھی جب حضور نبی اکرم ﷺ نے فتح مکہ کے بعد شہر میں داخل ہو کر اعلان فرمایا:

مَنْ دَخَلَ دَارَ أَبِي سُفْيَانَ فَهُوَ آمِنٌ، وَمَنْ أَلْقَى السِّلَاحَ فَهُوَ آمِنٌ، وَمَنْ

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب المغازی، باب أین رکز النبي ﷺ الرایة یوم الفتح، ۴: ۱۵۵۹، رقم: ۴۰۳۰
۲۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۹: ۱۱۹، رقم: ۱۸۰۵۸

أَغْلَقَ بَابَهُ فَهُوَ آمِنٌ.(۱)

آج جو شخص ابو سفیان کے گھر داخل ہو گیا اُس کے لیے بھی امان ہے، جس نے (فقط) ہتھیار پھینک دیئے (یعنی تلوار اور کوئی ہتھیار اٹھائے نہ رکھا) اُس کے لیے بھی امان ہے اور (حتی کہ) جو شخص اپنے گھر میں رہے اور اپنا دروازہ بند کر دے اُس کے لیے بھی امان ہے۔

نبیِ رحمت ﷺ کی رحمتِ فراواں کا اندازہ کیجئے کہ فتح مکّہ کے دن جس شخص نے بھی اپنے قول یا عمل سے یہ پیغام دیا کہ وہ جنگ نہیں کرنا چاہتا، اُسے نہ صرف پناہ دے دی گئی بلکہ اُس کے تمام سابقہ جنگی جرائم بھی معاف کر دیے گئے۔

شہر مکہ میں داخل ہو کر حضور نبی اکرم ﷺ نے خطبہ ارشاد فرمایا اور دورانِ خطبہ آپ ﷺ نے اہلِ مکہ سے پوچھا:

مَا تَرَوْنَ أَنِّي صَانِعٌ بِكُمْ؟

(اے اہل مکہ!) تمہارا کیا خیال ہے کہ میں تمہارے ساتھ کیا سلوک کرنے والا ہوں؟

انہوں نے جواب میں عرض کیا:

خَيْرًا أَخٌ كَرِيمٌ وَابْنُ أَخٍ كَرِيمٍ.

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الجهاد والسير، باب فتح مكة، ۳: ۱۴۰۷، رقم: ۱۷۸۰
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۹۲، رقم: ۷۹۰۹
۳۔ أبو داود، السنن، كتاب الخراج والإمارة والفيء، باب ما جاء في خبر مكة، ۳: ۱۶۲، رقم: ۳۰۲۱
۴۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۶: ۳۴، رقم: ۱۰۹۶۱
۵۔ أبو عوانة، المسند، ۴: ۲۹۰، رقم: ۶۷۸۰
۶۔ ابن عساكر، تاريخ مدينة دمشق، ۱۵: ۱۰۷

ہم آپ سے بھلائی کی امید رکھتے ہیں کیونکہ آپ ایک معزز بھائی ہیں اور معزز بھائی کے بیٹے ہیں۔

اس کے بعد حضور نبی اکرم ﷺ نے اعلان فرمایا:

لَا تَثْرِيْبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ، اِذْهَبُوْا وَأَنْتُمُ الطُّلَقَاءُ. (۱)

آج تمہاری کوئی گرفت نہیں (یعنی تم سے کوئی انتقام نہیں لیا جائے گا) جاؤ تم سب (آج سے) آزاد ہو۔

یعنی تم سب ایک ہو کر اکیس برس تک اسلام، بانیِ اسلام ﷺ اور اہلِ اسلام کے خلاف جنگی جرائم کا ارتکاب کرتے ہوئے انہیں اذیتیں پہنچاتے رہے لیکن آج تم پر غلبہ پانے کے باوجود سب خطائیں معاف کر دی گئی ہیں، لہٰذا امن و امان کے ساتھ رہو۔

۴۔ اَہلِ مکہ کی معاشی تنگ دستی کے اِزالے کے لیے دعا

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ فتح مکہ سے قبل ایک مرتبہ مکہ میں نہایت شدید قحط آیا:

فَأَصَابَهُمْ قَحْطٌ وَجَهْدٌ حَتَّى أَكَلُوْا الْعِظَامَ فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَنْظُرُ إِلَى السَّمَاءِ فَيَرَى مَا بَيْنَهُ وَبَيْنَهَا كَهَيْئَةِ الدُّخَانِ مِنَ الْجَهْدِ. (۲)

اہل مکہ کو (حد درجہ) بھوک اور پیاس نے گھیر لیا۔ آسمانوں کی طرف نگاہ اٹھا کے

(۱) ۱۔ نسائی، السنن الکبری، ۶: ۳۸۲، رقم: ۱۱۲۹۸
۲۔ بیہقی، السنن الکبری، ۹: ۱۱۸، رقم: ۱۸۰۵۵
۳۔ شافعی، کتاب الأم، ۷: ۳۶۱
۴۔ ربیع، المسند: ۱۷۰، رقم: ۴۱۹
۵۔ مناوی، فیض القدیر، ۵: ۱۷۱
۶۔ سیوطي، الجامع الصغیر، ۱: ۲۲۰، رقم: ۳۶۸

(۲) ۱۔ بخاري، الصحیح، کتاب تفسیر القرآن، باب یغشی الناس هذا عذاب ألیم، ۴: ۱۸۲۳، رقم: ۴۵۴۴

دیکھتے تھے تو انہیں دھواں ہی دھواں نظر آتا (یعنی بادل یا بارش کا ایک قطرہ بھی ان کی آنکھیں نہ دیکھتی تھیں) یہاں تک کہ ان کے پاس کھانے کو کچھ نہ بچا اور وہ جانوروں کی ہڈیاں تک کھانے پر مجبور ہو گئے۔

چنانچہ جب وہ مایوسیوں، ہلاکتوں اور پریشانیوں میں گھر گئے اور ان کے پاس کوئی راستہ نہ بچا تو پوری قوم نے ابوسفیان کو اپنا نمائندہ بنا کر حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں مدینہ طیبہ بھیجا کہ اب رسول اللہ ﷺ کی ذات کے سوا کوئی راستہ نہیں، سو تم جاؤ اور اُن سے دعا کرنے کا کہو۔ تب ابوسفیان نے مدینہ طیبہ حاضر ہو کر عرض کیا:

أَيْ مُحَمَّدُ، إِنَّ قَوْمَکَ قَدْ هَلَکُوْا فَادْعُ اللهَ أَنْ يَکْشِفَ عَنْهُمْ. (وَفِي رِوَايَةٍ:) يَا رَسُوْلَ اللهِ، اِسْتَسْقِ اللهَ لَهُمْ فَإِنَّهُمْ قَدْ هَلَکُوْا.

اے محمد! آپ کی قوم (قریش) کے لوگ ہلاک و برباد ہو گئے (کہ اُن کے پاس کھانے پینے کے لیے کچھ نہیں بچا چنانچہ) آپ ﷺ اللہ رب العزت کی بارگاہ میں دعا کریں کہ وہ اُن سے یہ مصیبت ٹال دے۔ دوسری روایت میں ہے کہ ابوسفیان نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ (مکہ والے) ہلاک ہوگئے ہیں اُن کے لیے بارش کی دُعا کریں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے دشمنانِ اسلام کی اس بے چارگی کا احوال سننے کے بعد دعا کی۔ آگے روایت کے الفاظ کچھ یوں ہیں:

فَاسْتَسْقَ اللهَ، فَسُقُوْا. (1)

آپ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے اُن کے لیے بارش (کی دعا) مانگی تو اُن (اہلِ مکّہ) کو

.... ۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب صفة القیامة والجنة والنار، باب الدخان، ۴:۲۱۵۶، رقم: ۲۷۹۸

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱:۳۸۰، رقم: ۳۶۱۳

۴۔ ابن کثیر، تفسیر القرآن العظیم، ۴:۱۳۹

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب التفسیر، باب ثم تولوا عنه وقالوا معلم مجنون، ۴: ۱۸۲۴، رقم: ۴۵۴۷

بارش عطا ہوگئی۔

اس طرح سخت ترین دشمنانِ اسلام بھی حضور نبی اکرم ﷺ کے صدقے سیراب کر دیے گئے اور ان سے قحط کا عذاب اٹھا لیا گیا۔ حالانکہ اگر ان کے انسانیت سوز افعال کو مدِ نظر رکھا جاتا تو یہ انتقام کا وقت تھا اور ان کی اس کسم پُرسی کے عالم میں ان سے یہ کہا جانا روا تھا کہ کیا تم وہی نہیں ہو جنہوں نے مسلمانوں کو مجبور کر کے ان کے گھروں سے نکالا تھا، انہیں حد درجہ اذیت ناک تکالیف دی تھیں، حتی کہ تم انہیں پتھروں کے نیچے دبا کر کوڑے مارتے تھے، آگ میں جلاتے تھے، انگاروں پر لٹاتے تھے، لہٰذا آج تم ذرا اپنے وہ مظالم تو یاد کرو جو تم نے نہ صرف اسلام کے ماننے والوں پر کیے بلکہ مجھے بھی ظلم و ستم کا نشانہ بنایا۔ آج ہی تو تم گرفت میں آئے ہو مگر اس کے برعکس رحمۃٌ للعالمین ﷺ نے اُن کی تکلیف، پریشانی اور مصیبت کا سن کر اللہ تعالیٰ سے اُن پر سے قحط کے رفع ہونے کی التجا کی جو اللہ تعالیٰ نے قبول فرمائی۔

یہ بھی حضور نبی اکرم ﷺ کی رحمت و شفقت کے عظیم مظاہر میں سے ایک ہے۔ بصورتِ دیگر اگر آپ ﷺ ان کے لیے دعا نہ کرتے تو قحط کے سبب ان کی ہلاکت یقینی تھی۔ آپ ﷺ نے ایسا نہ کیا بلکہ اُن کے لیے امن و رحمت اور محبت و شفقت کا اظہار فرمایا۔

۵۔ اقدامِ قتل کے باوجود یہودی عورت کو معاف کر دیا

۱۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ غزوہ خیبر کے موقع پر ایک یہودی عورت نے بکری کا زہر آلود گوشت آپ ﷺ کو کھانے کے طور پر پیش کیا۔ آپ ﷺ کے ساتھ اس دعوت میں شریک صحابی حضرت بشیر بن براء رضی اللہ عنہ بھی تھے، جونہی انہوں نے اس کھانے کا ایک لقمہ لیا تو اس زہر کی سختی کو برداشت نہ کر پائے اور موقع پر ہی شہید ہو گئے۔ آپ ﷺ نے

.........۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب صفة القیامة والجنة والنار، باب الدخان، ۴: ۲۱۵۵-۲۱۵۶، رقم: ۲۷۹۸

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۳۸۰، رقم: ۳۶۱۳

۴۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ۶: ۴۵۵، رقم: ۱۱۴۸۱

www.MinhajBooks.com

ابھی ایک لقمہ ہی لیا تھا کہ وہ گوشت بول اٹھا: یا رسول اللہ! میں زہر آلود گوشت ہوں مجھے نہ کھایئے۔(۱) حضور نبی اکرم ﷺ نے جو لقمہ کھایا تھا اس میں اتنا سخت زہر تھا کہ اس سے آپ ﷺ کی انتڑیوں کو شدید تکلیف پہنچی۔ رب العزت کا الوہی وعدہ ہے کہ وَاللهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ(۲) کے سبب اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو دشمنوں سے ہمیشہ محفوظ رکھنے کا وعدہ فرما رکھا تھا، لہٰذا کسی دشمن کو یہ طاقت نہیں دی کہ وہ آپ ﷺ کی وفات کا سبب بنے، لیکن وصال کے دن تک آپ ﷺ اپنی مبارک انتڑیوں میں اُس زہر کا اثر محسوس کرتے رہے اور حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے فرماتے کہ اے عائشہ! میں خیبر کے زہر آلود گوشت کا اثر آج بھی اپنے پیٹ میں محسوس کرتا ہوں۔(۳)

اس قدر گھناؤنے جرم کی مرتکب اس یہودیہ کو جب پکڑ کر حضور ﷺ کے سامنے لایا گیا اور پوچھا گیا کہ تم نے ایسا کیوں کیا تو اس نے کہا:

أَرَدْتُ لِأَقْتُلَكَ.

میں نے ارادہ کیا کہ آپ کو (معاذ اللہ) قتل کر دوں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَا كَانَ اللهُ لِيُسَلِّطَكِ عَلٰى ذَاكِ.

اللہ تعالیٰ تمہیں اس بات پر مسلط نہیں کر سکتا (کہ تم مجھے زہر کھلاؤ اور میری موت واقع ہو جائے)۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے بار بار عرض کیا:

---

(۱) ابن قيم، زاد المعاد، ۳: ۳۳۵

(۲) المائدة، ۵: ۶۷

(۳) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب المغازی، باب مرض النبی ﷺ ووفاته، ۴: ۱۶۱۱، رقم: ۴۱۶۵

أَلَا نَقْتُلُهَا؟

(یا رسول اللہ!) کیا ہم اسے قتل نہ کر دیں؟

اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے ہر بار 'نہیں' میں جواب عطا فرمایا۔[1] حالانکہ وہ یہودیہ خود اقرار کر رہی تھی کہ اس کا ارادہ قتل کا تھا مگر اس کے اقرار کے باوجود حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کے قتل کی اجازت نہیں دی بلکہ اسے معاف کر دیا۔

۲۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ ایک سفرِ جہاد پر جا رہے تھے کہ راستے میں ایک جگہ پڑاؤ آیا۔ آپ ﷺ ایک جگہ ایک درخت کی ٹہنی کے ساتھ اپنی تلوار باندھ کر نیچے لیٹ گئے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی مختلف درختوں کے نیچے لیٹ گئے اور سب کو نیند آ گئی۔ اتنے میں حضور نبی اکرم ﷺ نے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو آواز دی۔ ہم سب آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوئے اور دیکھا کہ ایک شخص آپ ﷺ کے سامنے کھڑا ہے۔ آپ ﷺ نے ہمیں بتایا کہ میں سویا ہوا تھا کہ اس نے میری تلوار درخت کی ٹہنی سے اتار کر اپنے ہاتھ میں لے کر مجھے مارنے کا ارادہ تھا کہ میری آنکھ کھل گئی، اس وقت اس نے مجھے جاگتا دیکھ کر کہا:

مَنْ يَمْنَعُکَ مِنِّيْ؟

(اے محمد!) آج تمہیں مجھ سے کون بچائے گا؟

اس پر میں نے تین بار کہا: اللہ۔

میرے اِن الفاظ سے اِس پر کپکپی طاری ہوگئی، تلوار اس کے ہاتھ سے گر گئی، وہ تلوار میں نے پکڑ لی۔ اب یہ شرمندہ میرے سامنے کھڑا ہے۔ آپ ﷺ نے اس اقدامِ قتل کے باوجود اُسے معاف کر دیا۔ اس شخص نے آپ ﷺ کے اس حسنِ سلوک سے متاثر ہو اسلام

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الهبة وفضلها، باب قبول الهدية من المشرکين، ۲: ۹۲۳، رقم: ۲۴۷۴

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب السلام، باب السم، ۴: ۱۷۲۱، رقم: ۲۱۹۰

قبول کر لیا۔[1]

یہ حضور نبی اکرم ﷺ کی رحمت اور شفقت کی عجب شان تھی کہ عین اس لمحے جب لوگ آپ ﷺ کے قتل اور شہادت کے در پے ہوتے اور اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو ان ظالموں پر اپنی قدرت سے غالب فرما دیتا تو آپ ﷺ عفو و درگزر سے کام لے کر اُنہیں معاف فرما دیتے۔

٦۔ منافقین سے درگزر

ذوالخویصرہ تمیمی نجدی (جس کا نام عبد اللہ تھا) نے ایک مرتبہ مالِ غنیمت کی تقسیم کے موقع پر گستاخانہ لہجے میں حضور نبی اکرم ﷺ سے کہا:

اعْدِلْ يَا رَسُوْلَ اللهِ!

یا رسول اللہ! عدل کریں۔

دوسری روایت میں ہے کہ اس نے کہا:

اِتَّقِ اللهَ.

اللہ سے ڈرو۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے جواب میں فرمایا:

وَمَنْ يَعْدِلُ إِذَا لَمْ أَكُنْ أَعْدِلُ، لَقَدْ خِبْتَ وَخَسِرْتَ إِنْ لَمْ أَكُنْ أَعْدِلُ.

تو ناکام و نامراد ہوا، اگر میں عدل نہیں کرتا تو (بتاؤ تمام عالم میں) اور کون عدل کرنے والا ہوگا۔

---

(١) ١۔ بخاری، الصحيح، كتاب الجهاد، باب من علق سيفه بالشجر في السفر عند القائلة، ٣: ١٠٦٥، رقم: ٢٧٥٣

٢۔ مسلم، الصحيح، كتاب الفضائل، باب توكله على الله تعالٰى وعصمة الله تعالىٰ له فى الناس، ٤: ١٧٨٦، رقم: ٨٤٣

www.MinhajBooks.com

یعنی تو میری امانت پر شک کرتا ہے حالانکہ میں آسمانوں کے رب ’اللہ‘ کے رازوں کا امین ہوں۔ اس شخص کے گستاخانہ لہجے کی وجہ سے سیدنا عمر فاروق ﷺ نے تلوار نکالی اور عرض کیا:

اِئْذَنْ لِي فَأَضْرِبَ عُنُقَهُ.

(یا رسول اللہ!) مجھے اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عمر فاروق ﷺ کو اس شخص کی بارگاہِ رسالت میں گستاخی و بے ادبی کے باوجود قتل کرنے سے منع فرما دیا۔ صحابہ کرام ﷺ کے اس ردعمل پر ذوالخویصرہ تمیمی نے آپ ﷺ کی طرف پشت کی اور اس مجلس سے چلا گیا۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے اس کی طرف اشارہ کر کے فرمایا کہ اسے دیکھ لو، اس کی پشت سے اس کی راہ پر چلنے والی اس کی نسل نکلے گی اور

إِنَّ هٰذَا وَأَصْحَابَهُ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْآنَ لَا يُجَاوِزُ حَنَاجِرَهُمْ.

یہ اور اس کی نسل کے افراد قرآن کثرت سے پڑھیں گے مگر ان کا قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا۔

دوسری روایت میں ہے کہ وہ اتنی کثرت سے نمازیں پڑھیں گے اور روزے رکھیں گے کہ تم میں سے کوئی بھی نماز پڑھنے والا ان کی نمازوں کی کثرت کے سامنے اپنی نمازوں کو اور اپنے روزے ان کے روزوں کے مقابلے میں حقیر جانے گا۔ لیکن

يَمْرُقُوْنَ مِنْهُ كَمَا يَمْرُقُ السَّهْمُ مِنَ الرَّمِيَّةِ.

(ان سارے اعمال ظاہرہ کے باوجود) وہ دین اور ایمان سے اس طرح خارج ہو جائیں گے جس طرح تیر، تیزی سے اپنے شکار سے خارج ہو جاتا ہے۔

یہ سب کہنے کے باوجود حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ اے عمر! اسے قتل کرنے کی اجازت نہیں کیوں کہ

يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّهُ كَانَ يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ. (1)

لوگ کہیں گے کہ یہ اپنے ہی ساتھیوں کو قتل کرنے لگ گئے ہیں۔

ایک اور روایت میں آتا ہے کہ حضرت خالد بن ولید نے تلوار اٹھا کر اجازت مانگی کہ یا رسول اللہ! اجازت دیں کہ میں اس خبیث کی گردن اڑا دوں۔ تو حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَا، فَقَالَ: إِنَّهُ سَيَخْرُجُ مِنْ ضِئْضِيءِ هٰذَا قَوْمٌ، يَتْلُوْنَ كِتَابَ اللهِ لَيِّنًا رَطْبًا. (2)

نہیں، (رہنے دو لیکن جان لو کہ) اس کی نسل سے ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو قرآن

---

(1) ١۔ بخاری، الصحيح، كتاب المناقب، باب علامات النبوة في الإسلام، ٣: ١٣٢١، رقم: ٣٤١٤
٢۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب ذكر الخوارج وصفاتهم، ٢: ٧٤٠، رقم: ١٠٦٣
٣۔ أحمد بن حنبل، المسند، ٣: ٥٦، رقم: ١١٥٥٤، ١٤٨٦١
٤۔ نسائي، السنن الكبرى، عن أبي برزة ﷺ، كتاب تحريم الدم، باب من شهر سيفه ثم وضعه في الناس، ٧: ١١٩، رقم: ٤١٠٣
٥۔ ابن ماجه، السنن، المقدمة، باب في ذكر الخوارج، ١: ٦١، رقم: ١٧٢

(2) ١۔ بخاری، الصحيح، كتاب المغازی، باب بعث علي بن أبي طالب وخالد بن الوليد ﷺ إلى اليمن قبل حجة الوداع، ٤: ١٥٨١، رقم: ٤٠٩٤
٢۔ مسلم، الصحيح، كتاب الزكاة، باب ذكر الخوارج وصفاتهم، ٢: ٧٤٢، رقم: ١٠٦٤
٣۔ أحمد بن حنبل، المسند، ٣: ٤، رقم: ١١٠٢١
٤۔ ابن خزيمة، الصحيح، ٤: ٧١، رقم: ٢٣٧٣
٥۔ ابن حبان، الصحيح، ١: ٢٠٥، رقم: ٢٥
٦۔ أبو يعلى، المسند، ٢: ٣٩٠، رقم: ١١٦٣

www.MinhajBooks.com

بہت ہی اچھا پڑھیں گے (مگر وہ ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا)۔

یعنی حضور نبی اکرم ﷺ نے اس شخص کو بھی قتل کرنے کا حکم نہیں دیا جو گستاخی کر رہا ہے، آپ ﷺ کی ذاتِ اقدس اور آپ ﷺ کی امانت اور عدالت پر اعتراض کر رہا ہے۔ جو صرف منافق ہی نہیں بلکہ گستاخی اور بے ادبی کی بنیاد رکھنے والا ہے۔ ہاں! البتہ آپ ﷺ نے یہ ضرور بتا دیا کہ اس کی نسل سے اسی کے ہم خیال لوگ نکلیں گے، جو دیکھنے میں مسلمان اور اعمالِ صالحہ کرنے والے ہوں گے مگر حقیقتاً ایمان اور ہدایت سے کوسوں دور ہوں گے۔ آپ ﷺ نے انہیں بلا شبہ دین سے خارج قرار دیا مگر جب صحابہ ﷺ نے آپ ﷺ سے اسے قتل کرنے کی اجازت مانگی تو آپ ﷺ نے قتل کرنے کی اجازت نہ دی۔ یہ حضور ﷺ کا اعلیٰ ظرف، آپ ﷺ کی شفقت و رحمت اور ہر کسی کے حق میں آپ ﷺ کی نرمی و ملاطفت کا ایک اعلیٰ اظہار ہے۔

۷۔ غیر مسلم خواتین اور بچوں کے قتل کی ممانعت

۱۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں:

وُجِدَتِ امْرَأَةٌ مَقْتُوْلَةً فِي بَعْضِ مَغَازِي رَسُوْلِ اللهِ ﷺ.

ایک غزوہ میں ایک کافر عورت مقتول پائی گئی (جو دوران جہاد قتل ہو گئی تھی)۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے اسی وقت ممانعت جاری کر دی کہ میدان جنگ میں بھی کافر عورتوں اور کافر بچوں کو قتل کرنا منع ہے۔(۱)

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الجهاد والسير، باب قتل النساء في الحرب، ۳: ۱۰۹۸، رقم: ۲۸۵۲

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الجهاد والسير، باب تحريم قتل النساء والصبيان في الحرب، ۳: ۱۳۶۴، رقم: ۱۷۴۴

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۲۳، رقم: ۴۷۴۶

۴۔ ترمذي، السنن، كتاب السير، باب ما جاء في النهي عن قتل النساء والصبيان، ۴: ۱۳۶، رقم: ۱۵۶۹

www.MinhajBooks.com

اِس طرح پیغمبر اسلام ﷺ نے حالتِ جنگ میں بھی عورتوں کو قتل کرنا یا ایسا حملہ کرنا جس سے عورتیں اور بچے قتل ہوجائیں ممنوع قرار دیا۔ چہ جائیکہ عام معصوم، بے گناہ اور روز مرہ زندگی کے معاملات میں مصروف لوگوں پر کوئی شخص اس طرح کا کوئی حملہ یا خودکش حملہ کرے کہ بے شمار عورتیں، بچے اور بوڑھے مارے جائیں۔ یقیناً یہ عمل اسلامی تعلیمات کے کلیتًا خلاف ہے۔

۲۔ حضرت اَسود بن سریع رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ انہوں حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ کئی غزوات میں حصہ لیا:

فَقَتَلَ النَّاسُ يَوْمَئِذٍ حَتّٰى قَتَلُوا الْوِلْدَانَ.

ایک جنگ میں صحابہ کرام کے لشکر میں سے کچھ لوگوں نے بچوں کو قتل کر دیا (جنہیں یقیناً ابھی اس عمل کی ممانعت کا حکم نہیں پہنچا ہوگا)۔

حضور نبی اکرم ﷺ کو اس واقعہ کی اطلاع ہوئی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

مَا بَالُ أَقْوَامٍ جَاوَزَهُمُ الْقَتْلُ الْيَوْمَ حَتَّى قَتَلُوا الذُّرِّيَّةَ.

کہ ان لوگوں کا کیا حال ہوگا (اور وہ اللہ تعالیٰ کو کیا جواب دیں گے) جنہوں نے جنگ کے دوران آج بچوں کو بھی قتل کر دیا ہے۔

ایک صحابی نے عرض کیا:

يَا رَسُولَ اللهِ، إِنَّمَا هُمْ أَوْلَادُ الْمُشْرِكِينَ.

یا رسول اللہ! یہ بچے (جنہیں مارا گیا، مسلمانوں کے نہیں بلکہ) مشرکین کے تھے۔

اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَلَا إِنَّ خِيَارَكُمْ أَبْنَاءُ الْمُشْرِكِينَ؟

۵۔ ابن أبی شیبة، المصنف، ۶: ۴۸۲، رقم: ۳۳۱۱۵

کیا تم میں سے بہترین صحابہ پہلے مشرکوں کے بچے نہیں تھے؟

آپ ﷺ نے مزید فرمایا:

أَلَا لَا تَقْتُلُوا ذُرِّيَّةً، أَلَا لَا تَقْتُلُوا ذُرِّيَّةً. كُلُّ نَسَمَةٍ تُوْلَدُ عَلَى الْفِطْرَةِ حَتَّى يُعْرِبَ عَنْهَا لِسَانُهَا فَأَبَوَاهَا يُهَوِّدَانِهَا وَيُنَصِّرَانِهَا. (۱)

خبردار! بچوں کو قتل مت کرو۔ خبردار! بچوں کو قتل مت کرو۔ تمام بچے ہمیشہ فطرت پر پیدا ہوتے ہیں، یہاں تک کہ وہ اپنے مافی الضمیر کی بات کو واضح کریں، پس ان کے والدین انہیں یا تو یہودی بنا دیتے ہیں یا عیسائی بنا دیتے ہیں۔

۳۔ حضرت رباح بن الربیع ؓ سے مروی ہے کہ وہ ایک غزوہ میں حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ تھے کہ

فَمَرَرْنَا عَلَى امْرَأَةٍ مَقْتُوْلَةٍ.

ہمارا گزر راستے میں سے ایک مقتول عورت (کی لاش) کے قریب سے ہوا۔

جب حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں یہ خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے فرمایا:

مَا كَانَتْ هٰذِهِ لِتُقَاتِلَ؟

(ہائے افسوس!) یہ عورت کسی سے جنگ تو نہیں لڑ رہی تھی، (اسے کیوں قتل کیا گیا؟)

آپ ﷺ نے مزید فرمایا:

لَا يَقْتُلَنَّ امْرَأَةً وَلَا عَسِيْفًا. وفي رواية: لَا تَقْتُلَنَّ ذُرِّيَّةً وَلَا عَسِيْفًا. (۲)

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۴۳۵، رقم: ۱۵۶۲۷
۲۔ طبراني، المعجم الكبير، ۱: ۲۸۴، رقم: ۸۲۹
۳۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ۹: ۷۷، رقم: ۱۷۸۶۸

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳:۴۸۸، رقم: ۱۶۰۳۵

(مشرکین کی) عورتوں اور لوگوں کی خدمت کرنے والوں کو ہرگز قتل مت کرنا۔ ایک روایت میں ہے: بچوں اور خدمت گاروں کو ہرگز قتل مت کرنا۔

۴۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ مروی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

وَلَا تَقْتُلُوا شَيْخًا فَانِيًا وَلَا طِفْلاً وَلَا صَغِيرًا وَلَا امْرَأَةً. (1)

نہ کسی انتہائی کمزور بوڑھے کو قتل کرو، نہ شیر خوار بچے کو، نہ نابالغ کو اور نہ عورت کو۔

۵۔ حضرت ابن کعب بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ

أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ حِيْنَ بَعَثَ إِلَى ابْنِ أَبِي حَقِيْقٍ، نَهٰى حِيْنَئِذٍ عَنْ قَتْلِ النِّسَاءِ وَالصِّبْيَانِ. (2)

حضور نبی اکرم ﷺ نے جب ابن ابی حقیق کی طرف لشکر روانہ کیا تو لشکرِ اسلام کو

۲۔ أبو داود، السنن، کتاب الجهاد، باب في قتل النساء، ۳:۵۳، رقم: ۲۶۶۹

۳۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الجهاد، باب الغارة والبيات وقتل النساء والصبيان، ۲:۹۴۸، رقم: ۲۸۴۲

۴۔ نسائي، السنن الکبریٰ، ۵:۱۸۶-۱۸۷، رقم: ۸۶۲۵، ۸۶۲۷

۵۔ حاکم، المستدرک، ۲:۱۳۳، رقم: ۲۵۶۵

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الجهاد، باب دعاء المشرکين، ۳: ۳۷، رقم: ۲۶۱۴

۲۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۶: ۴۸۳، رقم: ۳۳۱۱۸

۳۔ بيهقي، السنن الکبریٰ، ۹: ۹۰، رقم/۱۷۹۳۲

(۲) عبد الرزاق، المصنف، ۵: ۲۰۲، رقم: ۹۳۸۵

۲۔ شافعي، المسند: ۲۳۸

۳۔ طحاوی، شرح معاني الآثار، ۳: ۲۲۱

۴۔ بيهقي، السنن الکبری، ۹: ۷۷، رقم: ۱۷۸۶۵

عورتیں اور بچے قتل کرنے سے منع فرمایا۔

امام سرخسی اپنی شہرہ آفاق کتاب ’المبسوط‘ میں اپنا نقطہ نظر یوں بیان کرتے ہیں:

قَالَ ﷺ: وَلَا تَقْتُلُوْا وَلِيْدًا وَالْوَلِيْدُ الْمَوْلُوْدُ فِي اللُّغَةِ وَكُلُّ آدَمِيٍّ مَوْلُوْدٌ، وَلٰكِنَّ هٰذَا اللَّفْظُ إِنَّمَا يُسْتَعْمَلُ فِي الصِّغَارِ عَادَةً. فَفِيْهِ دَلِيْلٌ عَلٰى أَنَّهُ لَا يَحِلُّ قَتْلُ الصِّغَارِ مِنْهُمْ، إِذَا كَانُوْا لَا يُقَاتِلُوْنَ. وَقَدْ جَاءَ فِي الْحَدِيْثِ أَنَّ النَّبِيَّ ﷺ نَهٰى عَنْ قَتْلِ النِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ. وَقَالَ: اقْتُلُوْا شُيُوْخَ الْمُشْرِكِيْنَ، وَاسْتَحْيُوْا شُرُوْخَهُمْ. وَالْمُرَادُ بِالشُّيُوْخِ الْبَالِغِيْنَ وَبِالشُّرُوْخِ اَلْأَتْبَاعُ مِنَ الصِّغَارِ وَالنِّسَآءِ وَالْإِسْتِحْيَاءُ الْإِسْتِرْقَاقُ. قَالَ اللهُ: ﴿وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ﴾[1]. وَفِي وَصِيَّةِ أَبِي بَكْرٍ ﷺ لِيَزِيْدَ بْنِ أَبِي سُفْيَانَ: لَا تَقْتُلْ شَيْخًا ضَرِعًا وَلَا صَبِيًّا ضَعِيْفًا، يَعْنِي شَيْخًا فَانِيًا وَصَغِيْرًا لَا يُقَاتِلُ.[2]

آپ ﷺ نے فرمایا: بچوں کو قتل نہ کرو۔ ’ولید‘ عربی لغت میں ’مولود‘ کے معنٰی میں ہے۔ یوں تو ہر انسان مولود ہے مگر اس لفظ کا استعمال عموماً چھوٹے بچوں کے لیے ہوتا ہے۔ یہ فرمانِ نبوی ﷺ اس بات کی دلیل ہے کہ بچوں کا قتل جائز نہیں (خاص طور پر) جبکہ وہ قتال میں شریک ہی نہ ہوں۔ حدیث مبارک میں آیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے عورتوں اور بچوں کو قتل کرنے سے منع کیا اور فرمایا: (حربی) مشرکین میں سے جو بالغ ہیں (صرف حالتِ جنگ میں) اُنہیں قتل کرو لیکن عورتوں اور بچوں کو (پھر بھی) زندہ رہنے دو۔ شیوخ سے مراد (جنگ میں شریک) بالغ افراد ہیں۔ شروخ سے مراد بچے اور عورتیں ہیں۔ استحیاء کا مطلب ہے: ان سے نرمی کا برتاؤ کیا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ﴿وَاسْتَحْيُوْا نِسَآءَهُمْ﴾۔ اس آیت میں

---

(۱) المؤمن، ۴۰:۲۵

(۲) سرخسي، كتاب المبسوط، ۱۰: ۵-۶

بھی استحیاء نرمی کے برتاؤ کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ نے یزید بن ابی سفیان کو وصیت کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ (حالتِ جنگ میں بھی) کسی شیخ فانی (عمر رسیدہ یا قریب مرگ) اور ناتواں بچے کو ہرگز قتل نہ کرے۔

۸۔ غیر مسلموں سے بھلائی کا حکم

۱۔ حضرت اسماء بنت ابی بکر رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں:

قَدِمَتْ عَلَيَّ أُمِّي وَهِيَ مُشْرِكَةٌ فِي عَهْدِ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ فَاسْتَفْتَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ ﷺ قُلْتُ: وَهِيَ رَاغِبَةٌ، أَفَأَصِلُ أُمِّي؟ قَالَ: نَعَمْ صِلِي أُمَّكِ. (۱)

رسول اللہ ﷺ کے عہدِ مبارک میں میری والدہ میرے پاس آئی جب کہ وہ مشرکہ تھی۔ میں نے رسول اللہ ﷺ سے حکم پوچھا اور عرض کیا: وہ (عطیہ یا ہدیہ کی) خواہش مند ہیں تو کیا میں اپنی والدہ سے صلہ رحمی کروں؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ہاں اپنی (غیر مسلم) والدہ سے صلہ رحمی کرو۔

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے ایک شخص کے پاس ایک شاندار جبہ دیکھا جو برائے فروخت تھا۔ انہوں نے حضور نبی اکرم ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! یہ خرید لیجئے تاکہ آپ ﷺ اسے جمعہ کے روز پہنا کریں یا جب آپ ﷺ کی بارگاہ میں باہر سے وفود آتے ہیں۔

اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الهبة وفضلها، باب الهدية للمشركين، ۲: ۹۲۴، رقم: ۲۴۷۷

۲۔ مسلم، الصحیح، کتاب الزكاة، باب فضل النفقة والصدقة على الأقربين، ۲: ۶۹۶، رقم: ۱۰۰۳

۳۔ عبدالرزاق، المصنف، ۶: ۳۸، رقم: ۹۹۳۲

إِنَّمَا يَلْبَسُ هَذِهِ مَنْ لَا خَلَاقَ لَهُ.

یہ جبہ وہی پہنے گا جس کا آخرت میں کوئی حصہ اور نصیب نہیں ہے۔

بعد ازاں وہی جبہ حضور نبی اکرم ﷺ کی بارگاہ میں تحفتاً پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے اسے سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو بھیج دیا۔ اس پر سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے بارگاہِ مصطفیٰ ﷺ میں حاضر ہو کر عرض کیا:

كَيْفَ أَلْبَسُهَا وَقَدْ قُلْتَ فِيْهَا مَا قُلْتَ.

(یا رسول اللہ!) میں اس جبہ کو کیسے پہن سکتا ہوں حالانکہ آپ ﷺ نے اس کے بارے میں کچھ فرمایا تھا (یعنی آپ ﷺ نے اِسے مسترد فرما دیا تھا)!

یہ سُن کر آپ ﷺ نے فرمایا:

تَبِيْعُهَا أَوْ تَكْسُوْهَا.

چاہو تو اسے بیچ دو (اس سے مال حاصل کرلو) یا کسی اور کو پہننے کے لیے دے دو۔

اس پر حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے وہ جبہ مکہ میں مقیم اپنے بھائی کو بھیج دیا جو ابھی غیر مسلم تھا۔[1]

سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ اگر چاہتے تو اس جبہ کو بیچ دیتے اور وہ رقم خود رکھ لیتے مگر چونکہ

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الأدب، باب صلة الأخ المشرك، ۵: ۲۲۳۰، رقم: ۵۶۳۶

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب اللباس والزينة، باب تحريم استعمال إناء الذهب والفضة على الرجال والنساء وخاتم الذهب والحرير على الرجل، ۳: ۱۶۳۸، رقم: ۲۰۶۸

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۱۰۳، رقم: ۵۷۹۷

۴۔ نسائی، السنن الكبرى، ۵: ۴۶۲، رقم: ۹۵۷۱

حضور نبی اکرم ﷺ کی یہ تعلیم ہے اور یہی صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کا عمل تھا کہ بیچنے سے چند روپے ملنے سے بہتر ہے کہ اس چیز کو اپنے کسی بھائی کو دے دیا جائے، جس سے وہ فائدہ اٹھائے۔ اس طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اس سے خود فائدہ نہیں اٹھایا بلکہ کافر بھائی کے ساتھ بھلائی کی۔

ثابت ہوا کہ اسلام نے کفار اور غیر مسلموں کے ساتھ بھلائی کرنے کی نہ صرف اجازت دی بلکہ وہ اس کا حکم بھی دیتا ہے۔ قرآن مجید نے یہی قاعدہ بیان کیا ہے:

لَا يَنْهٰكُمُ اللّٰهُ عَنِ الَّذِيْنَ لَمْ يُقَاتِلُوْكُمْ فِي الدِّيْنِ وَلَمْ يُخْرِجُوْكُمْ مِّنْ دِيَارِكُمْ اَنْ تَبَرُّوْهُمْ وَتُقْسِطُوْٓا اِلَيْهِمْ ط اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُقْسِطِيْنَ○[1]

اللہ تمہیں اس بات سے منع نہیں فرماتا کہ جن لوگوں نے تم سے دین (کے بارے) میں جنگ نہیں کی اور نہ تمہیں تمہارے گھروں سے (یعنی وطن سے) نکالا ہے کہ تم ان سے بھلائی کا سلوک کرو اور اُن سے عدل و انصاف کا برتاؤ کرو، بے شک اللہ عدل و انصاف کرنے والوں کو پسند فرماتا ہے○

اللہ رب العزت نے کافروں کے ساتھ بھی نیکی اور بھلائی کے عمل کو ہرگز منع نہیں کیا لیکن۔ اس کے برعکس یہ تصور کہ چونکہ یہ کافر ہے سو اس کے ساتھ تو نفرت اور دشمنی واجب ہے، کچھ بھی ہو ان کے ساتھ خیرخواہی اور بھلائی نہیں ہوسکتی، یہ سوچ سراسر غیر اسلامی سوچ ہے۔

معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے غیر حربی یعنی میدان جنگ میں مقابلہ نہ کرنے والے غیر مسلموں کے ساتھ بھلائی اور عدل کرنے سے ہرگز نہیں روکا اور نہ ہی ان کافروں سے بھلائی کے ساتھ پیش آنے سے روکا ہے جو بذاتِ خود مسلمانوں کو وطن سے نکالنے کا باعث نہیں ہیں۔ بے شک ان کی ہم دردیاں اپنے ساتھیوں ہی کے ساتھ ہوں گی اور ان کی دعائیں، تمنائیں اور خواہشیں ان کی طرف ہی ہوں گی، ممکن ہے وہ ان کو گھر بیٹھے مال و دولت بھی دیتے ہوں مگر چونکہ وہ تمہارے ساتھ میدانِ جنگ میں مصروف کار نہیں اور نہ ہی انہوں نے تمہیں وطن سے نکالا ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں سے بھلائی سے پیش آنے سے ہرگز منع نہیں کیا۔

(۱) الممتحنة، ۶۰: ۸

سورۃ التوبہ میں بھی اسی تعلیم کو یوں بیان فرمایا:

وَاِنْ اَحَدٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ اسْتَجَارَكَ فَاَجِرْهُ حَتّٰى يَسْمَعَ كَلٰمَ اللّٰهِ ثُمَّ اَبْلِغْهُ مَاْمَنَهٗ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَوْمٌ لَّا يَعْلَمُوْنَ○(۱)

اور اگر مشرکوں میں سے کوئی بھی آپ سے پناہ کا خواستگار ہو تو اسے پناہ دے دیں تاآنکہ وہ اللہ کا کلام سنے، پھر آپ اسے اس کی جائے امن تک پہنچا دیں، یہ اس لیے کہ وہ لوگ (حق کا) علم نہیں رکھتے○

گویا قرآن مجید نے کافروں پر کسی بھی قسم کی سختی کرنے سے منع کرتے ہوئے حکم دیا ہے کہ اگر کوئی کافر تم سے پناہ کا طلب گار ہو تو اسے پناہ دو تا کہ جب وہ تمہارے ماحول میں ہمہ وقت قرآن مجید، اللہ تعالیٰ اور اس کے پیارے رسول ﷺ کی تعلیمات سنے گا تو ہوسکتا ہے اس کے دل پر یہ باتیں اثر کر جائیں اور وہ مسلمان ہو جائے۔ لیکن اگر وہ از خود اسلام قبول نہ کرنا چاہے تو تم اسے جبراً مسلمان نہیں بنا سکتے۔ اگر وہ پھر بھی واپس جانا چاہے تو اسے حفظ و امان کے ساتھ اس کے وطن واپس پہنچا دو، یہ تمہاری ذمہ داری ہے۔

غیر مسلم شہریوں کے حقوق کے بارے میں مالکی فقیہ امام شہاب الدین القرافی اپنی کتاب 'الفروق' میں لکھتے ہیں:

إِنَّ عَقْدَ الذِّمَّةِ يُوْجِبُ لَهُمْ حُقُوْقًا عَلَيْنَا، لِأَنَّهُمْ فِي جِوَارِنَا وَفِي خِفَارَتِنَا (حِمَايَتِنَا) وَذِمَّتِنَا وَذِمَّةِ اللّٰهِ تَعَالٰى، وَذِمَّةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ ﷺ، وَدِيْنِ الإِسْلَامِ، فَمَنْ اعْتَدٰى عَلَيْهِمْ وَلَو بِكَلِمَةِ سُوْءٍ أَوْ غِيْبَةٍ، فَقَدْ ضَيَّعَ ذِمَّةَ اللّٰهِ، وَذِمَّةَ رَسُوْلِهٖ ﷺ وَذِمَّةَ دِيْنِ الإِسْلَامِ.(۲)

غیر مسلم شہری کا معاہدہ ہم پر ان کے حقوق ثابت کرتا ہے کیونکہ وہ ہمارے پڑوس

(۱) التوبة، ۹:۶

(۲) القرافی، الفروق، ۳:۱۴

میں، ہماری حفاظت میں، ہمارے ذمہ میں اور اللہ اور اس کے رسول ﷺ اور دینِ اسلام کی امان میں رہتے ہیں۔ پس جس نے ان پر زیادتی کی، چاہے بری بات سے ہو یا غیبت کے ذریعے، تو اس نے اللہ تعالیٰ، اس کے رسول ﷺ اور دین اسلام کی ضمانت کو ضائع کیا (یعنی حق اور فرض ادا نہ کیا اور گناہ کا مرتکب ہوا)۔

علامہ ابن عابدین شامی حنفی غیر مسلم شہریوں کے حقوق کے بارے میں لکھتے ہیں:

لِأَنَّهُ بِعَقْدِ الذِّمَّةِ وَجَبَ لَهُ مَا لَنَا، فَإِذَا حَرُمَتْ غِيْبَةُ الْمُسْلِمِ حَرُمَتْ غِيْبَتُهُ، بَلْ قَالُوْا: إِنَّ ظُلْمَ الذِّمِّيِّ أَشَدُّ. (1)

عقدِ ذمہ کی وجہ سے غیر مسلم کے وہی حقوق لازم ہیں جو ہمارے ہیں۔ جب مسلمان کی غیبت حرام ہے تو غیر مسلم کی غیبت بھی حرام ہے بلکہ علماء نے کہا ہے کہ غیر مسلم اقلیت پر ظلم کرنا مسلمان کے مقابلے میں زیادہ سخت گناہ ہے۔

۹۔ کفار و مشرکین کے ساتھ معاملات کے حوالے سے اَقسام

یہ امر ذہن نشین رہے کہ کفار و مشرکین کے ساتھ معاملے کے حوالے سے شریعت نے ان کی تین قسمیں بیان کی ہیں:

۱۔ مستأمن

۲۔ معاہد

۳۔ اہل مواطن

(۱) مستأمن (امن چاہنے والا)

اگر کوئی مسلم ملک غیر مسلم ملک کے ساتھ حالتِ جنگ میں ہو اور غیر مسلم ملک کے بعض افراد تجارتی یا دیگر وقتی ضروریات کے تحت ریاستی اجازت سے دار الاسلام میں آئیں اور

(۱) ابن عابدین شامي، رد المحتار، ۳: ۲۷۳-۲۷۴

چند روز قیام کریں تو ایسے افراد کو شریعتِ اِسلامیہ میں مستأمن کہتے ہیں۔

(۲) معاہد

وہ تمام غیر اسلامی ممالک جن کا اسلامی ممالک کے ساتھ طویل المیعاد یا مستقل معاہدۂ امن ہوگیا ہو، چاہے وہ کسی شرط کے ساتھ ہو یا بغیر شرط کے، وہ دار العہد شمار ہوتے ہیں اور ان کے شہریوں کو معاہد کہتے ہیں۔

غیر مسلم اقوام سے معاہدہ کی دو اقسام

سیرت طیبہ کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے غیر مسلم قوموں سے دوطرح کے معاہدے کیے تھے:

۱۔ طویل المیعاد معاہدہ (long term treaty of peace)

۲۔ مطلق معاہدات (general treaties of peace)

(i) طویل المیعاد معاہدہ (long term treaty of peace)

طویل المیعاد معاہدہ کی مثال صلح حدیبیہ ہے جو ریاستِ مدینہ اور ریاستِ مکہ کے درمیان سن چھ ہجری میں طے پایا تھا۔ اس معاہدۂ امن کی رُو سے اہلِ مدینہ اور اہلِ مکہ کے مابین دس سال تک جنگ بندی کا اعلان کر دیا گیا تھا۔ اس طرح دونوں ریاستوں کو معاہدہ کا پابند کرکے ان کے درمیان حالتِ جنگ کو معطل کر دیا گیا۔ چنانچہ جب تک طویل المیعاد معاہدہ قائم رہے اس وقت تک اہلِ اسلام ان کے خلاف کوئی مسلح کارروائی نہیں کر سکتے۔ اہلِ معاہد کفار اگر حرام کاموں کے مرتکب بھی ہوں گے تب بھی اَہلِ اِسلام انہیں روک نہیں سکتے بلکہ مسلمانوں کو ان کے ساتھ ان کی رسومات کے مطابق معاملات کرنا ہوں گے۔

(ii) مطلق معاہدات (general treaties of peace)

یہ معاہدات اس وقت تک قائم رہتے ہیں جب تک فریق مخالف اسے خود توڑ نہ دے۔ اس کی مثال میثاق مدینہ (Pact of Medina) ہے۔ اس کی خوبی یہ ہے کہ اس معاہدہ کے لیے کسی مدت کا تعین نہیں کیا گیا تھا۔ یہ دائمی اور مستقل معاہدہ تھا۔ گویا جب تک اقوام اور قبائل اس کی پاس داری کرتے رہیں وہ معاہدہ کی عطا کردہ امان کے حق دار ہوں گے اور جو قبیلہ کسی بھی وقت اسے توڑ دے گا اسے اس دستور یا معاہدہ کے تحت حاصل ہونے والی 'امان' اور 'مراعات' سے محروم ہونا پڑے گا۔ اسی طرح مستقل اور دائمی معاہدہ کی دوسری مثال معاہدۂ نجران ہے جس میں اہل نجران کی جان و مال کی حفاظت کی ذمہ داری لی گئی تھی۔

(۳) اَہلِ مواطن (غیر مسلم شہری)

غیر مسلموں کی ایک قسم اَہلِ مواطن ہے جن پر ہم اگلی فصل میں گفتگو کریں گے۔ جو غیر مسلم اسلامی ریاست کے اقتدارِ اَعلیٰ کی سرپرستی کو دائمی طور پر قبول کر لیتے ہیں وہ اَہلِ مواطن (ذمی) یعنی اُس اسلامی ریاست کے غیر مسلم شہری کہلاتے ہیں۔ مثال کے طور پر اس وقت جو پاکستان کے غیر مسلم شہری ہیں، وہ نہ مستأمن ہیں اور نہ معاہد؛ بلکہ جب تقسیم ہند ہوئی تو جس طرح ہم مسلمان، پاکستان کو اختیار کرنے والے تھے، اسی طرح انہوں نے بھی ووٹ دے کر پاکستان میں رہنے کو اختیار کیا تھا۔ اِس طرح مستأمن اور معاہد کے برعکس وہ بھی اُسی طرح پاکستانی شہری ہیں جیسے مسلمان ہیں۔ چنانچہ کتاب وسنت کی روشنی میں ان پر سختی کرنا قطعاً جائز نہیں۔ لہٰذا ان کے حقوق، ان کے مذہب، تہذیب، عبادت گاہوں، جان و مال اورعزت وآبرو کی حفاظت کرنا ریاستِ پاکستان کا اُسی طرح فرض ہے جس طرح وہ اِس ملک کے مسلمان شہریوں کا حق ہے۔

غیر مسلموں کے ساتھ معاملات اور ان پر رحمت و آسانی کے یہ وہ اصول وقواعد تھے جو حضور نبی اکرم ﷺ اور قرآن مجید نے تمام اہلِ اسلام کو عطا فرمائے ہیں۔ مذکورہ جملہ فرامین

کفار و مشرکین پر رحمتِ مصطفیٰ ﷺ کا ایک خوب صورت اظہار ہیں۔ تفصیلات ہماری دیگر کتب میں ملاحظہ کی جاسکتی ہیں۔

فصل نمبر 9

حضور نبی اکرم ﷺ کا غیر مسلم شہریوں کے ساتھ مشفقانہ سلوک

غیر مسلم عام کفار و مشرکین ہوں یا خاص اَعدائے اِسلام، معاہدین ہوں یا اُصولِ ذمّہ کے تحت کسی مسلم ریاست کے شہری ہوں؛ غرض وہ کسی بھی حیثیت میں ہوں، اسلام ان کے صرف غیر مسلم ہونے کی بنیاد پر ان کے خلاف قطعاً کسی زیادتی، ناانصافی، جبر و تشدد یا حق تلفی کی اجازت نہیں دیتا بلکہ انہیں شفقت و رحمت، امن و سلامتی اور حفاظت پر مبنی وہ تمام حقوق فراہم کرتا ہے جو بحیثیت انسان کسی بھی شہری کا حق ہیں۔ حتیٰ کہ اسلامی تعلیمات کی رُو سے کسی بھی شخص کو اس کے مذہب کی تبدیلی پر بھی مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ ارشاد فرمایا:

لَآ اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قف قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ.(۱)

دین میں کوئی زبردستی نہیں، بے شک ہدایت گمراہی سے واضح طور پر ممتاز ہو چکی ہے۔

یعنی اب یہ خود فرد پر منحصر ہے کہ وہ کیا فیصلہ کرتا ہے۔ لہٰذا کوئی کسی پر جبر نہیں کر سکتا۔ آیئے! اسلام میں غیر مسلموں کو حاصل حقوق کا مطالعہ کرتے ہیں جو اسلام اور پیغمبرِ اسلام کی رحمت کی بے پایاں وسعت کے آئینہ دار ہیں۔

۱۔ مذہبی آزادی کا حق

قرآن مجید کی سورۃ الکافرون کا مضمون کفار کی مذہبی آزادی کے تصور پر مشتمل ہے۔ ارشاد فرمایا گیا:

قُلْ یٰٓاَیُّهَا الْکٰفِرُوْنَ○ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ○ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُ○ وَلَآ

(۱) البقرة، ۲:۲۵۶

www.MinhajBooks.com

اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدْتُّمْo وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ اَعْبُدُo لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِo[1]

آپ فرما دیجیے: اے کافرو!o میں ان کی عبادت نہیں کرتا جنہیں تم پوجتے ہوo اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوںo اور نہ (ہی) میں (آئندہ کبھی) ان کی عبادت کرنے والا ہوں جن کی تم پرستش کرتے ہوo اور نہ تم اس کی عبادت کرنے والے ہو جس کی میں عبادت کرتا ہوںo (سو) تمہارا دین تمہارے لیے اور میرا دین میرے لیے ہےo

اسلام میں ہر ایک کو مذہبی آزادی حاصل ہے۔ اسلام کسی کو طاقت کے ذریعے اپنا مذہب بدلنے پر مجبور نہیں کرتا۔ اسی طرح کسی دوسرے کو بھی اجازت نہیں دیتا کہ وہ کسی مسلمان کو اس کا دین پر مجبور کرے۔ یہ پوری سورت درحقیقت بنیادی انسانی حقوق کے باب میں مذہبی آزادی کے اصول پر مبنی قرآنی پیغام ہے جس میں مذہبی آزادی کا بنیادی حق بیان ہوا ہے۔

۲۔ اُمتِ واحدہ کا تصور

رسول اللہ ﷺ نے جب مدینہ طیبہ کی صورت میں پہلی اسلامی ریاست قائم کی تو اسی مذکورہ سورت اور خاص طور پر اس کی آخری آیت - لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِo - کی روشنی میں کثیر الثقافت معاشرے کی بنیاد رکھی۔ اس پہلی اسلامی ریاست کے دستور 'الصحیفة' پر دستخط کرنے والے مسلم، مشرک اور یہودی قبائل کو حضور نبی اکرم ﷺ نے 'أُمة واحدة' کہا کہ اس معاہدے کو قبول کرنے والے تمام افراد جو بظاہر مختلف مذاہب کے حامل ہیں مگر وہ سب ایک قوم ہیں۔

بعض لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ کثیر الاقوامی ریاست آج کے زمانے کی اختراع ہے، یہ ایک غلط تصور ہے۔ اس اصطلاح کے بانی حضور نبی اکرم ﷺ ہیں۔ یہ آپ ﷺ ہی ہیں جنہوں نے سب سے پہلے پرامن بقائے باہمی کے تحت ایک قومیت کا تصور عطا کیا اور اسی کے تحت امتِ واحدہ کہہ کر لوگوں کو ایک شہریت میں ضم کیا۔ میثاقِ مدینہ پر متفق ہونے والوں کے

(۱) الکافرون، ۱۰۹: ۱-۶

مذاہب الگ الگ تھے مگر وہ سب اس دستور کی اتھارٹی کو مان کر ایک قوم بن گئے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی کو اجازت نہ تھی کہ وہ دوسرے شخص کو جبر کے ذریعے اپنا مذہب تبدیل کرنے پر مجبور کرے۔[1]

اسلام نے اقلیتی افراد کی مذہبی آزادی کو برقرار رکھتے ہوئے ان کے مذہب اور مذہبی عبادت گاہوں کی بھی حفاظت کا اہتمام کیا ہے۔ اس کی سند حضور نبی اکرم ﷺ کے خصوصی فرامین میں سے ایک نہایت اہم تحریر ہے جو آپ ﷺ نے اہلِ نجران کے لیے بطور ہدایت نامہ، اپنے عُمال کی طرف ارسال فرمائی۔ اس میں آپ ﷺ نے اہل نجران کو پناہ دی اور فرمایا:

إِنَّهُمْ فِيْ جَوَارِ اللهِ وَذِمَّةِ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ رَسُوْلِ اللهِ ﷺ عَلٰى اَنْفُسِهِمْ وَمِلَّتِهِمْ وَاَرْضِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ وَغَائِبِهِمْ وَشَاهِدِهِمْ وَبِيَعِهِمْ وَصَلَوَاتِهِمْ.[2]

بے شک وہ اور ان کی جانیں بھی اللہ اور اس کے رسول محمد ﷺ کی پناہ میں ہیں۔ ان کی شریعت اور ان کا دین و مذہب بھی اللہ اور اس کے رسول کے ذمہ میں ہیں۔ ان کی زمینیں بھی اللہ اور اس کے رسول کی حفاظت میں ہیں، ان کے تمام اموال بھی اللہ اور اس کے رسول کی پناہ میں ہیں، خواہ اہلِ نجران وہاں موجود ہوں یا کہیں باہر ہوں، حتیٰ کہ ان کی عبادت گاہیں بھی اللہ اور اس کے رسول کی حفاظت میں ہیں۔

مزید یہ کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ان کے کسی پادری کو اس کے مرتبے اور عہدے سے ہٹانے سے منع فرمایا اور ان کی زیرِ ملکیت ہر چیز کی اسی طرح حفاظت کی تاکید فرمائی جس طرح مسلمانوں کی اشیاء کی حفاظت کی جاتی ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کا یہ بڑا معروف خط ہے جو کثیر کتب میں بطورِ دستاویز درج ہے۔

(۱) اِس بحث پر تفصیلی مواد کے لیے راقم کی تصانیف 'مسلمانوں اور غیر مسلموں کے باہمی تعلقات' ملاحظہ فرمائیں۔

(۲) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ۱: ۲۸۸

۲۔ أبو یوسف، کتاب الخراج، ۱: ۷۸

اس تاریخی خط کے ذریعے آپ ﷺ نے نہ صرف غیر مسلموں کے اساسی قوانین، ثقافت اور اموال کی حفاظت یقینی بنا دی بلکہ انہیں ان کے مذہب کے مطابق زندگی گزارنے کا حق بھی عطا فرما دیا۔ حتیٰ کہ وہ چیزیں جو اسلام میں حرام ہوں مگر ان کے مذہب اور رسم و رواج کے مطابق مروّج اور جائز ہوں تو وہ ان امور کو اپنی بستیوں میں رہ کر آزادی سے انجام دے سکتے ہیں۔

یہ بات بہت اہم ہے کہ مسلمان محض اس دلیل کی بنیاد پر انہیں ان کے اس خاص عمل سے قطعاً نہیں روک سکتے کہ چونکہ یہ اسلامی ریاست ہے اور اسلام میں یہ عمل حرام ہے، اس لیے ہم انہیں اس کی اجازت نہیں دے سکتے۔

اس حوالے سے فقہ اسلامی کی معروف کتاب ’بدائع الصنائع‘ میں امام کاسانی حنفی نے امام اعظم، امام ابو یوسف، امام محمد اور دیگر ائمہ فقہ کا یہ مذہب بیان کیا ہے کہ اسلامی ریاست کے جن مختلف شہروں یا آبادیوں میں صرف غیر مسلم آباد ہیں وہاں ان غیر مسلم شہریوں کو اپنے لوگوں کے لیے شراب یا خنزیر بیچنے یا اپنے تہواروں کے مواقع پر صلیب نکالنے اور ناقوس بجانے سے بھی نہیں روکا جائے گا اور وہاں وہ اپنے مذہب اور اپنے رسوم و رواج کی بجا آوری میں آزاد ہوں گے۔ البتہ وہ یہ افعال مسلمانوں کی آبادیوں میں آ کر نہیں کر سکتے۔ اگر کوئی مسلمان ان کی ایسی کسی آبادی میں جا کر ان کے کسی کاروبار کو جسے وہ بطور مسلم حرام سمجھتا ہے تلف کر دے تو اس پر تاوان واجب ہے۔[1]

غیر مسلموں کی مذہبی اور معاشرتی آزادی کے بارے میں اسلام کا رویہ اتنا معتدل ہے کہ آج کی جدید دنیا میں بھی اس کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔

معروف مؤرخ امام بلاذری نے ’فتوح البلدان‘ میں لکھا ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں مسیحیوں نے آپ رضی اللہ عنہ سے شکایت کی کہ دمشق کے گورنر ولید بن عبدالملک اُموی نے ان کے یوحنا نامی چرچ کو عیسائیوں سے زبردستی چھین کر مسجد میں شامل کر لیا ہے (جو چرچ کے ساتھ ہی تھی تا کہ بڑھتی ہوئی آبادی کی ضرورت کے تحت زیادہ نمازی

---

(۱) کاسانی، بدائع الصنائع، ۷: ۱۱۳

وہاں نماز پڑھ سکیں)۔ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے ان کی یہ شکایت سنی تو اسی وقت اپنے عامل کو حکم دیا کہ گرجے کے جتنے حصے پر مسجد تعمیر کی گئی ہے، وہ حصہ منہدم کیا جائے اور گرجا کے لیے یہ جگہ مسیحیوں کو لوٹا دی جائے۔ چنانچہ وہ حصہ دوبارہ مسیحیوں کے حوالے کر دیا گیا۔(1)

کیا دوسرے مذاہب کے ماننے والوں اور ان کی عبادت گاہوں کے ساتھ اسلام اور خلفائے اسلام کے اس عظیم حسنِ سلوک کی مثال دنیا کا کوئی اور مذہب پیش کر سکتا ہے؟

۳۔ جان و مال اور عزت و آبرو کے تحفظ کا حق

اسلام میں مذہبی آزادی کے ساتھ ساتھ اس ریاست کے تمام مختلف المذاہب شہریوں کی جان و مال اور عزت و آبرو کا تحفظ بھی حکومت کے ذمہ رکھا گیا ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ وَإِنَّ رِيحَهَا تُوجَدُ مِنْ مَسِيرَةِ أَرْبَعِينَ عَامًا. (2)

جس شخص نے کسی ایک معاہد (غیر مسلم شہری) کو بھی قتل کیا وہ کبھی جنت کی خوشبو نہیں سونگھے گا (حالانکہ) جنت کی خوشبو چالیس برس کی مسافت تک پھیلی ہوئی ہے۔

معاہد غیر مسلموں کی تینوں اقسام 'مستأمن'، 'معاہد' اور 'مواطن' میں سے ایک اقلیتی فرد ہے جبکہ عموم کے لحاظ سے لفظ معاہد غیر مسلموں کی ان تینوں اقسام پر محیط ہے جو امن یا رہائشی

---

(۱) بلاذری، فتوح البلدان: ۱۵۰

(۲) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجهاد والسیر، باب إثم من قتل معاهدا بغیر جرم، ۳: ۱۱۵۵، رقم: ۲۹۹۵

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الدیات، باب من قتل معاهدا، ۲: ۸۹۶، رقم: ۲۶۸۷

۳۔ بیهقی، السنن الکبریٰ، ۹: ۲۰۵، رقم: ۱۸۵۱۲

www.MinhajBooks.com

معاہدے یا ذاتی انتخاب کے ذریعے اسلامی مملکت میں رہائش کا فیصلہ کرتے ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے غیر مسلموں کو ایذا دینے والے کے لیے فرمایا کہ جنت تو درکنار، معاہد یعنی (غیر مسلم) کو قتل کرنے والا جنت کی خوشبو سے بھی محروم ہو گا۔ گویا وہ اللہ تعالیٰ کی اس سزا کا حق دار ہو گا کہ جنت سے چالیس برس کی مسافت کے قریب نہیں جا سکے گا۔

ایک روایت میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَلَا مَنْ قَتَلَ نَفْسًا مُعَاهِدًا لَهُ ذِمَّةُ اللهِ وَذِمَّةُ رَسُوْلِهِ، فَقَدْ أَخْفَرَ بِذِمَّةِ اللهِ، فَـلَا يُرَحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ، وَإِنَّ رِيْحَهَا لَيُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ سَبْعِيْنَ خَرِيْفًا. (۱)

آگاہ رہو! جو کسی معاہد (ذمی) کو قتل کرے، جس کے لیے اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کا ذمہ ہو، تو اُس نے اللہ تعالیٰ کا ذمہ توڑ دیا، وہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گا حالانکہ جنت کی خوشبو ستر سال کی مسافت تک بھی پہنچ جاتی ہے۔

ایک روایت میں سو سال تک کی مسافت کا ذکر آیا ہے۔ حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا مُعَاهَدَةً بِغَيْرِ حِلِّهَا فَحَرَامٌ عَلَيْهِ الْجَنَّةُ أَنْ يَّشُمَّ رِيْحَهَا وَإِنَّ رِيْحَهَا لَيُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ مِئَةِ عَامٍ. (۲)

---

(۱) ۱۔ ترمذی، السنن، کتاب الديات، باب ما جاء فيمن يقتل نفسًا معاهدة، ۴: ۲۰، رقم: ۱۴۰۳

۲۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الديات، باب من قتل معاهدًا، ۲: ۸۹۶، رقم: ۲۶۸۷

۳۔ أبو يعلى، المسند، ۱۱: ۳۳۵، رقم: ۶۴۵۲

۴۔ حاکم، المستدرک، ۲: ۱۳۸، رقم: ۲۵۸۱

(۲) ۱۔ نسائي، السنن، کتاب القسامة، باب تعظيم قتل المعاهد، ۸: ۲۵، رقم: ۴۷۴۸

←

جس نے کسی معاہد (غیر مسلم شہری) کو ناجائز طور پر قتل کیا، اس پر جنت کی خوشبو تک سونگھنا حرام ہوگا حالانکہ اس کی خوشبو سو سال کی مسافت پر بھی موجود ہوگی۔

ایک اور حدیث مبارک میں پانچ سو سال کی مسافت کا تذکرہ آیا ہے۔ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ ہی نے بیان کیا ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا مُعَاهَدَةً بِغَيْرِ حَقِّهَا حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ أَنْ يَّشُمَّ رِيْحَهَا، وَرِيْحُهَا يُوْجَدُ مِنْ مَسِيْرَةِ خَمْسِمِائَةِ عَامٍ. (1)

جس نے کسی معاہد کو ناحق قتل کیا اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت کی خوشبو تک سونگھنا حرام فرما دیا ہے حالانکہ اس کی خوشبو پانچ سو سال کی مسافت پر بھی موجود ہوگی۔

بظاہر ان احادیث مبارکہ میں عددی تضاد نظر آتا ہے لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے کیونکہ ان میں عددی تفاوت جرم کی سنگینی کے لحاظ سے ہے کہ جیسے کسی نے ظلم و جبر سے کسی ذمی کو قتل کیا ہوگا ویسے ہی اسے سزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔

حافظ ابن حجر عسقلانی مذکورہ احادیث مبارکہ کی شرح میں لکھتے ہیں:

وَالَّذِي يَظْهَرُ لِي فِي الْجَمْعِ أَنْ يُقَالَ: إِنَّ الْأَرْبَعِينَ أَقَلُّ زَمَنٍ يُدْرِكُ بِهِ رِيحَ الْجَنَّةِ مَنْ فِي الْمَوْقِفِ، وَالسَّبْعِينَ فَوْقَ ذٰلِكَ أَوْ ذُكِرَتْ لِلْمُبَالَغَةِ وَالْخَمْسُمِائَةِ ثُمَّ الْأَلْفُ أَكْثَرُ مِنْ ذٰلِكَ. وَيَخْتَلِفُ ذٰلِكَ بِاخْتِلَافِ الْأَشْخَاصِ وَالْأَعْمَالِ. (2)

٢۔ نسائی، السنن الکبریٰ، ٤: ٢٢١، رقم: ٦٩٥٠

٣۔ عبد الرزاق، المصنف، ١٠: ١٠٢، رقم: ١٨٥٢١

٤۔ ابن حبان، الصحیح، ١٦: ٣٩١، رقم: ٨٣٨٢

(١) ١۔ حاکم، المستدرک علی الصحیحین، ١: ١٠٥، رقم: ١٣٤

٢۔ ابن ابي شیبة، المصنف، ٥: ٤٥٧، رقم: ٢٧٩٤٤

(٢) ابن حجر عسقلانی، فتح الباری، ١٢: ٢٦٠

ان احادیث مبارکہ کے مضمون کو جمع کرنے سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ چالیس سالہ مسافت کے مقام سے جنت کی خوشبو کا پایا جانا کم از کم زمانہ ہے اور ستر سالہ اس سے اوپر کا زمانہ ہے یا مبالغہ کے طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ پھر پانچ سو یا ہزار سالہ مسافت اس سے بھی زیادہ ہے۔ اس مسافت میں یہ اختلاف افراد اور اعمال (کی شدت) کے لحاظ سے ہے۔

علامہ انور شاہ کاشمیری اس حدیث کی شرح میں لکھتے ہیں:

قَوْلُهُ ﷺ: ’مَنْ قَتَل مُعَاهَدًا لَمْ يَرِحْ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ‘ وَمُخُّ الْحَدِيْثِ: إِنَّکَ أَيُّهَا الْمُخَاطَبُ قَدْ عَلِمْتَ مَا فِيْ قَتْلِ الْمُسْلِمِ مِنَ الْإِثْمِ، فَإِنَّ شَنَاعَتَهُ بَلَغَتْ مَبْلَغَ الْکُفْرِ، حَيْثُ أَوْجَبَ التَّخْلِيْدَ. أَمَّا قَتْلُ مُعَاهَدٍ، فَأَيْضًا لَيْسَ بِهَيِّنٍ، فَإِنَّ قَاتِلَهُ أَيْضًا لَا يَجِدُ رَائِحَةَ الْجَنَّةِ. (۱)

آپ ﷺ کا فرمان ہے: ’جس نے کسی غیر مسلم شہری کو قتل کیا وہ جنت کی خوشبو بھی نہیں سونگھے گا‘۔ اے مخاطب! حدیث کا لبِ لباب تجھے قتلِ مسلم کے گناہ کی سنگینی بتا رہا ہے کہ اس کی قباحت کفر تک پہنچا دیتی ہے جو جہنم میں جانے کا باعث بنتا ہے، جبکہ غیر مسلم شہری کو قتل کرنا بھی کوئی معمولی گناہ نہیں ہے۔ اسی طرح اس کا قاتل بھی جنت کی خوشبو تک نہیں پائے گا (جس کا مطلب ہے کہ وہ جہنم میں ڈالا جائے گا)۔

ایک حدیث مبارک میں تو حضور نبی اکرم ﷺ نے یہاں تک فرمایا ہے کہ اگر ناحق کسی غیر مسلم کو قتل کیا تو اس پر مطلقاً کچھ زمانوں تک جنت بھی حرام ہو جائے گی۔ حضرت ابو بکرہ رضی اللہ عنہ ہی بیان کرتے ہیں کہ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

مَنْ قَتَلَ مُعَاهِدًا فِي غَيْرِ کُنْهِهٖ حَرَّمَ اللهُ عَلَيْهِ الْجَنَّةَ. (۲)

(۱) انور شاه الكشميری في فيض الباری علی صحيح البخاری، ۴/۲۸۸۔

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۵: ۳۶، ۳۸، رقم: ۲۰۳۹۳، ۲۰۴۱۹

۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الجهاد، باب في الوفاء للمعاهد وحرمة ذمته، ـــــ

جو مسلمان کسی معاہد شخص (ذمی) کو ناحق قتل کرے گا اللہ تعالیٰ اُس پر جنت حرام فرما دے گا۔

۴۔ حضور ﷺ غیر مسلموں کے حقوق کے محافظِ اَعظم ہیں

حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

أَلَا، مَنْ ظَلَمَ مُعَاهِدًا أَوِ انْتَقَصَهُ أَوْ كَلَّفَهُ فَوْقَ طَاقَتِهِ أَوْ أَخَذَ مِنْهُ شَيْئًا بِغَيْرِ طِيْبِ نَفْسٍ، فَأَنَا حَجِيْجُهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (۱)

خبردار! جس نے کسی معاہد (غیر مسلم اقلیتی فرد) پر ظلم کیا، ناانصافی کی، اس کا حق غصب کیا یا اس کی استطاعت سے بڑھ کر اس سے کام لیا یا پھر اس کی رضا اور مرضی کے بغیر اس کی کوئی چیز اس سے لے لی تو قیامت کے دن میں اس غیر مسلم معاہد کی طرف سے مسلمان کے خلاف وکالت کرنے والا ہوں گا اور اس غیر مسلم کا حق اسے لے کر دوں گا۔

غیر مسلموں کی نسبت اسلام اور بانی اسلام ﷺ کا نقطہ نظر توازن، اعتدال اور رحمت و شفقت پر مشتمل ہے۔ اس حدیث کی صورت میں یہ صرف تنبیہ ہی نہیں بلکہ حضور نبی اکرم ﷺ

.... ۳: ۸۳، رقم: ۲۷۶۰

۳۔ نسائي، السنن، کتاب القسامة، باب تعظيم قتل المعاهد، ۸: ۲۴، رقم: ۴۷۴۷

۴۔ دارمي، السنن، ۲: ۳۰۸، رقم: ۲۵۰۴

۵۔ بزار، المسند، ۹: ۱۲۹، رقم: ۳۶۷۹

(۱) ۱۔ أبوداود، السنن، کتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في تعشير أهل الذمة إذا اختلفوا بالتجارات، ۳: ۱۷۰، رقم: ۳۰۵۲

۲۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۹: ۲۰۵، رقم: ۱۸۵۱۱

۳۔ ابن ابی حاتم، الجرح والتعدیل، ۱: ۲۰۱

نے اسے اسلامی قانون اور اسلامی شریعت کا جزو بنایا ہے۔ اس پر نہ صرف آپ ﷺ کے عہدِ مبارک میں عمل ہوتا رہا بلکہ اسی پر خلافت راشدہ اور بعد کے تمام اِسلامی اَدوار میں بھی عمل ہوتا رہا۔ یہی قانون آج بھی اسلامی مملکت میں اسی طرح دستور کا حصہ ہے۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے دورِ مبارک میں ایک مرتبہ مسلمانوں کے کسی فرد نے اہلِ کتاب میں سے کسی کو قتل کر دیا۔ یہ مقدمہ آپ ﷺ کے پاس لایا گیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

أَنَا أَحَقُّ مَنْ وَفٰی بِذِمَّتِهٖ، ثُمَّ أَمَرَ بِهٖ فَقُتِلَ.[1]

جو شخص بطور غیر مسلم اپنے ذمہ کو ادا کرتا ہے، اس کے حوالے سے سب سے زیادہ میں ذمہ دار ہوں کہ اس کے حق کو سب سے بڑھ کر ادا کروں۔ پھر آپ ﷺ نے اِس اہل کتاب کے قاتل کو (قصاص) میں قتل کرنے کا حکم دیا۔

یعنی اس غیر مسلم اہل کتاب کے عوض مسلمان کو قتل کیا گیا گویا غیر مسلم کو بھی قصاص کا حق مسلمان ہی کی طرح ہے اور اس میں کوئی استثنیٰ نہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ کا غیر مسلموں کے ساتھ طرزِ عمل؛ شفقت، اعتدال، توازن، رحمت اور تکریمِ انسانیت کے اصول پر مبنی تھا۔

۵۔ غیر مسلم وفود کی مہمان نوازی

اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کی مذہبی آزادی کا ایک اور عظیم مظہر احادیث میں مذکور ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کی خدمت میں جب غیر مسلموں کے بیرونی وفود حاضر ہوتے تو آپ ﷺ ان کی میزبانی خود فرماتے۔ ایک مرتبہ حبشہ کے مسیحیوں کا وفد آپ ﷺ کی خدمت میں آیا تو آپ ﷺ نے اسے مسجدِ نبوی میں ٹھہرایا۔ کیا آج غیر مسلموں کو ہمارے ہاں مساجد میں ٹھہرانے کا کوئی تصور ہے؟ بالکل نہیں، اس لیے کہ ہمارا تصورِ اسلام ہماری ذہنی کیفیت کے مطابق تنگ ہو گیا ہے اور ہمارے مزاج نے ہمارے من گھڑت تصورات کے ذریعے اسلام کے

---

(۱) ۱۔ بیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۳۰، رقم: ۱۵۹۶۹
۲۔ دارقطنی، السنن، ۳: ۱۳۵، ۳: ۱۳۵، رقم: ۱۶۶

وسیع تصور کو تنگ کر دیا ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ہم اسلام کو براہِ راست سیرت و سنتِ محمدی ﷺ اور فرامینِ محمدی سے اخذ نہیں کر رہے بلکہ اپنے بنائے ہوئے جاہلانہ تصورات، طبیعت کی سختیوں اور اپنی ذہنی رجحانات ہی کو عینِ اسلام سمجھ کر اس میں داخل ہو چکے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے حبشہ کے ان مسیحیوں کو نہ صرف مسجد نبوی میں ٹھہرایا بلکہ ان کی میزبانی بھی خود اپنے ذمہ لی۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ موقع ہمیں عطا کیجئے کہ ہم ان کی مہمان نوازی کریں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ یہ اعزاز وتکریم کرنے والے لوگ ہیں۔ یعنی یہ اس حبشہ سے آئے ہیں جہاں کے لوگ ہمارے ہجرت کر کے جانے والے ساتھیوں کے ساتھ بڑے اعزاز اور تکریم سے پیش آئے تھے۔ چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا:

فَإِنِّي أُحِبُّ أَنْ أُكَافِئَهُمْ. (۱)

میں چاہتا ہوں کہ ان کے اس اعزاز و اکرام پر مبنی رویے کا بدلہ میں خود دوں (جو ان کے بادشاہ نجاشی نے کیا تھا)۔

اسی طرح جب نجران کے مسیحیوں کا وفد آیا تو حضور نبی اکرم ﷺ نے انہیں مسجد نبوی میں ٹھہرایا۔ جب ان کی عبادت کا وقت آیا تو انہوں نے پوچھا کہ ہم عبادت کرنا چاہتے ہیں، کہاں کریں؟ تو آپ ﷺ نے انہیں مسجد نبوی ہی میں اپنے طریقے کے مطابق عبادت کرنے کی اجازت عطا فرمائی۔ اس طرح مسیحی وفد نے مسجد نبوی میں اپنے طریقے کے مطابق عبادت کی، جسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے خود دیکھا۔ (۲)

حضور نبی اکرم ﷺ کا غیر مسلموں کے ساتھ کریمانہ عمل اسلامی تعلیمات کو واضح کرتا ہے۔

---

(۱) ۱۔ بیہقی، شعب الإیمان، ۶: ۵۱۸، رقم: ۹۱۲۵
۲۔ حلبی، السیرة الحلبیة، ۲: ۷۵۸

(۲) ۱۔ بیهقي، دلائل النبوة، ۵: ۳۸۲
۲۔ ابن سعد، الطبقات الکبری، ۱: ۳۵۷
۳۔ ابن ہشام، السیرة النبویة، ۲: ۲۳۹–۲۴۰

www.MinhajBooks.com

ذہنی و قلبی وسعت کی ضرورت

غیر مسلموں کے ساتھ طرزِ عمل کے حوالے سے حضور نبی اکرم ﷺ کی اس سنت اور دین کی ان تعلیمات کو سمجھنے، جاننے اور ان پر عمل کرنے کی ضرورت ہے تاکہ ہم آنے والی نسلوں کو دین کا صحیح تصور منتقل کرسکیں۔ یہی وجہ ہے کہ منہاج القرآن نے بھی غیر مسلموں کے ساتھ اپنے طرزِ عمل میں وہی وسعت اور شفقت روا رکھی ہے جس کا عملی درس تمام عمر حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی سنت کے ذریعے عطا فرمایا۔ منہاج القرآن کی مساجد کے دروازے بھی غیر مسلم اہل کتاب کے لیے اسی طرح کھلے ہیں جیسے دورِ نبوی میں ان کے لیے کھلے تھے۔ اس سلسلے میں بعض تنگ ذہن لوگ طعن و تشنیع اور تنقید کا نشانہ بھی بناتے ہیں مگر ہم اس پر خفا نہیں بلکہ دعا گو ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے تمام لوگوں کو دین کا صحیح فہم، اسلام کی صحیح معرفت، ان کے قلب و نظر میں وسعت اور انہیں سیرتِ محمدی ﷺ کے مطالعہ کی توفیق عطا فرمائے۔

ذہن نشین رہے کہ دینِ اسلام کسی ایک خطے کا دین نہیں ہے بلکہ جیسے اللہ تعالیٰ رب العالمین ہونے کے ناتے پوری کائنات کے لیے رب ہے، عین اسی طرح **وَمَآ اَرْسَلْنٰکَ اِلَّا رَحْمَةً لِّلْعٰلَمِیْنَo**[(1)] کے مصداق حضور نبی اکرم ﷺ ساری کائنات اور جملہ مخلوقات کے لیے سراپا رحمت ہیں۔ آپ ﷺ تمام کائنات اور جمیع مخلوقات کے لیے **أُرْسِلْتُ إِلَی الْخَلْقِ کَآفَّةً**[(2)] کے تحت بشیر اور نذیر بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ خواہ کوئی اسلام قبول کرے یا نہ کرے، مگر حضور نبی اکرم ﷺ ہر ایک کے لیے رسول ہیں۔ البتہ جس نے کلمۂ اسلام پڑھ لیا، وہ امتِ اجابت میں سے ہوگیا اور جس نے اسلام کا کلمہ نہ پڑھا، اسے بھی امتِ دعوت کا فرد کہا جائے گا کیونکہ حضور نبی اکرم ﷺ کی دعوت اس کے لیے بھی ہے اور قیامت تک کے جملہ انسانوں کے لیے بھی برقرار رہے گی۔

حضور نبی اکرم ﷺ کی اسی عالمگیریت پر قرآن مجید میں ارشاد فرمایا گیا ہے:

---

(۱) الأنبیاء، ۲۱: ۱۰۷

(۲) مسلم، الصحیح، کتاب المساجد ومواضع الصلاة، ۱: ۳۷۱، رقم: ۵۲۳

یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللهِ اِلَیْکُمْ جَمِیْعًا. (۱)

اے لوگو! میں تم سب کی طرف اس اللہ کا رسول (بن کر آیا) ہوں۔

یہ نہیں فرمایا کہ اے ایمان والو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں، نہیں! ایسا نہیں ہے۔ قرآن مجید میں الحمد سے والناس تک دعوتِ محمدی کا دائرہ کبھی تنگ نہیں کیا گیا بلکہ یٰٓاَیُّھَا النَّاسُ کے الفاظ کے ذریعے خطاب فرمایا کہ اے بنی آدم! یعنی اے مسلمانو اور کافرو! تم کسی مذہب کے بھی پیروکار ہو؛ سن لو! میں تم سب کی طرف اللہ کا رسول بن کر آیا ہوں۔

نوجوان نسل کو یہ سب بتایا جائے تو ممکن ہی نہیں کہ وہ مغرب زدہ ہو کر اِسلام کے بارے میں غلط فہمیوں کا شکار ہو۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات مبارکہ وسعتِ نظر، وسعتِ قلب اور وسعتِ ظرف کے انتہائی درجے کی حامل ہے۔ آپ ﷺ کے دین، تعلیم، نبوت، رسالت اور دعوت میں جس قدر فراخ حوصلگی، اعلیٰ ظرفی اور نرمی ہے دنیا کا کوئی بھی مذہبی رہنما نہ اپنی ذات میں اور نہ ہی اپنی تعلیمات میں اس قدر وسعت قلبی کا مظاہرہ کر سکا ہے، نہ کر سکتا ہے اور نہ ہی کر سکے گا۔ یہی وجہ ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے حسنِ سلوک اور بے پایاں رحمت و شفقت دیکھ کر مختلف مذاہب کے لوگ آپ ﷺ کی طرف کھنچے چلے آتے تھے۔

۶۔ غیر مسلم شہری کا خون مسلمان کے خون کے برابر ہے

غیر مسلموں کے ساتھ اسلام کے ان تمام اعتدال اور شفقت و رحمت پر مبنی رویوں کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ دورِ رسالت کے بعد بھی غیر مسلم شہریوں کے حقوق کے تحفظ کے لیے یہی قانون نافذ رہا۔ سیدنا علی رضی اللہ عنہ کے زمانے کا واقعہ ہے کہ ایک مسلمان نے ایک غیر مسلم کو قتل کر دیا اور مقدمے میں اس کا قاتل ہونا ثابت ہو گیا۔ چنانچہ سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے اسے سزائے موت کا حکم صادر فرما دیا، لیکن بعد ازاں مقتول کے ورثا نے دیت لے کر قاتل کو معاف کر دیا۔ جب یہ

(۱) الأعراف، ۷: ۱۵۸

خبر سیدنا علی ﷜ کو پہنچی تو آپ ﷜ نے مقتول کے ورثا کو بلایا اور تصدیق کی کہ کہیں انہیں قاتل کے ورثا نے ڈرا دھمکا کر تو دیت کی قبولیت پر راضی نہیں کیا۔ جب انہوں نے گواہی دی کہ ہم پر کوئی جبر نہیں کیا گیا بلکہ ہم خود پسماندگان کی مالی آسودگی کے پیش نظر دیت لینے پر راضی ہوئے ہیں۔ سیدنا علی شیر خدا ﷜ نے فرمایا کہ یہ تمہاری مرضی ہے، تم ہی اس کے حق دار ہو اور اپنے لیے بہتر سمجھتے ہو لیکن بہرحال ہماری شریعت کا اصول یہ ہے:

مَنْ كَانَ لَهُ ذِمَّتُنَا فَدَمُهُ كَدَمِنَا وَدِيَّتُهُ كَدِيَّتِنَا. (۱)

جس شخص کی جان، مال، عزت و آبرو کی حفاظت ہمارے ذمّہ ہے اس (غیر مسلم) کا خون ہمارے (یعنی مسلمانوں کے) خون جیسا ہے اور اس کی دیت ہماری دیت جیسی ہے۔

اسلامی قانون میں مسلموں اور غیر مسلموں دونوں کے لیے قصاص اور دیت مساوات پرمبنی ہے۔ تمام ائمہ و فقہا کے ہاں یہ مسلمہ قاعدہ ہے کہ غیر مسلم جو اہل ذمہ ہیں ان کا خون مسلمانوں کے خون کے برابر، ان کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر اور ان کا قصاص مسلمان کے قصاص کے مطابق ہے۔

سیدنا علی ﷜ سے صراحت کے ساتھ یہ بھی مروی ہے:

إِذَا قَتَلَ الْمُسْلِمُ النَّصْرَانِيَّ قُتِلَ بِهِ. (۲)

---

(۱) ۱۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۸: ۳۴، رقم: ۱۵۷۱۲
۲۔ زيلعي، نصب الراية، ۳: ۳۸۱
۳۔ شافعي، الأم، ۷: ۳۲۱
۴۔ محمد بن حسن شيباني، الحجة، ۴: ۳۵۵
۵۔ شوكاني، نيل الأوطار، ۷: ۱۵۴

(۲) ۱۔ شيباني، الحجة، ۴: ۳۴۷
۲۔ شافعي، الأم، ۷: ۳۲۰

اگر کسی مسلمان نے کسی غیر مسلم کو قتل کر دیا تو اسے بھی (غیر مسلم کے بدلے میں) قتل کیا جائے گا۔

یعنی آپ نے بالتصریح (categorically) اسلام کا قانون بیان فرما دیا۔ اَحناف کا اصول اور قاعدہ بھی اسی پر قائم ہے۔ اسی لیے امام ابوحنیفہ نے فرمایا:

دِيَّةُ الْيَهُوْدِيِّ وَالنَّصَرَانِيِّ وَالْمَجُوْسِيِّ مِثْلَ دِيَّةِ الْحُرِّ الْمُسْلِمِ.(1)

یہودی، نصرانی اور مجوسی کی دیت اتنی ہی ہے جتنی آزاد مسلمان کی دیت ہے۔

یعنی ان تمام لوگوں کی دیت میں کوئی فرق نہیں ہے۔

سیرتِ نبوی کی حقیقی پیروی کی ضرورت

غیر مسلموں کی جانوں اور مالوں کو اسلام میں مسلمانوں کے برابر وزن دیا گیا ہے اور ہر لحاظ سے بطور شہری ان کا مقام قانون کی نظر میں وہی ہے جو اسلام نے مسلمانوں کو عطا کیا۔ اس سلسلے میں حضور نبی اکرم ﷺ کا طرزِ عمل اس قدر شفقت پر مبنی ہے کہ جس کی مثال دنیا کے کسی اور مذہب میں نہیں ملتی۔ اگر غیر مسلم دنیا کے اعتبار سے دیکھیں تو روئے زمین پر کوئی عیسائی اپنے church یا یہودی اپنے synagogue میں مسلمانوں کو نماز پڑھنے کی اجازت نہیں دیتا۔ آج مغربی دنیا انسانی حقوق اور مذہبی آزادی کے حق کی حفاظت کا علم سب سے پہلے بلند کرنے کا دعویٰ کرتی ہے مگر تاریخ کے مطالعہ میں آج تک یہ بات نہیں آئی کہ کسی گرجا اور اس کی انتظامیہ نے دورہ کرنے والے مسلمانوں کو نماز کے وقت اپنے گرجا میں باجماعت نماز پڑھنے کی اجازت دی ہو۔ دوسری طرف حضور نبی اکرم ﷺ نے چودہ سو سال پہلے عیسائیوں کو مسجد نبوی میں اپنے مذہب کے مطابق نماز پڑھنے کی اجازت دے کر ایک روشن مثال قائم کی۔

آج کے مسلمانوں پر لازم ہے کہ اگر وہ حضور نبی اکرم ﷺ کی صحیح اتباع کا دم بھرتے ہیں تو انہیں آپ ﷺ ہی کی سیرت طیبہ پر ظاہراً و باطناً اور لفظاً و روحاً عمل کرنا چاہیے۔ اسلام

(1) شيباني، الحجة، ۴: ۳۲۲-۳۲۳

مسلمانوں سے اسی طرزعمل کی توقع کرتا ہے۔ اگر آج بھی ہم اس طرزِ عمل کو عالمِ انسانیت کے سامنے پیش کریں تو اسلام کا چہرہ ایک مرتبہ پھر ساری دنیا کے لیے پرکشش اور جاذبِ نظر ہوگا اور لوگ اسلام کی طرف اس کی فطری نرمی کے سبب کثیر تعداد میں راغب ہوں گے۔

۷۔ قانونی مساوات کا حق

حضور نبی اکرم ﷺ کی شفقت و رحمت اور اسلامی تعلیمات میں غیر مسلم اقلیتوں کو قانونی مساوات کا حق بھی حاصل ہے، اس سے اسلام میں غیر مسلموں کے قانونی مقام اور ان کے دستوری حقوق (constitutional rights) کا اندازہ بھی ہوتا ہے۔ اس کی بنیادی تعلیم قرآن مجید کی درج ذیل آیت میں بھی دی گئی ہے:

مَنْ قَتَلَ نَفْسًا م بِغَيْرِ نَفْسٍ اَوْ فَسَادٍ فِي الْاَرْضِ فَكَاَنَّمَا قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا ط وَمَنْ اَحْيَاهَا فَكَاَنَّمَآ اَحْيَا النَّاسَ جَمِيْعًا. (۱)

جس نے کسی شخص کو بغیر قصاص کے یا زمین میں فساد انگیزی (کی سزا) کے بغیر (ناحق) قتل کر دیا تو گویا اس نے (معاشرے کے) تمام لوگوں کو قتل کر ڈالا اور جس نے اسے (ناحق مرنے سے بچا کر) زندہ رکھا تو گویا اس نے (معاشرے کے) تمام لوگوں کو زندہ رکھا (یعنی اس نے حیاتِ انسانی کا اجتماعی نظام بچا لیا)۔

اس کی تفسیر میں امام ابو منصور الماتریدی فرماتے ہیں:

مَنِ اسْتَحَلَّ قَتْلَ نَفْسٍ حَرَّمَ اللهُ قَتْلَهَا بِغَيْرِ حَقٍّ، فَكَأَنَّمَا اسْتَحَلَّ قَتْلَ النَّاسِ جَمِيْعًا، لِأَنَّهٗ يَكْفُرُ بِاسْتِحْلَالِهٖ قَتْلَ نَفْسٍ مُحَرَّمٍ قَتْلُهَا، فَكَانَ كَاسْتِحْلَالِ قَتْلِ النَّاسِ جَمِيْعًا، لِأَنَّ مَنْ كَفَرَ بِآيَةٍ مِّنْ كِتَابِ اللهِ يَصِيْرُ كَافِرًا بِالْكُلِّ. ......

---

(۱) المآئدة، ۵: ۳۲

وَتَحْتَمِلُ الْآيَةُ وَجْهًا آخَرَ، وَهُوَ مَا قِيْلَ: إِنَّهُ يَجِبُ عَلَيْهِ مِنَ الْقَتْلِ مِثْلُ مَا أَنَّهُ لَوْ قَتَلَ النَّاسَ جَمِيْعًا.

وَوَجْهٌ آخَرُ: أَنَّهُ يَلزَمُ النَّاسَ جَمِيْعًا دَفْعُ ذٰلِكَ عَنْ نَفْسِهِ وَمَعُوْنَتُهُ لَهُ، فَإِذَا قَتَلَهَا أَوْ سَعٰى عَلَيْهَا بِالْفَسَادِ، فَكَأَنَّمَا سَعٰى بِذٰلِكَ عَلَى النَّاسِ كَافَّةً. ...... وَهٰذَا يَدُلُّ أَنَّ الْآيَةَ نَزَلَتْ بِالْحُكْمِ فِي أَهْلِ الْكُفْرِ وَأَهْلِ الْإِسْلَامِ جَمِيْعًا، إِذَا سَعَوْا فِي الْأَرْضِ بِالْفَسَاد.[1]

جس نے کسی ایسی جان کا قتل حلال جانا جس کا ناحق قتل کرنا اللہ تعالیٰ نے حرام کر رکھا ہے، تو گویا اس نے تمام لوگوں کے قتل کو حلال جانا، کیونکہ جس جان کا قتل حرام ہے، اس کے قتل کو حلال سمجھنا بھی ارتکابِ کفر ہے۔ وہ ایسے ہی ہے جیسے اس نے تمام لوگوں کے قتل کو حلال جانا، کیونکہ جو شخص کتاب اللہ کی ایک آیت کا انکار کرتا ہے وہ پوری کتاب کا انکار کرنے والا ہے۔ ......

اس آیت مبارکہ میں ایک اور اہم نکتہ بھی بیان ہوا ہے اور وہ یہ کہ کسی جان کے قتل کو حلال جاننے والے پر تمام لوگوں کے قتل کا گناہ لازم آئے گا (کیونکہ عالم انسانیت کے ایک فرد کو قتل کر کے گویا اس نے پوری انسانیت پر حملہ کیا ہے)۔

علاوہ ازیں ایک توجیہ یہ بھی ہے کہ تمام لوگوں پر لازم ہے کہ اجتماعی کوشش کے ساتھ اس جان کو قتل سے بچائیں اور اس کی مدد کریں۔ پس جب وہ اس کو قتل کر کے فساد برپا کرنے کی کوشش کرے گا تو گویا وہ پوری انسانیت پر فساد برپا کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ ...... اور یہ عمومی حکم دلالت کرتا ہے کہ یہ آیت (اس حکم کے ساتھ) تمام اہلِ کفر اور اہلِ اسلام کے لیے یکساں نازل ہوئی ہے۔ اس کا اطلاق سب پر ہوگا خواہ وہ فساد فی الارض پھیلانے والا مسلمان ہے یا غیر مسلم۔

---

(١) أبومنصور الماتُریدی، تأویلات أهل السنة، ٣: ٥٠١

امام یحییٰ بن آدم قرشی کی کتاب 'کتاب الخراج' قرآن مجید، احادیث نبوی اور آثارِ صحابہ رضی اللہ عنہم کی روشنی میں اسلام کے مالیتی نظام پر تحریر کردہ اوّلین کتب میں سے ایک ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے عہد نبوی اور عہد خلافت راشدہ کے تعزیری اور دیوانی قوانین میں غیر مسلم اقلیت کے حقوق بیان کرتے ہوئے مسلم و غیر مسلم دونوں کو مساوی قرار دیا ہے۔ اپنے اس موقف پر دلائل لاتے ہوئے وہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے عہد مبارک میں ایک مرتبہ ایک مسلمان نے کسی غیر مسلم کو قتل کر دیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اس غیر مسلم کے قصاص میں مسلمان قاتل کو قتل کرنے کا حکم صادر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ غیر مسلموں کے حقوق کی حفاظت کا سب سے زیادہ حق اور سب سے بڑا فریضہ مجھ پر عائد ہے۔[1] (یہ روایت ہم گزشتہ صفحات میں بیان ہوچکی ہے۔)

یہی نہیں بلکہ غیر مسلم اقلیتوں کے لیے قانونی مساوات کا یہ تسلسل عہد خلافت راشدہ اور اس کے بعد ادوار میں بھی برقرار رہا۔ ایک مرتبہ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانۂ مبارک میں بھی کسی مسلم نے غیر مسلم کو قتل کیا تو سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس پر یہ فیصلہ لکھا:

أَنْ يُّدْفَعَ إِلٰى اَوْلِيَاءِ الْمَقْتُوْلِ.[2]

اس معاملہ کو مقتول کے ورثاء کے سپرد کر دیا جائے (وہ چاہیں تو قصاص میں قاتل کو قتل کر دیں یا معاف کر دیں یعنی دیت وصول کر لیں، یہ ان کی صواب دید ہے)۔

ایسا ہی واقعہ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے دورِ خلافت میں بھی پیش آیا اور شام کے علاقے میں ایک اقلیتی فرد کو قتل کر دیا گیا۔ جب یہ معاملہ حضرت عثمانِ غنی رضی اللہ عنہ تک پہنچا تو آپ رضی اللہ عنہ نے بھی اس مسلمان کو قصاص میں قتل کیے جانے کا حکم صادر فرمایا۔ بعدازاں مقتول اور قاتل کے ورثاء باہمی بات چیت کے نتیجے میں ایک ہزار دینار دیت پر متفق ہو گئے اور یہ دیت کے اسی

---

(۱) يحيٰی بن آدم قرشی، کتاب الخراج: ۷۲، رقم: ۲۳۸

(۲) ۱۔ بيهقی، السنن الكبری، ۸: ۳۲، رقم: ۱۵۷۰۶

۲۔ شافعی، الأم، ۷: ۳۲۱

عمومی قانون کے مطابق اتفاق تھا جس کی رو سے مسلم اور غیر مسلم کی دیت یکساں مقرر ہے۔

امام ابن شہاب زہری فرماتے ہیں:

إِنَّ دِيَةَ الْمُعَاهَدِ فِيْ عَهْدِ أَبِي بَكْرٍ وَعُمَرَ وَعُثْمَانَ رضی اللہ عنہم مِثْلُ دِيَةِ الْحُرِّ الْمُسْلِمِ. (۱)

بے شک سیدنا ابوبکر، عمر اور عثمان رضی اللہ عنہم کے اَدوار میں غیر مسلم شہری کی دیت آزاد مسلمان کی دیت کے برابر تھی۔

ایک اور مقام پر ہے کہ امام ابو حنیفہ، حکم بن عتیبہ سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

دِيَةُ الْيَهُوْدِيِّ وَالنَّصْرَانِيِّ وَكُلِّ ذِمِّيٍّ مِثْلُ دِيَةِ الْمُسْلِمِ. (۲)

یہودی، نصرانی اور ہر ذمی کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔

امام ابو حنیفہ حضرت علی المرتضیٰ کا فرمان نقل کرنے بعد فرماتے ہیں کہ میرا موقف بھی یہی ہے کہ غیر مسلم شہری کی دیت مسلمان کی دیت کے برابر ہے۔ یعنی چاروں خلفائے راشدین کے عہد میں بھی یہی قانون تھا اور غیر مسلم کی دیت اور مسلم کی دیت ہمیشہ برابر مقرر کی جاتی تھی۔

قصاص و دیت میں مساوات کے ساتھ ساتھ دیگر تعزیری، فوجداری اور دیوانی قوانین میں بھی مسلم اور غیر مسلم دونوں کے ساتھ ایک جیسی برابری رکھی گئی ہے۔ حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (جو اس وقت مصر کے گورنر تھے) کے بیٹے نے ایک غیر مسلم کو ناحق سزا دی۔ جب اس کی اطلاع سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو پہنچی تو انہوں نے کیس کی سماعت کے بعد گورنر مصر حضرت عمرو

(۱) ۱۔ شافعي، الأم، ۷: ۳۲۱
۲۔ شيباني، كتاب الحجة، ۴: ۳۵۱
(۲) أخرجه عبد الرزاق في المصنف، ۱۰: ۹۷، رقم: ۱۸۴۹۴

بن العاص ﷺ کے بیٹے کو سرِعام سزا دی اور فرمایا:

مُذْ كَمْ تَعَبَّدْتُمُ النَّاسَ وَقَدْ وَلَدَتْهُمْ أُمَّهَاتُهُمْ أَحْرَارًا. (۱)

تم نے کب سے ان لوگوں کو اپنا غلام سمجھ لیا ہے جن کی ماؤں نے انہیں آزاد پیدا کیا تھا۔

یہ حضرت عمر فاروق ﷺ کا وہ بیان ہے جو آپ نے ایک غیر مسلم کو ناجائز سزا دینے کے نتیجے میں صحابی اور گورنر مصر کے بیٹے کو سرِعام سزا دلوا کر ارشاد فرمایا۔ اس سے بھی واضح ہوتا ہے کہ اسلامی قانون کی تعزیری و فوجداری اور دیوانی نفاذ میں مسلم اور غیر مسلم کی حیثیت یکساں تھی۔

۸۔ مال کے تحفظ کا حق

شریعت اسلامیہ کا قاعدہ ہے کہ اگر کوئی غیر مسلم کسی مسلمان کا مال چرائے یا مسلمان کسی اقلیتی فرد کا مال چرائے، دونوں صورتوں میں دونوں کی سزا ایک ہو گی۔

۱۔ حضرت خالد بن ولید ﷺ بیان کرتے ہیں کہ وہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ غزوۂ خیبر میں موجود تھے۔ بعض لوگ جلدی میں یہود کے جانوروں کے باڑوں میں گھس گئے۔ آپ ﷺ نے مجھے نماز کے لیے اذان دینے کا حکم فرمایا۔ ...... نماز کے بعد آپ ﷺ نے فرمایا:

أَيُّهَا النَّاسُ، إِنَّكُمْ قَدْ أَسْرَعْتُمْ فِي حَظَائِرِ يَهُودَ. أَلَا! لَا تَحِلُّ أَمْوَالُ الْمُعَاهَدِينَ إِلَّا بِحَقِّهَا. (۲)

(۱) ۱۔ ابن عبد الحكم، فتوح مصر وأخبارها: ۲۹۰
۲۔ هندی، كنزالعمال، ۱۳: ۲۹۴، رقم: ۳۶۰۱۰
۳۔ سيوطی، الجامع الكبير، ۲: ۴۵۵

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۸۹، رقم: ۱۶۸۶۲
۲۔ أبو داود، السنن، كتاب الأطعمة، باب النهی عن أكل السباع، ـــــ

اے لوگو! تم جلدی میں یہود کے (جانوروں کے) باڑوں میں گھس گئے ہو۔ خبردار! سوائے حق کے غیر مسلم شہریوں کے اَموال سے کچھ لینا حلال نہیں ہے۔

۲۔ ایک روایت میں حضرت عرباض بن ساریہ السلمی ﷺ نے بیان کیا ہے کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ خیبر کے مقام پر اترے اور بہت سے صحابہ کرام ﷺ آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ خیبر کا سردار ایک مغرور، سرکش اور عیار آدمی تھا۔ اس نے حضور ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہو کر کہا: کیا آپ کے لیے مناسب ہے کہ آپ ہمارے گدھوں کو ذبح کریں ہمارے پھلوں کو کھائیں اور ہماری عورتوں کو پیٹیں؟ حضور نبی اکرم ﷺ ناراض ہوئے اور فرمایا: اے ابن عوف! اپنے گھوڑے پر سوار ہو کر یہ منادی کر دو کہ جنت صرف اہل ایمان کے لیے حلال ہے اور سب کو کہہ دو کہ نماز کے لیے جمع ہو جاؤ۔ راوی کا بیان ہے کہ لوگ (حضور ﷺ کے حکم پر) جمع ہو گئے تو آپ نے انہیں نماز پڑھائی۔ پھر آپ ﷺ کھڑے ہوئے اور فرمایا:

أَيَحْسَبُ أَحَدُكُمْ مُتَّكِئًا عَلٰى أَرِيكَتِهِ قَدْ يَظُنُّ أَنَّ اللهَ لَمْ يُحَرِّمْ شَيْئًا إِلَّا مَا فِي هٰذَا الْقُرْآنِ؟ أَلَا وَإِنِّي وَاللهِ قَدْ وَعَظْتُ وَأَمَرْتُ وَنَهَيْتُ عَنْ أَشْيَاءَ إِنَّهَا لَمِثْلُ الْقُرْآنِ أَوْ أَكْثَرُ. وَإِنَّ اللهَ ﷻ لَمْ يُحِلَّ لَكُمْ أَنْ تَدْخُلُوا بُيُوتَ أَهْلِ الْكِتَابِ إِلَّا بِإِذْنٍ، وَلَا ضَرْبَ نِسَائِهِمْ، وَلَا أَكْلَ ثِمَارِهِمْ. (۱)

کیا تم میں سے کوئی اپنی مسند پر ٹیک لگا کر یہ سمجھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کوئی چیز حرام قرار نہیں دی مگر وہی (اشیاء) جن کا ذکر قرآن مجید میں ہے؟ خبردار ہو جاؤ، اللہ کی

.... ۳: ۳۵۶، رقم: ۳۸۰۶

۳۔ ابن ابی عاصم، الآحاد والمثاني، ۲: ۲۹، رقم: ۷۰۳

۴۔ ابن زنجویه، کتاب الأموال: ۳۷۹، رقم/۶۱۸

(۱) ۱۔ أبو داود، السنن، کتاب الخراج والإمارة والفيء، باب في تعشير أهل الذمة إذا اختلفوا بالتجارات، ۳: ۱۷۰، رقم: ۳۰۵۰

۲۔ بیهقي، السنن الکبریٰ، ۹: ۲۰۴، رقم: ۱۸۵۰۸

۳۔ ابن عبد البر، التمهيد، ۱: ۱۴۹

قسم! میں نے نصیحت کرتے ہوئے، حکم دیتے ہوئے اور بعض چیزوں سے منع کرتے ہوئے جو کہا وہ بھی قرآن کریم کی طرح ہے یا اس سے بھی زیادہ اہم ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارے لیے یہ جائز نہیں رکھا کہ اہلِ کتاب کے گھروں میں ان کی اجازت کے بغیر داخل ہو جاؤ۔ نیز ان کی عورتوں کو پیٹنا اور ان کے پھلوں کو کھانا بھی تمہارے لیے حلال نہیں۔

۳۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (شام کے گورنر) حضرت ابو عبیدہ بن الجراح کو جو فرمان لکھا اس میں منجملہ دیگر احکام کے ایک یہ بھی درج تھا:

وَامْنَعِ الْمُسْلِمِيْنَ مِنْ ظُلْمِهِمْ وَالْإِضْرَارِ بِهِمْ وَأَكْلِ أَمْوَالِهِمْ إِلَّا بِحِلِّهَا. (۱)

(تم بحیثیت گورنر) مسلمانوں کو غیر مسلم شہریوں پر ظلم کرنے اور انہیں ضرر پہنچانے اور ناجائز طریقہ سے ان کے مال کھانے سے سختی کے ساتھ منع کرو۔

۴۔ دیوانی قانون کے بارے میں امام ابن قدامہ المقدسی، فقہ پر اپنی عظیم کتاب 'المغنی' میں بیان کرتے ہیں کہ سیدنا علی مرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا:

أَمْوَالُهُمْ كَأَمْوَالِنَا. (۲)

ان (غیر مسلم اقلیتوں) کے اموال ہمارے اموال کی طرح ہیں۔

یعنی ان کے مال کی حفاظت بھی اتنی ہی ضروری ہے جتنی مسلمانوں کے مال کی حفاظت ضروری ہے۔ اگر کوئی غیر مسلم کا مال تلف کرے گا تو اس کی وہی سزا ہوگی جو مسلمان کے مال تلف کرنے پر سزا ہے۔

امام ابن رشد المالکی فرماتے ہیں:

---

(۱) أبو يوسف، كتاب الخراج: ۱۴۱

(۲) ابن قدامه، المغنی، ۹: ۲۸۹

www.MinhajBooks.com

وَأَمَّا مِنْ طَرِيْقِ الْقِيَاسِ فَإِنَّهُمْ اعْتَمَدُوْا عَلٰى إِجْمَاعِ الْمُسْلِمِيْنَ أَنَّ يَدَ الْمُسْلِمِ، تُقْطَعُ إِذَا سَرَقَ مِنْ مَالِ الذِّمِّيِّ.(۱)

رہا طریقِ قیاس تو اس پر اجماع ہے کہ اگر کوئی مسلمان کسی غیر مسلم شہری کا مال چرائے تو اس پر حد جاری کی جائے گی۔

امام نووی الشافعی 'شرح صحیح مسلم' میں فرماتے ہیں:

فَإِنَّ مَالَ الذِّمِّيِّ وَالْمُعَاهِدِ وَالْمُرْتَدِّ فِي هٰذَا كَمَالِ الْمُسْلِمِ.(۲)

یقیناً غیر مسلم شہری، معاہد اور مرتد کا مال بھی اس اعتبار سے مسلمان کے مال ہی کی طرح (قابلِ حفاظت) ہے۔

امام ابن قدامہ الحنبلی فرماتے ہیں:

إِنَّ الْمُسْلِمَ يُقْطَعُ بِسَرِقَةِ مَالِهٖ.(۳)

بے شک مسلمان پر بھی غیر مسلم کا مال چوری کرنے پر حد عائد ہوگی۔

۹۔ عزتِ نفس کا حق

اگر ذمی، یعنی کسی غیر مسلم اقلیتی شہری کو زبان، ہاتھ یا کسی بھی طرح سے تکلیف پہنچائی جائے، یہ تمام امور بھی اسی طرح حرام ہیں جس طرح کسی مسلمان کے حق میں حرام ہیں۔(۴) گویا مارنا پیٹنا تو اپنی جگہ رہا کسی غیر مسلم کی پشت پیچھے چغلی اور غیبت کرنا بھی بالکل اسی طرح حرام ہے جس طرح مسلمان کی غیبت کرنا حرام ہے۔ اس کے برعکس اس کی عزت کی

(۱) ابن رشد المالكي، بداية المجتهد، ۲: ۲۹۹

(۲) نووی، شرح الصحيح لمسلم، ۱۲: ۷

(۳) ابن قدامة، المغنی، ۹: ۱۱۲

(۴) ابن عابدين شامی، رد المحتار، ۳: ۲۷۳

حفاظت کرنا اتنا ہی واجب اور ضروری ہے جتنا کسی مسلمان کی عزت کی حفاظت کرنا۔ دوسرے لفظوں میں کسی غیر مسلم سے اذیت کو روکنا اور اسے لوگوں کی اذیت سے بچانا بھی اتنا ہی لازم ہے جتنا کسی مسلمان کو لوگوں کی اذیت سے بچانا۔ (۱)

یہ قاعدہ کلیہ فقہ کی دیگر کئی کتب میں بھی موجود ہے۔ فقہاءِ مالکیہ، شافعیہ اور حنابلہ کے ہاں بھی یہی قاعدہ اسی طرح رائج ہے۔

۱۰۔ اجتماعی کفالت کا اہتمام

اسلامی تعلیمات میں غیر مسلموں پر شفقت اور ان سے قانونی اور ریاستی مساوات کا یہ باب صرف ان کی مذہبی آزادی اور قانونی مساوات تک محدود نہیں بلکہ اسلام نے اجتماعی کفالت کا جو نظام مسلمانوں کے لیے قائم کیا ہے، اس میں بھی غیر مسلم شہری برابر کے حق دار ہیں۔

۱۔ جلیل القدر تابعی حضرت سعید بن مسیّب سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے یہودی غریب گھرانے کو صدقہ بھیجا۔ وہ صدقہ اب تک اس گھرانے کو تسلسل سے دیا جا رہا ہے۔

آپ ﷺ کے اس عمل سے معلوم ہوا کہ صدقہ و خیرات میں غیر مسلموں کا حق بھی مسلمانوں کے برابر ہے کیونکہ یہ حضور نبی اکرم ﷺ کی سنت ہے۔ لہٰذا آپ ﷺ کے وصال کے بعد صحابہ کرام، ازواجِ مطہرات اور خلفاء راشدین رضی اللہ عنہم نے بھی اس عمل کو اسی طرح جاری رکھا اور ان کے یہودی ہونے کی بناء پر اس نیک کام (صدقہ و خیرات) کو بند نہیں کیا گیا۔ (۲)

۲۔ حضرت زید بن ہاد رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ام المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کے دو رشتے دار یہودی تھے جنہیں ام المومنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا نے صدقہ دیا۔ ان یہودیوں نے وہ

(۱) ۱۔ حصکفی، الدر المختار، ۲: ۲۲۳
۲۔ ابن عابدین شامی، رد المحتار، ۲: ۲۷۲۔۲۷۳

(۲) ۱۔ أبو عبید، کتاب الأموال: ۸۲۷، رقم: ۱۹۹۲
۲۔ عسقلانی، الدرایة، ۱: ۲۶۶

صدقہ تیس ہزار درہم کے عوض فروخت کر دیا۔ (۱)

گویا اس سے صحابہ کرام اور ام المومنین رضی اللہ عنہا کا معمول واضح ہو رہا ہے کہ قرنِ اول میں غیر مسلموں کو صدقہ دینا اہلِ اسلام کا مسلسل عمل تھا۔ اسی لیے ام المومنین رضی اللہ عنہا نے ان کے گھر کے حالات بہتر کرنے اور ان کی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے انہیں یہ بیش قدر صدقہ عطا کیا۔

۳۔ حضرت عمرو بن میمون، عمرو بن شرحبیل اور مرہ ہمزانی رحمہم اللہ (تینوں جلیل القدر تابعین) روایت کرتے ہیں کہ ہمارا اور دیگر تابعین کا عمل یہ ہے کہ ہم صدقہ فطر میں سے راہبوں کو بھی دیتے ہیں۔ راہب عیسائی مذہب میں اس شخص یا ان اشخاص کو کہا جاتا ہے جو دنیاوی تعلقات اور مشاغل سے الگ تھلگ رہتے ہوں، ساری عمر عبادت اور مذہبی رسوم کی مصروفیت میں صرف کریں اور اپنے پاس کسی قسم کے دنیاوی وسائل نہ رکھتے ہوں۔ (۲)

۴۔ یہی جلیل القدر تابعی مزید کہتے ہیں کہ ان عیسائی راہبوں کا ٹیکس بھی معاف کر دیا جائے گا اور ان کی مسلمانوں کے بیت المال سے مالی مدد بھی کی جائے گی۔ اس لیے کہ جب تک یہ اسلامی ریاست میں رہیں، ان کی کفالت کرنا اسلامی ریاست کی ذمہ داری ہے اور ان غیر مسلم راہبوں کو اسی طرح اجتماعی کفالت کے نظام میں سے حصہ ملے گا جیسے مسلمان کو ملتا ہے۔ (۳)

تاریخ اسلام اس قانون پر تسلسل سے عمل درآمد کے واقعات سے بھری ہوئی ہے۔ خلافت راشدہ اور بعد ازاں بھی غیر مسلم اقلیتوں کے تمام معذور و مجبور افراد کو انکم سپورٹ پروگرام کے تحت بیت المال سے باقاعدہ الاؤنس اور سماجی فوائد دیے جاتے تھے۔

۵۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے عہد کا واقعہ ہے کہ وہ ایک جگہ سے گزرے جہاں ایک اندھا یہودی بھیک مانگ رہا تھا۔ انہوں نے اس سے پوچھا کہ تم گداگری کیوں کر رہے ہو؟ اس

---

(۱) أبو عبيد، كتاب الأموال: ۸۲۸، رقم: ۱۹۹۳

(۲) أبو عبيد، كتاب الأموال: ۷۲۹، رقم: ۱۹۹۷، ۱۹۹۸

(۳) أبو يوسف، كتاب الخراج: ۱۵۵

نے کہا کہ میں نے اپنے ذمہ واجب الادا ریاستی محصول بھی ادا کرنے ہیں اور اپنی ذاتی ضروریاتِ زندگی بھی پوری کرنی ہیں لیکن چونکہ میں محتاج ہوں اس لیے لوگوں سے مانگ رہا ہوں۔ اس کی اس حالت کے بارے جان کر آپ رضی اللہ عنہ نے نہ صرف اس کا ٹیکس معاف کر دیا بلکہ بیت المال سے اس کا تا حیات ماہانہ وظیفہ بھی جاری کر دیا۔ اس موقع پر آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ یہ انصاف کا تقاضا نہیں ہے کہ ہم اس کی جوانی میں تو اس سے فائدہ اٹھائیں اور بڑھاپے میں اس کو رسوا ہونے کی اجازت دے دیں۔ یعنی یہ اسلامی نظمِ اجتماعی میں ناممکن ہے۔

حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے اسلامی سلطنت کے تمام صوبوں کے گورنروں کو حُکم نامہ لکھا کہ وہ غیر مسلم رعایا کے تمام غریب و مستحق شہریوں کو بیت المال سے پوری پابندی کے ساتھ، ان کے فرائض کے مطابق باقاعدگی کے ساتھ تنخواہیں دیا کریں لیکن اگر وہ کمانے کے قابل نہ رہیں تو باقاعدگی سے انہیں ماہانہ وظیفہ کی ادائیگی کیا کریں۔[1]

گویا اسلام نے اپنے اجتماعی کفالت کے نظام میں جو حقوق، عامۃ المسلمین کے لیے رکھے ہیں وہی غیر مسلموں کے لیے بھی مقرر کئے ہیں اور ان میں کسی بھی طور فرق نہیں کیا گیا، اس لیے کہ انہیں اسلامی ریاست کی شہریت حاصل ہے۔

۱۱۔ زبردستی جلاوطنی کی ممانعت

۱۔ ولید بن یزید جب روم پر حملہ کرنے لگا تو اس نے اس خوف سے کہ کہیں وہاں کے غیر مسلم لوگ رومیوں کی مدد کے لیے اٹھ کھڑے نہ ہوں، سرحدی علاقے قبرص کے غیر مسلم باشندوں کو جلا وطن کر کے شام کے علاقے میں آباد کروا دیا۔ جب یہ خبر جلیل القدر فقہائے کرام کو ہوئی تو انہوں نے اس عمل کو گناہِ عظیم قرار دے کر ولید کے خلاف فتویٰ دیا۔ یہاں تک کہ ولید بن یزید کو مجبور ہوکر دوبارہ ان عیسائیوں کو شام سے واپس بلا کر قبرص میں آباد کرنا پڑا۔[2]

---

(۱) أبو یوسف، کتاب الخراج: ۱۵۰

(۲) بلاذری، فتوح البلدان: ۱۸۰

اسلامی مؤرخ بلاذری نے ایک جلیل القدر محدّث اور فقیہ اسماعیل بن عیاش کا یہ قول بھی نقل کیا ہے کہ اس فعل کو عام مسلمانوں اور جمیع فقہا نے غلط قرار دیا۔ چنانچہ یزید بن ولید بن عبدالملک نے اس دباؤ کے سبب ان عیسائیوں کو دوبارہ قبرص میں لاکر آباد کیا اور اُس کے اِس عمل کی سب مسلمانوں نے نہ صرف تعریف کی بلکہ اس اقدام کو عین اسلام کے مطابق اور عدل و انصاف پر مبنی قرار دیا۔

۲۔ ایک مرتبہ امام اوزاعی کے رہائشی علاقے 'جبلِ لبنان' کے کچھ اقلیتی لوگوں نے مسلم ریاست کے خلاف بغاوت کر دی۔ چنانچہ وہاں کے مسلمان حکمران صالح بن علی بن عبد اللہ نے ان کی سرکوبی کے لیے فوج بھیجی، جس نے وہ بغاوت مکمل طور پر کچل دی۔ ان باغیوں میں سے کچھ لوگ ایسے تھے جنہوں نے اسلامی فوج کے خلاف عملاً تو ہتھیار نہیں اٹھائے تھے لیکن در پردہ وہ ان باغیوں کے طرف دار ضرور تھے۔ اس لیے وہاں کے مسلمان حاکم نے ایسے غیر مسلموں کو بھی جلا وطن کر دیا۔ جب امام اوزاعی کو پتا چلا تو انہوں نے اس حاکم صالح بن علی کے خلاف سخت فتویٰ دیا اور اسے تنبیہ کی کہ بغاوت میں عملاً حصہ نہ لینے والوں کو نہ تو قتل کیا جاسکتا ہے اور نہ ہی انہیں ان کے گھر والوں سے نکالا جاسکتا ہے۔ مزید برآں یہ بھی لکھا کہ میں نہیں سمجھتا کہ عام لوگوں کو بعض خاص لوگوں کی وجہ سے سزا دی جائے جب کہ قرآن کا حکم ہے:

وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِّزْرَ اُخْرٰى.[1]

اور کوئی بوجھ اٹھانے والا دوسرے کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔

یعنی کسی ایک شخص کے عمل کا ذمہ دار دوسرا شخص قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس لیے یہی حکم واجب التعمیل ہے اور حاکم کے لیے میری نصیحت یہی ہے کہ تم رسول اللہ ﷺ کے اس ارشاد کو یاد رکھو کہ جو کسی غیر مسلم (معاہد) شہری پر ظلم کرے گا اور اس کی طاقت سے بڑھ کر اس پر بوجھ ڈالے گا تو میں قیامت کے دن اس غیر مسلم کو انصاف دلانے کے لیے اس کا مدعی بنوں گا۔

امام اوزاعی کے اس عمل کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان غیر مسلموں سے معذرت بھی کی گئی اور

(۱) الأنعام، ٦: ١٦٤

انہیں واپس ان کے وطن میں آباد بھی کر دیا گیا۔ غیر مسلموں کے لیے اسلام کا عطا کردہ یہ وہ تصورِ رحمت و شفقت ہے جو عدل و انصاف پر مبنی ہی نہیں بلکہ امن و سہولت پر بھی استوار ہے۔[1]

۱۲۔ معاشرتی آزادی کا حق

غیر مسلموں کی تمدنی اور معاشرتی آزادی کے اعتبار سے یہ واقعہ بھی قابلِ غور ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ نے حضرت امام حسن بصری رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ خلفائے راشدین نے غیر مسلموں کو نکاحِ محرمات کی اجازت کیوں دی جو اسلام میں ممنوع ہیں؟ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ عنہ شاید غیر مسلموں کے اس فعل پر پابندی لگانا چاہتے تھے چونکہ یہ فعل اپنی حیثیت میں اس قدر شدید ہے کہ فطرت سلیمہ اسے ہرگز قبول نہیں کرتی۔ امام حسن بصری رضی اللہ عنہ نے انہیں جواب میں لکھا کہ چونکہ ان غیر مسلموں نے اسلامی حکومت کو سالانہ زرِ حفاظت (annual security tax) ہی اس لیے دیا ہے کہ انہیں ان کے عقائد پر آزادی کے ساتھ عمل کرنے دیا جائے۔ اس لیے خلفائے راشدین نے انہیں ان کے مذہب کے مطابق اس عمل کی آزادی دی۔ گو اسلام میں ایسے نکاح حرام ہیں مگر چونکہ غیر مسلموں کے مذہب میں حرام نہیں ہیں، لہٰذا اسلام کا قانون ان پر لاگو نہیں کیا جا سکتا۔ اگر ایسا کیا جائے تو اس کا مطلب ہے کہ ہم انہیں ان کے مذہب پر عمل کرنے سے روک رہے ہیں۔ امام حسن بصری رضی اللہ عنہ کے اس جواب سے اسلامی قوانین میں غیر مسلموں کو ملنے والی مذہبی، معاشرتی اور ثقافتی آزادی کا بخوبی اندازہ کیا جا سکتا ہے۔[2]

۱۳۔ مالی رعایت کا حق

۱۔ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ اسلامی عساکر کے امراء کو لکھا کرتے تھے کہ جب تم فتوحات

(۱) بلاذری، فتوح البلدان: ۱۸۶

(۲) سرخسی، المبسوط، ۵: ۳۹

حاصل کرلو تو اہل ذمہ پر نافذ ہونے والا ٹیکس ان کی عورتوں اور بچوں پر عائد نہ کرنا۔ اس حکم کی رو سے غیر مسلموں پر سالانہ زرِ حفاظت (annual security tax) صرف ان مردوں پر عائد کیا جاسکتا ہے جو باروزگار بالغ مرد ہوں۔[1]

اسی طرح یہ اسلامی قانون بھی ہمیشہ سے رواج پذیر رہا کہ غیر مسلم اقلیت کے لیے صرف ایک ہی ٹیکس واجب الادا ہے جس کے عوض وہ یہ سارے بیان کردہ حقوق، مراعات اور سارے تحفظات حاصل کریں گے۔ نیز انہیں یہ بھی سہولت ہے کہ اگر وہ اسے وقت پر ادا نہ کریں یا اس میں تاخیر کر دیں تو ٹیکس آفیسرز کو یہ بھی حکم تھا کہ وہ ان غیر مسلموں پر قطعاً تشدد نہیں کرسکتے۔ یہ حکم سیدنا عمر فاروق ﷺ کا تھا جو بعد ازاں بھی تمام اسلامی ادوار میں جاری رہا۔

۲۔ اس حوالے سے امام ابن قدامہ، سیدنا علی ﷺ کے دورِ خلافت کا معمول بیان کرتے ہیں کہ ان کے دور میں یہی فرمان تھا کہ جن غیر مسلموں کے پاس ٹیکس دینے کے وسائل نہیں، ان سے ٹیکس نہیں لیا جائے گا اور نہ ہی ٹیکس کی وصولی کے لیے ان کا مال نیلام کیا جائے گا۔ اس کے برعکس ان سے ٹیکس صرف اس وقت لیا جائے گا جب وہ ٹیکس ادا کرنے کی حیثیت میں ہوں، اگر نہ ہوں تو انہیں یکسر بغیر کوئی سختی کیے چھوڑ دیا جائے۔[2]

۳۔ سیدنا علی ﷺ کے دور کی ایک پالیسی یہ بھی تھی کہ جب بھی آپ کسی علاقے پر کسی عامل یعنی ٹیکس آفیسر یا ٹیکس کمشنر کو مقرر کرتے تو اسے چند ہدایات دیتے۔ ان ہدایات کو امام ابو یوسف نے 'کتاب الخراج (ص:۱۷)' پر درج کیا ہے، جن میں سے چند یہ ہیں:

(۱) غیر مسلم سردی، گرمی میں جو کپڑے پہنتے ہیں یا ان کے کھانے کا سامان ہے یا ان کے جانور ہیں جن سے وہ کھیتی باڑی کرتے ہیں یا ان کی ایسی ہی ضروریات زندگی کی

---

(۱) ۱۔ عبد الرزاق، المصنف، ۱۰: ۳۳۱، رقم: ۱۹۱۷۳
۲۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۶: ۴۲۸، رقم: ۳۲۶۳۶
۳۔ بيهقی، السنن الكبری، ۹: ۱۹۵، رقم: ۱۸۴۶۳
(۲) ابن قدامة، المغنی، ۹: ۲۹۱

www.MinhajBooks.com

دیگر چیزیں ہیں، ٹیکس وصولی کے لیے ان کو نیلام نہیں کر سکتے۔ خبردار! تم ٹیکس کی وصولی کے لیے نہ انہیں مار سکتے ہو، نہ سزا کے طور پر کھڑا رکھنے کی اجازت ہے، نہ ہی تمہیں کسی کا سامان نیلام کرنے کی اجازت ہے۔ ٹیکس وصول کرنے والے عمّال کو حکم ہے کہ وہ نرمی سے ٹیکس وصولی کریں۔

(۲) غیر مسلم جتنا ٹیکس آسانی سے ادا کر سکیں وہ وصول کر لیا جائے اور جسے ادا کرنا ان کی طاقت سے باہر ہو اس کو چھوڑ دیا جائے۔

(۳) تم نے اس حکم کے خلاف عمل کیا تو میری بجائے اللہ تعالیٰ تمہیں سزا دے گا اور اگر مجھے تمہاری خلاف ورزی کی خبر پہنچی تو میں تمہیں معزول کر دوں گا۔ لیکن اگر یہ بات چھپالی گئی تو اللہ رب العزت تمہیں ضرور اُس سزا سے زیادہ سزا دے گا جو میں نے دینی تھی۔[(۱)]

۴۔ ایسا ہی خط حضرت فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے شام کے گورنر حضرت ابوعبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ کو اپنی ٹیکسیشن پالیسی کے حوالے سے لکھا۔ اُس میں درج تھا:

> مسلمانوں کو کسی لحاظ سے بھی غیر مسلم اقلیتوں پر ظلم کرنے، ان کو معمولی سا بھی نقصان پہنچانے یا ناجائز طریقے سے ان کے مال کو تلف کرنے کی قطعاً اجازت نہیں۔ چنانچہ اس حکم پر سختی سے عمل درآمد کو یقینی بنایا جائے۔[(۲)]

قرآن وسنت کی روشنی میں اخذ کردہ خلفائے راشدین کے یہ وہ ریاستی احکام ہیں جو غیر مسلموں کے ساتھ، اسلامی ریاست کے حسنِ معاملات کا ثبوت فراہم کرتے ہیں اور ایسے معاملات کے مظہر ہیں جن میں صرف عدل و انصاف اور رحمت و شفقت ہی نمایاں نہیں بلکہ غیر مسلموں کی مذہبی، ثقافتی، معاشرتی اور معاشی آزادی کا دستور بھی ہیں۔ بدقسمتی یہ ہے کہ لاعلمی کے سبب شاید صرف قلیل لوگوں کو اندازہ ہو کہ غیر مسلموں کے لیے قانونِ اسلام میں کتنی وسعت

(۱) أبو يوسف، کتاب الخراج: ۱۷

(۲) أبو يوسف، کتاب الخراج: ۱۵۲

موجود ہے جس کا عشرِ عشیر بھی، آج کا جدید نظامِ حیات مہیا نہیں کر سکتا۔

۵۔ امام ابو یوسف کی 'کتاب الخراج' میں غیر مسلموں سے ٹیکس وصول کرنے کی پالیسی بڑے واضح الفاظ میں بیان کر دی گئی ہے۔ ٹیکس کی وصولی کے لیے سزا دینے کے عمل کو ناپسند کیا گیا ہے۔ ایک مرتبہ شام سے واپسی پر ایک سفر میں سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ ایک عامل نے ایک غیر مسلم شہری کو ٹیکس وصولی کے دوران عدم ادائیگی پر دھوپ میں کھڑا کیا ہوا تھا اور سزا کے طور پر اس کے سر پر تیل ڈال رہا تھا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ دیکھا تو آپ رضی اللہ عنہ اس پر سخت ناراض ہوئے اور اس عمل کو انتہائی ناپسند کیا اور فرمایا کہ اسے چھوڑ دو اور ٹیکس وصول کرنے کے لیے کسی کے سر پر نہ تو تیل ڈالا کرو اور نہ ہی کسی کو دھوپ میں کھڑا کیا کرو بلکہ غیر مسلم جس ادائیگی کی طاقت نہیں رکھتے، اس کی وصولی میں انہیں پریشان مت کرو، کیونکہ میں نے حضور نبی اکرم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے خود سنا ہے کہ

لَا تُعَذِّبُوا النَّاسَ فَإِنَّ الَّذِينَ يُعَذِّبُونَ النَّاسَ فِي الدُّنْيَا يُعَذِّبُهُمُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (۱)

لوگوں کو سزا نہ دو، بے شک جو لوگ دوسرے لوگوں کو دنیا میں سزا دیتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں قیامت کے دن سزا دے گا۔

۶۔ کتب میں ایک اور واقعہ بھی آتا ہے کہ حمص کے عمال میں سے ہشام بن حکم نے ایک سرکاری افسر عیاض بن غنم کو دیکھا جس نے ایک قبطی غیر مسلم شہری کو ٹیکس وصول کرنے کے لیے دھوپ میں کھڑا کر رکھا ہے۔ آپ اس پر سخت ناراض ہوئے، اس کی مذمت کی اور فرمایا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ قیامت کے دن اللہ رب العزت ان لوگوں کو خود سزا دے گا جو دنیا میں لوگوں کو سزا دیتے ہیں۔ (۲)

---

(۱) أبو يوسف، كتاب الخراج: ۱۳۵

(۲) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب البر والصلة والآداب، باب الوعيد الشديد لمن عذب الناس بغير حق، ۴: ۲۰۱۷، رقم: ۲۶۱۳

امام ابو یوسف اور دیگر ائمہ نے بھی اپنی اپنی کتب الخراج اور کتب الاموال میں اس بات کو درج کیا ہے کہ اگر کسی غیر مسلم شخص پر ٹیکس واجب الادا تھا لیکن ابھی اس کے ذمے اس کی قسطیں باقی تھیں کہ وہ فوت ہو گیا تو ریاست کی طرف سے اسے وہ ٹیکس معاف ہو جائے گا اور وہ اس کے وارثوں سے وصول نہیں کیا جا سکتا۔

۷۔ امام ابو یوسف ٹیکس کے اسلامی نظام کی مزید وضاحت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ غیر مسلم شہریوں کے لیے یہ حق بھی مقرر ہے کہ ان کا جو شخص بڑھاپے کے سبب کام کاج اور محنت مزدوری کرنے کے قابل نہ رہے یا کسی شخص پر بیماری یا کوئی آفت یا تکلیف آ جائے اور وہ اس بیماری کے سبب کام کاج کے قابل نہ رہے یا وہ پہلی زندگی میں مال دار تھا پھر کسی سبب سے غربت میں مبتلا ہو جائے اور اس کی غربت کی تصدیق ہو جائے تو ایسے تمام لوگوں کے ذمے واجب الادا اسلامی ٹیکس معاف کیے جاتے ہیں۔ علاوہ ازیں ایسے تمام غیر مسلم شہریوں کو ان کے اور اہلِ خانہ کے اخراجات کے لیے اسلامی بیت المال سے ماہانہ خرچ دیا جائے گا۔(۱)

اسلامی معیشت میں رائج ٹیکسز

اسلامی معیشت میں چار اقسام کے ٹیکس ہیں:

۱۔ زکوٰۃ

۲۔ عُشر

۳۔ جزیہ

۴۔ خراج

ان میں سے دو مسلمانوں کے لیے ہیں اور دو غیر مسلموں کے لیے ہیں۔ مسلمانوں کے ہر قسم کے مال پر زکوٰۃ ہے اور ان کی کاشت زمینوں پر عُشر ہے لیکن غیر مسلم نہ زکوٰۃ دیں

.... ۲۔ ابو یوسف، کتاب الخراج: ۱۳۵

(۱) أبو یوسف، کتاب الخراج: ۱۳۲

www.MinhajBooks.com

گے اور نہ عشر دیں گے بلکہ ان کی جگہ ان پر جزیہ اور خراج کے عنوان سے دو ٹیکس لگائے گئے ہیں۔ یہ بات ذہن نشین رہے کہ ٹیکس کے سلسلے میں غیر مسلموں پر معاذ اللہ کوئی جبر نہیں کیا گیا بلکہ غیر مسلموں اور مسلمانوں دونوں پر برابری کی بنیاد پر ٹیکس قوانین نافذ کئے گئے ہیں۔

صاف ظاہر ہے کہ ملکی ٹیکس ہر ملک کے ہر شہری پر واجب ہوتے ہیں اور انہیں سے بوڑھوں، بیماروں، مریضوں، محتاجوں اور بے روزگاروں کو انکم سپورٹ دی جاتی ہے اور ریاست کے دیگر شعبوں طب، دفاع، امنِ عامہ، عدل اور تعمیر و ترقی وغیرہ پر بھی انہی ٹیکسوں کی رقوم خرچ کی جاتی ہیں۔ ہر حکومت یہ سب اخراجات اپنے ملک کے شہریوں سے جمع کردہ ٹیکسز ہی سے پورے کرتی ہے۔ چنانچہ جس طرح آج ہر کوئی بغیر استثنیٰ کے ٹیکس دیتا ہے یہی تصور اسلامی نظام اور اسلامی ریاست کا بھی تھا۔ ہر شہری ٹیکس دیتا تھا، صرف ان کے عنوان جدا تھے، زکوٰۃ اور عشر قرآن مجید اور احادیث نبویہ کے مطابق مسلمانوں پر واجب ہیں، جبکہ غیر مسلموں پر یہ واجب نہیں۔

اسلام کی غیر مسلموں پر یہ شفقت ہی ہے کہ ان پر اسلام کے خالص مذہبی حکم نافذ نہیں کئے جاتے اور انہیں ان سب سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے لیکن بحیثیت شہری چونکہ انہیں یہ ٹیکس اپنی ہی بھلائی کے لیے دینا ہیں اس لیے انہیں زکوۃ وعُشر سے مستثنیٰ کر کے جزیہ اور خراج کے نام سے ٹیکس کا نفاذ کیا گیا۔ دریں حال کہ ان دو ٹیکسوں کے عوض انہیں دیگر تمام مسلم شہریوں کی طرح معاشرتی، قانونی، شہری، معاشی اور مذہبی آزادی کے حقوق دیے گئے اور اس سے بھی بڑھ کر جزیہ دینے والے تمام غیر مسلموں کو فوجی خدمات سے بھی مستثنیٰ رکھا گیا۔ ٹیکس کی ادائیگی سے انہیں جو فوائد ملتے ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ چاہیں تو اسلامی فوج میں یا سول سروس میں بھرتی ہو جائیں وگرنہ وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

واضح رہے کہ ریاستی حقوق کی کما حقّہ فراہمی کے ذرائع ہونے کے علاوہ یہ ٹیکس (معاذ اللہ) کوئی ایسی چیز نہیں کہ جس کا مقصد غیر مسلموں کو گھٹیا درجہ کے شہری بنانا ہو یا انہیں کسی قسم کا نیچا دکھایا جائے۔ مزید یہ کہ اِن ٹیکسوں کی ادائیگی میں بھی انہیں سہولت دینے کا حکم ہے۔ اسی

تناظر میں امام ابو یوسف نے فرمایا کہ اگر کسی غیر مسلم شہری پر ٹیکس ادا کرنا واجب تھا جو اس نے مکمل ادا نہیں کیا تھا یا اس میں سے کچھ ادا نہیں کیا تھا کہ اس کی موت واقع ہو گئی تو شریعتِ اسلامیہ کا قانون یہ ہے کہ اس کے ذمے واجب الادا یہ ریاستی قرض اس کی جائیداد بیچ کر یا اس کے وارثوں سے وصول نہیں کیا جائے گا بلکہ معاف کر دیا جائے گا۔ (۱) اسلامی ریاست میں غیر مسلموں کو دی جانے والی یہ ایسی منفرد سہولت ہے جو مسلمانوں کو بھی حاصل نہیں۔ اسلام نے تو گویا غیر مسلموں کی تالیفِ قلب کے لیے انہیں ان کی اپنی عیسائی یا یہودی ریاستوں سے بھی بہت بڑھ کر شفقت اور سہولت دی ہے جو مسلمانوں کو بھی حاصل نہیں۔

اسلامی تاریخ کا ایک نہایت اہم واقعہ ہے کہ جب حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ شام کے گورنر تھے تو جنگِ یرموک کے موقع پر رومیوں سے شدید جنگ کا خدشہ تھا کیونکہ انہوں نے زبردست فوج اور قوت تیار کر کے مسلمانوں پر حملے کا منصوبہ بنایا ہوا تھا۔ اس وقت شام کی سرزمین پر مسلمانوں کی حکومت تھی اور اس کے تمام مسلم اور غیر مسلم شہری اسلامی حکومت کو ٹیکس دیتے تھے لیکن جب اس خطے میں مسلمانوں کے سربراہ حضرت ابو عبیدہ رضی اللہ عنہ نے دیکھا کہ رومی سلطنت نے بہت بڑے لشکر کے ساتھ حملہ کر دیا ہے اور ممکن ہے کہ یہ علاقہ ہمارے قبضے سے نکل جائے اور ہم یہاں پر رہنے والے ٹیکس دہندگان کی حفاظت کا فریضہ انجام نہ دے سکیں تو انہوں نے اس خدشے کے پیشِ نظر غیر مسلموں کو ان کے تمام ٹیکس واپس کرنے کا فیصلہ کیا اور ان کا ٹیکس انہیں واپس کر دیا گیا۔ (۲)

پوری انسانی تاریخ میں دنیا کا کوئی مذہب، کوئی ریاست یا کوئی بھی حکومت اپنی اقلیتوں کے ساتھ اس قدر شفقت اور لطف کے اس رویہ کی مثال پیش کرنے سے قاصر ہے کہ مقبوضہ علاقے کے اسلامی سربراہ نے فقط ایک موہوم خدشے کے پیشِ نظر (جو بعد ازاں غلط بھی ثابت ہوا) اپنے افسروں اور عمال کو حکم دے دیا کہ تم غیر مسلم شہریوں سے جتنا بھی ٹیکس وصول

(۱) أبو یوسف، کتاب الخراج: ۱۳۲

(۲) ۱۔ أبو یوسف، کتاب الخراج: ۱۵۰

۲۔ بلاذری، فتوح البلدان: ۱۶۱

کر چکے ہو، اس کی تمام رقم انہیں فرداً فرداً واپس کر دو اور ساتھ ہی انہیں یہ بھی بتا دو کہ شاید ہم تمہاری حفاظت کا فریضہ ادا نہ کر سکیں اور تمہارے وہ حقوق جن کی ادائیگی اور بجا آوری ہماری ذمہ داری ہے وہ پوری نہ ہو سکے۔ لہٰذا اسلام اور اسلامی حکومت پر ایفائے عہد، ادائیگی حقوق اور ان کی حفاظت کی ذمہ داری میں کوتاہی کے الزام کے ڈر سے حضرت ابو عبیدہ بن جراح رضی اللہ عنہ نے ان سے وصول شدہ ٹیکسز واپس کرنے کا حکم دے دیا۔

یہ اسلام کی اعلیٰ تعلیم اور اس کے ماننے والے صحابہ کرام رضی اللہ عنھم کے عظیم کردار کا مظاہرہ تھا جسے حضرت ابو عبیدہ الجراح رضی اللہ عنہ نے بطور نمونہ تمام عالمِ انسانیت کے سامنے پیش کیا۔ یہ نمونہ بھی اسلامی تعلیمات اور پیغمبرِ اسلام ﷺ کی رحمت اور عدل کے نمائندہ مظاہر میں سے ایک ہے۔

اگر کسی شخص یا گروہ نے اسلام کا اس کے علاوہ کوئی اور نمونہ، اپنے ذہن میں سوچ رکھا ہے اور وہ اسے روبہ عمل لانا چاہتے ہیں تو وہ جان لیں کہ وہ اسلام کے نام پر سراسر غیر اسلامی نمونہ ہے کیونکہ جس طرزِ فکر یا ریاستی نظام میں اپنی اکثریتی یا اقلیتی رعایا کے لیے شفقت و رحمت، دیکھ بھال، بھلائی اور احسان نہ ہو وہ اسلامی ریاست کا نمونہ قطعاً نہیں ہو سکتا۔

۱۴۔ غیر مسلم شہریوں کو عقد توڑنے کی اجازت

ان غیر مسلم شہریوں کو اہلِ ذمہ بھی کہا جاتا ہے جو اسلامی ریاست کے شہری بن جاتے ہیں۔ چنانچہ دستوری طور پر اسلامی ریاست انہیں برابری کی بنیاد پر حقوق فراہم کرنے کی ذمہ دار ہوتی ہے۔ اس لیے کہ عقدِ ذمہ کا مطلب ہی یہی ہے کہ اسلامی ریاست ان کی جان، مال، عزت اور دیگر حقوق کی ضامن ہے۔ اسی سے لفظ 'ذمی' ہے جس کا مصداق وہ شخص ہے جسے اسلامی ریاست کی طرف سے دستوری طور پر حفاظت کی ضمانت دی گئی ہو۔

اس ضمن میں امام کاسانی اسلامی قوانین کے ایک اہم مصدر 'بدائع الصنائع' میں اسلامی فقہ و شریعت کا مذہبِ حنفی کی رو سے قاعدہ بیان کرتے ہیں:

اسلامی ریاست جب کسی غیر مسلم سے عقدِ ذمہ استوار کر لے تو اس کے پاس اسے

توڑنے کا قطعاً کوئی اختیار باقی نہیں رہتا۔ البتہ اگر ذمی چاہے تو وہ یہ عقد توڑ دے اور اسے ایسا کرنے کی پوری آزادی حاصل رہتی ہے۔[۱]

(۱) جرائم کے باوجود عقدِ ذمہ برقرار رہتا ہے

امام کاسانی مزید لکھتے ہیں کہ غیر مسلم شہری یعنی اہل ذمہ اگر بڑے جرائم کا ارتکاب اور حتی کہ اگر ٹیکس دینا بھی بند کر دیں (جو ان کے ساتھ عقدِ ذمہ کی بنیاد ہے) تو بھی ان سے طے پانے والا ان کی حفاظت کا عہد نہیں ٹوٹتا اور اسلامی حکومت اسے توڑنے کی قطعاً مجاز نہیں۔

امام کاسانی ان درج ذیل جرائم کو بھی بیان کرتے ہیں جن کے ارتکاب کے باوجود عقد ذمہ نہیں ٹوٹتا:

۱۔ اگر غیر مسلم، ٹیکس دینا بند کر دے تو اس صورت میں دیکھا جائے گا کہ اس کے پاس وسائل نہیں یا وسائل ہونے کے باوجود وہ انکاری ہے۔ سو اگر اس کے پاس وسائل نہیں رہے تو اسے ٹیکس معاف کر دیا جائے گا اور اگر وہ وسائل کے باوجود ٹیکس نہیں دے رہا تو جیسے مسلمانوں سے وصول کیا جاتا ہے اس سے بھی وصول کیا جائے گا۔

۲۔ اگر کوئی ذمی مسلمان کو قتل کر دے تو پھر بھی اس کا عقدِ ذمہ نہیں ٹوٹے گا۔ گو انصاف اور برابری کی بنیاد پر طے شدہ قانونی معاملات کے مطابق وہ سزا ضرور پائے گا۔

۳۔ اگر وہ کسی مسلمان عورت کے ساتھ بدکاری کا مرتکب بھی ہو جائے تب بھی عقدِ ذمہ نہیں ٹوٹے گا۔ بے شک قتل کی طرح اسے یہاں بھی قانونی سزا دی جائے گی۔[۲]

(۲) عقدِ ذمہ ٹوٹنے کی کیا صورت ہے؟

امام کاسانی لکھتے ہیں کہ عقدِ ذمہ صرف تین صورتوں میں ٹوٹتا ہے:

(۱) کاسانی، بدائع الصنائع، ۷: ۱۲۲

(۲) کاسانی، بدائع الصنائع، ۷: ۱۲۲

۱۔ اگر ذمی کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو جائے۔

مسلمان ہونے کی صورت میں وہ ذمی نہیں ، رہا لہٰذا وہ خراج اور جزیہ نہیں دے گا بلکہ اس سے زکوٰۃ اور عشر لیا جائے۔

۲۔ اگر وہ باغی ہو جائے یا دشمنوں سے مل جائے۔

دشمنوں کے ساتھ ملنے کی وجہ سے عقدِ ذمہ کا ٹوٹ جانا بالکل ایسے ہے جیسے آج کے دور میں ملک دشمن سرگرمیوں کے نتیجے میں کسی کی شہریت ختم کر دی جائے۔

۳۔ حکومتِ اسلامیہ کے خلاف ذمی ازخود بغاوت کر دے۔(۱)

ذمی بذاتِ خود حکومت اسلامیہ کے خلاف اعلانیہ بغاوت کرتے ہوئے ہتھیار اٹھا لے تو بھی عقد ذمہ ٹوٹ جاتا ہے

چنانچہ صرف یہ تین صورتیں ایسی ہیں جن کے سبب کسی بھی ذمی کا عقدِ ذمہ ٹوٹ جاتا ہے یعنی اس کا اسلامی حکومت کی دائمی محافظت میں رہنے کا دستوری حق سلب ہو جاتا ہے۔

۱۵۔ غیر مسلموں کے ساتھ اسلام کی دائمی پالیسی

غیر مسلم شہریوں پر رحمت و شفقت پر مبنی یہ قوانین بعد کے فقہاء کی اختراع نہیں بلکہ یہ خود رسول اللہ ﷺ اور خلفائے راشدین کے اسوۂ اور طرزِ عمل کی بنیاد پر استوار ہیں۔

۱۔ اس حوالے سے نجران کے عیسائیوں کے لیے حضور نبی اکرم ﷺ کی معاہداتی تحریر غیر مسلموں کے ساتھ اسلام کی دائمی پالیسی کی حیثیت رکھتی ہے۔ اس معاہدے کے الفاظ یہ ہیں:

وَلِنَجْرَانَ وَحَاشِيَتِهَا ذِمَّةُ اللهِ وَذِمَّةُ مُحَمَّدٍ النَّبِيِّ رَسُوْلِ اللهِ، عَلَى دِمَائِهِمْ وَأَنْفُسِهِمْ وَأَرْضِهِمْ وَأَمْوَالِهِمْ وَمِلَّتِهِمْ وَرَهْبَانِيَّتِهِمْ وَأَسَاقِفَتِهِمْ وَغَائِبِهِمْ وَشَاهِدِهِمْ وَغَيْرِهِمْ وَبَعْثِهِمْ وَأَمْثِلَتِهِمْ، لَا يُغَيَّرُ مَا كَانُوْا عَلَيْهِ، وَلَا يُغَيَّرُ

(۱) کاسانی، بدائع الصنائع، ۷: ۱۱۳

حَقٌّ مِنْ حُقُوقِهِمْ وَأَمْثِلَتِهِمْ، لَا يُغَيَّرُ أُسْقُفٌ مِنْ أُسْقُفِيَّتِهِ، وَلَا رَاهِبٌ مِنْ رَهْبَانِيَّتِهِ، وَلَا وَاقِفٌ مِنْ وَقَافِيَتِهِ، عَلَى مَا تَحْتَ أَيْدِيهِمْ مِنْ قَلِيلٍ أَوْ كَثِيرٍ، وَلَيْسَ عَلَيْهِمْ رَهَقٌ. (۱)

اللہ اور اُس کے رسول محمد ﷺ، اہلِ نجران اور ان کے حلیفوں کے لیے اُن کے خون، ان کی جانوں، ان کے مذہب، ان کی زمینوں، ان کے اموال، ان کے راہبوں اور پادریوں، ان کے موجود اور غیر موجود افراد، ان کے مویشیوں اور قافلوں اور اُن کے استھان (مذہبی ٹھکانے) وغیرہ کے ضامن اور ذمہ دار ہیں۔ جس دین پر وہ ہیں اس سے ان کو نہ پھیرا جائے گا۔ ان کے حقوق اور اُن کی عبادت گاہوں کے حقوق میں کوئی تبدیلی نہ کی جائے گی۔ نہ کسی پادری کو، نہ کسی راہب کو، نہ کسی سردار کو اور نہ کسی عبادت گاہ کے خادم کو - خواہ اس کا عہدہ معمولی ہو یا بڑا - اس سے نہیں ہٹایا جائے گا، اور ان کو کوئی خوف وخطرہ نہ ہوگا۔

۲۔ امام حمید بن زنجویہ (۲۵۱ھ) نے بیان کیا ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے وصال مبارک کے بعد عہد صدیقی میں بھی یہی معاہدہ نافذ العمل رہا، پھر عہد فاروقی اور عہد عثمانی میں تغیرِ حالات کے پیش نظر اس میں کچھ ترامیم کی گئیں، مگر غیر مسلموں کے مذکورہ بالا حقوق کی حفاظت و ذمہ داری کا وہی عمل کامل روح کے ساتھ برقرار رہا۔ (۲)

حضور نبی اکرم ﷺ کی طرف سے ضابطہ تحریر میں لائی گئی اس پالیسی میں اسلامی حکومت اور اسلامی حکومت کے حکام کا غیر مسلموں کے ساتھ رویے کا یہ خاکہ سامنے آتا ہے کہ

(۱) ۱۔ ابن سعد، الطبقات الكبرى، ۱: ۲۸۸، ۳۵۸
۲۔ أبو يوسف، كتاب الخراج: ۷۸
۳۔ أبو عبيد قاسم، كتاب الأموال: ۲۴۴، ۲۴۵، رقم: ۵۰۳
۴۔ ابن زنجويه، كتاب الأموال: ۴۴۹، ۴۵۰، رقم: ۷۳۲
۵۔ بلاذری، فتوح البلدان: ۹۰

(۲) ابن زنجويه، كتاب الأموال: ۴۵۰-۴۵۱، رقم: ۷۳۲

اسلامی قانون کے مطابق تمام اہلِ اسلام اور غیر اسلامی طبقات کے مابین درج ذیل امور میں آئینی برابری اور قانونی مساوات بہرصورت لازم ہوگی:

(۱) اہلِ ذمہ کی جان کی حفاظت

(۲) اہلِ ذمہ کے مال کی حفاظت

(۳) اہلِ ذمہ کی مذہبی آزادی اور ان کے مذہب کا تحفظ

(۴) اہلِ ذمہ کی عزت و آبرو کا تحفظ

(۵) اہلِ ذمہ کے رہنماؤں اور حلیفوں کا احترام و حفاظت

(۶) مسلمانوں کے ساتھ آئینی برابری

(۷) عسکری خدمات سے استثنیٰ

اہلِ ذمہ کی یہ وہ دستوری حیثیت ہے جو انہیں اسلامی حکومت کے ہر دور خصوصاً خلافتِ راشدہ میں بصورتِ حقوق حاصل رہی اور ان کی یہ حیثیت خود حضور نبی اکرم ﷺ کی متعین کردہ ہے۔ چنانچہ جب حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے دور میں حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے اہل عانات سے معاہدہ کیا تو وہ بھی انہیں خطوط پر استوار تھا۔ اس کی تفصیلات امام ابو یوسف کی 'کتاب الخراج' اور دیگر کتب الخراج اور کتب الاموال میں درج ہیں۔ اس کے بنیادی نکات یہ ہیں:

(۱) غیر مسلم اقلیتوں کی خانقاہیں اور عبادت گاہیں قائم رہنے دی جائیں گی۔

(۲) پنجگانہ نمازوں کے علاوہ تمام وقت وہ مذہبی رسوم (بشمول مذہبی نغمات و ناقوس) کی ادائیگی کے لیے آزاد ہوں گے۔

(۳) انہیں اپنے تہواروں پر (اپنے علاقے میں) صلیب نکالنے کی اجازت ہوگی۔[1]

---

(۱) أبو یوسف، کتاب الخراج: ۱۵۸

۳۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے جب شام کی طرف افواج بھیجیں تو سنتِ رسول ﷺ کے مطابق عساکرِ اسلام کو جن جنگی احکام کا پابند بنایا، ان کی مختصر فہرست یہ ہے:

(۱) غیر حربی یعنی غیر مسلح شہریوں کو قتل نہیں کیا جائے گا۔

(۲) ان کے درختوں اور پودوں کو نہ کاٹا جائے گا اور نہ ہی جلایا جائے گا۔

(۳) ان کے مویشیوں کو ہلاک نہیں کیا جائے گا۔

(۴) ان کی عبادت گاہوں کو منہدم نہیں کیا جائے گا۔

(۵) ان کے بچے، عورتیں اور بوڑھے اگر میدان جنگ میں بھی ہوں، تب بھی قتل نہیں کیا جائے گا۔

(۶) ان کے علماء و رھبان سے کسی قسم کا کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا یعنی انہیں کسی قسم کی تنگی اور پریشانی نہیں دی جائے گی۔(۱)

۴۔ اسلامی دستور کی یہی روایت حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کے بعد سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں بھی برقرار رہی۔ آپ رضی اللہ عنہ کے عہد میں حضرت نعمان بن مقرن رضی اللہ عنہ نے اقلیتوں سے معاہدہ کیا اور سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ نے اس کی توثیق فرمائی۔ عہد فاروقی میں کئے گئے اس معاہدے اور دیگر معاہدات میں بھی یہی شقیں قائم رکھی گئیں:

---

(۱) ۱۔ مالك، الموطأ، كتاب الجهاد، باب النهي عن قتل النساء والولدان في الغزو، ۲:۴۴۷، رقم: ۹۶۵
۲۔ عبد الرزاق، المصنف، ۵:۱۹۹، رقم: ۹۳۷۵
۳۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۶:۴۸۳، رقم: ۳۳۱۲۱
۴۔ بيهقي، السنن الكبرىٰ، ۹:۸۹، ۹۰، رقم: ۱۷۹۲۷، ۱۷۹۲۹
۵۔ مروزی، مسند أبی بکر: ۶۹۔۷۲، رقم: ۲۱
۶۔ ابن عساکر، تاریخ مدینة دمشق، ۲: ۷۸
۷۔ هندی، کنز العمال، ۴: ۲۰۳، الرقم: ۱۱۴۰۹

(۱) ان کے اموال، نفوس اور اراضی ہر ایک پر ان کا قبضہ بدستور تسلیم کیا جاتا ہے۔

(۲) انہیں نہ تو ان کے دین سے ہٹایا جائے گا اور نہ ان کی شریعت سے تعرض کیا جائے گا۔

(۳) اُنہیں ہر سال ایک مرتبہ ٹیکس ادا کرنا ہوگا، یہ ٹیکس ہمارے مقرر کردہ امیر کو دینا ہوگا۔ اس سالانہ ٹیکس کے عوض ان کی حمایت و حفاظت کی جائے گی۔

(۴) سالانہ زرِ حفاظت ہر شخص کی مالی وسعت کے مطابق ہوگا۔

(۵) سالانہ زرِ حفاظت کے مکلّف صرف بالغ مرد ہوں گے۔

(۶) اُنہیں نووارد مسافروں کی رہنمائی کرنا ہوگی۔

(۷) گزرگاہوں کی حفاظت ان کے ذمہ ہوگی۔

(۸) مسلمان فوجی دستوں کی ایک دن کی مہمانی اور قیام کا انتظام کرنا ہوگا۔

(۹) اگر اُنہوں نے کسی معاملہ میں دھوکا دیا یا اُن شرائط میں کمی کی تو امان کی ذمہ داری ختم ہو جائے گی۔[1]

ان شقوں کا خلاصہ یہ ہے کہ انہیں ان کے مذہب سے نہیں ہٹایا جائے گا یعنی ان کی شریعت اور ان کے مذہبی تعلیمات سے کوئی تعرض نہیں کیا جائے گا۔ وہ سال میں صرف ایک دفعہ حکومت کو ٹیکس دیں گے جیسے مسلمان دیتے ہیں اور اس کے عوض انہیں بھی مسلمانوں کی طرح تمام رائج مراعات اور حقوق دیے جائیں گے اور ان کی حفاظت کی جائے گی۔ ان سے جزیہ و خراج یعنی ٹیکس ان کی مالی حیثیت کے مطابق وصول کئے جائیں گے۔ یہ ٹیکسز بھی صرف ان کے بالغ مردوں سے لیے جائیں گے۔ عورتوں، بچوں، بوڑھوں اور مریضوں سے نہیں لیے جائیں گے۔ سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی جاری کردہ یہ وہ حکومتی پالیسی تھی جو بعد ازاں ہر دور میں جاری ہوتی رہی۔

(۱) محمد حمید الله، الوثائق السياسية: ۳۵۸، وثيقة: ۳۳۱

۵۔ جب سیدنا فاروقِ اعظم رضی اللہ عنہ کی شہادت کا وقت قریب آیا تو آپ رضی اللہ عنہ نے اپنے وصال اور شہادت کے وقت یہ ہدایت دی کہ میں اپنے بعد منصبِ خلافت پر بیٹھنے والے کو اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے ذمہ میں آنے والی اقلیتوں کے حقوق کی حفاظت کی وصیت کرتا ہوں۔ اس لیے بھی کہ چونکہ ایک غیر مسلم نے غصے اور انتقام میں آ کر مجھے قتل کیا ہے، سو کہیں مسلمان بھی غصے اور انتقام میں آ کر غیر مسلم اقلیتوں کو ان کے حقوق سے محروم نہ کر دیں یا غیر مسلم شہریوں پر سختی نہ کی جائے اور ان کی حفاظت سے ہاتھ کھینچ نہ لیے جائیں۔

مزید فرمایا: میں وصیت کرتا ہوں کہ ان سے جو وعدے اسلامی حکومت نے کر رکھے ہیں وہ پورے ہوتے رہیں اور ان کی حفاظت کے لیے آپ لوگ لڑیں اور انہیں ان کی طاقت اور ہمت سے بڑھ کر تکلیف نہ دیں۔(1)

۶۔ اسی طرح غیر مسلموں کے حق میں خلافتِ عثمانی کا بھی یہی طریقہ کار تھا۔ اس تمام کی تفصیل امام دارقطنی کی 'السنن' (۳: ۱۴۵، رقم: ۱۹۳)، امام عبد الرزاق کی 'المصنف' (رقم: ۱۰۲۲۴)، امام بیہقی کی 'السنن الکبریٰ' (۸: ۳۳، رقم: ۱۵۷۰۹، ۱۵۷۱۱) اور امام شافعی کی 'الام' میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔

۷۔ اسی طرح خلافت سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ میں بھی یہی طریقہ تھا۔ مولا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم نے غیر مسلم اقلیتوں کی ذمہ داری اپنے اوپر لے رکھی ہے، اس لیے ان کا خون ہمارے خون کی طرح ہے، ان کی دیت ہمارے دیت کی طرح ہے اور وہ مسلمانوں کی طرح

(۱) ۱۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجنائز، باب ما جاء فی قبر النبی ﷺ وأبی بکر وعمر رضی اللہ عنہما، ۱: ۴۶۹، رقم: ۱۳۲۸
۲۔ بخاری، الصحیح، کتاب الجهاد والسیر، باب یقاتل عن أهل الذمة ولا یسترون، ۳: ۱۱۱۱، رقم: ۲۸۸۷
۳۔ ابن حبان، الصحیح، ۱۵: ۳۵۴، رقم: ۶۹۱۷
۴۔ أبو یوسف، کتاب الخراج: ۱۳۶

دیت میں بھی اور دیگر تمام قانونی حقوق میں بھی برابر ہیں۔(1)

دینِ اسلام کی حقیقی تعلیمات پر قائم اسلامی ریاست میں یہ تمام قوانین اپنی پوری آب و تاب اور قوت کے ساتھ رائج رہے۔ یہی وجہ ہے کہ مشہور مستشرق منٹگمری واٹ (Montgomery Watt) نے اپنی کتاب *Islamic Political Thought* میں اس امر کا اعتراف کرتا ہے کہ:

> The Christians were probably better off as *dhimmis* under Muslim Arab rulers than they had been under the Byzantine Greeks.(2)

عیسائی، عرب مسلم حکمرانوں کے دورِ اقتدار میں بطور غیر مسلم شہری اپنے آپ کو یونانی بازنطینی حکمرانوں کی رعیت میں رہنے سے زیادہ محفوظ اور بہتر سمجھتے تھے۔

۱۶۔ غیر مسلموں کے جمیع حقوق پر ائمہ اسلام کی اصولی کتب

حضور نبی اکرم ﷺ کے دورِ مبارک، خلافتِ راشدہ بعد ازاں تابعین، اتباع تابعین اور دیگر اسلامی ادوار میں غیر مسلموں کے ساتھ روا رکھے گئے اعلیٰ اور رحمت، شفقت اور عدل و انصاف پر مبنی سلوک کے حوالے سے جاننے کے لیے درج ذیل کتب کے صفحات کا جائزہ لیجیے:

(۱) امام اعظم، 'مسانید'

(۲) امام ابو یوسف، 'کتاب الخراج'

(۳) امام محمد بن الحسن الشیبانی، 'کتاب الآثار'

(۴) امام ابو عبید القاسم بن سلام، 'کتاب الاموال'

---

(۱) ۱۔ بیہقی السنن الکبری، ۸: ۳۴، رقم: ۱۵۷۱۲
۲۔ شافعی، المسند، ۱: ۳۴۴

(2) Watt, *Islamic Political Thought: The Basic Concepts*, p. 51.

(۵) امام یحییٰ بن آدم القرشی، 'کتاب الخراج'

(٦) امام شافعی، 'کتاب الام'

نیز تصنیف و تالیف کے اولین دور کی دیگر کتب الاموال اور کتب الخراج بھی ملاحظہ کی جائیں۔ ان سب کتب میں غیر مسلموں کے حقوق اور ان کے ساتھ اسلام کے حسنِ سلوک کا بیان ملتا ہے۔ ان کتب میں بالخصوص حضور نبی اکرم ﷺ کے سرکاری فرمودات، آپ ﷺ کے معاہدات اور آپ ﷺ کے خطوط پر مبنی دستاویزات کا مطالعہ خالی از دلچسپی نہیں۔ علاوہ ازیں ان کتب میں غیر مسلموں کے لیے، نرمی و سہولت پر مبنی، خلفائے راشدین کی دستوری و معاشرتی اور معاشی پالیسیز بھی تفصیل کے ساتھ مدون کی گئی ہیں۔

ہر چند کہ یہ تمام دستاویزات 'صحیح بخاری'، 'صحیح مسلم'، 'مسند احمد بن حنبل'، 'سنن ابی داوٗد'، 'سنن ترمذی'، 'سنن نسائی'، 'سنن ابن ماجہ'، 'موطا امام مالک'، 'مصنف عبد الرزاق'، 'مصنف ابن ابی شیبہ'، 'سنن دارمی'، 'معاجم الطبرانی'، 'سنن بیہقی'، 'طبقات ابن سعد'، 'تاریخ طبری'، 'سیرت ابن ہشام' اور دیگر بیسیوں کتب میں الگ الگ کثرت سے درج ہیں لیکن کتب الاموال اور کتب الخراج میں غیر مسلموں کے ساتھ اسلامی دستور کا یہ تمام مواد خصوصیت اور تفصیل کے ساتھ درج کیا گیا ہے۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ ایسا نہیں ہے کہ غیر مسلموں پر اسلام کے حسنِ سلوک پر مبنی قوانین کو بیان کرنے کے لیے محض ایک آدھ کتاب سے استفادہ کیا ہوگا، تاکہ دنیا کے سامنے اسلام کا نرم گیر اور معتدل ہونا ثابت کیا جا سکے بلکہ حقیقت یہ ہے کہ اس موضوع پر قدما کی درجنوں نہیں بلکہ پچاسوں کتب ہیں جو انسانی حقوق کے موضوع پر تفصیلی لوازمہ فراہم کرتی ہیں۔ مذکورہ مصادر کے علاوہ دیگر مصادر میں امام محمد کی کتب 'ظاہر الروایۃ' بھی شامل ہیں جو امام اعظم ابو حنیفہ کی امام محمد بن شیبانی کو املا کردہ کتب ہیں۔ ان میں 'الجامع الصغیر'، 'الجامع الکبیر'، 'السیر الصغیر' اور 'السیر الکبیر' شامل ہیں۔ ان میں 'السیر الکبیر' پبلک انٹرنیشنل لاء پر ہے اور 'السیر الصغیر' پرائیویٹ انٹرنیشنل لاء پر مبنی ہے۔ ان کا موضوع ہی غیر مسلم اقلیتوں کے لیے قوانین کی تفصیل

ظاہر کرنا ہے۔ ان کے علاوہ آپ کی دیگر کتب یعنی کتب ظاہر الروایہ میں بھی جا بجا اس موضوع پر لوازمہ مذکور ہے جن کی شرح شمس الائمہ امام سرخسی نے ۳۰ جلدوں میں لکھی ہے۔

امام محمد کی ان کتب کے بعد بھی ان موضوعات پر لکھا جاتا رہا جس کا سلسلہ علامہ ابنِ القیم کی 'احکام اہل الذمہ' تک پھیلا ہوا ہے۔

انہی کتب میں سے اپنی قدامت اوراہمیت کے اعتبار سے ایک نادر کتاب جو قومی و بین الاقوامی قوانین پر مشتمل ادبیاتِ اسلامیہ کی جامع کتب الاموال میں سے بھی ایک ہے۔ وہ امام ابنِ زنجویہ کے لقب سے معروف امام حمید بن مخلد قتیبہ بن عبد اللہ الخراسانی النسائی ابو احمد ازدی (م ۲۵۱ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ کتاب دو جلدوں میں ہے اور اس میں تقریباً ۲۳۰۰ احادیث روایت کی گئی ہیں۔ امام ابنِ زنجویہ کے بارے میں یہی کافی ہے کہ آپ امام ابوداؤد، امام نسائی، امام ابن ابی حاتم رازی اور (ابن عساکر اور خطیب بغدادی کے مطابق) امام بخاری کے بھی شیخ ہیں۔ ان کی یہ کتاب اس موضوع پر امہاتِ کتب میں سے ایک ہے۔

کتاب الاموال ہی کے نام سے اسی زمانے کے ایک اور امام القاضی اسماعیل بن اسحاق ازدی بصری مالکی (م۲۸۲ھ) کی کتاب بھی ہے اور ان کا زمانہ بھی امام بخاری، امام مسلم، امام ابو داؤد اور امام ترمذی وغیرہ کا زمانہ ہے۔

امام عبد اللہ بن محمد بن حیان الاصبہانی بھی تقریباً اسی دور کے ہیں اور انہوں نے بھی کتاب الاموال ہی کے نام سے اسی موضوع پر کتاب لکھی۔ الغرض دوسری، تیسری صدی کے کئی ائمہ نے محدّ ثانہ طور پر مسلم ممالک میں رہائش پذیر اقلیتوں کے حقوق و فرائض پر بہت سی کتب لکھیں۔

اسی موضوع پر لکھی گئی کتب الخراج کو دیکھیں تو وہ بھی کئی ائمہ نے تحریر کیں جن میں سرِفہرست امام ابو یوسف اور امام یحییٰ بن آدم القرشی ہیں جو قدامہ بن جعفر کے والد ہیں۔

غیر مسلموں کے اسلام میں متعین کردہ حقوق پر قدما محدّثین اور فقہا کی لکھی گئی ان کتب کا اجمالی تعارف اس غرض سے پیش کیا گیا تاکہ یہ امر واضح ہو جائے کہ اسلام میں بیان

کردہ غیر مسلموں کے حقوق کوئی آج کا موضوع نہیں ہے جو اسلام کی مدافعت میں خود سے گھڑ لیا گیا ہو۔ یاد رہے کہ یہ ایسا موضوع ہے جس کا تعین خود رسول اللہ ﷺ نے اپنے فرمودات و ارشادات کے ذریعے فرمایا اور اوّلین دور کے محدثین اور فقہا نے اس موضوع پر کثرت سے کتب تحریر کیں۔

فصل نمبر 10

حضور نبی اکرم ﷺ کی جانوروں پر رحمت و شفقت

اسلام کے دینِ رحمت و شفقت ہونے کا دائرہ کار صرف انسانوں تک محدود نہیں بلکہ جانوروں کے ساتھ بھی رحمت و شفقت کا سلوک اپنانے کا حکم تاکید سے دیا گیا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی حیاتِ مبارکہ میں ہمیں بے شمار ایسے واقعات ملتے ہیں کہ جانوروں پر بھی آپ ﷺ کی رحمت و شفقت کا سلسلہ جاری رہتا اور آپ ﷺ ان کے حقوق کی ادائیگی کے حوالے سے بھی تلقین و تاکید فرماتے تھے۔ اسلام نے جانوروں کے حقوق اور ان سے رحمت و شفقت کو کیوں اپنا موضوع بنایا۔ اس کا جواب ہمیں اس ارشادِ باری تعالیٰ سے میسر آتا ہے جس میں اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ وَلَا طٰئِرٍ يَّطِيْرُ بِجَنَاحَيْهِ اِلَّآ اُمَمٌ اَمْثَالُكُمْ.[1]

اور (اے انسانو!) کوئی بھی چلنے پھرنے والا (جانور) اور پرندہ جو اپنے دو بازوؤں سے اڑتا ہو (ایسا) نہیں ہے مگر یہ کہ (بہت سی صفات میں) وہ سب تمہارے ہی مماثل طبقات ہیں۔

یعنی تمہارے اور ان کے درمیان کئی حیاتیاتی، خاصیاتی اور تعاملاتی خواص مشترک ہیں۔ جیسے ان کی اور تمہاری ولادت، پرورش، دورانِ خون کا نظام، نظامِ انہضام، ہڈیاں بننا، گوشت پوست کے تیار ہونے اور کھانے پینے اور فضلات کے اخراج سمیت بے شمار معاملات ایک جیسے ہیں۔ اسی لیے انہیں انسانوں کے ساتھ مماثلت رکھنے والی مخلوقات قرار دیا گیا۔

یہ بات کہہ کر قرآنِ مجید نے ایک قاعدہ مقرر کر دیا کہ جیسے انسانی زندگی میں انسانوں کے تمام طبقات کے ساتھ اسلام میں رحمت و شفقت، امن و محبت، سہولت و احسان اور خیر خواہی

---

(۱) الأنعام، ۶:۳۸

www.MinhajBooks.com

کا سلوک کرنا تمام اہلِ اسلام پر واجب ہے اسی طرح حیوانات - جن میں پرندے، چوپائے اور دیگر تمام جاندار شامل ہیں - پر بھی شفقت و محبت، احسان و نرمی اور بھلائی کا سلوک واجب ہے۔ گویا اس آیت مبارکہ میں جانوروں کے حقوق مقرر کیے گئے ہیں۔

معلوم ہوا کہ اسلام نہ صرف انسانی حقوق کی ادائیگی کی طرح جانوروں کے حقوق کی ادائیگی کی بھی تلقین کرتا ہے بلکہ ان کی جسمانی و ذہنی صحت کی بحالی کا حکم بھی دیتا ہے۔ ان کی خدمت ہی نہیں بلکہ ان کی صحت کا خیال رکھنا بھی ضروری ہے۔ اس لیے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کے احکامِ رحمت و شفقت تمام زندہ مخلوقات کے لیے بھی ہیں کیوں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کے مبارک سر پر رحمۃً للعالمین کا تاج سجایا ہے۔

جب اللہ رب العزت جمیع مخلوقات پر اپنی رحمت و شفقت اوران کی ضروریاتِ زندگی کی کفالت کی بات کرتا ہے تو خود کو رب العالمین کہتا ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ کو رحمۃٌ للعالمین فرماتا ہے۔ اس لیے کہ وہی سارے جہانوں اور جمیع طبقات کا پرورش کرنے والا ہے اور حضور نبی اکرم ﷺ جمیع جہانوں اور تمام طبقاتِ مخلوق کے لیے رحمت و شفقت ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کو فرمایا:

عَلَيْكِ بِالرِّفْقِ! إِنَّ الرِّفْقَ لَا يَكُوْنُ فِي شَيْءٍ إِلَّا زَانَهُ وَلَا يُنْزَعُ مِنْ شَيْءٍ إِلَّا شَانَهُ. (۱)

اپنے آپ پر نرمی اور ملاطفت کا سلوک لازم کر لو (کیونکہ) جس کام میں نرمی ہو، اللہ تعالیٰ اس کی شان اور قدر و قیمت کو بڑھا دیتا ہے؛ اور جس کام میں نرمی نہ ہو اس کی قدر و قیمت اللہ تعالیٰ کم کر دیتا ہے۔

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحیح، کتاب البر والصلة والآداب، باب فضل الرفق، ۴: ۲۰۰۴، رقم: ۲۵۹۴

۲۔ أبوداود، السنن، کتاب الجهاد، باب ما جاء في الهجرة وسكنى الدر، ۳: ۳، رقم: ۲۴۷۸

آیئے! اسی بنیادی اصول کو سامنے رکھتے ہوئے جانوروں پر شفقت کے حوالے سے فرامینِ نبوی کا مطالعہ کرتے ہیں:

ا۔ جنت و دوزخ کے فیصلے میں جانوروں کے ساتھ سلوک بھی دیکھا جائے گا

ا۔ حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

عُذِّبَتِ امْرَأَةٌ فِي هِرَّةٍ حَبَسَتْهَا حَتّٰى مَاتَتْ جُوْعًا، فَدَخَلَتْ فِيْهَا النَّارَ، قَالَ: فَقَالَ: وَاللهُ أَعْلَمُ، لَا أَنْتِ أَطْعَمْتِهَا وَلَا سَقَيْتِهَا حِيْنَ حَبَسْتِهَا وَلَا أَنْتِ أَرْسَلْتِهَا فَأَكَلَتْ مِنْ خَشَاشِ الْأَرْضِ. (1)

ایک عورت کو ایک بلی کی وجہ سے عذاب دیا گیا اُس نے اُس بلی کو (کسی جگہ) بند کر دیا تھا یہاں تک کہ وہ بھوک سے مرگئی۔ وہ عورت اُس کی وجہ سے دوزخ میں داخل کی گئی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: (اللہ تعالیٰ اُس سے فرمائے گا:) اللہ تعالیٰ خوب جانتا ہے کہ جب تو نے اُسے باندھا تو تو نے اُسے کھلایا نہ پلایا اور نہ ہی اُسے کھلا چھوڑا کہ وہ (خود) زمین کے کیڑے مکوڑے کھا لیا کرتی۔

اس عورت کے دیگر اعمال کا ذکر نہیں آیا لیکن اگر اس کی کوئی اور نیکیاں بھی تھیں تب بھی وہ تمام صرف ایک بلی کی جان تلف کرنے پر غارت گئی۔ اگر ایک بلی کے ساتھ برے

(1) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المساقاة، باب فضل سقي الماء، ۲: ۸۳۴، رقم: ۲۲۳۶

۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب السلام، باب تحريم قتل الهرة، ۴: ۱۷۶۰، رقم: ۲۲۴۲

۳۔ دارمي، السنن، ۲: ۴۲۶، رقم: ۲۸۱۴

۴۔ بيهقي، السنن الكبرى، ۵: ۲۱۴، رقم: ۹۸۵۱

سلوک پر اُسے دوزخ میں داخل کر دیا گیا ہے تو انسان پر ظلم اور اس کی جان کو تلف کرنے کا نتیجہ کیا ہو گا! اس کا اندازہ بخوبی کیا جا سکتا ہے۔

۲۔ حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ بنی اسرائیل کا ایک شخص سفر پر جا رہا تھا کہ راستے میں اسے سخت پیاس لگی، اس نے ایک کنواں دیکھا جس کی تہہ میں اسے پانی نظر آیا لیکن وہاں کوئی ڈول نہیں تھا۔ چنانچہ وہ کنویں میں اتر گیا اور اس میں سے پانی پیا۔ جب وہ پانی پی کر باہر نکلا تو اس نے دیکھا کہ پاس ہی ایک کتا لیٹا ہوا ہے جس کی زبان باہر نکلی ہوئی ہے اور وہ پیاس کی شدت کے سبب مٹی چاٹ رہا ہے اور بالکل موت کی دہلیز پر ہے۔ یہ دیکھ کر اس شخص نے کہا:

لَقَدْ بَلَغَ هٰذَا الْكَلْبَ مِنَ الْعَطَشِ مِثْلُ الَّذِي كَانَ بَلَغَ مِنِّي.

اِس کتے کی بھی پیاس سے وہی حالت ہو رہی ہے جو (کچھ دیر قبل) میری تھی۔

چنانچہ اس احساسِ دردمندی کے سبب وہ دوبارہ کنویں میں اترا اور اپنے چمڑے کے موزوں میں پانی بھر کر انہیں دانتوں میں دبا کر باہر آیا اور اس کتے کو موزوں میں بھرے ہوئے پانی سے سیراب کیا۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم فرماتے ہیں:

فَشَكَرَ اللهُ لَهُ فَغَفَرَ لَهُ.

اللہ تعالیٰ نے اُس کی یہ نیکی قبول کی اور اُس کی مغفرت فرما دی۔

یہ سن کر صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے پوچھا:

يَا رَسُوْلَ اللهِ، وَإِنَّ لَنَا فِي هٰذِهِ الْبَهَائِمِ لَأَجْرًا؟

یا رسول اللہ! کیا اِن جانوروں (کے ساتھ شفقت) میں بھی ہمارے لئے اجر ہے؟

آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے جواب فرمایا:

فِي كُلِّ كَبِدٍ رَطْبَةٍ أَجْرٌ.(۱)

ہر تر جگر والے (یعنی ہر زندہ جانور کے ساتھ ہمدردی اور مددگاری) میں اَجر ہے (یعنی اللہ تعالیٰ کی کسی بھی ذی روح مخلوق سے نیکی کرنے پر اجر ملتا ہے)۔

حضور نبی اکرم ﷺ کے اس فرمان نے نہ صرف اس دنیا میں جانوروں کے حقوق متعین کر دیے بلکہ ان پر رحم کرنے والے کے لیے آخرت میں اجر اور انہیں تکلیف دینے والے کے لیے سزا اور عذاب کی خبر بھی دے دی۔

۲۔ جانوروں سے حسنِ سلوک، خوفِ اِلٰہی کی علامت ہے

۱۔ حضرت سہل بن حنظلیہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

اتَّقُوا اللهَ فِي هٰذِهِ الْبَهَائِمِ الْمُعْجَمَةِ، فَارْكَبُوْهَا صَالِحَةً وَكُلُوْهَا صَالِحَةً.(۲)

---

(۱) ۱۔ بخاري، الصحيح، كتاب المساقاة، باب فضل سقي الماء، ۲: ۸۳۳، رقم: ۲۲۳۴

۲۔ مسلم في الصحيح، كتاب السلام، باب فضل سقي البهائم المحترمة وإطعامها، ۴: ۱۷۶۱، رقم: ۲۲۴۴

۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۲: ۵۱۷، رقم: ۱۰۷

۴۔ أبو داود، السنن، كتاب الجهاد، باب ما يؤمر به من القيام على الدّواب والبهائم، ۳: ۲۴، رقم: ۲۵۵۰

۵۔ مالك، الموطأ، ۲: ۹۲۹، رقم: ۱۶۶۱

(۲) ۱۔ أبو داود، السنن، كتاب الجهاد، باب ما يؤمر به من القيام على الدواب والبهائم، ۳: ۲۳، رقم: ۲۵۴۸

۲۔ ابن خزيمة، الصحيح، ۴: ۱۴۳، رقم: ۲۵۴۵

۳۔ منذري، الترغيب والترهيب، ۳: ۱۴۶، رقم: ۳۴۳۳

اِن بے زبان جانوروں کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو، جب یہ تن درست ہوں تو ان پر سوار ہوا کرو اور جب یہ تن درست ہوں تب ہی اِنہیں کھایا کرو۔

الغرض تمام امور جو ان کے ساتھ برتاؤ کے سلسلے میں روا رکھو، ان میں صالحیت، شفقت اور نرمی ہونی چاہیے۔

۲۔ حضرت عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ایک اونٹنی کو دیکھا کہ جو سختی سے بندھی ہوئی اور بے چین و پریشان ہے اور اس کے قریب مالک بھی نہیں ہے کہ جو اسے کھول دے۔ آپ ﷺ مسجد میں تشریف لے گئے اور نماز ادا کر کے نکلے تو آپ ﷺ نے اونٹنی کو اسی حال میں پایا۔ چنانچہ آپ ﷺ نے وہاں موجود لوگوں سے پوچھا: 'یہ اونٹنی کس کی ہے؟' اس پر ایک شخص آگے آیا اور بولا: 'یہ اونٹنی میری ہے، یا نبی اللہ۔' حضور ﷺ نے اس سے فرمایا:

أَلَا تَتَّقِي اللهَ تَعَالٰى فِيهَا؟ إِمَّا أَنْ تَعْقِلَهَا وَإِمَّا أَنْ تُرْسِلَهَا حَتّٰى تَبْتَغِيَ لِنَفْسِهَا.(1)

تمہیں اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا خوف نہیں ہے؟ چاہے تو اسے باندھ کر رکھو (اور چارہ ڈال) یا اسے کھلا چھوڑ دے تاکہ وہ خود چارہ وغیرہ کھا لے۔

یعنی تم نے اسے آزاد بھی نہ چھوڑا کہ یہ اپنی خوراک خود تلاش کر کے کھا لے اور خود بھی اسے اس کی خوراک نہیں دے رہے۔ یہ ظلم ہے!

۳۔ جانوروں کو اذیت دینے کی ممانعت

۱۔ حضرت شداد بن اوس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

إِنَّ اللهَ كَتَبَ الْإِحْسَانَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ، فَإِذَا قَتَلْتُمْ فَأَحْسِنُوا الْقِتْلَةَ، وَإِذَا

(۱) هيثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۱۹۶-۱۹۷

www.MinhajBooks.com

ذَبَحْتُمْ فَأَحْسِنُوا الذَّبْحَ، وَلْيُحِدَّ أَحَدُكُمْ شَفْرَتَهُ فَلْيُرِحْ ذَبِيْحَتَهُ.(۱)

اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کے ساتھ نیکی کرنے کا حکم دیا ہے، سو جب تم کسی شے کا شکار کرو تو اُسے اَحسن طریقے سے شکار کرو اور جب تم ذبح کرو تو احسن طریقے سے ذبح کرو، تم میں سے ہر شخص کو چاہیے کہ وہ چھری تیز کرے اور ذبیحہ کو آرام پہنچائے۔

یعنی اگر تم جانوروں کا شکار کر رہے ہو تو اس کے لیے بھی ایسا طریق اختیار نہ کرو جس سے انہیں اذیت پہنچے۔ نہ ہی تمہیں اس کی اجازت ہے کہ کسی جانور کو کند آلے سے ذبح کر کے اذیت دو۔ جانوروں کو تیز دھار آلے کے ساتھ ذبح کرو تا کہ اس کی جان جلد نکلے اور وہ بغیر اضافی تکلیف کے ذبح ہو جائیں۔

۲۔ حضرت قرہ بن عیاض ﷺ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی بارگاہ میں آ کر عرض کیا:

يَا رَسُوْلَ اللهِ، إِنِّي لَأَذْبَحُ الشَّاةَ وَأَنَا أَرْحَمُهَا، أَوْ قَالَ: إِنِّي لَأَرْحَمُ الشَّاةَ أَنْ أَذْبَحَهَا.

یا رسول اللہ! جب میں بکری کو ذبح کرتا ہوں تو مجھے اُس پر رحم آتا ہے، یا یہ کہا کہ مجھے بکری کو ذبح کرنے سے اُس پر رحم آتا ہے۔

یعنی ہر ممکن بھلائی اور نرمی سے کام لیتا ہوں اور اسے اضافی اذیت نہیں ہونے دیتا۔

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الصيد والذبائح، باب الأمر بإحسان الذبح والقتل وتحديد الشفرة، ۳: ۱۵۴۸، رقم: ۱۹۵۵

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۲۳، ۱۲۵، رقم: ۱۷۱۵۴، ۱۷۱۷۹

۳۔ ترمذی، السنن، كتاب الديات، باب ما جاء في النهي عن المثلة، ۴: ۲۳، رقم: ۱۴۰۹

۴۔ أبو داود، السنن، كتاب الضحايا، باب في النهي أن تصبر البهائم والرفق بالذبيحة، ۳: ۱۰۰، رقم: ۲۸۱۵

یہ سن کر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

وَالشَّاةُ، إِنْ رَحِمْتَهَا رَحِمَکَ اللهُ. (۱)

اگر تجھے بکری پر رحم آتا ہے تو اللہ تعالیٰ تجھ پر رحم فرمائے گا۔

گویا اسلام نے جانوروں پر بھی رحم کا صلہ، اللہ تعالیٰ کی رحمت کو قرار دیا ہے۔

۳۔ اسی حوالے سے حضرت ابو امامہ ﷺ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مَنْ رَحِمَ وَلَوْ ذَبِيْحَةَ عُصْفُوْرٍ رَحِمَهُ اللهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ. (۲)

جس نے (کسی چیز پر) رحم کیا خواہ چڑیا کے ذبیحہ پر ہی کیوں نہ ہو اللہ تعالیٰ قیامت کے روز اُس پر رحم کرے گا۔

اُس دور میں کچھ لوگوں کا طریقہ یہ تھا کہ وہ جانوروں کو ناجائز تکلیف دیتے، ان کے جسموں کو مسخ کر دیتے اور مختلف جانوروں کے جسموں یا چہروں پر سوئیوں، چاقوؤں یا دیگر بڑے آلات کے ذریعے گہرے زخم دیتے یا ان کے جسموں پر نشان بنا کر ان میں رنگ ڈالتے۔ حتیٰ کہ کئی لوگ مختلف جانوروں کو تیر مار مار کر نشانہ بازی سیکھتے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ان تمام امور کو حرام قرار دے دیا۔

۴۔ حضرت انس ﷺ بیان کرتے ہیں:

---

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳:۴۳۶، رقم:۱۵۶۳۰
۲۔ بخاری، الأدب المفرد: ۱۳۶، رقم: ۳۷۳
۳۔ ابن أبي شيبة، المصنف، ۵: ۲۱۴، رقم: ۲۵۳۶۱
۴۔ بزار، المسند، ۸: ۲۵۷، رقم: ۳۳۲۲

(۲) ۱۔ طبرانی، المعجم الکبیر، ۸:۲۳۴، رقم: ۷۹۱۵
۲۔ بيهقي، شعب الإيمان، ۷: ۴۸۲، رقم: ۱۱۰۷۰
۳۔ بخاری، الأدب المفرد: ۱۳۸، رقم: ۳۸۱
۴۔ هيثمی، مجمع الزوائد، ۴:۳۳

نَهَى النَّبِيُّ ﷺ أَنْ تُصْبَرَ الْبَهَائِمُ.[1]

حضور نبی اکرم ﷺ نے جانوروں کو باندھ کر مارنے سے منع فرمایا ہے۔

۵۔ حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کچھ لوگوں کے پاس سے گزرے تو وہ ایک بیل کو باندھ کر نشانہ بازی کے لئے تیروں سے مار رہے تھے۔ آپ ﷺ نے اس عمل کو سخت ناپسند فرمایا اور ارشاد فرمایا:

لَا تَمْثُلُوْا بِالْبَهَائِمِ.[2]

جانوروں کا مثلہ نہ کیا کرو (یعنی ان کے اعضاء کاٹ کر انہیں اذیت مت دو)۔

۶۔ حضرت عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

لَا تَتَّخِذُوْا شَيْئًا فِيْهِ الرُّوْحُ غَرَضًا.[3]

---

(۱) ۱۔ بخاری، الصحيح، كتاب الذبائح والصيد، باب ما يكره من المثلة والمصبورة والمجثمة، ۵: ۲۱۰۰، رقم: ۵۱۹۴
۲۔ مسلم، الصحيح، كتاب الصيد والذبائح، باب النهى عن صبر البهائم، ۳: ۱۵۴۹، رقم: ۱۹۵۶
۳۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۱۷۱، رقم: ۱۲۷۶۹
۴۔ أبو داود، السنن، كتاب الضحايا، باب في النهي أن تصبر البهائم والرفق بالذبيحة، ۳: ۱۰۰، رقم: ۲۸۱۶

(۲) ۱۔ نسائي، السنن، كتاب الضحايا، باب النهي عن المجثمة، ۷: ۲۳۸، رقم: ۴۴۴۰
۲۔ أبو يعلى، المسند، ۱۲: ۱۶۲، رقم: ۶۷۹۰
۳۔ مقدسي، الأحاديث المختارة، ۹: ۱۹۸-۱۹۹، رقم: ۱۸۵

(۳) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب الصيد والذبائح، باب النهي عن صبر البهائم، ۳: ۱۵۴۹، رقم: ۱۹۵۷

کسی جان دار کو (تیر اندازی کے لیے) ہدف مت بناؤ۔

۷۔ حضرت شرید بن سوید ﷺ روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

مَنْ قَتَلَ عُصْفُوْرًا عَبَثًا عَجَّ إِلَى اللهِ ﷻ يَوْمَ الْقِيَامَةِ يَقُوْلُ: يَا رَبِّ، إِنَّ فُلَانًا قَتَلَنِي عَبَثًا، وَلَمْ يَقْتُلْنِي لِمَنْفَعَةٍ.(۱)

جس نے کسی چڑیا کو بلا وجہ مار ڈالا تو وہ چڑیا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے سامنے عرض کرے گی: اے اللہ! فلاں شخص نے مجھے بلا وجہ بغیر کسی فائدہ کے قتل کیا تھا۔

۸۔ حضرت جابر بن عبداللہ ﷺ روایت کرتے ہیں کہ ہم حضور نبی اکرم ﷺ کے ساتھ ایک غزوہ پر جا رہے تھے۔ راستے میں ایک شخص نے اپنی اونٹنی کو تیز نہ چلنے کی وجہ سے اس پر لعنت بھیجی کہ خدا تمہیں تباہ و برباد کرے اور تو ہلاک ہو جائے۔ اس پر حضور نبی اکرم ﷺ نے اس

.... ۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۲۸۰، ۲۸۵، ۳۴۰، رقم: ۲۵۳۲، ۲۵۸۶، ۳۱۵۵

۳۔ ترمذی، السنن، کتاب الصيد، باب ما جاء في کراهية أکل المصبورة، ۴: ۷۲، رقم: ۱۴۷۵

۴۔ نسائي، السنن، کتاب الضحايا، باب النهي عن المجثمة، ۷: ۲۳۸، رقم: ۴۴۴۳

۵۔ ابن ماجه، السنن، کتاب الذبائح، باب النهي عن صبر البهائم وعن المثلة، ۲: ۱۰۶۳، رقم: ۳۱۸۷

(۱) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۳۸۹، رقم: ۱۹۴۸۸

۲۔ نسائي، السنن، کتاب الضحايا، باب من قتل عصفورا بغير حقها، ۷: ۲۳۹، رقم: ۴۴۴۶

۳۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۳: ۲۱۴، رقم: ۵۸۹۴

۴۔ طبراني، المعجم الکبير، ۷: ۳۱۷، رقم: ۷۲۴۵

شخص کو فوراً روک دیا اور فرمایا:

انْزِلْ عَنْهُ، فَلَا تَصْحَبْنَا بِمَلْعُوْنٍ.

(اگر تم نے اسے گالی اور بددعا دی ہے تو فوری طور پر) اِس اونٹ سے اُتر جاؤ، ہمارے ساتھ کسی ملعون جانور کو نہ رکھو۔

یعنی اگر یہ تمہاری بد دعا کی حق دار ہے تو اس پر سفر مت کرو۔

مزید فرمایا:

لَا تَدْعُوْا عَلٰی أَنْفُسِكُمْ، وَلَا تَدْعُوْا عَلٰی أَوْلَادِكُمْ، وَلَا تَدْعُوْا عَلٰی أَمْوَالِكُمْ، لَا تُوَافِقُوْا مِنَ اللهِ سَاعَةً يُسْأَلُ فِيْهَا عَطَاءٌ فَيَسْتَجِيْبُ لَكُمْ.(۱)

اپنے آپ کو بددعا نہ دو، نہ اپنی اولاد کو بددعا دو، نہ اپنے اموال کو بددعا دو، کہیں ایسا نہ ہو کہ یہ وہ ساعت ہو جس میں اللہ تعالیٰ سے کسی عطا کا سوال کیا جائے اور وہ تمہارے لئے اس بد دعا کو قبول کر لے۔

الغرض حضور نبی اکرم ﷺ نے جانوروں کے حقوق بھی متعین فرما دیے کہ اگر وہ تمہاری خدمت کرتے ہیں اورتم ان سے کام کاج لیتے ہوتو ان سے بھی محبت اور شفقت کرو۔ ان کے احسان کا انہیں اس سے بڑھ کرنہیں تو اُسی قدر ہی صلہ دو اور ان کے ساتھ بھلائی کرو۔

ان احادیث کے علاوہ بھی لعنت الدواب کی ممانعت پر بے شمار احادیث روایت کی گئی ہیں جو سب کی سب اس بات پر دلالت کرتی ہیں کہ جانوروں کو مارنا اور انہیں جسمانی تکلیف و

(۱) ا۔ مسلم، الصحیح، باب حدیث جابر الطویل وقصة أبی الیسر، ۴: ۲۳۰۴، رقم: ۳۰۰۹

۲۔ أبو داود، السنن، باب النهی أن یدعو الإنسان علي أهله وماله، ۲: ۸۸، رقم: ۱۵۳۲

۳۔ منذری، الترغیب والترهیب، ۲: ۳۲۲، رقم: ۲۵۵۵

اذیت دینا تو دور کی بات انہیں گالی اور بددعا بھی نہیں دے سکتے۔ یہ اسلام کی جانوروں پر رحمت و شفقت کے ایسے مظاہر ہیں جن کی نظیر تہذیبِ عالم آج تک پیش کر سکی اور نہ آئندہ کبھی کر سکے گی۔

۴۔ حشرات الارض کو ایذاء دینے کی ممانعت

اسلام کی یہ عمومی اور وسیع رحمت صرف چوپاؤں یا پرندوں تک ہی محدود نہیں بلکہ حشرات الارض یعنی کیڑے مکوڑے اور چیونٹیاں بھی اس رحمت سے محروم نہیں۔

۱۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ہم ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ ایک سفر کے دوران ایک ایسی وادی سے گزرے جو قریۃ النمل تھی یعنی اس جگہ نہایت کثیر تعداد میں چیونٹیاں تھیں۔ ہم میں سے کسی ایک شخص نے یہ سوچ کر کہ کہیں یہ چونٹیاں ہم پر چڑھ نہ جائیں، اس وادی کے کسی درخت میں آگ لگا دی جس سے وہ آگ پھیل گئی اور چیونٹیاں جل گئیں۔ جب حضور نبی اکرم ﷺ نے یہ دیکھا تو پوچھا:

مَنْ حَرَّقَ هٰذِهٖ؟

اِسے کس نے جلایا ہے؟

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! ہم نے یہ آگ لگائی ہے۔ اس پر آپ ﷺ خفا ہوئے اور فرمایا:

إِنَّهُ لَا يَنبَغِي أَنْ يُعَذِّبَ بِالنَّارِ إِلَّا رَبُّ النَّارِ. (۱)

---

(۱) أبو داود، السنن، كتاب الجهاد، باب في كراهية حرق العدو بالنار، ۳:۵۵، رقم: ۲۶۷۵

۲۔ ، أبو داود، السنن، كتاب الأدب، باب في قتل الذر، ۴: ۳۶۷، رقم: ۵۲۶۸

۳۔ بيهقي، دلائل النبوة، ٦: ۳۲-۳۳

آگ کے ساتھ عذاب دینا، آگ کے (پیدا کرنے والے) رب کے سوا کسی کے لئے مناسب نہیں ہے۔

یعنی کسی انسان کو آگ میں پھینک کر جلانا تو دور کی بات، چونٹیوں کو بھی تم آگ میں ڈال کر نہیں جلا سکتے۔ یوں اسلام میں ہمیشہ کے لیے آگ میں جلانے کی سزا حرام کر دی گئی۔

۲۔ دورِ جاہلیت میں عرب اپنے جانوروں کے جسموں پر سوؤں، نیزوں یا کسی اور تیز دھار آلہ سے چھید کر کے ان میں رنگ بھر کر پہچان کے لیے مختلف نشانیاں بناتے تھے جو نہایت اذیت ناک عمل ہوتا تھا۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ان کے گدھے کے ماتھے پر نشان بنا ہوا تھا۔ اسے دیکھ کر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

لَعَنَ اللهُ الَّذِي وَسَمَهُ. (۱)

اُس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہو جس نے اِسے داغا ہے۔

یعنی اللہ تعالیٰ اس کو اپنی شفقت سے محروم کر دیتا ہے جو اپنے جانوروں خواہ وہ گدھا ہی کیوں نہ ہو، کو کسی بھی طرح کی اذیت دے۔

۳۔ سیدنا جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ سے ہی مروی ہے:

نَهٰى رَسُوْلُ اللهِ ﷺ عَنِ الضَّرْبِ فِي الْوَجْهِ وَعَنِ الْوَسْمِ فِي الْوَجْهِ. (۲)

---

(۱) ۱۔ مسلم، الصحيح، كتاب اللباس والزينة، باب النهي عن ضرب الحيوان في وجهه ووسمه فيه، ۳: ۱۶۷۳، رقم: ۲۱۱۷
۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۳: ۳۲۳، رقم: ۱۴۴۹۹
۳۔ عبد الرزاق، المصنف، ۹: ۴۴۴، رقم: ۱۷۹۴۹
۴۔ ابن حبان، الصحيح، ۱۲: ۴۳۲، رقم: ۵۶۲۷
۵۔ أبو يعلى، المسند، ۴: ۷۶، رقم: ۲۰۹۹

(۲) مسلم، الصحيح، باب النهى عن ضرب الحيوان فى وجهه ووسمه فيه، ۳: ۱۶۷۳، رقم: ۲۱۱۶

رسول اللہ ﷺ نے جانوروں کے چہرے پر مارنے اور داغنے سے منع فرمایا ہے۔

۵۔ جانوروں کی ضروریات کا خیال رکھنے کا حکم

جانوروں پر حضور نبی اکرم ﷺ کی شفقت کا یہ بھی عالم تھا کہ آپ ﷺ جانوروں پر محبت سے ہاتھ پھیرتے۔ آپ ﷺ ایک انصاری شخص کے باغ میں داخل ہوئے، وہاں ایک اُونٹ بندھا ہوا تھا۔ حضرت عبد اللہ بن جعفر رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ جب اس اونٹ نے حضور ﷺ کو دیکھا تو:

حَنَّ وَذَرَفَتْ عَيْنَاهُ.

وہ رو پڑا اور اس کی آنکھوں سے آنسو بہ نکلے۔

حضور ﷺ اس کے پاس تشریف لے گئے:

فَمَسَحَ ذِفْرَاهُ فَسَكَتَ.

اس کے سر پر دستِ شفقت پھیرا تو وہ خاموش ہو گیا۔

آپ ﷺ نے پوچھا کہ اس کا مالک کون ہے اور یہ کس کا اونٹ ہے؟ انصار کا ایک نوجوان حاضر خدمت ہوا اور عرض کیا: یا رسول اللہ! یہ میرا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

أَفَلَا تَتَّقِي اللهَ فِي هَذِهِ الْبَهِيْمَةِ الَّتِي مَلَّكَكَ اللهُ إِيَّاهَا؟ فَإِنَّهُ شَكَا إِلَيَّ أَنَّكَ تُجِيْعُهُ وَتُدْئِبُهُ. (1)

---

(۱) أبو داود، السنن، كتاب الجهاد، باب ما يؤمر به من القيام على الدواب والبهائم، ۳: ۲۳، رقم: ۲۵۴۹

۲۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۱: ۲۰۵، رقم: ۱۷۵۴

۳۔ مقدسي، الأحاديث المختارة، ۹: ۱۵۹، رقم: ۱۳۵

۴۔ أبو عوانة، المسند، ۱: ۱۹۷،

۵۔ مزی، تهذيب الكمال، ۶: ۱۶۵، رقم: ۱۲۳۲

کیا تم اس بے زبان جانور کے معاملے میں اللہ تعالیٰ سے نہیں ڈرتے جس کا اللہ تعالیٰ نے تمہیں مالک بنایا ہے؟ اس نے مجھے شکایت کی ہے کہ تم اسے بھوکا رکھتے ہو اور اس سے بہت زیادہ کام لیتے ہو۔

اس طرح حضور نبی اکرم ﷺ نے رحمت و شفقت سے کام لیتے ہوئے نہ صرف اس کی شکایت دور کر بھی دی بلکہ آئندہ کے لیے اس کی زندگی میں راحت کا سامان بھی کر دیا۔

٦۔ پرندے بھی معرفتِ محمدی رکھتے تھے

حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ وہ حضور نبی اکرم ﷺ کے ہم راہ ایک درخت کے پاس سے گزرے۔ انہوں نے دیکھا کہ ایک چڑیا یا فاختہ تیزی سے اڑتی ہوئی آئی اور آپ ﷺ کے سرِ انور کے اوپر چکر لگاتے ہوئے زور زور سے چیخنے لگی جیسے کچھ کہہ رہی ہو۔ حضور ﷺ نے صحابہ سے پوچھا کہ اسے کس نے تکلیف دی ہے؟ ایک صحابی نے عرض کیا: یا رسول اللہ! میں اس کے بچے اٹھا لایا ہوں۔ (دوسری روایت میں ہے کہ اس صحابی نے کہا: یا رسول اللہ! میں اس چڑیا کے گھونسلے سے اس کے انڈے اٹھا لایا ہوں۔) حضور نبی اکرم ﷺ نے اسے حکم دیا کہ فوراً جاؤ اور اس کے بچے (یا انڈے) گھونسلے میں واپس رکھ دو۔[1]

جانوروں اور پرندوں کے شعور کا اندازہ کیجئے کہ جس کے ہاتھ میں اس کے بچے تھے وہ اس کے پاس نہیں گئی بلکہ تاجدارِ کائنات ﷺ کے پاس آئی۔ اس قسم کے دیگر بے شمار واقعات سیکڑوں احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہیں اور اس بات کا ثبوت ہیں کہ حضور نبی اکرم ﷺ نہ صرف تمام جہانوں اور ساری مخلوقات کے لیے رحمت ہیں بلکہ جمیع مخلوقات کے ہر ایک فرد کو آپ ﷺ

(١) ١۔ أبو داود، السنن، كتاب الجهاد، باب في كراهية حرق العدو بالنار، ٣:٥٥، رقم: ٢٦٧٥

٢۔ أبو داود، السنن، كتاب الأدب، باب في قتل الذر، ٤: ٣٦٧، رقم: ٥٢٦٨

٣۔ بيهقي، دلائل النبوة، ٦: ٣٢-٣٣

کے رحمۃ للعالمین ہونے کی معرفت اور پہچان بھی ہے۔ ہماری بدنصیبی ہے کہ ہم انسان ہوکر بھی حضور نبی اکرم ﷺ کو نہ پہچان سکیں۔ آپ ﷺ کی شان، مرتبہ اور عظمت کی معرفت نہ کر سکیں حالانکہ وہاں تو چڑیا، فاختائیں، مرغیاں، اونٹ، ہرن اور گھوڑے بھی آپ ﷺ کو پہچانتے ہیں حتیٰ کہ اس زمانے کے مختلف بہائم نہ صرف آپ ﷺ کو، آپ ﷺ کی شانِ رحمت و شفقت کو اور آپ ﷺ کے مرتبۂ داد رسی کو پہچانتے ہیں بلکہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں روتے اور داد رسی کے لیے فریاد بھی کرتے ہیں۔ دوسری طرف حضور نبی اکرم ﷺ ان کی بولیوں کو بھی جانتے ہیں۔ تبھی تو وہ آپ ﷺ کی بارگاہ میں دار رسی کے لیے حاضر ہوتے کیونکہ فریاد رسی کے لیے فریادی کی بولی کا جاننا اور سمجھنا ضروری ہے۔ جسے فریاد کرنے والے کی بولی ہی سمجھ میں نہ آئے، اسے خبر ہی نہ ہو کہ یہ اونٹ، ہرن، چڑیا یا فاختہ کیا کہہ رہی ہے، تو وہ کس طرح ان کی حاجت روائی کر سکتا ہے؟

۷۔ ہرن بھی بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں ملتجی ہوتے تھے

حضور نبی اکرم ﷺ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کے ساتھ ایک سفر پر جا رہے تھے کہ ایک شخص کی جھونپڑی کے پاس سے گزرے جہاں ایک ہرنی کھڑی تھی۔ جیسے ہی اس ہرنی کی نگاہ رسول اللہ ﷺ پر پڑی وہ اونچی آواز میں چیخنے لگی۔ آپ ﷺ یہ دیکھ کر رک گئے کہ یہ فریاد کر رہی ہے۔

جب حضور نبی اکرم ﷺ نے اس ہرنی کی بات سنی تو اس کے مالک کو بلایا اور کہا کہ یہ ہرنی تیری شکایت کر رہی ہے۔ گویا آپ ﷺ نے اس کی پوری درخواست کو سمجھ لیا۔ وہاں صحابہ کرام رضی اللہ عنہم بھی موجود تھے مگر ان میں کوئی بھی اس کی بولی نہ سمجھ سکا۔ یہ بولیاں سمجھنا اور فریاد رسی کرنا اس بات کی دلیل ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ تمام عوالم کی جمیع مخلوقات اور تمام طبقاتِ خلق کے لیے رحمت ہیں اور اللہ رب العزت کے اذن سے مشکل کشائی کرنے والے ہیں۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے ہرنی کی تکلیف سمجھ کر اس کے مالک سے کہا کہ یہ تمہاری شکایت کر رہی ہے۔ اس نے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ کیا شکایت کرتی ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: یہ کہتی ہے کہ میرے چھوٹے چھوٹے دو بچے ہیں، اس حال میں یہ مجھے شکار کر کے لایا ہے اور اب میرے بچے بھوک سے مر جائیں گے۔ نیز یہ درخواست بھی کرتی ہے کہ مجھے ایک مقررہ

وقت کے لیے چھوڑ دیا جائے تاکہ میں اپنے بچوں کو دودھ پلا کر واپس آ جاؤں۔ چونکہ اس نے مجھے پکڑ لیا ہے اس لیے اس کا مجھ پر حق ہے۔ آپ ﷺ اس سے کچھ دیر کی رخصت لے دیں۔

یہ سن کر مالک نے کہا کہ میں اسے چھوڑ تو دیتا ہوں لیکن اس کی ضمانت کون دے گا کہ یہ واپس آ جائے گی؟ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا کہ میں اس کا ضامن ہوں۔ جب تک یہ واپس نہیں آتی، میں یہیں کھڑا ہوں۔ اس شخص نے آپ ﷺ کی ضمانت پر ہرنی کو چھوڑ دیا۔ وہ چلی گئی۔ اس نے اپنے بچوں کو دودھ پلایا اور مقررہ وقت کے اندر ہی واپس آ کر آپ ﷺ کے سامنے سر جھکا کر کھڑی ہو گئی۔

حضور نبی اکرم ﷺ چونکہ جان گئے تھے کہ اس کے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں جو شام کو پھر بھوکے ہو جائیں گے اور جب ہم چلے جائیں گے تو یہ شخص اسے دوبارہ نہیں چھوڑے گا۔ اس لیے آپ ﷺ نے اس سے فرمایا: کیا تم اسے بیچتے ہو؟ اس نے عرض کیا: یا رسول اللہ! بیچنے کی کیا بات ہے، اگر یہ آپ کو درکار ہے تو یہ بھی آپ کی ہے اور میں بھی آپ کا غلام ہوں۔ یہ سن کر آپ ﷺ نے فرمایا کہ اسے آزاد کر دو۔ اس اعرابی نے فوراً اسے آزاد کر دیا۔

حدیث مبارک میں آتا ہے کہ:

فَخَرَجَتْ تَعْدُوْ وَهِيَ تَقُوْلُ: أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّکَ رَسُوْلُ اللهِ. (1)

جب وہ آزاد ہو کر وہاں سے نکلی تو اچھلتی اور رقص کرتی ہوئی وہاں سے (زبانِ حال سے) یہ کہتی ہوئی جا رہی تھی کہ میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور آپ اللہ کے رسول ہیں۔

اس موقع پر اس عقیدہ کی وضاحت بھی کر دیں کہ بعض لوگ حضور نبی اکرم ﷺ کو

(۱) ۱۔ طبراني، المعجم الکبير، ۲۳: ۳۳۱، رقم: ۷۶۳
۲۔ ابن عساکر، تاريخ مدينة دمشق، ۴: ۳۸۰
۳۔ هيثمي، مجمع الزوائد، ۸: ۲۹۵

اپنے جیسا سمجھتے ہیں۔ ان لوگوں سے سوال ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو دیگر امتیوں کی مثل کیسے سمجھ لیا جائے دریں حال کہ یہ بولیاں آپ ﷺ نے نہ کسی ادارے سے سیکھیں اور نہ ہی قرآن مجید میں یہ آپ کو سکھائی گئیں۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ کو کثیر علوم عطا کئے گئے اور مَا کَانَ وَمَا یَکُوْنُ کی ساری معرفتیں عطا کی گئیں۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَعَلَّمَکَ مَا لَمْ تَکُنْ تَعْلَمُ ط وَکَانَ فَضْلُ اللهِ عَلَیْکَ عَظِیْمًا○ (۱)

اور اس نے آپ کو وہ سب علم عطا کر دیا ہے جو آپ نہیں جانتے تھے، اور آپ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے○

۸۔ بھیڑیے بھی اپنی درخواست بارگاہِ رسالت مآب ﷺ میں پیش کرتے تھے

۱۔ مدینہ منورہ میں کئی بار بھیڑیئے، بھیڑوں اور بکریوں کا شکار کرنے کے لیے آتے تو لوگ انہیں زبردستی بھگا دیتے۔ ایک بار حضور نبی اکرم ﷺ نمازِ فجر پڑھ کر بیٹھے تھے کہ بھیڑیئے آپ ﷺ کی بارگاہ میں وفد کی صورت آئے اور دم کے بل بیٹھ کر اپنی زبان میں شکایت کرنے لگے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے ان کی بات سن کر صحابہ کرام ﷺ سے فرمایا کہ تمہیں معلوم ہے کہ یہ کیا کہہ رہے ہیں؟ صحابہ کرام ﷺ نے عرض کیا: اللہ اور اللہ کا رسول ﷺ بہتر جانتے ہیں۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا: یہ تمہاری شکایت کر رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ہمارا رزق اسی شکار میں لکھا ہے لیکن جب ہم شکار کرنے آتے ہیں تو یہ لوگ ہمیں بھگا دیتے ہیں، اس طرح تو ہم بھوک سے مر جائیں گے۔ یا رسول اللہ! ان سے فرمایئے کہ اگر یہ ہمیں شکار نہیں کرنے دیتے تو ہمارا مستقل حصہ لگا دیں تا کہ ہم بھوک کے ہاتھوں ہلاک ہونے سے بچ جائیں۔ یہ بات طے کر کے حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا اگر تم نے اپنے چھوٹے جانور بکریاں،

(۱) النساء، ۴: ۱۱۳

مرغیاں اور چھوٹے بچے وغیرہ بچانے ہیں تو انہیں ان کا حصہ دیا کرو۔[1]

یہ حضور نبی اکرم ﷺ کے رحمۃٌ للعالمین ہونے کے عملی مظاہر ہیں کہ بھیڑیئے، مرغیاں، فاختائیں، چڑیاں، ہرنیاں، اونٹنیاں الغرض تمام جانور اپنی فریاد کرنے، داد رسی چاہنے اور آپ ﷺ کی زیارت کرنے آپ ﷺ کی بارگاہ میں آتے۔

۲۔ آخر میں یہاں ضمناً عرض کرتے چلیں کہ ایک سفر میں حضور نبی اکرم ﷺ ایک جگہ آرام فرما رہے تھے۔ حضرت یعلیٰ بن مرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ ایک درخت اپنی جگہ چھوڑ کر آپ ﷺ کی بارگاہ میں حاضر ہوا۔ وہ کچھ دیر آپ ﷺ کے جسمِ اقدس پر جھکا اور پھر زمین کا سینہ چیرتا ہوا واپس اپنی جگہ پر جا کر نصب ہوگیا۔ حضور نبی اکرم ﷺ جب بیدار ہوئے تو صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا کہ آقا! ہم نے یہ منظر دیکھا۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جب میں آ کر اس کے پڑوس میں لیٹا تو اس نے دیکھا کہ آج میرے بخت کا ستارہ چمکا ہے، چنانچہ اس نے اللہ رب العزت سے اجازت طلب کی تھی کہ وہ اللہ تعالیٰ کے رسول ﷺ کی بارگاہ میں سلام عرض کرے، اور باذنِ الٰہی زمین چیر کر میرے پاس آیا اور سر جھکا کر اظہارِ ادب و احترام سلام عرض کرتا رہا اور پھر واپس اپنی جگہ چلا گیا۔[2]

الغرض شجر و حجر، جن و انس، حیوانات اور درند و پرند میں سے کوئی ایک مخلوق بھی ایسی نہیں ہے جو حضور نبی اکرم ﷺ کی کے دامنِ رحمت و شفقت اور دائرہ نفع بخشی میں نہیں ہے۔

---

(۱) ۱۔ دارمی، السنن، ۱: ۲۵، رقم: ۲۲
۲۔ ابن عساکر، تاریخ مدینۃ دمشق، ۴: ۳۷۶
۳۔ ابن کثیر، البدایۃ والنہایۃ، ۶: ۱۴۶

(۲) ۱۔ أحمد بن حنبل، المسند، ۴: ۱۷۰، ۱۷۳، رقم: ۱۷۵۸۳، ۱۷۶۰۱
۲۔ عبد بن حمید، المسند، ۱: ۱۵۴، رقم: ۴۰۵
۳۔ ابن عساکر، تاریخ مدینۃ دمشق، ۴: ۳۶۸
۴۔ هیثمي، مجمع الزوائد، ۹: ۵

۹۔ خلاصہ بحث

اسلام دینِ امن و رحمت ہے۔ اللہ رب العزت، پیغمبرِ اسلام ﷺ اور آپ ﷺ کی طرف اللہ تعالیٰ کا بھیجا ہوا دینِ اسلام بالترتیب نہ صرف ربِّ رحمت، نبیِ رحمت اور دینِ رحمت ہیں بلکہ ان تینوں کا مجموعی رویہ اور پیغام تمام اپنوں، بیگانوں، کافروں، مومنوں، مشرکوں، موحدوں، اہلِ کتاب و غیر اہلِ کتاب حتیٰ کہ حربی دشمنوں کے لیے بھی رحمت ہے۔ ان کے لیے بھی اسلام حکم دیتا ہے کہ ان کے بوڑھوں، عورتوں، بچوں، راہبوں، پادریوں حتی کہ ان کے درختوں، فصلوں اور گھروں سب کے لیے امان ہے۔ بے گناہ لوگوں کو قتل کر دینا، خودکش دھماکوں کے ذریعے ان کی جانیں لینا اور ان کا امن تباہ کر دینا یا ان کے گھروں کو آگ لگا دینا یہ سارے اعمال؛ اسلام، قرآن و سنت اور سیرتِ محمدی کے صریحاً خلاف ہیں۔

لہٰذا ہمیں اسلام کی صحیح معرفت حاصل کرنی چاہیے اور اپنی زندگیوں میں اس کی رحمت کو یوں رواں رکھنا چاہیے کہ ہم اپنوں، غیروں، غریب، امیر اور معاشرے کے ہر فرد کے لیے سراپا رحمت بن جائیں تاکہ دنیا کے سامنے اسلام کی ایک بہترین تصویر پیش ہو اور اسلام کے بارے میں اقوامِ عالم میں رائج غلط تصورات کا خاتمہ ہو سکے۔ دنیا میں اسلام کے بارے میں شکوک و شبہات کو ختم کرنا اور امن ، پیار اور رحم پر مبنی اسلام کے حقیقی پیغام کو تمام عالم تک پہنچانا امت مسلمہ پر فرض ہے تاکہ تمام دنیا اسلام کے دامنِ رحمت و شفقت سے وابستہ ہو کر اسلام سے فیض یاب ہو۔ اللہ تبارک و تعالیٰ ہمارے حال پر لطف و کرم فرمائے اور ہمیں اسلام کی صحیح معرفت عطا فرماتے ہوئے حسنِ سیرت سے مزین فرمائے۔ (آمین! بجاہِ سید المرسلین ﷺ)

مصادر و مراجع

۱. **القرآن الحکیم۔**

(۲) تفسیر القرآن

۲. **بغوی**، ابو محمد حسین بن مسعود بن محمد الفراء (۴۳۶-۵۱۶ھ/۱۰۴۴-۱۱۲۲ء)۔ **معالم التنزیل۔** بیروت، لبنان: دارالمعرفہ، ۱۴۱۵ھ/۱۹۹۵ء۔

۳. **بیضاوی**، ناصر الدین ابی سعید عبد اللہ بن عمر بن محمد شیرازی بیضاوی (م۷۹۱ھ)۔ **أنوار التنزیل۔** بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۶ھ/۱۹۹۶ء۔

٤. **خازن**، علی بن محمد بن ابراہیم بن عمر بن خلیل (۶۷۸-۷۴۱ھ/۱۲۷۹-۱۳۴۰ء)۔ **لباب التأویل في معانی التنزیل۔** بیروت، لبنان: دار المعرفہ۔

٥. **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (٨٤٩-٩١١ھ/١٤٤٥-١٥٠٥ء)۔ **الدر المنثور في التفسیر بالمأثور۔** بیروت، لبنان: دار المعرفۃ۔

٦. **طبری**، ابو جعفر محمد بن جریر بن یزید (۲۲۴-۳۱۰ھ/۸۳۹-۹۲۳ء)۔ **جامع البیان فی تفسیر القرآن۔** بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۴۰۰ھ/۱۹۸۰ء۔

٧. **قرطبی**، ابو عبد اللہ محمد بن احمد بن محمد بن یحیٰی بن مفرج اُموی (م٦٧١ھ)۔ **الجامع لأحکام القرآن۔** بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

٨. **ابن کثیر**، ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن کثیر بن زرع بصروی (۷۰۱-

www.MinhajBooks.com

۷۷۴ھ/ ۱۳۰۱-۱۳۷۳ء)۔ تفسیر القرآن العظیم۔ بیروت، لبنان: دارالفکر، ۱۴۰۱ھ۔

(۳) الحدیث

٩. **احمد بن حنبل**، ابو عبد اللہ بن محمد (١٦٤-٢٤١ھ/ ٧٨٠-٨٥٥ء) ۔**المسند**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ١٣٩٨ھ/ ١٩٧٨ء۔

١٠. **ازدی**، ربیع بن حبیب بن عمر بصری۔ **الجامع الصحیح مسند الامام الربیع بن حبیب**۔ بیروت، لبنان: دارالحکمۃ، ١٤١٥ھ۔

١١. **بخاری**، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (١٩٤-٢٥٦ھ/ ٨١٠-٨٧٠ء)۔ **الأدب المفرد**۔ بیروت، لبنان: دار البشائر الاسلامیہ، ١٤٠٩ھ/ ١٩٨٩ء۔

١٢. ــــ۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان + دمشق، شام: دارالقلم، ١٤٠١ھ/ ١٩٨١ء۔

١٣. **بزار**، ابو بکر احمد بن عمرو بن عبد الخالق بصری (٢١٠-٢٩٢ھ/ ٨٢٥-٩٠٥ء)۔ **المسند**۔ بیروت، لبنان: ١٤٠٩ھ۔

١٤. **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (٣٨٤-٤٥٨ھ/ ٩٩٤-١٠٦٦ء)۔ **السنن الکبری**۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ الدار، ١٤١٠ھ/ ١٩٨٩ء۔

١٥. ــــ۔ **السنن الصغری**۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ الدار، ۱۴۱۰ھ/ ۱۹۸۹ء۔

١٦. ــــ۔ **شعب الإیمان**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ١٤١٠ھ/ ١٩٩٠ء۔

١٧. ــــ۔ **معرفة السنن والآثار**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

١٨. **ترمذی**، ابو عیسیٰ محمد بن عیسیٰ بن سورہ بن موسیٰ بن ضحاک سلمی (٢١٠-٢٧٩ھ/

٨٢٥-٨٩٢ء)۔ السنن۔ بیروت، لبنان: دار الغرب الاسلامی، ١٩٩٨ء۔

١٩. **ابن جعد،** ابو الحسن علی بن جعد بن عبید ہاشمی (١٣٣-٢٣٠ھ/٧٥٠-٨٤٥ء)۔ **المسند۔** بیروت، لبنان: مؤسسہ نادر، ١٤١٠ھ/١٩٩٠ء۔

٢٠. **حاکم،** ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد (٣٢١-٤٠٥ھ/٩٣٣-١٠١٤ء)۔ **المستدرک علی الصحیحین۔** بیروت، لبنان: مکتبہ اسلامی، ١٣٩٨ھ

٢١. **ابن حبان،** ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (٢٧٠-٣٥٤ھ/٨٨٤-٩٦٥ء)۔ **الصحیح۔** بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ١٤١٤ھ/١٩٩٣ء۔

٢٢. **ابن حجر عسقلانی،** احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (٧٧٣-٨٥٢ھ/ ١٣٧٢- ١٤٤٩ء)۔ **الدراية في تخريج أحاديث الهداية۔** بیروت، لبنان: دارالمعرفۃ۔

٢٣. **حسام الدین ہندی،** علاء الدین علی متقی (م٩٧٥ھ)۔ **کنز العمال في سنن الأقوال والأفعال۔** بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ١٣٩٩ھ/١٩٧٩م۔

٢٤. **حمیدی،** ابو بکر عبد اللہ بن زبیر (م٢١٩ھ/٨٣٤ء)۔ **المسند۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ + قاہرہ، مصر: مکتبۃ المتنبی۔

٢٥. **حکیم ترمذی،** ابوعبد اللہ محمد بن علی بن حسن بن بشیر (م٣٢٠ھ)۔ **نوادر الأصول فی أحاديث الرسول ﷺ۔** بیروت، لبنان: دار الجیل، ١٩٩٢ء۔

٢٦. **ابن خزیمہ،** ابو بکر محمد بن اسحاق (٢٢٣-٣١١ھ/٨٣٨-٩٢٤ء)۔ **الصحیح۔** بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ١٣٩٠ھ/١٩٧٠ء۔

٢٧. **خوارزمی،** ابو الموید محمد بن محمود (٥٩٣-٦٦٥ھ)۔ **جامع المسانيد لأبی حنيفة۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

۲۸. **دارقطنی**، ابو الحسن علی بن عمر بن احمد بن مہدی بن مسعود بن نعمان (۳۰۶-۳۸۵ھ/ ۹۱۸-۹۹۵ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ۱۳۸۶ھ/۱۹۶۶ء۔

۲۹. **دارمی**، ابو محمد عبد اللہ بن عبد الرحمٰن (۱۸۱-۲۵۵ھ/۷۹۷-۸۶۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۴۰۷ھ۔

۳۰. **ابو داود**، سلیمان بن اشعث بن اسحاق بن بشیر بن شداد ازدی سجستانی (۲۰۲-۲۷۵ھ/ ۸۱۷-۸۸۹ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۴۱۴ھ/۱۹۹۴ء۔

۳۱. **دیلمی**، ابو شجاع شیرویہ بن شہردار بن شیرویہ ہمذانی (۴۴۵-۵۰۹ھ/۱۰۵۳- ۱۱۱۵ء)۔ **مسند الفردوس**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۹۸۶ء۔

۳۲. **ابن راہویہ**، ابو یعقوب اِسحاق بن اِبراہیم بن مخلد بن اِبراہیم بن عبداللہ (۱۶۱- ۲۳۷ھ/۷۷۸-۸۵۱ء)۔ **المسند**۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مکتبۃ الایمان، ۱۴۱۲ھ/۱۹۹۱ء۔

۳۳. **رویانی**، ابو بکر محمد بن ہارون (م۳۰۷ھ)۔ **المسند**۔ قاہرہ، مصر: مؤسسہ قرطبہ، ۱۴۱۶ھ۔

۳۴. **زیلعی**، ابو محمد عبد اللہ بن یوسف حنفی (م۷۶۲ھ)۔ **نصب الرایة لأحادیث الهدایة**۔ مصر، دار الحدیث، ۱۳۵۷ھ۔

۳۵. **سیوطی**، جلال الدین ابو الفضل عبد الرحمٰن بن ابی بکر بن محمد بن ابی بکر بن عثمان (۸۴۹-۹۱۱ھ/۱۴۴۵-۱۵۰۵ء)۔ **اللآئی المصنوعة فی الأحادیث الموضوعة**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ/۱۹۹۶ء۔

۳۶. ـــ۔ **الجامع الصغیر فی احادیث البشیر النذیر**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

٣٧. ـــ۔ الجامع الصغير فی احاديث البشير النذير۔

٣٨. **شاشی**، ابو سعيد ہیثم بن كليب بن شريح (۳۳۵ھ/۹۴۶ء)۔ **المسند**۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مكتبة العلوم و الحكم، ۱۴۱۰ھ۔

٣٩. **شافعی**، ابو عبد الله محمد بن ادريس بن عباس بن عثمان بن شافع قرشی (١٥٠-٢٠٤ھ/ ٧٦٧-٨١٩ء)۔ **المسند**۔ بيروت، لبنان: دار الكتب العلميه۔

٤٠. **ابن ابی شیبہ**، ابو بكر عبد الله بن محمد بن إبراہيم بن عثمان كوفی (١٥٩-٢٣٥ھ/ ٧٧٦-٨٤٩ء)۔ **المصنف**۔ رياض، سعودی عرب: مكتبة الرشد، ١٤٠٩ھ۔

٤١. **ابن ابی شیبہ**، ابو بكر عبد الله بن محمد بن إبراہيم بن عثمان كوفی (۱۵۹۔۲۳۵ھ/۷۷۶۔ ۸۴۹ء)۔ **المسند**۔ رياض، سعودی عرب: دار الوطن، ۱۹۹۷ء۔

٤٢. **طبرانی**، ابو القاسم سليمان بن احمد بن ايوب بن مطير اللخمی (٢٦٠-٣٦٠ھ/ ٨٧٣-٩٧١ء)۔ **مسند الشاميين**۔ بيروت، لبنان: مؤسسة الرساله، ١٤٠٥ھ/١٩٨٤ء۔

٤٣. ـــ۔ **المعجم الأوسط**۔ قاہرہ، مصر: دار الحرمين، ١٤١٥ھ۔

٤٤. ـــ۔ **المعجم الكبير**۔ موصل، عراق: مطبعة الزہراء الحديثة، ۱۴۰۴ھ/۱۹۸۳ء۔

٤٥. **طحاوی**، ابو جعفر احمد بن محمد بن سلامه بن سلمه بن عبد الملك بن سلمه (٢٢٩-٣٢١ھ/ ٨٥٣-٩٣٣ء)۔ **شرح معاني الآثار**۔ بيروت، لبنان: دار الكتب العلميه، ١٣٩٩ھ۔

٤٦. **طيالسی**، ابو داود سليمان بن داود جارود (١٣٣-٢٠٤ھ/ ٧٥١-٨١٩ء)۔ **المسند**۔ بيروت، لبنان: دار المعرفه۔

٤٧. **ابن ابی عاصم**، ابوبكر بن عمرو بن ضحّاک بن مخلد شيبانی (٢٠٦-٢٨٧ھ/ ٨٢٢-٩٠٠ء)۔ **السنة**۔ بيروت، لبنان: المكتب الاسلامی، ١٤٠٠ھ۔

www.MinhajBooks.com

٤٨. ـــ۔ الآحاد والمثاني۔ ریاض، سعودی عرب: دار الرایہ، ۱۴۱۱ھ/ ۱۹۹۱ء۔

٤٩. **عبد بن حمید**، ابو محمد بن نصر الکسی (م ٢٤٩ھ/ ٨٦٣ء)۔ **المسند۔** قاہرہ، مصر: مکتبۃ السنہ، ١٤٠٨ھ/ ١٩٨٨ء۔

٥٠. **عبد الرزاق صنعانی**، ابو بکر عبد الرزاق بن ہمام بن نافع صنعانی (١٢٦-٢١١ھ/ ٧٤٤-٨٢٦ء)۔ **المصنف۔** بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی، ١٤٠٣ھ۔

٥١. **عبد اللہ**، بن احمد بن حنبل (۲۱۳-۲۹۰ھ)۔ **السنة۔** دمام: دار ابن قیم، ۱۴۰۶ھ۔

٥٢. **ابو عوانہ**، یعقوب بن اسحاق بن اِبراہیم بن زید نیشاپوری (٢٣٠-٣١٦ھ/ ٨٤٥-٩٢٨ء)۔ **المسند۔** بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ١٩٩٨ء۔

٥٣. **قضاعی**، ابو عبد اللہ محمد بن سلامہ بن جعفر بن علی بن حکمون بن ابراہیم بن محمد بن مسلم (م٤٥٤ھ/ ١٠٦٢ء)۔ **مسند الشهاب۔** بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ١٤٠٧ھ/ ١٩٨٦ء۔

٥٤. **کنانی**، احمد بن ابی بکر بن اِسماعیل (٧٦٢-٨٤٠ھ)۔ **مصباح الزجاجة في زوائد ابن ماجه۔** بیروت، لبنان، دار العربیۃ، ١٤٠٣ھ۔

٥٥. **ابن ماجہ**، ابو عبد اللہ محمد بن یزید قزوینی (٢٠٩-٢٧٣ھ/ ٨٢٤-٨٨٧ء)۔ **السنن۔** بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ١٣٩٥ھ/ ١٩٧٥ء۔

٥٦. **مالک**، ابن انس بن مالک بن ابی عامر بن عمرو بن حارث اُصبحی (٩٣-١٧٩ھ/ ٧١٢-٧٩٥ء)۔ **الموطأ۔** بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ١٤٠٦ھ/ ١٩٨٥ء۔

٥٧. **ابن مبارک**، ابو عبد الرحمن عبد اللہ بن واضح مروزی (١١٨-١٨١ھ/ ٧٣٦-٧٩٨ء)۔ **المسند۔** ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ المعارف، ١٤٠٧ھ۔

www.MinhajBooks.com

٥٨. **مروزی**، ابو بکر احمد بن علی بن سعید اموی (٢٠٢-٢٩٢ھ)۔ **مسند أبي بکر**۔ بیروت، لبنان: المکتب الاسلامی۔

٥٩. **مسلم**، ابو الحسین ابن الحجاج بن مسلم بن ورد قشیری نیشاپوری (٢٠٦-٢٦١ھ/ ٨٢١-٨٧٥ء)۔ **الصحیح**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

٦٠. **مقدسی**، ضیاء الدین ابو عبد اللہ محمد بن عبد الواحد بن احمد بن عبد الرحمٰن بن اسماعیل بن منصوری سعدی حنبلی (٥٦٩-٦٤٣ھ/ ١١٧٣-١٢٤٥ء)۔ **الأحادیث المختارہ**۔ مکہ مکرمہ، سعودی عرب: مکتبۃ النہضۃ الحدیثۃ، ١٤١٠ھ/ ١٩٩٠ء۔

٦١. **منذری**، ابو محمد عبد العظیم بن عبد القوی بن عبد اللہ بن سلامہ بن سعد (٥٨١-٦٥٦ھ/ ١١٨٥-١٢٥٨ء)۔ **الترغیب والترھیب**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ١٤١٧ھ۔

٦٢. **نسائی**، ابو عبد الرحمٰن احمد بن شعیب بن علی بن سنان بن بحر بن دینار (٢١٥-٣٠٣ھ/ ٨٣٠-٩١٥ء)۔ **السنن**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ١٤١٦ھ/ ١٩٩٥ء۔

٦٣. ـــــ۔ **السنن الکبری**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ١٤١١ھ/ ١٩٩١ء۔

٦٤. **ہیثمی**، نور الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر بن سلیمان (٧٣٥-٨٠٧ھ/ ١٣٣٥-١٤٠٥ء)۔ **مجمع الزوائد ومنبع الفوائد**۔ قاہرہ، مصر: دار الریان للتراث + بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ١٤٠٧ھ/ ١٩٨٧ء۔

٦٥. ـــــ۔ **مسند الحارث (زوائد الهیثمی)**۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: مرکز خدمۃ السنۃ والسیرۃ النبویۃ، ١٤١٣ھ/ ١٩٩٢ء۔

٦٦. ـــــ۔ **موارد الظمآن اِلی زوائد ابن حبان**۔ بیروت، لبنان + دمشق، شام: دار الثقافۃ العربیۃ، ١٤١١ھ/ ١٩٩٠ء۔

٦٧. **ابو یعلی**، احمد بن علی بن مثنی بن یحییٰ بن عیسیٰ بن ہلال موصلی تمیمی (٢١٠-٣٠٧ھ/ ٨٢٥-٩١٩ء)۔ **المسند**۔ دمشق، شام: دار المأمون للتراث، ١٤٠٤ھ/ ١٩٨٤ء۔

(۴) شروحات الحدیث

٦٨. **انور شاہ کشمیری**، محمد انور بن مولانا محمد معظم شاہ کشمیری (١٢٩٢-١٣٥٢ھ)۔ **فیض الباري علی صحیح البخاري**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ١٣٩٩ھ/ ١٩٧٩ء۔

٦٩. **ابن حجر عسقلانی**، احمد بن علی بن محمد بن محمد بن علی بن احمد کنانی (٧٧٣-٨٥٢ھ/ ١٣٧٢-١٤٤٩ء)۔ **فتح الباري شرح صحیح البخاري**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ + لاہور، پاکستان: دار نشر الکتب الاسلامیہ، ١٤٠١ھ/ ١٩٨١ء۔

٧٠. **شوکانی**، محمد بن علی بن محمد (١١٧٣-١٢٥٠ھ/ ١٧٦٠-١٨٣٤ء)۔ **نیل الأوطار شرح منتقی الأخبار**۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ١٤٠٢ھ/ ١٩٨٢ء۔

٧١. **ابن عبد البر**، ابو عمر یوسف بن عبد اللہ بن محمد (۳۶۸-۴۶۳ھ/ ۹۷۹-۱۰۷۱ء)۔ **الاستذکار**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۰ء۔

٧٢. **عراقی**، زین الدین ابو زرعہ احمد بن عبد الرحیم بن حسین بن عبد الرحمٰن بن ابراہیم بن ابی بکر الکردی الاصل (۷۲۵-۸۰۶ھ/ ۱۳۲۵-۱۴۰۴ء)۔ **طرح التثریب في شرح التقریب**۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی۔

٧٣. **ملا علی قاری**، نور الدین بن سلطان محمد ہروی حنفی (م ١٠١٤ھ/ ١٦٠٦ء)۔ **مرقاۃ المفاتیح**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ١٤٢٢ھ/ ٢٠٠١ء۔

٧٤. **مناوی**، عبد الرؤف بن تاج العارفین بن علی بن زین العابدین (٩٥٢-١٠٣١ھ/ ١٥٤٥-١٦٢١ء)۔ **فتح السماوی**۔ ریاض، سعودی عرب: دار العاصمہ۔

.٧٥ ـــــ فیض القدیر شرح الجامع الصغیر۔ مصر: مکتبہ تجاریہ کبریٰ، ١٣٥٦ھ۔

(۵) أسماء الرجال

.٧٦ بخاری، ابو عبد اللہ محمد بن اسماعیل بن ابراہیم بن مغیرہ (١٩٤-٢٥٦ھ/ ٨١٠-٨٧٠ء)۔ التاریخ الکبیر۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ۔

.٧٧ ـــــ التاریخ الأوسط۔ حلب، شام: دار الواعی + بیروت، لبنان: مکتبہ دار التراث، ١٣٩٧ھ/ ١٩٧٧ء۔

.٧٨ ابن ابی حاتم، عبد الرحمٰن بن ابی حاتم محمد بن ادریس ابومحمد الرازی التمیمی (٣٢٧ھ)۔ الجرح والتعدیل۔ بیروت، لبنان: دار احیاء التراث العربی، ١٢٧١ھ۔

.٧٩ ابن حبان، ابو حاتم محمد بن حبان بن احمد بن حبان (٢٧٠-٣٥٤ھ/ ٨٨٤-٩٦٥ء)۔ الثقات۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ١٣٩٥ھ/ ١٩٧٥ء۔

.٨٠ ذہبی، شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان (٦٧٣-٧٤٨ھ/ ١٢٧٤-١٣٤٨ء)۔ سیر أعلام النبلاء۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ١٤١٣ھ۔

.٨١ مزی، ابو الحجاج یوسف بن زکی عبد الرحمٰن بن یوسف بن عبد الملک بن یوسف بن علی (٦٥٤-٧٤٢ھ/ ١٢٥٦-١٣٤١ء)۔ تہذیب الکمال۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ١٤٠٠ھ/ ١٩٨٠ء۔

(٦) الفقه

.٨٢ حصکفی، علاء الدین محمد بن علی بن محمد حنفی (١٠٨٨ھ/ ١٦٧٧ء)۔ الدر المختار علی ہامش الرد۔ بیروت، لبنان: دار الفکر، ١٣٨٦ھ۔

.٨٣ ابن زنجویہ، حمید (م ٢٥١ھ)۔ کتاب الأموال۔ ریاض، سعودی عرب: مرکز الملک

فیصل للبحوث والدراسات الاسلامیۃ، ١٤٠٦ھ/١٩٨٦ء۔

٨٤. **سرخسی**، امام شمس الدین السرخسی (م ۴۸۳ھ)۔ **کتاب المبسوط۔ بیروت، لبنان:** دارالمعرفہ، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

٨٥. ـــ۔ **شرح کتاب السیر الکبیر۔ بیروت، لبنان:** دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۷ء۔

٨٦. **شافعی**، ابو عبد اللہ محمد بن ادریس بن عباس بن عثمان بن شافع قرشی (۱۵۰-۲۰۴ھ/ ۷۶۷-۸۱۹ء)۔ **الأم۔ بیروت لبنان:** دار المعرفہ، ۱۳۹۳ھ۔

٨٧. **شیبانی**، ابو عبد اللہ محمد بن حسن بن فرقد (۱۳۲-۱۸۹ھ)۔ **کتاب الحجة علی أهل المدینة۔ بیروت، لبنان:** عالم الکتب، ۱۴۰۳ھ۔

٨٨. **ابن عابدین شامی**، محمد بن محمد امین بن عمر بن عبدالعزیز دمشقی (١٢٤٤-١٣٠٦ھ)۔ **رد المحتار علی الدر المختار۔ بیروت، لبنان:** دار الفکر، ١٤١٢ھ/ ١٩٩٢ء + کوئٹہ، پاکستان: مکتبہ ماجدیہ، ١٣٩٩ھ۔

٨٩. **ابو عبید**، قاسم بن سلام (م ۲۲۴ھ)۔ **کتاب الأموال۔ بیروت، لبنان:** دار الفکر، ۱۴۰۸ھ۔

٩٠. **ابن قدامہ**، ابو محمد عبد اللہ بن احمد مقدسی حنبلی (م ٦٢٠ھ)۔ **المغني في فقه الإمام أحمد بن حنبل الشيباني۔ بیروت، لبنان:** دارالفکر، ١٤٠٥ھ۔

٩١. **کاسانی**، علاء الدین (م ۵۸۷ھ)۔ **بدائع الصنائع في ترتيب الشرائع۔ بیروت، لبنان:** دار الکتاب العربی، ۱۹۸۲ء۔

٩٢. **مرغینانی**، برہان الدین ابو الحسن علی بن ابی بکر۔ **الهداية شرح بداية المبتدی۔ بیروت، لبنان:** دار ارقم، ۱۹۹۷ء۔

٩٣. **یحیٰ بن آدم**، ابو زکریا ابن سلیمان قرشی (م۲۰۳ھ)۔ **کتاب الخراج**۔ قاہرہ، مصر: المکتبۃ السلفیۃ ومکتبتھا، ۱۳۸۴ھ۔

٩٤. **ابو یوسف**، یعقوب بن ابراہیم انصاری (م۱۸۲ھ)۔ **کتاب الخراج**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفۃ۔

(۷) السیرۃ

٩٥. **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (۳۸۴۔۴۵۸ھ/ ۹۹۴۔ ۱۰۶۶ء)۔ **دلائل النبوہ**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۲۳ھ/ ۲۰۰۲ء۔

٩٦. **ابن جوزی**، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ (۵۱۰۔۵۷۹ھ/ ۱۱۱۶۔۱۲۰۱ء)۔ **الوفا بأحوال المصطفی ﷺ**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۸ھ/ ۱۹۸۸ء۔

٩٧. **حلبی**، علی بن برہان الدین (۱۴۰۴ھ)۔ **السیرۃ الحلبیۃ**۔ بیروت، لبنان، دارالمعرفہ، ۱۴۰۰ھ۔

٩٨. **زرقانی**، ابوعبد اللہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف بن احمد بن علوان مصری ازہری مالکی (۱۰۵۵-۱۱۲۲ھ/ ۱۶۴۵-۱۷۱۰ء)۔ **شرح المواہب اللدنیۃ**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۱۷ھ/ ۱۹۹۶ء۔

٩٩. **ابن سعد**، ابوعبد اللہ محمد (۱۶۸-۲۳۰ھ/ ۷۸۴-۸۴۵ء)۔ **الطبقات الکبری**۔ بیروت، لبنان: دار بیروت للطباعہ والنشر، ۱۳۹۸ھ/ ۱۹۷۸ء۔

١٠٠. **ابن قیم**، ابوعبداللہ محمد بن ابی بکر ایوب الزرعی (۶۹۱-۷۵۱ھ)۔ **زاد المعاد في هدي خير العباد**۔ بیروت، لبنان: موسسہ الرسالۃ، ۱۴۰۷ء/ ۱۹۸۶ء۔

١٠١. **ابن ناصر الدین الدمشقی**، شمس الدین ابو بکر محمد بن عبد اللہ بن محمد ابن اُحمد بن مجاہد القیسی

الدمشقی الشافعی (۷۷۷-۸۴۲ھ/ ۱۳۷۵-۱۴۳۸ء)۔ سلوة الكئيب بوفاة الحبيب ﷺ۔ الامارات: دار البحوث الاسلامیہ۔

۱۰۲. نبہانی، یوسف بن اسماعیل بن یوسف (۱۲۶۵۔۱۳۵۰ھ/ ۱۸۴۸۔۱۹۳۲ء)۔ حجة الله على العالمين في معجزات سيد المرسلين ﷺ۔ فیصل آباد، پاکستان: مکتبہ نوریہ رضویہ۔

۱۰۳. ابو نعیم، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران اُصبہانی (۳۳۶۔ ۴۳۰ھ/ ۹۴۸۔۱۰۳۸ء)۔ دلائل النبوة۔ حیدر آباد، بھارت: مجلس دائرہ معارف عثمانیہ، ۱۳۶۹ھ/ ۱۹۵۰ء۔

۱۰٤. ابن ہشام، ابو محمد عبد الملک حمیری (۲۱۳ھ/ ۸۲۸ء)۔ السيرة النبوية۔ بیروت، لبنان: دار الجیل، ۱۴۱۱ھ۔

(۸) العقائد

۱۰۵. ابن حیان، ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن جعفر بن حبان اصبہانی (۲۷۴۔۳۶۹ھ)۔ العظمة۔ ریاض، سعودی عرب: دار العاصمہ، ۱۴۰۸ھ۔

۱۰٦. ابن منده، ابو عبد اللہ محمد بن اسحاق بن یحییٰ (۳۱۰-۳۹۵ھ/ ۹۲۲-۱۰۰۵ء)۔ الإيمان۔ بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالہ، ۱٤۰٦ھ۔

(۹) التصوف والزهد

۱۰۷. ابن جوزی، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن علی بن محمد بن علی بن عبید اللہ (۵۱۰-۵۷۹ھ/ ۱۱۱۶-۱۲۰۱ء)۔ صفة الصفوة۔ بیروت، لبنان، دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۹ھ/ ۱۹۸۹ء۔

۱۰۸. تمام الرازی، ابو قاسم تمام بن محمد الرازی (۳۳۰-٤۱٤ھ)۔ الفوائد۔ ریاض، سعودی عرب: مکتبۃ الرشید، ۱٤۱۲ھ۔

١٠٩. **ابن سرایا**، محمد بن محمد بن علی بن ہمام بن راجی اللہ بن سرایا بن داود (٦٧٧-٧٤٥ھ)۔ **سلاح المؤمن في الدعاء**۔ بیروت، لبنان: دار ابن کثیر، ١٤١٤ھ/١٩٩٣ء۔

١١٠. **عبد القادر جیلانی**، شیخ السید محی الدین محبوب سبحانی غوث الثقلین ابو محمد عبد القادر الجیلانی الحسنی الحسینی (٤٧٠-٥٦١ھ/ ١٠٧٨-١١٦٦ء)۔ **القصيدة الغوثية المباركة**۔

١١١. **ابن قیم**، ابو عبد اللہ محمد بن ابی بکر ایوب جوزیہ (۶۹۱-۷۵۱ھ/ ۱۲۹۲-۱۳۵۰ء)۔ **مدارج السالكين**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۲۰۰۴ء۔

١١٢. **ابن مبارک**، ابو عبد الرحمٰن عبد اللہ بن واضح مروزی (١١٨-١٨١ھ/ ٧٣٦-٧٩٨ء)۔ **كتاب الزهد**۔ بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ١٤٢٥ھ/ ٢٠٠٤ء۔

١١٣. **ابو نعیم**، احمد بن عبد اللہ بن احمد بن اسحاق بن موسیٰ بن مہران أصبہانی (٣٣٦-٤٣٠ھ/ ٩٤٨-١٠٣٨ء)۔ **حلية الأولياء وطبقات الأصفياء**۔ بیروت، لبنان: دار الکتاب العربی، ١٤٠٥ھ۔

(۱۰) الآداب والأخلاق

١١٤. **ابن اسحاق الجهضمی**، اسماعیل بن اسحاق المالکی (۱۹۹-۲۸۲ھ)۔ **فضل الصلاة على النبي ﷺ**۔ مدینہ منورہ، سعودی عرب: دار المدینہ المنورہ، ۱۴۲۱ھ/۲۰۰۰ء۔

١١٥. **بیہقی**، ابو بکر احمد بن حسین بن علی بن عبد اللہ بن موسیٰ (٣٨٤-٤٥٨ھ/ ٩٩٤-١٠٦٦ء)۔ **الدعوات الكبير**۔ کویت، ١٤١٤ھ/ ١٩٩٣ء۔

١١٦. **ابن رجب حنبلی**، ابو الفرج عبد الرحمٰن بن احمد (٧٣٦-٧٩٥ھ)۔ **جامع العلوم والحكم في شرح خمسين حديثا من جوامع الكلم**۔ بیروت، لبنان: دار المعرفہ، ١٤٠٨ھ۔

۱۱۷. **سُلَمی،** ابو عبد الرحمٰن محمد بن حسین بن محمد الازدی السلمی نیشاپوری (۳۲۵۔۴۱۲ھ/۹۳۶۔ ۱۰۲۱ء)۔ **طبقات الصّوفیه۔** قاہرہ، مصر: مبطعة المدنی، ۱۴۱۸ھ/۱۹۹۷ء۔

۱۱۸. **مقدسی،** شمس الدین، ابوعبداللہ محمد بن مفلح بن محمد بن مفرج دمشقی (۷٦۳ھ)۔ **الآداب الشرعية۔** بیروت، لبنان: مؤسسۃ الرسالۃ، ۱٤۱۷ھ/۱۹۹٦ء۔

(۱۱) التاریخ

۱۱۹. **ابن اثیر،** ابو الحسن علی بن محمد بن عبد الکریم بن عبد الواحد شیبانی جزری (۵۵۵۔ ٦۳۰ھ/۱۱٦۰۔۱۲۳۳ء)۔ **الکامل في التاریخ۔** بیروت، لبنان: دار صادر، ۱۹۷۹ء۔

۱۲۰. **بلاذری،** احمد بن یحیٰی بن جابر (۲۷۹ھ)۔ **فتوح البلدان۔** بیروت، لبنان: دار الکتب العلمیہ، ۱۴۰۳ھ/۱۹۸۳ء۔

۱۲۱. **حمید اللہ،** ڈاکٹر محمد۔ **مجموعة الوثائق السیاسیة۔** بیروت، لبنان: دار الارشاد۔

۱۲۲. **ابن عبد الحکم،** ابو القاسم عبد الرحمٰن بن عبد اللہ عبد الحکم بن اعین قرشی مصری (۱۸۷- ۲۵۷ھ/۸۰۳-۸۷۱ء)۔ **فتوح مصر وأخبارھا۔** بیروت، لبنان: دارالفکر، ۱۴۱٦ھ/۱۹۹٦ء۔

۱۲۳. **ابن عساکر،** ابو قاسم علی بن حسن بن ہبۃ اللہ بن عبد اللہ بن حسین دمشقی (٤۹۹- ۵۷۱ھ/۱۱۰۵-۱۱۷٦ء)۔ **تاریخ مدینة دمشق۔** بیروت، لبنان: دار الفکر، ۱۹۹۵ء۔

۱۲٤. **ابن کثیر،** ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن کثیر بن زرع بصروی (۷۰۱۔۷۷۴ھ/ ۱۳۰۱۔۱۳۷۳ء)۔ **البدایة والنهایة۔** بیروت، لبنان: دار الفکر،

۱۴۱۹ھ/ ۱۹۹۸ء۔

(۱۲) الأدب و اللغة

۱۲۵. **راغب اصفہانی**، ابو قاسم حسین بن محمد (م ۵۰۲ھ/ ۱۱۰۸ء)۔ **المفردات فی غریب القرآن**۔ دمشق، شام: دار القلم + بیروت، لبنان، الدار الشامیہ، ۱۴۱۲ھ/ ۱۹۹۲ء۔

(۱۳) انگریزی کتاب

126. Watt, Montgomery Watt, *Islamic Political Thought: The Basic Concepts*, Edinburgh University Press, 1980.

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری

کا مرتّب کردہ

فروغِ امن اور اِنسدادِ دہشت گردی کا اِسلامی نصاب

Islamic Curriculum on Peace & Counter-Terrorism

www.MinhajBooks.com

1. فروغِ اَمن اور اِنسدادِ دہشت گردی کا اِسلامی نصاب: ریاستی سکیورٹی اِداروں کے افسروں اور جوانوں کے لیے
2. فروغِ اَمن اور اِنسدادِ دہشت گردی کا اِسلامی نصاب: اَئمہ، خطباء اور علماء کرام کے لیے
3. فروغِ اَمن اور اِنسدادِ دہشت گردی کا اِسلامی نصاب: اَساتذہ، وکلاء اور دیگر دانشور طبقات کے لیے
4. فروغِ اَمن اور اِنسدادِ دہشت گردی کا اِسلامی نصاب: طلبہ و طالبات کے لیے
5. فروغِ اَمن اور اِنسدادِ دہشت گردی کا اِسلامی نصاب: سول سوسائٹی کے جملہ طبقات کے لیے
6. دہشت گردی اور فتنہ خوارج (مبسوط تاریخی فتویٰ)
7. اِسلام دینِ اَمن و رحمت ہے
8. مسلمانوں اور غیر مسلموں کے باہمی تعلقات
9. اِسلام اور اَہلِ کتاب (تعلیماتِ قرآن و سُنّت اور تصریحاتِ اَئمہ دین)
10. الجہاد الاکبر
11. اِسلام میں محبت اور عدمِ تشدّد

www.MinhajBooks.com

12. اِسلام: دینِ اَمن یا دینِ فساد؟
13. اِسلام اور خدمتِ اِنسانیت ﴿اَلْأَحْکَامُ الشَّرْعِيَّة فِي کَوْنِ الْإِسْلَامِ دِيْنًا لِخِدْمَةِ الْإِنْسَانِيَّة﴾
14. رحمتِ اِلٰہی پر اِیمان اَفروز آیات و اَحادیث ﴿اَلْبَيَان فِي رَحْمَةِ الْمَنَّان﴾
15. جمیع خلق پر حضور نبی اکرم ﷺ کی رحمت و شفقت ﴿اَلْوَفَا فِي رَحْمَةِ النَّبِيِّ الْمُصْطَفٰی ﷺ﴾
16. اَربعین: رحمتِ مصطفیٰ ﷺ ﴿اَلْعَطَاءُ الْعَمِيْم فِي رَحْمَةِ النَّبِيِّ الْعَظِيْمِ ﷺ﴾
17. اِسلام میں اِنسانی حقوق
18. اَلإِنْتِبَاهُ لِلْخَوَارِجِ وَالْحَرُوْرَاءِ
19. لَا إِکْرَاهَ فِي الدِّيْنِ کا قرآنی فلسفہ
20. تحریک منہاج القرآن کا تصورِ دین
21. فرقہ پرستی کا خاتمہ کیونکر ممکن ہے؟
22. Islamic Curriculum on Peace & Counter-Terrorism: For Clerics, Imams and Teachers
23. Islamic Curriculum on Peace & Counter-Terrorism: For Young People and Students
24. Islamic Curriculum on Peace & Counter-Terrorism: Further Essential Reading
25. Fatwa on Terrorism and Suicide Bombings

26. Islam on Mercy and Compassion
27. Muhammad ﷺ: The Merciful
28. Muhammad ﷺ: The Peacemaker [underprint]
29. Relations of Muslims and non-Muslims
30. Islam on Serving Humanity
31. Islam on Love & non-Violence
32. The Supreme Jihad
33. Islamic Means of Peace [underprint]
34. Peace, Integration and Human Rights
35. Islamic Spirituality & Modern Science (The Scientific Bases of Sufism)
36. ISIS Exposed through Prophetic Traditions [underprint]
37. ISLAM: The Religion of Peace or Terror?
38. Teachings of Islam Series: Peace and Submission
39. Teachings of Islam Series: Faith
40. Teachings of Islam Series: Spiritual & Moral Excellence

www.MinhajBooks.com